جب ماہ رمضان شروع ہوتا ہے
تو رحمت کے دروازے کھول
دیئے جاتے ہیں
کتاب الصوم
تصنیف
استاذ العلماء، شیخ الفضلاء
حضرت مفتی محمد ابراہیم حنفی چشتی
شبیر برادرز
اردو بازار ۰ لاہور

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

بااہتمام	ملک شبیر حسین
سن اشاعت	مئی 2011ء / ربیع الثانی 1432ھ
طابع	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
کمپوزنگ	ورڈز میکر
سرورق	اے ایف ایس ایڈورٹائزرز 0345-4653373
قیمت	-/350 روپے

ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تاکہ وہ درست کر دی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکرگزار ہوگا۔

ترتیب

عرضِ مؤلف

الحمد لله رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رحمۃ للعالمین ۝

اَمّا بعد! برادرانِ اسلام! روزہ اسلام کا ایک اہم رکن ہے اور ایک عظیم عبادت خداوندی۔ مسلمان ہر سال ایک مہینہ اس عبادت کی حلاوت سے متلذذ ہو کر قرب خدا حاصل کرتے ہیں اور اللہ عزوجل کی رحمتوں سے مستفید و مستفیض ہوتے ہیں۔ اس ماہ مقدس میں خداوند قدوس کے انوار و تجلیات اور فیوض و برکات کی بارش ہوتی رہتی ہے جو کہ تھمتی نہیں اور پورا ایک ماہ روزہ داروں کو اپنی آغوش میں لیے رکھتی ہے۔ خداوند عالم کا بے پایاں لطف و کرم ہر ماہ رمضان المبارک میں ان پر سایہ فگن رہتا ہے جس کی وجہ سے روزہ دار بکثرت صلوٰۃ و تلاوت قرآن حکیم سے مستفیض ہوتا ہے۔ اور اس عبادت کی لذت حاصل کرتا ہے۔ اور یہی وہ لذت عبادت ہے جس کی وجہ سے روزہ دار اس عبادت شاقہ کو سہل اور آسان تصور کرتا ہے۔ اور دن کے وقت کھانے، پینے اور دیگر خواہشات نفسانی کو اس عبادت پر قربان کر کے خداوند قدوس کے حضور سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔

پھر ندائے خدا آتی ہے:

"الصوم لی وأنا اجزی به" "روزہ دار نے میرے لیے روزہ رکھا اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔"

نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل فرماتا ہے: روزہ دار کھانے اور پینے اور دیگر نفسانی خواہشات کو میرے لیے ترک کرتا ہے۔ اور روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔ اگرچہ جملہ اعمال اس کے لیے ہیں اور وہی ان اعمال پر جزا عطا فرماتا ہے لیکن ان اعمال بر میں سے اللہ عزوجل نے روزہ کو مخصوص فرمایا۔ اس لیے کہ جملہ اعمال کا تعلق حرکات سے ہے۔ مگر روزہ کا تعلق نیت سے ہے جو لوگوں سے مخفی ہے۔ اس سے ثابت ہوا روزہ ایک ایسا فعل ہے جس پر صرف اللہ عزوجل ہی مطلع ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ عزوجل نے روزہ کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا۔

محدث ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جملہ عبادات ان کے کرنے سے ظاہر ہوتی ہیں اور بہت کم ہے کہ وہ شوائب سے محفوظ ہوں مگر روزہ کہ اس کا تعلق نیت سے ہے لہٰذا وہ شوائب (ملاوٹ و دکھلاوا) سے محفوظ ہے۔ اسی لیے قرطبی نے فرمایا کہ اعمال بنی آدم چونکہ ان میں ریا و دکھلاوا کا دخول ممکن ہے اس لیے اُن اعمال کو بنی آدم کی طرف منسوب فرمایا بخلاف روزہ کے کہ اس میں ریا نہیں یعنی روزہ کے رکھنے سے اس میں ریا داخل نہیں ہوتی اگرچہ قول سے اس میں ریا آجاتی ہے۔ بخلاف بقیہ اعمال کے کہ ان میں محض ان اعمال کے فعل سے ہی ریا آجاتی ہے۔ اور فقط روزہ رکھنے سے روزہ ریا سے محفوظ ہے تو اللہ عزوجل نے روزہ کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا۔

جب یہ عبادت اتنی اہم ہے کہ جملہ عبادات میں سے اللہ عزوجل نے اس عبادت کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا تو ایسی عبادت کو فساد اور عدم اجابت سے بچانے کے لیے روزہ کے مسائل ضرور یہ ہر مسلمان کے لیے جاننا از حد ضروری ہیں۔ اسی چیز کو مدنظر رکھتے ہوئے راقم الحروف نے ''کتاب الصیام'' حصہ اوّل کو تحریر کیا جس میں روزہ کے جملہ مسائل بیان کئے گئے ہیں۔ جس کے پڑھنے سے بحمدہ تعالیٰ روزہ دار کو وہ جملہ مسائل ملیں گے جن سے وہ اپنے روزہ کی حفاظت کرسکتا ہے۔ اور معلوم کرسکتا ہے کہ وہ اپنے روزہ کو شوائب اور فساد سے کیسے بچاسکتا ہے۔ تاکہ یہ عبادت بلا شوائب و فساد کما حقہ بحکم خدا ادا کرسکے۔ اور اس عبادت کی لذت سے اچھی طرح مستفید و مستفیض ہوسکے۔

اگرچہ مسائل روزہ کے متعلق بیشمار کتب زینت طباعت سے مزین ہوکر منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔ لیکن ''کتاب الصیام'' ان سب میں سے ایک انفرادیت کی حامل کتاب ہوگی۔ آیات صیام کی مفصل تفسیر کے ساتھ ساتھ ان آیات مقدسہ سے علماء کرام نے جو مسائل استخراج کئے ہیں وہ بھی بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ معتمد کتب فقہاء و محدثین سے اختلافی مسائل پر تحقیقی بحث بھی شامل کی گئی ہے۔ مزید یہ کہ مفسر قرآن حضرت علامہ مفتی غلام رسول سعیدی صاحب زید مجدہ سے آیات صیام میں جو چند مسامحات واقع ہوئی ہیں ان کے مدلل جوابات بھی اس کتاب کی زینت ہیں۔ روزہ کی اہمیت وافادیت اور اس کے فوائد' نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق احادیث' دعا کے آداب اور اس کی اہمیت' قرآن مقدس کا لغوی معنی اور اس کے متعلق مسلمان کا عقیدہ' فضائل قرآن از احادیث' اعتکاف کے متعلق فضائل و مسائل' نماز تراویح کے فضائل و مسائل اور بیس رکعت نماز تراویح پر ایک دینی علمی تحقیقی اور اس کے علاوہ کئی دوسرے مسائل آپ کو اس کتاب میں ملیں گے۔ لہٰذا یہ ''کتاب الصیام'' مسائل روزہ کے متعلق ایک جامع کتاب ہوگی۔ اور انشاء اللہ العزیز ''کتاب الصیام'' حصہ دوئم میں علماء محدثین کی معتمد کتب احادیث سے روزہ کے فضائل پیش کئے جائیں گے۔ جن میں اولاً فرض روزہ کے فضائل اور اس کے بعد ہر قسم کے نفلی روزہ کے فضائل از احادیث مبارکہ تحریر کئے جائیں گے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ چیدہ چیدہ احادیث مبارکہ کی توضیح و تشریح بھی کی جائے گی۔ تاکہ ہمارے خطباء حضرات اس سے مستفید ہوسکیں۔ اور ماہ رمضان المقدس میں فضائل روزہ کو اچھی طرح بیان کرسکیں۔

اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسل سے اس کاوش کو اپنی بارگاہ صمدیت میں قبول فرمائے اور اس کتاب سے ہر مسلمان کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔

''زہے قسمت گر قبول اُفتد''

کتبہ محمد ابراہیم عفی عنہ الرحیم

مہتمم مدرسہ کنزالایمان فیضیہ،

سلطانیہ نصیرہ، تحصیل کھاریاں۔ ضلع گجرات

حامدا ومصليا: أمابعد ۔ فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیمo

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمo

یایھا الذین کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون۔

(سورۂ بقرہ، آیت:183)

ترجمہ: ’’اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے اگلی امتوں پر فرض ہوئے تھے۔ (آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام شریعتوں میں فرض ہوتے چلے آئے اگرچہ ایام واحکام مختلف تھے مگر اصل روزے سب امتوں پر لازم رہے) کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے۔‘‘ (کنزالایمان)

اس آیۂ مبارکہ کی توضیح وتشریح سے قبل لفظ ’’صوم‘‘ کا لغوی اور شرعی معنی اور ماہ رمضان کب فرض ہوا۔ اور کیا رمضان المبارک سے قبل کوئی روزہ فرض تھا اگر کوئی لازماً فرض تھا تو کیا وہ یوم عاشورہ کا روزہ تھا یا ہر مہینے کے تین روزے؟ کیا عاشورہ کا روزہ قریش کے ساتھ مکہ مکرمہ میں بھی رکھا گیا یا صرف مدینہ منورہ میں؟ کیا ہجرت سے قبل یہ روزہ فرض تھا یا ہجرت کے بعد فرض ہوا اور روزہ ماہ رمضان سے یہ روزہ منسوخ ہوا۔ اور یوم عاشورہ کے روزہ کی فرضیت کے متعلق ائمہ دین کا اختلاف اور اس کے دلائل کا بیان۔

لفظ صوم کا لغوی معنی:

لغت میں ’’صوم‘‘ کا معنی ہے کسی چیز سے رکنا اور اس کا ترک کرنا۔ خلیل نے کہا: ’’والصوم قیام بلا عمل ‘‘یعنی روزہ بلا عمل قیام ہے۔ امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں: ’’الصوم فی الاصل الامساك عن الفعل ‘‘الخ۔ یعنی اصل میں روزہ فعل سے رکنا ہے خواہ وہ کھانا ہو یا کلام یا چلنا۔ اس لیے جو گھوڑا بندھا ہوا ہو اور چارہ نہ کھا رہا ہو اسے صائم کہتے ہیں۔ ابوعبیدہ نے کہا: ’’کل ممسك عن طعام او کلام او سیر فھو صائم ‘‘جو بھی کھانے‘ کلام کرنے اور سیر کرنے سے رکا ہوا ہو اسے صائم کہتے ہیں۔ اور جب دوپہر کا وقت ہو جائے تو کہتے ہیں: ’’صام النھار صوما ‘‘یعنی دوپہر کا وقت ہو گیا۔ اور جب آفتاب وسط آسمان پر پہنچ جائے تو کہتے ہیں: ’’صامت الشمس ‘‘اور جب ہوا رک جائے تو کہتے: ’’صامت الریح ‘‘اور جب گھوڑا بغیر چارہ کھائے کھڑا ہو تو کہتے ہیں: ’’صام الفرس صوما‘‘

نابغہ بیانی نے کہا:

خیلی صیام وخیل غیر صائمة

تحت العجاج وأخری تعلك اللجما

’’کچھ گھوڑے بلا چارہ کھائے کھڑے ہیں اور کچھ کھا رہے ہیں اور دوسرے لگاموں کو چبا رہے ہیں۔‘‘

شتر مرغ کی بیٹ کو بھی ''صوم'' کہتے ہیں۔

جب کوئی آدمی درخت کے نیچے آرام کرنے کے لیے رکا ہوا ہو تو کہتے ہیں: ''صام الرجل بالصوم''۔ اور صوم درخت کا نام ہے۔ ابن منظور اپنی کتاب ''لسان العرب'' میں لکھتے ہیں: ابن اعرابی سے روایت ہے کہ ''والصوم'' شجر علی شکل الانسان کریه المنظر جدا '' الخ۔ صوم انسان کی صورت پر ایک قبیح اور نہایت بدصورت درخت ہے، جس کے پھل کو سانپوں کا سر کہا جاتا ہے۔ اس درخت کے پتے نہیں ہوتے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس درخت کی ٹہنیاں ہیں لیکن وہ پھیلتی نہیں۔ جھاڑ کے درخت کی طرح اگتا ہے اور وہ درخت لمبا نہیں ہوتا اور زیادہ تر وہ جلد دینی شبابہ میں اگتا ہے اور لغت حذیل میں بھی ''صوم'' ایک درخت ہے۔ اس طرح صاحب قاموس نے بھی لکھا ہے۔

اور صوم کی جمع۔ صوام۔ صیام۔ صوم۔ صیم۔ اور سیبویہ کے نزدیک صاد کی کسرے ''صیم'' بھی ہے۔

(الصحاح للجوہری، ج5، ص:1970، لسان العرب، ج7، ص:446، مفردات امام راغب، ص:293، قاموس ج4، ص:108)

صوم کا شرعی معنی:

شیخ کمال الدین محمد بن عبدالواحد شارح حدایہ لکھتے ہیں:

وفی الشرع أمساك عن الجماع وعن ادخال شیٔ بطناله حکم الباطن من الفجر الی الغروب عن نیة . (فتح القدیر، ج دونم، ص: 234)

''شرع میں جماع سے اور ایسی چیز کا بطن میں داخل کرنے سے جس کا حکم باطن کی مثل ہے بمع نیت فجر سے لے کر غروب آفتاب تک رکنے کو صوم کہتے ہیں۔''

مولانا جلال الدین خوارزمی کفایہ شرح حدایہ میں فرماتے ہیں:

وفی الشرع عبارة عن ترك الاكل والشرب والجماع من الصبح الی غروب الشمس بنیة التقرب من الاهل بأن یکون مسلماً طاهراً من حیض ونفاس .

(کفایه علی الهدایه فی ذیل فتح القدیر، ج دوئم، ص:233)

''شرع میں روزہ عبارت ہے بنیت تقرب صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے، پینے اور جماع کو ترک کرنے سے جو اس کا اہل ہو یہ کہ وہ مسلمان ہو اور عورت حیض اور نفاس سے پاک ہو۔''

اصطلاح شریعت میں فجر ثانی سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے، پینے، جماع اور اس کے ملحقات سے رک جانا روزہ کہلاتا ہے۔

ابن نجیم حنفی بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں فرماتے ہیں:

(قوله . هو ترك الاكل والشرب والجماع الخ) ای الصوم فی الشرع الامساك عن

المفطرات الثلاث حقيقة او حكما في وقت مخصوص من شخص مخصوص مع النية۔

(بحرالرائق جلد اول جزو دوم ص 259)

''شرع میں روزہ عبادت ہے تین مفطرات (کھانا، پینا، جماع) سے حقیقتاً یا حکماً (یعنی بھول کر کھانا وغیرہ) رکنا، باز رہنا نیت کے ساتھ شخص مخصوص سے وقت مخصوص میں۔ اسی طرح درمختار اور اس کی شرح ردالمختار میں ہے۔''

(ردالمختار، ج دوم، ص 87)

شیخ محمد بن سلیمان الموعد بشیخ زاده المعروف عابد آماد آفندی . مجمع الانهر فی شرح ملتقى البحر للشيخ ابراهيم بن محمد حلبى متوفی 956ھ جس کے متعلق صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں:

ملتقی الابحر وہ کتاب ہے جس کے قبول میں حنفیہ کے درمیان اتفاق ہے۔ (کشف الظنون، ص 1814)

حلب ملتقی الابحر لکھتے ہیں:

هو ترك الاكل والشرب والوطى من الفجر الى الغروب مع فية من اهله- وهو مسلم- عاقل -طاهر من حيض ونفاس۝ (مجمع الانہر، جلد اوّل، ص 230)

''روزہ عبارت ہے نیت کے ساتھ فجر صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے' پینے اور جماع ترک کرنے سے جو اس روزہ کا اہل ہو۔ (یہ ایسی نیت سے احتراز ہے جو روزہ کا اہل نہیں جیسے حیض اور نفاس والی عورتیں) اور روزہ کا اہل مسلمان (کافر نہیں) عاقل (مجنون نہیں) اور حیض اور نفاس سے پاک۔''

علامہ بدرالدین عینی شارح بخاری عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں:

ثم الكلام من وجوه: ماوجه تاخير كتاب الصوم وذكره آخر كتب العبادات وهو ان العبادات التي هو۝ الخ (عمدۃ القاری، جلد 10، ص 253)

علامہ عینی فرماتے یہاں کئی وجوہ سے کلام ہے۔

اول:

یہ کہ کتاب الصوم کی تاخیر اور اس کا مفروض عبادات میں آخر میں ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے؟ وہ یہ کہ عبادات جو کہ ایمان کے ارکان ہیں وہ چار ہیں: نماز، زکوۃ، حج اور روزہ۔ نماز کو اس لیے مقدم کیا گیا کہ وہ ایمان کے ساتھ متصل ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان: ''الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ'' ۝ اور دوسرا رکن یعنی زکوۃ نماز کے ساتھ متصل ہے جیسا کہ حدیث میں ''بنی الاسلام علی خمس'' الحدیث۔

پھر زکوۃ کا نماز کے بعد ذکر کیا گیا اس لیے کہ وہ نماز کے بعد دوسرا رکن ہے اور ایمان کے اعتبار سے تیسرا رکن۔ اور یہ کتاب وسنت سے ثابت ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ اس کے بعد حج کا ذکر ہے اس لیے کہ عبادات چار ہیں۔ دو محض بدنیہ اور یہ

نماز اور روزہ ہے۔ اور ایک محض مالیہ اور یہ زکوۃ ہے اور ایک عبادت ان دونوں (یعنی عبادت بدنیہ اور عبادت مالیہ) سے مرکب ہے اور یہ حج ہے۔ حال اس بات کا مقتضی تھا کہ روزہ کا نماز کے بعد ذکر کیا جاتا کیونکہ ان دونوں کا ایک ہی وادی سے تعلق ہے لیکن نماز کے بعد زکوۃ کا ذکر کیا جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ پھر اغلب مصنفین نے زکوۃ کے بعد صوم کا ذکر کیا چنانچہ ان دونوں کے درمیان کوئی مناسبت نہیں۔ اور جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تمام عبادات کے بعد آخر میں اس کو ذکر کیا یہی اوجہ وانسب ہے۔ اس لیے کہ زکوۃ کے بعد حج کا ذکر کرنا اس حیثیت سے مناسب ہے کہ دونوں (یعنی زکوۃ اور حج) مال کے خرچ کرنے پر مشتمل ہیں۔ اور پھر روزہ کا ذکر آخر میں آ گیا۔ یہاں شہاب الدین احمد قسطلانی نے کیا خوب بات کہی۔ جب صوم کا ذکر آخر میں آیا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ ایمان کا چوتھائی حصہ ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے: ''الصوم نصف الصبر'' روزہ صبر کا نصف ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان: ''الصبر نصف الایمان'' صبر ایمان کا نصف ہے۔

(ارشاد الساری شرح صحیح بخاری، جلد 4، ص: 496)

لہٰذا اس اعتبار سے روزہ ایمان کا چوتھائی حصہ بنا۔ اور ایمان کی نسبت روزہ عبادات میں سے چوتھے نمبر پر ذکر گیا ہے۔ معلوم ہوا روزہ اگر ایمان کا چوتھائی حصہ ہے تو اس کا ذکر بھی چوتھے نمبر پر ہونا مناسب تھا۔ (یہاں امام قسطلانی کی بات ختم ہوئی)۔

دوئم:

لغۃ اور شرعاً روزہ کی تفسیر۔ لغت میں روزہ کا معنی ہے رکنا، باز رہنا۔ جیسا کہ اللہ عز و جل نے حضرت مریم علیہا السلام سے حکایت کرتے ہوئے فرمایا:

''انی نذرت للرحمن صوما'' ای صمتا وسکوتا۔ یعنی میں نے خاموش رہنے کی اللہ کے ہاں نذر مانی ہے۔

اور شرع میں کھانے، پینے، جماع کرنے اور جو اس کے ساتھ ملحق ہے فجر ثانی سے غروب شمس تک رکھنے کا نام روزہ ہے۔

لہٰذا ذیل میں تحویل قبلہ سے متعلقہ احادیث پیش کی جاتی ہیں تا کہ فرضیت صیام کی تاریخ کا صحیح تعین ہو سکے۔

پہلے میں اُن احادیث کو بمعہ سند بیان کروں گا جن میں رواۃ نے پورے وثوق کے ساتھ سولہ ماہ کی مدت بیان کی ہے اور اس کے بعد وہ روایات ذکر کروں گا جن میں سولہ یا سترہ ماہ کے الفاظ آئے ہیں۔

وہ احادیث جن میں بالجزم سولہ ماہ کی مدت بیان کی گئی ہے۔

ابن سیدہ نے فرمایا: روزہ کھانے، پینے، جماع اور فضول کلام ترک کرنے سے عبارت ہے۔ ابن عربی نے کہا: عرف شرع میں نیت کے ساتھ زمانہ مخصوص میں مخصوص امساک کا نام ہے۔ ابن خذامہ نے کہا روزہ طلوع فجر ثانی سے لے کر غروب آفتاب تک مفطرات سے رکنے کا نام ہے۔ (عمدۃ القاری، جلد 10، ص: 253)

حافظ احمد بن علی حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

والصوم والصيام في اللغة الامساك ○ وفي الشرع أمساك مخصوص في زمن مخصوص ○ عن شيئ مخصوص بشرائط مخصوصة○ (فتح الباری شرح صحیح بخاری، جلد 4، ص:102)

لغت میں صوم اور صیام کا معنی ہے رکنا، باز رہنا اور شرع میں شرائط مخصوصہ کے ساتھ زمانہ مخصوص میں مخصوص چیز سے مخصوص امساک روزہ کہلاتا ہے۔

امام راغب فرماتے ہیں:

وفي الشرع امساك المكلف بالنِّيَّة عن تناول المطعم والمشرب ولا ستمناء والاستقاء من الفجر الى المغرب○ (مفردات امام راغب، ص:293)

روزہ شرع میں مکلف کا نیت کے ساتھ کھانے، پینے، استمناء (بالید) اور استقاء سے رکنے کا نام ہے۔

علماء فقہاء ومحدثین اور لغویین کے اقوال کی روشنی میں یہ بات واضح ہوگئی کہ صوم کا لغوی معنی رکنا، باز رہنا اور کلام وغیرہ سے خاموش رہنا ہے۔ اور شرعاً عمداً کھانے، پینے اور جماع کو بہ نیت تقرب صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک ترک کرنا روزہ سے عبارت ہے اگرچہ علماء کرام کے اقوال منقولہ بالفاظ مختلفہ تھوڑی سی کمی، بیشی کے ساتھ آئے ہیں یہ اختلاف صرف الفاظ میں ہے معنی اور مفہوم کے اعتبار سے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ **(والله اعلم بالصواب)**

روزے کب فرض ہوئے:

تمام علماء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ ماہ رمضان المقدس کے روزے سن دو (2) ہجری میں فرض ہوئے۔ اس میں اگر اختلاف تو صرف مہینے کا ہے۔ اور اس اختلاف کی بنیاد بھی تحویل قبلہ کے اختلاف پر ہے۔

اب میں اُن احادیث کو ہدیۂ قارئین کرتا ہوں جن میں رواۃ نے سولہ اور سترہ ماہ کو تردّد کے ساتھ روایت کیا ہے یہ احادیث ابوعوانہ اور مسلم نے سفیان ثوری سے انہوں نے ابواسحاق سے اور انہوں اے البراء بن العازب سے روایت کی ہیں۔ جس میں ''ہم نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھی'' کے الفاظ آئے ہیں۔

علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی مالکی مواہب اللدنیہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں سولہ (16) ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ بعض نے کہا سترہ (17) ماہ اور بعض نے کہا اٹھارہ (18) ماہ۔ یہ عبارت مواہب اللدنیہ کی ہے۔

علامہ زرقانی سولہ (16) ماہ کے تحت ارقام فرماتے ہیں:

كما رواه مسلم عن ابي الاحوص والنسائي عن زكريا بن ابي زائدة وابو عوانه عن عمار بن رزيق○ الخ (زرقانی علی المواھب، جلد اوّل، ص:399)

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سولہ (16) ماہ مدینہ منورہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرماتے رہے۔

جیسا کہ مسلم نے ابی الاحوص سے ،نسائی نے زکریا بن ابی زائدہ اور شریک سے۔ ابوعوانہ نے عمار بن رزیق سے روایت کیا۔ پھر ان چاروں نے (یعنی ابی لاحوص ،مریا بن ابی زائدہ، شریک اور عمار بن رزیق) بطریق ابی اسحاق حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے بالجزم روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سولہ (16) ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ اور امام احمد نے (اپنی مسند) میں بسند صحیح اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اور امام نووی نے شرح مسلم میں اس کو ترجیح دی ہے۔

امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف ان احادیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ بندہ ناچیز ان احادیث مبارکہ کو بمعہ حوالہ نقل کرتا ہے تاکہ احادیث کی تلاش میں مشکل پیش نہ آئے۔

(1) عن ابی الاحوص عن اسحاق (سبیعی) عن البراء بن العازب قال صلیت مع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی بیت المقدس ستة عشر شهرًا حتی نزلت الآیة التی فی البقرة وحیث ما کنتم ٥ الخ (مسلم شریف کتاب المساجد، باب تحویل القبلۃ، ص:200)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے سولہ (16) ماہ نماز پڑھی حتیٰ کہ سورہ بقرہ کی آیت وحیث ما کنتم...... الخ نازل ہوئی۔

(2) عن زکریا بن ابی زائدة عن ابی اسحاق عن البراء بن العازب قال قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم المدینة فصلی نحو بیت المقدس ستة عشر شهراً ثم انه وجه الی الکعبة ٥ الخ

(نسائی شریف، کتاب القبلۃ، حدیث:743)

حضرت براء بن عازب نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے (16) ماہ نماز ادا فرمائی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ اقدس کعبہ شرفہ کی طرف پھیر دیا گیا۔

(3) عن عمار بن زریق عن ابی اسحاق عن البراء (بن العازب) قال لقد صلینا الی بیت المقدس بعد قدوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ستة عشر شهرًا ٥

(مسند ابوعوانہ کتاب الصلوٰۃ مبتدأ ابواب فی المساجد، جلد اول ص:262، حدیث:908)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے بعد سولہ (16) ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔

اس حدیث کے بعد حدیث نمبر 909 میں جو بطریق زکریا بن ابی زائدة عن ابی اسحاق عن البراء ابن

العازب مروی ہے اس میں بھی سولہ (16) ماہ کا ہی ذکر ہے۔

(4) عن ابی عوانہ عن الاعمش عن مجاھد عن ابن عباس قال کان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یصلی وھو بمکۃ نحو البیت المقدس والکعبۃ بین یدیہ وبعد ما ھاجر الی المدینۃ ستۃ عشرا شھراً ثم صرف الی الکعبۃ ○ (مسند احمد، جلد اوّل، ص:325، مطبوعہ ادارہ احیاء السنہ گوجرانوالہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ شرفہ میں تھے تو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ درانحالیکہ کعبہ شریف آپ کے سامنے ہوتا۔ اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کے بعد بھی سولہ (16) ماہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرماتے رہے حتیٰ کہ آپ کا چہرہ اقدس کعبہ کی طرف پھیر دیا گیا۔

یہ ہے وہ حدیث جس کی طرف امام زرقانی نے اشارہ کیا کہ امام نووی نے شرح مسلم میں اس کو ترجیح دی ہے۔

(1) قلت: ابوعوانہ اور مسلم نے سفیان ثوری کے طریق سے عن ابی اسحاق عن البراء بن العازب حدیث روایت کی ہے جس میں بالشک (17،16) ماہ کا ذکر ہے۔ یہ احادیث بھی سماعت فرمائیں:

(1) عن ابو عاصم قال ثنا سفیان عن ابی اسحاق عن البراء قال صلّینا نحو بیت المقدس ستۃ عشر اوسبعۃ عشر شھرا ثم حولنا الی الکعبہ ○ قال یحی القطان عن سفیان صلینا مع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ○ (ابوعوانہ، جلد اوّل، حدیث:907)

سفیان ثوری نے ابواسحاق سے انہوں نے حضرت براء بن عازب سے روایت کی انہوں نے کہا ہم نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے (16) یا (17) ماہ نماز پڑھی پھر ہمیں کعبہ کی طرف پھیر دیا گیا۔ اور یحیٰ بن سعید قطان نے بھی سفیان ثوری سے روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ نماز پڑھی۔

(2) عن یحیی بن سعید القطان عن سفیان قال حدثنی ابو اسحاق قال سمعت البراء صلینا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نحو بیت المقدس ستۃ عشر شھراً او سبعۃ عشر شھراً ثم صرفنا نحو الکعبۃ ○ (مسلم شریف بمعہ نووی کتاب المساجد باب تحویل قبلہ، جلد اوّل، ص:200)

ابواسحاق نے کہا میں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں بیت المقدس کی طرف 16 یا 17 ماہ نماز پڑھی پھر ہمیں کعبہ کی طرف پھیر دیا گیا۔

اور مسلم شریف کی یہ حدیث اس حدیث سے جس میں بالجزم 16 ماہ کا ذکر ہے باعتبار سند جید اور قوی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے زہیر اور سفیان ثوری اور ترمذی نے اسرائیل کے طریق سے ابواسحاق سے اور انہوں نے

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے جو احادیث نقل کی ہیں ان میں 16، 17 ماہ کی مدت شک کے ساتھ بیان ہوئی ہے وہ احادیث یہ ہیں:

(1) ابونعیم سمع زهیراً عن ابی اسحاق عن البراء رضی الله عنه ان رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلّٰی الی بیت المقدس ○ ستة عشر شهراً وسبعة عشر شهراً ○ الخ (بخاری شریف کتاب التفسیر، تفسیر بقرہ، باب قوله تعالٰی سیقول السفهاء)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے (16 یا 17) ماہ نماز ادا فرمائی۔

(2) عن یحیی (سعید القطان) عن سفیان حدثنی ابو اسحاق (عمرو بن عبدالله سبیعی) قال سمعنا لبراء رضی الله عنه قال صلینا مع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نحو بیت المقدس ستة عشر او سبعة عشر شهراً ثم صرفه نحو القبلة○ (بخاری شریف، کتاب التفسیر، باب (ولکل وجهة) الخ)

حضرت براء بن عازب نے کہا: ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے 16 یا 17 ماہ نماز پڑھی پھر آپ نے اپنا چہرۂ اقدس قبلہ کی طرف پھیر لیا۔

بزار اور طبرانی نے حضرت عمرو بن عوف کی حدیث سے بالجزم 17 ماہ روایت کیا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

(1) عن کثیر بن عبدالله بن عمرو عن ابیه عن جده ○ رضی الله تعالٰی عنه قال کنا مع رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم حین قدم المدینة فصلی نحو بیت المقدس سبعة عشر شهراً ثم حول الی الکعبة○

(مسند بزار، جلد 8، ص: 324، 325، حدیث 3399)

حضرت عمرو بن عوف نے کہا جس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے ہم آپ کے ہمراہ تھے۔ تو آپ نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے سترہ 17 ماہ نماز ادا فرمائی پھر آپ نے اپنا چہرۂ پرنور کعبہ کی طرف پھیر لیا۔

(2) عن اسرائیل عن ابی اسحاق عن البراء (بن العازب) قال لما قدم رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم المدینة صلی نحوبیت المقدس ستة او سبعة عشر شهراً○

(ترمذی شریف، کتاب التفسیر، ص: 666، حدیث 2962)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے بیت المقدس کی طرف 16 یا 17 ماہ نماز ادا فرمائی۔

اور طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حدیث تخریج کی ہے اس میں بھی بالجزم 16 ماہ کا ذکر ہے۔

علامہ عبدالباقی زرقانی فرماتے ہیں: سعید بن مسیب، امام مالک اور ابن اسحاق کا یہی قول ہے۔ اور قرطبی نے کہا یہی صحیح ہے۔

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ان دونوں اقوال کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

الجمع بین الروایتین سهل بان یکون من جزم بستة عشر لفق من شهر القدوم وشهر التحویل شهر او الغی الزائد ٥ الخ

(فتح الباری، شرح صحیح بخاری، جلد اول، ص: 96، کتاب الایمان)

یعنی دونوں روایتوں کے درمیان جمع آسان ہے۔ وہ اس طرح کہ جو بالجزم 16 ماہ کہتے ہیں وہ جس مہینے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے گئے (یعنی ربیع الاوّل شریف) اس ماہ کے پہلے ایام اور جس مہینے تحویل قبلہ کا حکم ہوا (یعنی رجب المرجب) اس مہینہ کے آخری دن جو کہ زائد ہیں انہیں لغو قرار دے کر باقی دونوں ماہ کے دنوں کو ملا کر ایک مہینہ بناتے ہیں۔ اور جنہوں نے بالجزم 17 ماہ روایت کیا وہ ان دونوں (یعنی ربیع الاوّل اور رجب المرجب) کو شمار کرتے ہیں۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدینہ منورہ تشریف لانا بلا خلاف ربیع الاوّل شریف کا مہینہ ہے۔ اور صحیح قول کے مطابق تحویل قبلہ سن دو ہجری نصف رجب المرجب میں ہوا۔ اس کے ساتھ جمہور نے جزم فرمایا اور امام حاکم نے بسند صحیح حضرت ابن عباس سے روایت کیا۔

علامہ قسطلانی کے اس قول (وقیل یوم الاثنین نصف رجب) کے ماتحت امام زرقانی لکھتے ہیں۔ اس کو حضرت ابن عباس نے باسناد صحیح روایت کیا ہے۔ واقدی نے کہا یہی اثبت ہے۔ حافظ عسقلانی نے کہا یہی صحیح ہے۔ اور جمہور کا اس پر اتفاق ہے۔

امام زرقانی کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے جن محدثین کرام نے شک کے ساتھ سولھواں 16 مہینہ یا سترھواں 17 مہینہ روایت کیا ان کا شک اس تردد کی بنا پر ہے۔ کیا یہ دو ماہ ہیں یا ایک۔

اس فقیر نے تحویل قبلہ کے متعلق جو دلائل پیش کئے ہیں وہ صرف ماہ رمضان المبارک کی فرضیت کے مہینے کے تعین کے لیے ہیں۔ کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ اکثر علماء کرام نے لکھا ہے کہ ماہ رمضان المبارک سن دو ہجری شعبان میں فرض ہوا اور یہ ایک سال اور نصف مدت نقل کرتے ہیں لیکن بعض علماء کرام ضعیف اقوال کی بنا پر اس سے انحراف کرتے ہیں۔ اس لیے میں نے اس مسئلہ کو تحقیق کے ساتھ بیان کیا ہے۔

چنانچہ امام قسطلانی فرماتے ہیں اس کے بعد ماہ رمضان المقدس کے روزے فرض ہوئے (یعنی تحویل قبلہ کے) اگر تحویل

قبلہ نصف رجب المرجب ہو تو اس بناء پر ماہ رمضان المقدس شعبان المعظم کی نصف کو فرض ہوا۔ اور یہ اٹھارویں 18 مہینہ کا اوّل بنتا ہے۔ اور کوئی سترھواں ماہ کہتے ہیں لہٰذا صحیح روایات اور اقوال علماء کرام کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں جس دن ہجرت فرما کر تشریف لائے اس وقت سے لے کر ماہ رمضان المبارک کی فرضیت تک سترہ 17 ماہ کامل بنتے ہیں اور اٹھارویں مہینے کا اوّل دن۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اقسام روزہ:

روزہ کی آٹھ اقسام ہیں۔

ابوحنیفہ ثانی ابن ہمام کی کتاب فتح القدیر شرح ہدایہ، جلد دوئم، ص:234 مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، ردالمحتار علی درالمختار، شیخ محمد امین المشہور بابن عابدین، جلد دوئم، ص:89، مطبوعہ مکتبہ رشیدہ کوئٹہ، فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ مصطفائی دہلی، جلد اوّل، ص:70، بحرالرائق شرح کنز الدقائق، علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی، مجلد اوّل، جز دوئم، ص:259 مطبوعہ سعید اینڈ کمپنی کراچی۔

مذکورہ کتب معتبرہ سے اقسام روزہ وغیرہ نقل کی جائیں گی۔ اس لیے میں نے ان کے بیان کرنے سے قبل ان کے حوالہ جات بمعہ مطبوعات نقل کر دیئے ہیں تاکہ بار بار ان کے حوالہ جات نقل کرنے کی ضرورت نہ رہے اور اگر آپ اصل کتب سے مستفید ہونا چاہئیں تو بآسانی ان سے استفادہ فرما سکیں۔

کتاب الصوم وفیہ سبعة ابواب ○ الباب الاوّل فی تعریفہ وتقسیمہٖ وسببہ ووقتہ وشرطہ ○ اما تفسیرہ الخ

یہ کتاب روزہ کے متعلق ہے۔ اس میں سات ابواب ہیں۔ باب اوّل اس کی تعریف، اس کی تقسیم، اس کے سبب، اس کے وقت اور اس کے شرط کے بیان میں۔ اور روزہ کی تفسیر یہ ہے کہ روزہ عبادت ہے بہ نیت تقرب صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے، پینے اور جماع کے ترک سے۔ جو کہ اس کا اہل ہو۔ **کذافی احکافی۔**

روزہ کی اقسام:

فتاویٰ عالمگیری کی عبارت یوں ہے:

فرض وواجب ونفل والفرض نوعان معین کرمضان وغیر معین کا الکفارات وقضاء رمضان والواجب نوعان کالنذر المعین وغیر المعین کا النذر المطلق والفضل کلہ نوع واحد کذافی التبیین ○ (فتاویٰ عالمگیری)

صاحب ردالمحتار لکھتے ہیں: **(قولہ وھو اقسام ثمانیة) فرض معین وغیر معین وواجب کذالک ○ ونفل مسنون ○ او مستحب ومکروہٌ تنزیھا ○ او تحریماً ○** (ردالمحتار)

صاحب فتح القدیر کی عبارت یہ ہے: واقسامه فرض وواجب ومسنون ومندوب ونفل ومکروه تنزیهاً وتحریما فالاوّل رمضان وقضاءه ٥ والکفارات للظهار ٥ والقتل والیمین وجزاء الصید وفدیة الاذی فی الاحرام ٥ لثبوت هذه بالقاطع سند او متنا ولاجماع علیها والواجب المنذور والمسنون عاشوراء ٥ والمندوب صوم ثلاثة من کل شهر ٥ الخ (فتح القدیر)

تمام ائمہ فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوا کہ روزہ کی آٹھ اقسام ہیں۔۱-فرض معین جیسے اوائے رمضان،۲-فرض غیر معین جیسے قضاء رمضان اور صوم کفارات جیسے اظہار، قتل، قسم، احرام میں جزاء صید اور سر میں کوئی تکلیف ہو تو سر منڈوانے کا روزہ وغیرہ۔۳-واجب معین جیسے نذر معین۔۴-واجب غیر معین جیسے نذر مطلق،۵-نفل مسنون،۶-نفل مستحب جیسے عاشورہ یعنی دس محرم الحرام کا روزہ اور اس کے ساتھ نویں محرم کا بھی روزہ رکھنا۔اور ہر ماہ تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں کا روزہ رکھنا۔عرفہ کا روزہ، پیر اور جمعرات کا روزہ، عید کے چھ روزے (یعنی شوال کے) صوم داؤد علیہ السلام یعنی ایک دن روزہ رکھنا اور ایک دن افطار کرنا۔۷-مکروہ تنزیہی جیسے صرف ہفتہ کے دن کا روزہ رکھنا نیروز (شمسی سال کا پہلا دن) کا روزہ مہرجان (پارسیوں کی عید) کا روزہ۔صوم دہر یعنی ہمیشہ روزہ رکھنا۔صوم سکوت (یعنی ایسا روزہ جس میں کچھ بات نہ کرے)،صوم وصال (روزہ رکھ کر افطار نہ کرے) اور دوسرں دن پھر روزہ رکھ لے)،۸-مکروہ تحریمی جیسے عیدین اور ایام تشریق کے روزے۔

ان فقہاء کرام کی عبارات میں فرق صرف یہ ہے کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ نفل ایک ہی قسم کے ہیں۔صاحب ردالمحتار نے نقل کیا ہے نفل مسنون یا نفل مستحب اور صاحب فتح القدیر نے لکھا ہے۔مسنون، مندوب اور نفل۔

علماءِ فقہ کی اصطلاح میں نفل، مسنون ومندوب دونوں کو شامل ہے۔جیسا کہ شیخ ابراہیم حلبی نے کبیری شرح منیۃ المصلی میں تحریر فرمایا:

هی جمع نافلة وهی فی اللغة الزیادة وفی الشرع العبادة التی لیست بفرض ولا واجب فهی العبادة الزائدة علی ماهو لازم فتعم السنن المؤکدة والمستحبة والتطوعات غیر الموقتة ٥

(کبیری شرح صفیہ،ص:367،مطبوعہ مجتبائی دہلی)

یعنی نوافل نافلہ کی جمع ہے۔اور لغت میں نافلہ کا معنی زیارت ہے اور شرع میں ایسی عبادت سے عبارت ہے جو فرض اور واجب نہیں۔اور نفل، لازم پر عبادتِ زائدہ ہے جو سنن مؤکدہ اور مستحبہ اور تطوعات غیر موقتہ کو شامل ہے۔لہٰذا ان میں کوئی فرق نہیں۔

ہاں علماء فقہ کی اقسام روزہ کے متعلق عبارات میں جو بنیادی فرق ہے وہ یہ ہے کہ ابن ہمام نے فرمایا: جملہ صوم کفارات مسنداً ومتناً قطعی الثبوت ہیں اور ان دونوں (یعنی فرض معین اور غیر معین) پر علماء کا اجماع ہے۔

لیکن علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے صاحب درمختار کے اس قول: ''صوم الکفارات لکنه فرض عملا لا اعتقادًا ولذالایکفر جاحده قاله البهنسی تبعالا بن الکمال ''یعنی صوم کفارات یہ فرض عملی ہیں اعتقادی نہیں۔ اس لیے اس کا منکر کافر نہیں یہ قول ابن کمال کی اتباع کرتے ہوئے بہنسی کا ہے) کے ماتحت ارقام فرماتے ہیں:

حیث قال فی ایضاح الاصلاح وصوم النذر والکفارة واجب لم ینعقد الاجماع علی فرضیة واحد منهما بل علیٰ وجوبه ای ثبوته عملا لا علما ولهذا لا یکفر جاحده ۝ الخ (ردالمحتار)

ابن کمال نے اپنی کتاب ''ایضاح الاصلاح'' میں کہا نذر اور کفارہ کے روزے واجب ہیں ان دونوں میں سے کسی ایک کی فرضیت پر اجماع منعقد نہیں ہوا بلکہ ان کے وجوب پر ہوا ہے۔ یعنی ان کا ثبوت عملی ہے علمی نہیں۔ اس لیے ان کا منکر کافر نہیں ہے۔ ''علامہ ابن العابدین فرماتے ہیں'' اگر چہ ان دونوں کا کتاب واجماع کے ساتھ عملی لزوم ثابت ہے لیکن ان دونوں کا علما لازم ہونا ثابت نہیں جیسا کہ فروض قطعیہ کی شان ہے جیسے رمضان وغیرہ۔

اور علامہ جلال الدین خوارزمی نے بھی ''الکفایه علیٰ هدیه'' میں اس طرح ہی لکھا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سنت اور مندوب میں فرق:

صاحب ردالمختار ابن العابدین نے فرمایا:

''الفرق بین السنة والمندوب ۝ الخ

یعنی سنت اور مندوب میں فرق یہ ہے کہ سنت وہ ہے جس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے مواظبت فرمائی۔ اور سنت کی دو قسمیں ہیں ''سنة الهدیٰ'' اور اس کا ترک موجب اساءت وکراہت ہے۔ جیسے جماعت، اذان۔ دوئم ''سنة الزوائد'' جیسے نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لباس، قیام وقعود میں عادات مبارکہ۔ اور اس کا ترک موجب کراہت نہیں۔ ظاہر ہے صوم عاشورہ دوسری قسم میں سے ہے بلکہ ''خانیه'' میں اس کو مستحب کا نام دیا گیا ہے۔ صاحب خانیہ نے کہا: عاشورہ کے دن کا روزہ رکھنا مستحب ہے جبکہ وہ اس سے قبل یا اس کے بعد اس کے ساتھ روزہ رکھے۔ تا کہ اہل کتاب کی مخالفت ہو اور اسی طرح ''البدائع'' میں ہے۔ اور احادیث میں آیا ہے کہ یوم عاشورہ کا روزہ سال ماضیہ کا کفارہ ہے اور یوم عرفہ کا روزہ گزشتہ اور آئندہ سال کا کفارہ ہے۔ یہ قول اس بات کا متقاضی ہے کہ روزہ عرفہ روزہ عاشورہ سے مؤکد ہو۔ ورنہ لازم آئے گا کہ مستحب، سنت سے افضل ہے اور یہ اصل کے خلاف ہے۔

روزہ کا سبب:

روزہ کا سبب مختلف ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: سببه مختلف ففی المنذور النذر وفی صوم الکفارات اسبابها من الحنث والقتل ۝ الخ (وهکذا فی الفتح القدیر)

یعنی روزہ کا سبب مختلف ہے چنانچہ منذور (معین) روزہ میں اس کا سبب نذر ماننا ہے۔ اور صوم کفارات میں ان کے اسباب قسم توڑنا اور قتل ہے۔ ابن ہمام فرماتے ہیں: اس لیے ہم کہتے ہیں اگر کسی نے معین مہینہ جیسے رجب۔ یا معین دن کے روزہ رکھنے کی نذر مانی تو اس نے جمادی الثانی اور دوسرے دن کا روزہ رکھا تو اس نے جو نذر مانی ہے پوری ہو جائے گی۔ اس لیے کہ وجود سبب کے بعد یہ تعجیل ہے۔ اور تعیین یوم لغو ہو جائے گا۔

اور روزہ رمضان کے قضاء کا سبب اس کے وجوب کا ادا کرنا ہے۔ اور ماہ رمضان کے روزہ کا سبب، مہینہ کا کوئی جز پایا جانا ہے وہ اس کی رات ہو یا دن اور ماہ رمضان المبارک کا ہر دن وجوب ادا کا سبب ہے کیونکہ ماہ رمضان کے ایام عبادات متفرقہ ہیں جیسے اوقات میں نمازیں متفرق ہیں۔ بلکہ ایک زمانہ (وقت) کے درمیان میں حائل ہو جانے کی وجہ سے جو روزہ کی اصلاً صلاحیت نہیں رکھتا، سے بھی سخت ہے اور وہ رات ہے۔ یعنی روزہ وہ عبادت ہے جو دیگر عبادات سے سخت ترین ہے اسی لیے ماہ رمضان کا ہر یوم اس کے وجوب کے ادا کا سبب ہے۔ کیونکہ ہر دن کے روزہ کا سبب وجوب متکرر رہے۔ باعتبار اس کے خاص ہونے کے اور اس کے غیر کے ضمن میں داخل ہونے کے۔ کیونکہ رات دن کا غیر ہے اور رات محل صوم نہیں جب رات گزر جاتی ہے تو گویا دن غیر کے ضمن میں داخل ہو گیا۔ اس لیے رمضان کا ہر دن وجوب ادا کا سبب ہے۔

روزہ کا وقت:

جب صبح صادق طلوع ہو جائے (اور وہ افق میں سفیدی کا پھیلنا ہے) اس وقت سے لے کر غروب آفتاب تک۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

قد اختلف فی ان العبرة لاول طلوع الفجر الثانی اولا ستطارة وانتشاره○ الخ

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ طلوع فجر ثانی کے اول کا اعتبار ہے یا کہ سفیدی کے افق میں پھیل جانے کا۔ شمس الائمہ حلوائی نے کہا پہلا قول احوط ہے اور دوسرا قول اوسع۔ اور اسی طرح محیط میں ہے اور اسی طرف اکثر علماء کا میلان ہے اور اسی طرح خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے۔

شروط روزہ:

روزہ کی شروط تین انواع پر مشتمل ہیں:

اوّل: اس کے وجوب کی شرط، اسلام، عقل اور بلوغ ہے۔

دوئم: ادائے روزہ کے واجب ہونے کی شرط، صحت اور اقامت ہے۔

سوئم: اور روزہ کے صحیح ادا ہونے کی شرط، نیت، عورت کا حیض ونفاس سے پاک ہونا۔ **کذافی الکافی والنہایہ**۔ اور نیت کا

تعلق دل کے ارادہ سے ہے۔ اور زبان سے روزہ کی نیت کرنا سنت ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری)

صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں: کہ شروط میں وجوب علم کا اضافہ کرنا چاہئے۔

روزہ کا حکم:

اگر روزہ لازم ہو (یعنی فرض) تو سقوط واجب اور اس کا ثواب پانا ہے اور اگر روزہ واجب فرض نہیں نفلی ہے تو فقط عنداللہ اس کا ثواب حاصل کرنا ہے۔

روزہ کی نیت:

جیسا کہ روزہ کی انواع کا بیان گزر چکا کہ روزہ کی آٹھ اقسام ہیں۔ ان میں فرض معین (رمضان شریف) واجب معین (نذر معین) اور تمام نفل روزوں کی نیت سورج کے غروب ہونے کے بعد سے لے کر زوال سے قبل تک ہے۔ اور فرض غیر معین جیسے قضاء رمضان اور صوم کفارہ اور نذر مطلق روزوں کی نیت رات کو ہی کرنی چاہئے۔ ہمارے نزدیک ماہ رمضان کے ہر روزہ کی نیت ضروری ہے کیونکہ ماہ رمضان کا ہر یوم اس کے وجوب کے ادا کا سبب ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پورے ماہ رمضان کی ایک ہی نیت کافی ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر کچھ دلائل پیش خدمت ہیں۔ (واللہ یهدی الی سبیل الرشاد)

علامہ ابن العابدین شامی لکھتے ہیں:

(قوله وزفر ومالك تكفونية واحدة) اى عن الشهر كله ٥ الخ

صاحب درمختار علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ کا قول۔ امام زفر اور مالک رحمہما اللہ فرماتے ہیں: ایک ہی نیت کافی ہے۔ جیسے نماز یعنی تمام ماہ رمضان کی ایک ہی نیت کافی ہے۔ اور امام زفر سے مروی ہے مقیم نیت کا محتاج نہیں۔ اور اگر مسافر ہے تو اس کے لیے صرف رات کو ہی نیت کرنا جائز ہے۔ اور ہمارے آئمہ ثلاثہ کے نزدیک ماہ رمضان کے ہر روزے کی نیت جدید ہی جائز ہے اور یہ نیت رات سے قبل از زوال تک ہو سکتی ہے خواہ وہ مقیم ہو یا مسافر۔

ہم کہتے ہیں (یہ امام زفر کا روزہ کو نماز پر قیاس کرنے کا جواب ہے) روزہ بنفسہ ہر دن کی عبادت ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ بعض کے فساد سے تمام میں فساد واجب نہیں ہوتا۔ یعنی اگر کسی کا ایک روزہ فاسد ہو گیا تو پورے ماہ رمضان کے روزوں کے فساد کا موجب نہیں کیونکہ ماہ رمضان کا ہر دن کا روزہ ایک عبادت ہے۔ بخلاف نماز کے اگر اس کا ایک رکن رہ جائے تو تمام نماز فاسد ہو جائے گی۔

(قوله والشرط للباقی) درمختار۔

یعنی متن میں مذکورہ بالا تین روزوں (فرض معین، واجب معین اور نفلی روزے) کے بعد جو باقی روزے ہیں یعنی وہ قضائے رمضان، نذر مطلق، نذر معین اور نفلی روزہ کے فاسد ہونے کے بعد قضاء اور کفارات سبعہ اور جو روزے ان

سے ملحق ہیں۔ جزاء صید، حلق، متعہ کے روزے، اور کفارات سبعہ صواب اربعہ یعنی چار ہے۔ اور وہ کفارہ ظہار، قتل، یمین، اور احقاء کا روزہ ہے ان سب روزوں کی نیت رات کو ہی کرنا چاہئے کیونکہ ان روزوں کا وقت معین نہیں۔ بخلاف ماہ رمضان کے روزہ اور نذر معین کیونکہ ان میں وقت معین ہے۔ اور اس طرح نفلی روزے ماہ رمضان کے علاوہ سب ایام ان کے لیے وقت معین ہیں۔

علامہ ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ کنز الدقائق کی شرح بحر الرائق میں فرماتے ہیں:

(قوله ومابقي لم يجز الابنية معينة) اى مابقي من الصيام وهو قضاء رمضان والكفارات وجزاء الصيد والحلق والمتعة والنذر المطلق ٥ الخ

صاحب کنز کا قول اور باقی روزے ہیں وہ صرف نیت معینہ کے ساتھ ہی جائز ہیں۔ ابن نجیم فرماتے ہیں: وہ قضاء رمضان، کفارات، جزاء صید، حلق، متعہ، نذر مطلق کے روزے ہیں جو مطلق نیت سے جائز نہیں اس میں تعیین ضروری ہے اس لیے کہ اس کا وقت معین نہیں اور اس میں رات کو ہی نیت کرنا ضروری ہے۔ یا وہ جو اس کے حکم میں ہے۔ اور وہ طلوع فجر ثانی کے ساتھ نیت کرنا ہے بلکہ یہ اصل ہے۔ اس لیے کہ واجب، صوم کے ساتھ نیت کا اتصال ہے۔ اس سے مقدم نہیں۔ اور تقدیم تو ضرورت کے لیے ہے۔

علامہ ابن نجیم حنفی کنز کے اس قول کہ ''ماہ رمضان کے روزہ اور نذر معین، اور نفلی روزہ کی نیت رات سے لے کر قبل از زوال تک ہے'' کے ماتحت لکھتے ہیں: امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیحین کی حدیث جو حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے یوم عاشورہ کے متعلق مروی ہے (یہ حدیث لکھی کیا رمضان سے قبل کوئی روزہ فرض تھا کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں) رمضان المبارک میں رات کے وقت نیت کے عدم اشتراط میں اس سے استدلال کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے کچھ کھایا ہے وہ باقی ماندہ دن کھانے پینے سے باز رہے اور جس نے کچھ نہیں کھایا وہ روزہ رکھ لے۔ اور عاشورہ کا روزہ فرض تھا حتیٰ کہ رمضان کا روزہ فرض ہوا۔ اور عاشورہ کا روزہ سنت (مستحب) ہوگیا۔ اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ جس نے اپنے ذمہ کوئی روزہ معین کرلیا اور اس نے رات کے وقت اس کی نیت نہیں کی اس کے لیے دن کو نیت کرنا کفایت کر جائے گی۔ تو سنن اربعہ کی حدیث (لاصيام لمن لم ينو الصيام من الليل) اس کا محل نفی کمال پر واجب ہوا کیونکہ ہر روزہ کی نیت طلوع فجر ثانی کے اول جز میں کرنا افضل ہے اگر ممکن ہو ورنہ رات کو نیت کرے۔

فتاویٰ سراجیہ علی ہامش الفتاوی قاضی خاں میں ہے:

وكذا كل صوم واجب بعينه وصوم النفل يجوز بنية قبل انتصاف النهار بالاتفاق ٥

(فتاویٰ قاضی خاں، اولین، ص: 170، مطبوعہ حافظ کتب خانہ کوئٹہ)

اور اسی طرح ہر وہ روزہ جو بعینہ واجب ہے اور نفل روزہ دوپہر سے قبل نیت کرنے سے بالاتفاق جائز ہے۔

صاحب فتاویٰ قاضی خاں لکھتے ہیں:

لا يصح الدخول فی الصوم الاباحية عندنا ہ وعند زفر رحمة الله عليه اذا كان صحيحا مقيما فی نهار رمضان يصح منه الصوم بدون النية ہ ثم عندنا لايلزم النية لكل صوم ہ الخ

(فتاویٰ قاضی خاں، اولین، ص:96)

ہمارے نزدیک صرف نیت ہی سے روزہ میں داخل ہوسکتا ہے۔ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جبکہ وہ رمضان کے دن میں صحیح اور مقیم ہو تو بغیر نیت سے بھی اس کی طرف سے روزہ جائز ہے۔ پھر ہمارے نزدیک ہر روزہ کی نیت ضروری ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پورے ماہ رمضان کی ایک ہی نیت کرنا کافی ہے۔ اس کے بعد صفحہ 97 میں فرماتے ہیں۔

ہر وہ روزہ جس کا وقت معین نہیں جیسے قضاء، نذر مطلق اور کفارہ کا روزہ یہ مطلق نیت سے جائز نہیں۔ (اس کے لیے رات کے وقت ہی نیت کرنا ضروری ہے) اور ہر وہ روزہ جو رات کے وقت ہی نیت کرنے سے ادا ہوتا ہے جیسے روزہ قضاء اور کفارہ اگر اس نے طلوع فجر ثانی کے اول جز میں بھی نیت کر لی تو جائز ہے اس لیے کہ واجب روزہ کے ساتھ نیت کا ملنا ہے نہ کہ اس کا مقدم ہونا۔ (اور تقدیم ضرورت کے لیے ہے) شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے ''محیط'' میں لکھا ہے کہ روزہ رکھنے کی ابتداء طلوع فجر ثانی کا اوّل جز ہے اور یہ احوط ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

جاز صوم رمضان والنذر المعين والنفل بنية ذالك اليوم ہ الخ

ماہ رمضان اور نذر مطلق اور نفل روزہ اس دن کی نیت یا مطلق صوم کی نیت یا بہ نیت نفل رات سے لے کر قبل از زوال تک نیت کرنا جائز ہے جامع صغیر میں یہی مذکور ہے۔ اور جن روزوں میں دن کے وقت نیت کرنا جائز ہے ان روزوں کی رات کو نیت کرنا افضل ہے۔

ابن ہمام نے فتح القدیر میں بھی اسی طرح نقل کیا ہے، فرماتے ہیں:

''ومن فروع النية ان الافضل النية من الليل فی الكل'' (فتح القدير، جلد دوئم، ص:242)

فروع نیت میں سے ہے کہ سب روزوں میں رات کے وقت نیت کرنا افضل ہے۔

محمد بن علی بن محمد شرکانی نیل الاوطار فی شرح منتقی الاخبار میں ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث ''**لاصيام لمن لم ينو الصيام من الليل**'' (رواہ سنن الاربعہ) کے ماتحت لکھتا ہے۔

والحديث فيه دليل علیٰ تبييت النية وايقاعها فی جزء من الاجزاء وقد ذهب الیٰ ذالك ہ الخ

(نیل الاوطار، مجلد دوئم، جز4، ص:220، مطبوعہ ادارہ احیاء التراث العربی بیروت)

اس حدیث مبارک میں اس پر دلیل ہے کہ رات کو نیت کرنا اور اس نیت کا رات کے اجزاء میں سے کسی جزء میں واقع ہونا واجب ہے۔ (ہمارے نزدیک یہ حدیث نفی کمال پر دلیل ہے نہ کہ وجوب پر جیسا کہ امام طحاوی سے مذکور ہو چکا) اور اس کی طرف ابن عمر، جابر بن زید صحابہ میں سے اور ناصر اور مؤید باللہ، امام مالک اور لیث بن ابی ذئب گئے ہیں۔ اور انہوں نے فرض اور نفل میں تفریق نہیں کی۔ ابوطلحہ، امام ابوحنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل، ہاوی، اور ابوالقاسم اس طرف گئے ہیں کہ نفل روزوں میں رات کو نیت کرنا واجب نہیں۔ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ زوال کے بعد بھی نیت کرنا جائز ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ناصر، ابوحنیفہ، امام شافعی کے ایک قول میں ہے کہ بعد از زوال نفل روزہ کی نیت جائز نہیں۔

ھادویہ نے کہا۔ حضرت علی، ابن مسعود اور ابراہیم نخعی سے مروی ہے کہ روزہ قضاء، نذر مطلق اور کفارات میں صرف رات کو ہی نیت کرنا واجب ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے روزوں میں اوّل یوم غروب آفتاب سے لے کر جس دن کا اس نے رکھا ہے بقیہ دن میں نیت کر سکتا ہے۔

(اور ہمارے نزدیک صرف قبل از زوال تک ہی نیت کر سکتا ہے) اور یہ حدیث امام زہری، عطاء اور امام زفر کا بھی رد کرتی ہے کیونکہ وہ ماہ رمضان کے روزہ کی نیت کو واجب نہیں سمجھتے۔ اور یہ حدیث اس کے وجوب پر دلیل ہے۔ اور نیت کے وجوب پر یہ حدیث ''الاعمال بالنیات'' بھی دلیل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ماہ رمضان کے ہر دن کے روزہ کے لیے نئی نیت کرنا واجب ہے کیونکہ وہ ایک مستقل عبادت ہے جو اس وقت کے فرض کو ساقط کرتی ہے۔

امام شوکانی کی عبارت سے بھی ثابت ہوا کہ ماہ رمضان کا ہر روزہ ایک مستقل عبادت ہے لہٰذا ہر دن کی نیت کرنا واجب ہے جس سے بخوبی امام مالک اور زفر رحمہما اللہ کے قول کا رد ہو گیا۔

پھر روزہ کی نیت کرتے ہوئے یہ ملحوظ خاطر رہے کہ کیا وہ رات کو ماہ رمضان کی روزہ کی نیت کر رہا ہے یا کہ وہ دن میں اس کی نیت کر رہا ہے کیونکہ ان دونوں میں فرق ہے۔

الامام ابوبکر بن علی المعروف بالحدادی متوفی فی حدود 800ھ نے قدوری کی شرح جوہرہ نیرہ میں لکھا ہے۔

ثم النية هى معرفته بقلبه اى صوم يصوم والسنة ان يتلفظ بها بلسانه فيقول اذا نوى من الليل ٥ الخ (جوہرہ نیرہ، ص:139، مطبوعہ مجتبائی دھلی)

پھر نیت یہ دل کے ساتھ معرفت کا نام ہے (یعنی اس کا تعلق دل کے ارادہ سے ہے) وہ جو بھی روزہ رکھتے اور سنت یہ ہے کہ زبان کے ساتھ اس کا تلفظ کرے اور جب رات کے وقت وہ روزہ کی نیت کرے تو یونہی کہے۔

''نويت اصوم غداً لله تعالى من فرض رمضان'' میں نے نیت کی کہ اللہ عزوجل کے لیے رمضان کا فرض روزہ کل رکھوں گا۔ اور دن میں نیت کرے تو یوں کہے: ''نويت اصوم هذا اليوم لله تعالى من فرض رمضان'' میں نے نیت کی کہ اللہ تعالیٰ کے لیے رمضان کا فرض روزہ آج رکھوں گا۔

ولو قال نویت اصوم غداً ان شاء الله تعالیٰ ○ او نویت اصوم الیوم ان شاء الله تعالیٰ ○ الخ

اگر اس نے کہا میں انشاء اللہ کل کے روزہ کی نیت کی یا کہا انشاء اللہ میں نے آج کے روزہ کی نیت کی تو قیاس میں وہ روزہ دار نہیں۔ اس لیے کہ استثناء کلام کو باطل کر دیتی ہے۔ جیسا کہ بیع، طلاق اور عتاق میں، (یعنی اگر کوئی یوں کہے میں نے اپنی بیوی کو طلاق دی انشاء اللہ تو طلاق واقع نہیں ہوگی) اور استحسانی میں وہ روزہ دار ہے کیونکہ یہ استثناء حقیقی نہیں۔ یہ استثناء صرف اللہ عزوجل سے طلب توفیق واستعانت پر مبنی ہے اور یہ استثناء نیت کے لیے مبطل نہیں۔ بخلاف طلاق وغیرہ کے اس میں فرق یہ ہے کہ استثناء زبان کا عمل ہے اور جو کلام بھی زبان کے متعلق ہوگا وہ اس سے باطل ہو جائے گا اور وہ احکام سے ہے۔ جیسے طلاق، عتاق اور ان کی مثل اور نیت قلب کا عمل ہے اس کا زبان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں چنانچہ جس کا تعلق زبان پر ہے اس سے اس استثناء کے ساتھ نیت باطل نہ ہوگی۔

روزہ کے درجات:

روزہ کے تین درجے ہیں:

ثم للصوم ثلث درجات ○ صوم العموم، صوم الخصوص، وصوم خصوص الخصوص ○ الخ

(جوھرہ نیرہ، ص:139)

پھر روزے کے تین درجے ہیں۔ عوام الناس کا روزہ، خواص کا روزہ اور انتہائی مقربین بارگاہ کا روزہ۔

عام لوگوں کا روزہ یہ ہے کہ وہ کھانے سے اور جماع وغیرہ سے اجتناب کریں اور خاص لوگوں کا روزہ یہ ہے کہ وہ ان کے علاوہ کان، آنکھ، زبان، ہاتھ، پاؤں سے صادر ہونے والے اور جملہ گناہوں سے باز رہیں۔ اور تیسرا روزہ خاص الخاص کا ہے کہ جمیع ماسوی اللہ سے اپنے آپ کو کلیۃ جدا کر کے صرف اسی کی طرف متوجہ ہو وہ ھموم دینیہ اور افکار دنیویہ سے اپنے قلب کو باز رکھے۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں لکھا ہے کہ روزہ کے چار درجات ہیں:

"صیام العوام وصیام خواص العوام وصیام الخواص وصیام خواص الخواص" الخ

(عمدۃ القاری، جلد10، ص:261، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

یعنی روزہ کے چار درجے ہیں۔ اول عوام کا روزہ وہ کھانے پینے اور جماع سے باز رکھنا ہے۔ دوئم: عوام میں سے خاص لوگوں کا روزہ وہ مذکورہ چیزوں سے باز رہنے کے ساتھ ساتھ قولاً، فعلاً محرمات سے اجتناب کرنا ہے۔ سوئم: خاص لوگوں کا روزہ وہ اپنے کو غیر اللہ کے ذکر اور اس کی عبادت سے باز رکھنا ہے۔ چہارم: خاص الخاص کا روزہ وہ غیر اللہ سے اپنے آپ کو کلیتہً باز رکھنا ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل کی ملاقات تک ان کے روزہ کا افطار نہیں یعنی وہ لوگ جب اپنے محبوب سے ملاقات کریں گے تب ان کا روزہ افطار ہوگا اس سے قبل وہ روزہ میں ہی ہیں کیونکہ انہوں

نے غیر اللہ سے اپنے آپ کو باز رکھا ہوا ہے۔

روزہ کی حکمتیں اور فوائد:

ابن ہمام نے فتح القدیر شرح ھدایہ میں روزہ کے فوائد کے متعلق لکھا ہے، فرماتے ہیں:

ھذا ثالث ارکان الاسلام بعد لا الہ الا اللہ شرعہ سبحانہ لفوائد اعظمھا کونہ موجبًا شیین ٥ الخ (فتح القدیر، جلد دوئم، ص:233)

روزہ ''لا الہ الا اللہ'' کے بعد ارکان اسلام میں سے تیسرا رکن ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کو کچھ فوائد کے لیے مشروع فرمایا جن فوائد میں سے اعظم فائدہ اس دو چیزوں کا موجب ہے کہ ان میں سے ایک دوسری سے فاحش (ظاہر) ہے وہ یہ ہے کہ روزہ نفس امارہ کے سکون اور فضول باتیں جو جمیع جوارح آنکھ، زبان، کان اور فرج وغیرہ کے متعلقہ ہیں' میں نفس امارہ کی شہوت کو توڑنے کا موجب ہے۔ کیونکہ روزہ کی وجہ سے ہی محسوسات میں نفس امارہ کی حرکت کمزور ہوتی ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے جب نفس بھوکا ہو تو تمام اعضاء سیر ہوتے ہیں۔ اور جب نفس سیر ہو تو تمام اعضاء بھوکے ہوتے ہیں۔ اور اس سے کدورت سے دل کی صفائی پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے کہ دل کی کدورات کا موجب زبان، آنکھ اور ان کے علاوہ باقی جوارح کی فضول حرکتیں ہیں اور صفاء قلب کے ساتھ ہی مصالح ودرجات معلق ومتعلق ہیں اور روزہ کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ روزہ مساکین پر رحمت ومہربانی کا موجب ہے۔ کیونکہ جب وہ بعض اوقات میں بھوک کا درد چکھتا ہے تو اس سے وہ عام ساعات میں اپنے حال کو یاد کرتا ہے۔ تو اس کی طرف جو اس پر رقت ورحمت ہے، جلدی کرتی، سبقت لے جاتی ہے اور حقیقت میں یہ رقت ورحمت انسان کے حق میں باطن میں ایک درد ہے تو وہ مسکین کی طرف احسان کے ساتھ اس سے اس کو دفع کرنے میں جلدی کرتا ہے اور اسی وجہ سے وہ اللہ عزوجل کے ہاں حسن جزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

اور روزہ کے فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ روزہ فقراء جو کبھی کبھی مشقت اٹھاتے ہیں اس مشقت اٹھانے میں ان کی موافقت ہے اور ایسا کرنے سے اللہ عزوجل کے نزدیک ان کا حال بلند ہوتا ہے جیسا کہ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت ہے کہ سخت سردی کے دنوں میں ان کے پاس ایک شخص گیا تو اس شخص نے حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کو بیٹھے ہوئے پایا اور آپ کانپ رہے تھے۔ اور آپ کے کپڑے کھونٹی (دیوار کے ساتھ لکڑی جس کے ساتھ کپڑے لٹکاتے ہیں) پر لٹکے ہوئے تھے۔ اس شخص نے حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ اس طرح بات کی: آپ نے ایسی سخت سردی کے وقت کپڑے اتارے ہوئے ہیں۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً فرمایا: اے میرے بھائی فقراء بہت زیادہ ہیں۔ مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ میں کپڑوں کے ساتھ ان کی غمخواری کرسکوں تو مجھ جیسے فقراء سردی کی مشقت اٹھا رہے ہیں۔ ان کے ساتھ سردی کی مشقت اٹھا کر ان کی غمخوارگی کر رہا ہوں۔ معلوم ہوا روزہ کا ایک فائدہ فقراء کے ساتھ موافقت بھی ہے۔ جس سے آدمی کا حال اللہ کے

حضور بلند ہوتا ہے۔(ابن ہمام کا کلام ختم ہوا۔)
علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ الباری نے بھی یہاں تک روزہ کے فوائد نقل کیے ہیں۔اور انہوں نے اس پر اضافہ بھی کیا ہے وہ یہ ہے:

وھذا کان یقول بعض الاولیاء العارفین عند کل لقمۃ اللھم لا تواخذ فی عق الجائعین٥الخ

(مرقاۃ شرح مشکوۃ،جلد 4،ص:229،مکتبہ امدادیہ ملتان)

اسی لیے بعض اولیاء عارفین ہر لقمہ کے وقت کہتے تھے:اے اللہ عزوجل!بھوکے لوگوں کے حق کا مجھ سے مواخذہ نہ فرمانا۔اور یہ بھی ثابت ہے کہ سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام قحط کے سالوں میں طعام سیر ہو کر تناول نہیں فرماتے تھے۔باوجود اس کے کہ اس سال آپ کے پاس طعام وغیرہ کافی تھا وہ اس لیے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اہل جوع وفاقہ کو نہیں بھولے تاکہ جوع وفاقہ والوں کے ساتھ خاصہ اور حاجت مندوں میں اپنے آپ کو مشابہ بنالیں۔
شیخ محمد امین المشہور بابن عابدین شامی حنفی درمختار کی شرح ردالمحتار میں صوم کا"لا الہ الا اللہ"کے بعد اسلام کا تیسرا رکن ہونے کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال فی الایضاح اعلم ان الصوم اعظم ارکان الدین واوثق قوانین الشرع المتین بہ قھر النفس الامارۃ بالسوء وانہ مرکب من اعمال القلب٥الخ (ردالمحتار،جلد دوئم،ص:87،مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

ایضاح میں ہے۔جان لو روزہ ارکان دین میں سے ایک اعظم رکن ہے اور شرع متین کے قوانین میں سے ایک اوثق قانون ہے۔جس کے ساتھ نفس امارہ بالسواء پر غلبہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔اور روزہ اعمال قلب سے مرکب ہے۔اور روزہ دار کو دن میں کھانے،پینے اور جماع سے منع کرتا ہے۔اور روزہ اجمل الخصال میں سے ہے۔اس کے ساتھ ساتھ نفوس پر اس کی تکالیف بہت سخت ہیں۔چنانچہ حکمت الہیہ کا تقاضا یہ ہے کہ تکالیف میں اخف (بہت سہل) کے ساتھ ابتداء کی جائے اور وہ نماز ہے جو مکلف کے لیے ایک مشق اور اس کے لیے ریاضت ہے۔پھر دوسری بار اس کو وسط (سہل اور سخت ترین کے درمیان) کے ساتھ مکلف بنایا جائے اور وہ زکوۃ ہے۔پھر تیسری بار اس کو سخت ترین اور باعث مشقت عمل کا مکلف بنایا جائے اور وہ روزہ ہے۔مقام مدح اور ترتیب کا اسی طرف اشارہ ہے"اللہ عزوجل کا فرمان"

"والخاشعین والخاشعات والمتصدقی والمتصدقات والصائمیں والصائمات"

(سورۃ احزاب،آیت:35)

عاجزی کرنے والے اور عاجزی کرنے والیاں۔اور خیرات کرنے والے اور خیرات کرنے والیاں۔اور روزے والے اور روزے والیاں۔(کنزالایمان)

اس لیے پہلے اسلام کا ذکر ہے پھر قیام صلوٰۃ کا پھر زکوٰۃ ادا کرنے کا پھر ماہ رمضان المبارک کے روزے رکھنے کا۔
چنانچہ ائمہ شریعت نے اپنی مصنفات میں اس کے ساتھ اقتداء کی ہے۔ (کذا فی شرح ابن علمی)
ابوالعباس شہاب الدین احمد قسطلانی متوفی 923ھ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

و شرعه سبحانه لفوائد اعظمها کسر النفس وقهر الشیطان ۰ الخ

(ارشاد الساری، جلد 4، ص:496)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے روزہ بہت سارے فوائد کے لیے مشروع فرمایا۔ اور ان فوائد میں سے سب سے بڑا فائدہ نفس کی شہوت کو ختم کرنا اور شیطان کو مغلوب کرتا ہے۔ چنانچہ سیر ہو کر کھانا نفس میں ایک نہر ہے۔ جس میں شیطان وارد ہوتا ہے۔ اور بھوک روح میں ایک نہر ہے جس میں فرشتے وارد ہوتے ہیں۔ اور ان فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ۔
غنی اس پر اللہ عزوجل کی جو نعمت ہے وہ اس نعمت کی قدر کو پہچانتا ہے اور جس چیز پر اس کو عزت ووقار ملا اور اس سے اکثر فقراء کو روک دیا گیا جیسا کہ فضول طعام وشراب اور نکاح وغیرہ۔ چنانچہ وہ غنی وقت مخصوص میں اس سے جب رک جاتا ہے اس کے سبب جو مشقت اس کو حاصل ہوتی ہے اور وہ اس روزہ کے سبب مطلقاً اس سے منع ہونا یاد کرتا ہے تو یہ چیز اس کے لیے اللہ عزوجل کی نعمت کے شکر کو واجب کر دیتی ہے اور اس کو اپنے محتاج بھائی کی رحمت اور اس کی غمخوارگی کی دعوت دیتی ہے اور اس سے جتنا بھی ممکن ہو سکے وہ اپنے محتاج بھائی کی خیر خواہی کرتا ہے۔
علامہ عبدالباقی محمد زرقانی متوفی 1122ھ مؤطا امام مالک کی شرح زرقانی میں امام قسطلانی کی یہ عبارت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وذکر بعض الصوفیة ان آدم (علیه السلام) لماتاب عن اکل الشجرة تاخر قبول توبته ۰ الخ

(شرح الزرقانی علی الموطا، جلد دوئم، ص:153)

بعض صوفیہ نے ذکر کیا کہ جب ممنوع درخت کے کھانے سے حضرت آدم علیہ السلام نے توبہ کی تو آپ کی توبہ کی قبولیت میں تاخیر ہوئی۔ اس لیے کہ اس کے کھانے سے حضرت آدم علیہ السلام کے جسد میں تیس 30 دن تک اثر رہا یا وہ لقمہ تیس دن تک آپ کے جسد میں رہا۔ جب اس لقمہ سے حضرت آدم علیہ السلام کا قلب اطہر مصفّیٰ ہو گیا تو آپ کی توبہ قبول ہوگئی۔ چنانچہ آپ کی اولاد پر تیس روزے فرض کروائے گئے۔
صوفیاء کا یہ قول نقل کرنے کے بعد حافظ عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں:

"وھذا یحتاج الیٰ ثبوت السند فیه الی من یقبل قوله فی ذالك"

(فتح الباری، جلد 4، ص:103، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

اس عبارت کی سند ضروری ہے اور اس کی نسبت کسی ایسے شخص کی طرف ضروری ہے جس کے قول کو قبول کیا جا سکے۔
علامہ بدر الدین عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں بھی اس کو نقل کیا ہے لیکن الفاظ مختلف ہیں اور انہوں نے اس کے ناقل کا حوالہ بھی پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

فأن قلت :- ما الحكمة فى التنصيص على ثلاثين التى هى الشهر الكامل ٥ قلت :- قالوا لما اكل آدم عليه السلام من الشجرة التى نهى عنها بقى شئ من ذالك فى جوفه ثلاثين يوماً فلما تاب الله عليه امره بصوم ثلاثين يوما بلياليهن ذكره فى خلاصة البيان فى تلخيص معانى القرآن ٥

(عمدۃ القاری، جلد 10، ص:255، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

فرماتے ہیں: اگر تو کہے تیس 30 روزں پر نص بیان کرنے میں حکمت کیا ہے جو ایک کامل مہینہ ہے۔
میں کہتا ہوں: علماء نے فرمایا جب حضرت آدم علیہ السلام نے اس درخت سے کھایا جس سے آپ کو منع کیا گیا تھا تو اس سے کچھ آپ کے پیٹ میں تیس 30 دن باقی رہا اور جب اللہ عزوجل نے آپ کی توبہ قبول فرمائی تو حضرت آدم علیہ السلام کو بمعہ راتوں کے تیس دن کے روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ اس کو صاحب "خلاصۃ البیان فی تلخیص معانی القرآن" نے ذکر کیا ہے۔
آپ دونوں حضرات کی عبارتوں کو ملاحظہ فرمائیں۔ دیکھیں ان دونوں کی عبارات میں کتنا فرق ہے۔ پھر یہ کہ حافظ عسقلانی نے اس کو صوفیاء کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور علامہ بدر الدین عینی نے لفظ "قالوا" سے اس کو نقل کیا ہے۔
ابو عبد اللہ حسین بن حسن حلیمی شافعی متوفی 403ھ انہوں نے کتاب شعب الایمان تحریر فرمائی اور اس کا نام "المنہاج" رکھا۔ صاحب کشف الظنون لکھتے ہیں۔ ابو عبد اللہ حلیمی کی یہ کتاب تین مجلدات میں ہے اس میں احکام کثیرہ اور مسائل فقیہ ہیں ان کے علاوہ جو اصول دین اور آیات قیامت اور احوال قیامت کے متعلق ہیں وہ بھی منقول ہیں۔

(کشف الظنون، جلد دوئم، ص:1047)

ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن موسیٰ بیہقی نیساپوری متوفی 458ھ اپنی کتاب شعب الایمان کے خطبہ میں لکھتے ہیں۔
میں نے ہر باب پر ابو عبد اللہ حلیمی شافعی کے کلام کی حکایت کی ہے جس سے ہر باب کا مقصود واضح ہو جاتا ہے۔
امام بیہقی نے کتاب الصیام کے ماتحت ابو عبد اللہ حلیمی کا کلام نقل کیا ہے۔ وہ یہ ہے:

قال ابو عبدالله الحليمى رحمه الله فى مبسوط كلامه قد ابان الله تعالىٰ ان الصوم من اسباب التقوىٰ وحقيقة التقوى فعل المامور به والمندوب اليه ٥ الخ

(شعب الایمان، جلد سوئم، ص:287، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ابو عبد اللہ حلیمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مبسوط کلام میں فرمایا۔ اللہ عزوجل نے واضح فرما دیا کہ روزہ اسباب تقویٰ میں

سے ہے اور حقیقتِ تقویٰ مامور بہ (جس کے کرنے کا اس کو حکم دیا ہے) اور مندوب الیہ (جو کام اللہ کو محبوب اور پسند ہیں) پر عمل کرنا اور اس کو جس کام سے منع کیا گیا ہے اور مکروہ تحریمی و تنزیہی سے اجتناب کرنا حقیقت تقویٰ ہے۔ اس لیے کہ تقویٰ سے مراد بندہ کا اپنے آپ کو نار جہنم سے بچانا ہے اور وہ صرف اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے اس طرح بچاسکتا ہے جیسا کہ میں نے ذکر کیا۔ ابو عبداللہ حلیمی فرماتے ہیں:

تقویٰ کی شاخوں میں سے ایک شاخ نماز بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر" (سورۂ عنکبوت، آیت:45)

فحش اور منکر سے رکنا ہی تقویٰ ہے۔ اور یہ اس لیے کہ اللہ عزوجل جس آدمی کو نماز کی محبت عطا فرمائے اور اس کو اس کے پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے تو اس نے اپنے اعضاء کو جھکا دیا اور انکساری و فروتنی اختیار کی اور وہی فحش اور منکر سے رکنے والا اور باز رہنے والا ہے۔ اسی طرح روزہ بھی تقویٰ کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے۔ اس لیے کہ پیٹ بھر کر کھانا، پینا فحشاء اور مناکیر کا اصل سبب ہے۔ اور عادات میں یہ معلوم ہے کہ بھوکا، پیاسا اپنے نفس میں شہوات کی اضطرابی و بے قراری نہیں پاتا جو پیٹ بھر کر کھانے اور پینے والا پاتا ہے۔ اور جب وہ بھوکا پیاسا رہتا ہے تو اس کو روزہ رکھنے سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ اس میں ایک اور وجہ بھی ہے کہ

"لعلکم تتقون" کا معنی یہ بھی ہے کہ بقدر نعمت اس کے شکر کرنے سے جان بوجھ کر نادانی کے اظہار غفلت اور اس کی ناشکری سے بچو ہے۔ اور یہ اس لیے کہ جب لوگ ایک لمبی مدت کھانے، پینے سے دن اور رات رکے رہے وہ بھوک اور پیاس کو بھول گئے۔ اور اس کی شدت سے غافل ہو گئے۔ اس کے مطابق وہ کھانے اور پینے کی ان پر اللہ عزوجل کی جو نعمت واقع ہوئی اس کو بھول گئے اور اس کے شکر سے غافل ہو گئے۔ تو اس مدت مدیر میں سے ایک مدت کے لیے ان پر روزہ فرض کر دیا گیا تا کہ وہ سمجھ سکیں کہ کھانے پینے سے پیٹ کا بھرنا صرف کھانے اور پینے کی اشیاء کے موجود ہونے سے ہی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ باوجود اس کے کہ ہر چیز موجود ہے لیکن اس کے جائز ہونے کا تو اللہ عزوجل کا محتاج ہے۔ کیونکہ اسی نے ہمیں اس مدت میں کھانے پینے سے منع فرمایا ہے۔ یہ ان کے ایمان کی تروتازگی ہے۔ پھر وہ اللہ عزوجل کی ذات کے لیے کھانے پینے سے باز رہے یہ ان کی عبادت ہو گی۔ پھر انہوں نے باز رہنے کے درمیان کھانے، پینے کی طرف میلان پایا اور انہوں نے اس سے صبر کیا تو یہ ایک طویل مدت جو ان پر کھانے پینے کی اباحت وغیرہ تھی اس نعمت کے قدر کو یاد کرنا ہے حتیٰ کہ جب وہ نعمت ان کی طرف لوٹائی گئی۔ تو انہوں نے اس کا شکر ادا کیا اور اس کا حق ادا کیا اور یہ بلاشبہ ابواب تقویٰ میں سے ہے۔

اس میں ایک اور وجہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ "لعلکم تتقون" کا معنی یہ ہو کہ تم بخل اور محتاجوں کو جان بوجھ کر چھوڑ دینے اور ان سے غافل ہونے سے بچو یہ اس لیے کہ بھوک اور پیاس ایسے دو امر ہیں جن پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے اور ان میں اغنیاء اور اضعفاء بھی ہیں۔ اور جب اغنیاء سھوا کھانے اور پینے کو خوشگوار سمجھتے رہے اور انہیں معلوم نہیں کہ بھوک کیا ہے۔ تو ان پر ایک

مدت روزے فرض کر دیے گئے۔ حتیٰ کہ جب انہوں نے تھوڑی مدت میں طعام سے تاخر میں جهد محسوس کیا تو اس کے سبب ان کو ان لوگوں کا حال یاد آ گیا جو دن رات یا اس سے زیادہ بھوکے رہے اور وہ شدت فقر کی وجہ سے نہ روزہ دار ہیں اور طعام کھانے والے تو یہ ضعفاء پر مہربانی اور حسن سلوک اور اللہ عزوجل کے ہاں نعمت کے شکر کرنے کا سبب بن گیا تو بلاشبہ محتاجوں کی مدد کرنا اور ان سے حسن سلوک کرنا تقویٰ میں سے ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ان الصوم یورث التقوی لما فیه من انکسار الشهوة و انقطاع الهوی٥ الخ

(تفسیر کبیر، جلد 5-6، ص:70، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ طہران)

روزہ تقویٰ کا وارث بنا دیتا ہے اس لیے کہ اس میں شہوت کو توڑنے اور خواہش کے قلع قمع کی قوت ہے۔ وہ شر اور تکبر اور فواحش سے روکتا ہے۔ دنیا اور اس کی ریاست کی لذات آسان بنا دیتا ہے۔ اور یہ اس لیے کہ روزہ بطن اور فرج کی شہوت کو ختم کر دیتا ہے۔ اور لوگ صرف ان دونوں (بطن وفرج) کے لیے تگ و دو کرتے ہیں۔ اور جو شخص روزے زیادہ رکھتا ہے اس پر ان دونوں کا معاملہ آسان ہو جاتا ہے اور اس پر ان دونوں کی معرفت ومشقت ہلکی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ روزہ اس کے لیے ارتکاب محارم وفواحش کا راستہ روک دیتا ہے۔ اور اس پر دنیا میں امر ریاست آسان ہو جاتا ہے۔ اور روزہ واسباب تقویٰ کا جامع ہے۔

ابن نجیم حنفی بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں لکھتے ہیں کہ

"ومحاسنه کثیرة ومنها انه وسیله الی التقوی" الخ

(بحر الرائق، مجلد اول، حصہ دوئم، ص:259، مطبوعہ سعید کمپنی کراچی)

اور روزہ کے بے شمار محاسن ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ روزہ تقویٰ کی طرف وسیلہ ہے۔ اس لیے کہ تقویٰ جب اللہ عزوجل کی رضامندی کی خواہش کرتے ہوئے حلال سے امتناع (رکنے باز رہنے) کی طرف کھینچ لاتا ہے تو حرام سے بدرجہ اولیٰ امتناع کے لیے کھینچ لائے گا۔ اور اللہ عزوجل کے فرمان "لعلکم تتقون" کا اسی طرف اشارہ ہے اور روزہ کے محاسن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ شہوت جو معاصی کی طرف بلاتی ہے اس کو ختم کر دیتا ہے۔ اور روزہ کے محاسن میں سے یہ بھی ہے کہ روزہ ملائکہ روحانیہ کے صفت کے ساتھ متصف کر دیتا ہے۔ اور اس کے محاسن میں سے یہ بھی ہے کہ روزہ دار کو فقراء کے حال کا علم ہو جاتا ہے تا کہ وہ ان پر رحم کرے اور ان کو کھانا وغیرہ کھلائے۔ اور اس کے محاسن میں سے یہ بھی ہے۔ کہ روزہ میں فقراء ومساکین کی موافقت بھی ہے۔

علماء کرام کی تصریحات سے واضح ہو گیا کہ روزہ کی حکمتیں اور فوائد اور محاسن کیا ہیں اور یہ ایک قسم کی ترغیب ہے جس سے روزہ کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے جو ایمان والوں کو روزہ کی عزت وتکریم کرنے کا سبب بنتی ہے۔

کن روزوں میں تتابع ضروری ہے اور کن میں نہیں:

علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

"ثم اعلم ان الصیامات اللازمة فرضاً ثلاثة عشر" ٥ الخ (بحر الرائق، حصہ دوئم، ص:258)

جان لو! لازمہ روزے جو باعتبار ادا فرض ہیں وہ تیرہ 13 ہیں۔

ان میں سے سات میں تتابع واجب ہے۔ وہ سات روزے یہ ہیں۔ 1- ماہ رمضان کا روزہ، 2- کفارہ قتل کا روزہ، 3- کفارہ ظہار کا روزہ، 4- کفارہ یمین کا روزہ، 5- ماہ رمضان میں جان بوجھ کر روزہ ترک کرنے کا کفارہ افطار، 6- روزہ نذر معین اور 7- روزہ یمین معین۔

اور جن روزوں میں تتابع واجب نہیں وہ چھ 6 ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:

1- قضاء رمضان کا روزہ، 2- متعہ کا روزہ، 3- کفارہ حلق کا روزہ، 4- جزاء صید کا روزہ، 5- نذر مطلق کا روزہ اور 6- قسم مطلق کا روزہ۔

یہ کہ کسی نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم میں ضرور ایک ماہ کے روزے رکھوں گا۔ پھر اس نے ان روزں میں جن میں تتابع واجب ہے ایک روزہ افطار کر دیا کیا اس کے لیے از سر نو روزہ رکھنا چاہیے یا کہ نہیں۔ اس کا جواب جو علامہ ابن نجیم حنفی نے دیا ہے اس کے نقل سے قبل تتابع کا سمجھنا ضروری ہے۔

تتابع کا معنی:

"تتابع" باب تفاعل کا صدر ہے۔ اس کا مادہ تبع ہے جس کا معنی پیچھے چلنا، ساتھ چلنا، فرمانبردار ہونا، پیروی کرنا، نشان قدم پر چلنا، اور "تتابع بین الاعمال" بھی اسی سے ہے کہ اعمال کا لگاتار کرنا۔ اور تتابع کا معنی ہے ایک دوسرے کے پیچھے روزہ رکھنا۔ یعنی لگاتار پے در پے روزے رکھنا جن میں افطار نہ آئے۔ مثلاً کفارہ ظہار کے روزے جب کسی آدمی نے اپنی بیوی کو کہا "انت علی کظھر امی او انت علی کفرج امی "تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت یا تو مجھ پر ایسی ہے جیسے میری ماں کی شرمگاہ۔ تو اس پر کفارہ ظہار واجب ہے۔ اور کفارہ ظہار کا اللہ عزوجل نے قرآن پاک میں ذکر کیا ہے:

"فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین من قبل ان یتماسا فمن لم یستطع فاطعام ستین مسکینا" الخ (سورۃ مجادلہ، آیت:4)

پھر جسے بردہ (غلام) نہ ملے تو لگاتار دو مہینے کے روزے قبل اس کے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ پھر جس سے روزے بھی نہ ہو سکیں تو ساٹھ 60 مسکینوں کا پیٹ بھرنا۔ (کنزالایمان)

چنانچہ کفارہ ظہار کے روزوں میں سے ایک روزہ بھی اگر افطار کرے گا تو اس پر از سرے نو روزے رکھنا واجب

ہے۔ یعنی پورے دو مہینے لگاتار روزے رکھے اس کے درمیان کوئی روزہ نہ چھوڑے۔

اصل ظہار کیا ہے:

ظہار اس کو کہتے ہیں کہ اپنی بیوی کو محرمات نسبی یا رضائی کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دی جائے جس کو دیکھنا حرام ہے۔ مثلاً اپنی بیوی سے کہے تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی مثل ہے۔ یا بیوی کے ایسے اعضاء کو جس سے وہ تعبیر کی جاتی ہو یا اس کے جزو شائع کو محرمات کے ایسے عضو سے تشبیہ دے جس کا دیکھنا حرام ہے۔ مثلاً یہ کہے تیرا سر یا تیرا نصف بدن میری ماں کی پیٹھ یا اس کے پیٹ یا اس کی ران یا میری بہن یا پھوپھی یا دودھ پلانے والی کی پیٹھ یا پیٹ یا ران کے مثل ہے تو ایسا کہنا ظہار کہلاتا ہے۔

(خزائن العرفان)

ہمارے بعض نام نہاد مفتیان کرام الفاظ ظہار پر توجہ نہیں کرتے اور صرف حصول دنیا کے لیے اور پیسے بٹورنے کے لیے ایسے فتاویٰ تحریر فرما دیتے ہیں جو مفہوم ظہار کے بالکل خلاف ہے۔ بلکہ شنید یہ ہے کہ بعض نام نہاد مفتیان صرف پیسوں کی خاطر جائز کو ناجائز اور ناجائز کو جائز بنا کر جاہلوں کو فتویٰ دے دیتے ہیں۔ اگر ان کو ''مفتیان الدراہم والدنانیر'' کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ یعنی یہ صرف دراہم ودنانیر کے ہی مفتی ہیں۔ میری مراد ''واللہ، باللہ، تاللہ'' وہ مفتیان عظام نہیں جو ہم سب کے لیے واجب التکریم والاحترام ہیں۔ میری مراد وہ مفتی ہیں جو علم دین سے کورے۔ محض اپنے آپ کے اظہار کے لیے کہ میں عالم دین ہوں غلط فتوے دیکر جاہلوں سے پیسے بٹورتے ہیں۔ اس فقیر سے بھی کئی علماء نے ذکر کیا کہ فلاں، فلاں مفتی صاحب نے یہ فتویٰ دیا اور فلاں نے یہ فتویٰ دیا۔ مثلاً کسی آدمی نے بیوی سے کہہ دیا تو میری ماں، بہن ہ۔ فتویٰ صادر فرما دیا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دیں یا اس کے برابر رقم کسی غریب کو دے دیں۔ اور فتویٰ پر پیسے لے لیے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ ظہار بھی بنتا ہے کہ نہیں۔ حضرت مولانا محمد امجد علی رحمۃ اللہ علیہ صاحب ''بہار شریعت'' میں لکھتے ہیں۔

مسئلہ:

عورت کو ماں بیٹی یا بہن کہا تو ظہار نہیں مگر ایسا کہنا مکروہ ہے۔

قاضی خان فرماتے ہیں:

والثانیۃ: — ان یقول لھا انت مثل امی ولم یقل علی ولم ینوشیئا لا یلزمہ شیٔ فی قولھم○ الخ

(فتاویٰ قاضی خان، اولین، ص: 264، حافظ کتب خانہ کوئٹہ)

مرد اپنی بیوی سے کہے تو میری ماں کی مثل ہے اور لفظ علی (یعنی مجھ پر) نہ کہے اور وہ کسی چیز کی نیت بھی نہ کرے تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین سب کے نزدیک اس پر کوئی چیز لازم نہیں۔ اور اگر کہے تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے یا لفظ ''مثل امی'' کہے اور اس سے اس کی نیت بڑائی اور کرامت ہے اس پر کوئی چیز لازم نہیں۔ اگر نیت ظہار کی ہے تو ظہار ہوگا۔ یہ امام حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اس کے بعد صاحب فتاویٰ قاضی خان لکھتے ہیں:

والاصل فيه انه اذا اشبهها بمالا يحل النظر فيه من اعضاء الام يكون ظهاراًo وان اشبهها بمايحل النظر اليه كا الشعر والوجه والرأس واليد لايكون ظهاراًo (ص:265)

اصل میں ظہار یہ ہے کہ جب مرد اپنی بیوی کو اپنی ماں کے ان اعضاء سے تشبیہ دے جن اعضاء کا اس کے لیے دیکھنا حلال نہیں ظہار ہوگا۔ اور اگر ان اعضاء سے تشبیہ دے جن کا دیکھنا جائز ہے جیسے بال، منہ، سر اور ہاتھ یہ ظہار نہیں ہوگا۔

ظہار کا حکم یہ ہے کہ جب تک ظہار کرنے والا کفارۂ ادا نہ کر دے وہ عورت[1] سے جماع یا شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانا اور اس کا بوسہ لینا وغیرہ نہیں کر سکتا' مراد یہ ہے نہ ہی وہ اپنی عورت سے جماع کر سکتا ہے اور نہ ہی وہ کام جو دواعی جماع ہیں۔

صاحب فتاویٰ قاضی خان فرماتے ہیں۔ مظاہر نے جب کفارہ ظہار نہ دیا اس کا معاملہ قاضی کے سپرد کیا گیا۔ قاضی اس کو بند کر دے یہاں تک وہ کفارۂ ظہار دے یا طلاق دے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مسئلہ ظہار کی افادیت کے پیش نظر مسائل صوم کے ضمناً اس کو بیان کیا گیا ہے ورنہ میرا یہ موضوع نہیں۔ اب اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

تتابع کے متعلق جو جواب علامہ ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے ارقام فرمایا وہ یہ ہے:

فنقول كل صوم يومر فيه بالتتابع لاجل الفعل وهو الصوم يكون التتابع شرط فيهo الخ

ہم کہتے ہیں ہر وہ روزہ جس کے متعلق لگاتار روزہ رکھنے کا اس لیے حکم دیا گیا کہ اس میں اصل فعل ہے اور وہ روزہ ہے ان میں تتابع شرط ہوگا۔ علامہ ابن عابدین منحۃ الخالق علی بحر الرائق میں فرماتے ابن نجیم حنفی کا یہ قول کہ ان روزوں میں تتابع ہے۔ یعنی جب اس کے درمیان میں سے کوئی روزہ چھوڑ دیا اس پر از سر نو روزہ رکھنا لازم ہے۔ مثلاً کفارۂ ظہار میں اس نے دو ماہ کے روزے رکھنے شروع کئے پھر ایک روزہ رہ گیا تو پھر دوبارہ از سر نوان روزوں کی ابتداء کرے۔

اور ہر وہ روزہ جس میں تتابع کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ اس میں اصل اس کا وقت ہے۔ جو فوت ہو چکا ہے۔ ان روزوں میں تتابع ساقط ہو جائے گا۔'' علامہ ابن العابدین فرماتے ہیں:

اگر اس نے درمیان میں سے ایک روزہ چھوڑ دیا وہ از سر نوان کو شروع نہ کرے بلکہ جو روزہ فوت ہوا ہے اس پر بناء کرے۔ (بحر الرائق، حصہ دوئم، ص:259)

اب ذرا علامہ ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کی وضاحت پیش خدمت ہے۔ آپ کے اس قول 'فنقول کل

---

[1] نہ تو وہ عورت سے جماع کر سکتا ہے۔ نہ اُس کو شہوت کے ساتھ ہاتھ لگا سکتا ہے اور نہ ہی بوسہ لے سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں سب اُس کا عورت سے جماع کرنا اور دواعی جماع کو اختیار کرنا جائز نہیں۔

صوم یومر فیه ''الخ۔ اس سے صرف وہ روزے مراد ہیں جن کا لگا تار رکھنا واجب ہے۔ وہ روزے مراد نہیں جن کا لگا تار رکھنا واجب نہیں۔ علامہ موصوف نے صرف جن روزوں میں تتابع واجب ہے انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ایک روزوں کی وہ قسم ہے کہ اگر ان میں سے ایک روزہ بھی رہ جائے تو دوبارہ از سر نو روزے رکھے۔ اور ایک قسم وہ ہے اگر کوئی ایک روزہ درمیان میں سے رہ جائے تو تتابع ساقط ہو جائے گا لیکن وہ از سر نو روزے نہیں رکھے گا جبکہ جو روزہ جاتا رہا اسی پر بناء کرتے ہوئے اپنے روزے پورے کرے گا۔

علامہ موصوف نے ان میں صرف فرق بیان کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں جن روزوں میں تتابع (لگاتار) روزے رکھنا شرط ہے اس میں اصل فعل ہے۔ یعنی روزہ مقصود ہے۔ وہ روزے یہ ہیں:

۱۔ کفارۂ قتل کے روزے، ۲۔ قسم کے روزے، ۳۔ جان بوجھ کر ماہ رمضان کا روزہ ترک کرنے پر کفارہ کے روزے اور ۴۔ اس کے ساتھ نذر مطلق بھی ملحق ہے۔ اگر اس نے ان کے لگا تار روزے رکھنے کا ذکر کیا یا اس کی نیت کی۔ اور ۵۔ کفارہ ظہار کے روزے ان سب روزوں میں تتابع واجب ہے کیونکہ ان میں اصل روزہ مقصود ہے۔ اس لیے اگر کسی نے ان روزوں کے درمیان میں سے ایک روزہ بھی ترک کیا مثلاً وہ ظہار کے دو ماہ کے روزے رکھ رہا ہے اس نے پچاس روزے لگا تار رکھے اس کے بعد اس نے 51 روزہ ترک کر دیا۔ اب پچھلے پچاس روزے بھی ختم ہو گئے وہ شخص از سر نو دوبارہ دو ماہ کے روزے رکھے۔

اور دوسری قسم کے روزے جن میں تتابع کا حکم دیا گیا ہے ان میں اصل وقت ہے روزہ نہیں۔ یعنی ان میں مقصود وقت ہے روزہ نہیں۔ ان میں اگر فعل (روزہ) جو واجب القضاء ہے باقی رہ گیا تو تتابع ساقط ہو جائے گا۔ اور وہ روزے یہ ہیں۔ ۱۔ رمضان المقدس کے روزے، ۲۔ نذر معین اور ۳۔ قسم کے روزے جن میں دن معین ہوں (مثلاً کہے میں محرم میں روزے رکھوں گا)۔ ان روزوں کے درمیان میں سے اگر روزہ رہ گیا تو تتابع ساقط ہو گیا۔ مثلاً ماہ رمضان شریف میں اگر کسی آدمی سے بعذر شرعی روزہ رہ گیا تو وہ اس پر بناء کرے۔ یعنی اگر اس نے 10 روزے رکھے اور گیارھواں روزہ رہ گیا جو کہ واجب القضاء ہے وہ جب بارھواں روزہ رکھے گا تو گویا اس کا یہ گیارھواں روزہ ہوا۔ یہی معنی ہے کہ جو روزہ فوت ہو چکا اسی پر بناء کرے۔ اس کے لیے از سر نو روزے رکھنا واجب نہیں اور جو روزہ رہ گیا اس کو قضاء کرے۔

کذا ذکرہ صاحب البدائع و لاستیجابی o

کیا رمضان المقدس سے پہلے کوئی روزہ فرض تھا:

اکثر احناف اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول میں ماہ رمضان المبارک سے قبل یوم عاشوراء فرض تھا اور ماہ رمضان کے روزے فرض ہونے کے بعد یوم عاشورا کے روزہ کی فرضیت منسوخ ہو گئی اور اس کا استحباب باقی ہے چونکہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک ماہ رمضان سے قبل دس محرم الحرام کا روزہ فرض تھا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مستحب تھا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول مشہور ہے۔ اس لیے اس بارے تفصیل سے عرض کرنا ضروری ہے۔

سب سے پہلے وہ احادیث مبارکہ جن سے یوم عاشورا کے روزہ کے فرض ہونے پر استدلال کیا گیا ہے۔ اور پھر وہ احادیث مبارکہ جن سے یوم عاشورہ کے روزہ کے منسوخ ہونے پر استدلال کیا گیا ہے۔ اور بعد میں وہ احادیث مبارکہ پیش کی جائیں گی جن سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال فرمایا ہے کہ روزہ عاشورہ فرض نہیں تھا۔

بعض علماء کرام حضرات جو کہ بوقت تحریر وتالیف کتب احادیث کا صرف ترجمہ ہی تحریر فرما دیتے ہیں۔ اور اسناد حدیث اور متن حدیث بیان نہیں کرتے میرے خیال میں یہ اسلوب تحریر مستحسن نہیں اس لیے کہ تشنگان علوم کی اس سے تشنگی دور نہیں ہوتی۔ پھر مجھ جیسے کم علم کے لیے اس کی تلاش باوجودیکہ حوالہ جات موجود ہوتے ہیں بہت مشکل ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ وہ عربی سے کماحقہ واقف نہیں ہوتے اور صرف ترجمہ سے اس کی تلاش مشکل ہو جاتی ہے۔ اس لیے مصنفین حضرات کے لیے ضروری ہے کہ وہ احادیث مبارکہ کو بمع اسناد تحریر فرمائیں پھر ان کا ترجمہ۔ جو لوگ عربی پر کچھ دسترس رکھتے ہیں وہ بالخصوص متن حدیث سے استفادہ کر سکیں اور جو کلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زبان اقدس سے نکلا ہے بعرفان اللہ عزوجل:

''ومایںطق عن الهوی ٥ ان هو الا وحی یوحی'' ٥ (سورۃ نجم، آیت: 3-4)

اس کو اپنی زبان سے بیان کر کے فیوض وبرکات حاصل کر سکیں۔ اور اس شعر کا مصداق بن جائیں۔

ما ان مدحت محمد ابمقالتی ولٰکن مدحت مقالتی بمحمد

چنانچہ میں (راقم الحروف) پوری کوشش کروں گا کہ جملہ احادیث جو کہ باسناد مختلفہ اس باب میں آئی ہیں ان کو بمع متن تحریر کروں اور ساتھ ان کے تراجم بھی لکھوں۔ تاکہ قارئین کرام کماحقہ اس سے استفادہ فرما سکیں۔ ویسے بھی کسی کتاب کی روح وہ احادیث نبویہ علی صاحبها السلام والتحیه ہی ہیں۔ فقط ان کے تراجم سے کتاب کی یہ روح ختم ہو جاتی ہے۔

اب وہ احادیث مبارکہ بمعہ حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں جن سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ یوم عاشورہ (دس محرم الحرام) کا روزہ فرض تھا۔

(۱) حدثنا المکی بن ابراهیم حدثنا بن ابی عبید عن سلمة بن الاکوع رضی الله عنه قال امر النبی صلی الله علیه و آله وسلم رجلاً من اسلم ان اذن فی الناس ان من کان اکل فلیصم بقیة یومه ومن لم یکن اکل فلیصم فان الیوم یوم عاشوراء٥

(بخاری شریف، کتاب الصوم، حدیث 2007)

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی احادیث ثلاثیات میں سے چھٹی حدیث ہے جن احادیث پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو بڑا فخر ہے۔

اور مسلم شریف کی حدیث جو حضرت سلمہ بن اکوع سے مروی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

(2) بعث رسول اللہ صلی اللہ علیه و آلہ وسلم رجلاً من اسلم یوم عاشوراء فامره ان یوذن فی الناس من کان لم یصم فلیصم○ ومن کان اکل فلیتم صیامه الی اللیل○

(مسلم شریف بمعہ نووی، جلد اوّل، باب صوم یوم عاشوراء، ص:359)

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلہ اسلم کے ایک شخص (اسماء یا ھندیہ دونوں حادثہ کے بیٹے ہیں) کو حکم دیا کہ لوگوں میں اعلان کرے جس نے کچھ کھایا ہے وہ باقی دن روزہ رکھے اور جس شخص نے کچھ نہیں کھایا وہ بھی روزہ رکھے کیونکہ یہ عاشورہ کا دن ہے اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے اور جس نے کچھ کھایا ہے وہ رات تک اپنے روزہ کو پورا کرے۔

اور حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث کو جن محدثین عظام نے تخریج کیا ہے ان کے حوالہ جات نقل کیے جا رہے ہیں۔ اور حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث اکثر محدثین کرام نے اپنی اپنی سند کے ساتھ متن میں تھوڑی کمی، بیشی کے ساتھ تخریج کی ہے لیکن مفہوم کے اعتبار سے سب احادیث میں کوئی فرق نہیں۔ ان کے حوالہ جات درج ذیل ہیں۔

ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم اسفرائینی نیشاپوری متوفی 316ھ نے اپنی مسند میں اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ اور باب یہ قائم کیا ہے۔

باب الخبر الموجب لصوم یوم عاشوراء الخ○

اس خبر کے باب میں جو یوم عاشورہ کے روزہ کا موجب ہے۔ اور اس خبر مبین کے متعلق جو اس امر پر () ہے کہ عاشورہ کا روزہ منسوخ ہے۔ اس باب کے تحت ابوعوانہ تین احادیث لائے ہیں جو مختلف اسناد کے ساتھ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔

○ مسند ابوعوانہ، جلد 4، حدیث:2382، 2383، 2384، ص:65

○ صحیح ابن حبان، جز5، ص:252، حدیث:3610، دارالفکر، حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی 360ھ نے معجم کبیر میں بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔

○ معجم کبیر، جلد 7، ص:31، حدیث:6289، احیاء التراث العربی

○ مسند امام احمد بن حنبل، جلد سوئم، ص:447، احیاء السنہ گوجرانوالہ

○ نیل الاوطار محمد بن علی بن محمد شوکانی، جز4، ص:269، احیاء التراث العربی بیروت

○ سنن الکبریٰ للبیہقی، جلد 4، ص:288، نشر السنہ ملتان

○ سنن نسائی شریف، ص:321، حدیث:2323، دارالسلام ریاض

امام احمد بن حنبل نے ''مسند'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ان الفاظ میں کچھ تغیر وتبدل کے ساتھ اس

حدیث کوروایت کیا ہے۔

(3) عن ابن عباس رضی اللہ عنھما ٥قال ارسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم الی اھل قریة علی رأس أربعة فراسخ او قال فرسخین یوم عاشوراء فامر من اکل ان لایا کل بقیة یومه٥ومن لم یاکل ان یتم صومه٥ (مسند احمد، جلداوّل، ص:232)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔انہوں نے کہارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عاشورہ کے دن چارمیل یادومیل کے فاصلہ پرایک گاؤں میں ایک شخص کوبھیجااور حکم دیا کہ جس نے کھایا ہے وہ باقی دن نہ کھائے۔اورجس نے کچھ نہیں کھایاوہ روزہ کو پورا کرے۔

ابوبکرعبدالرزاق بن ہمام صغانی متوفی 1 21ھ نے اس حدیث کوامام زہری سے مرسلاً روایت کیا ہے۔وہ حدیث یہ ہے۔

(4) عن الزھری (محمد بن مسلم بن عبداللہ) ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لما قدم المدینة قال لرجل من اسلم ایت قومك فمرھم فلیصوموا ھذا الیوم ٥لیوم عاشوراء ٥قال ارأیت ان وجدت بعضھم قد تغدیٰ٥ قال٥ فمرھم فلیتموا٥

(مصنف عبدالرزاق، جلد4، ص:286، حدیث:7834، منشورات مجلس علمی

امام زہری سے روایت ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے قبیلۂ اسلم کے ایک شخص سے فرمایا اپنی قوم کے پاس جاؤاورانہیں حکم دو۔اس دن ''جوعاشورہ کا دن ہے'' روزہ رکھیں۔عرض کیا آپ مجھے خبردیں اگر میں ان میں سے بعض کوکھانا کھاتے ہوئے پاؤں (تو کیا کروں) آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:ان کو حکم دو کہ وہ روزہ پورا کریں۔

ابوبکرمحمد بن اسحاق بن خزیمہ سلمی نیشاپوری متوفی 1 31ھ نے بھی اپنی ''صحیح'' میں حدیث سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو روایت کیا ہے۔

(5) عن سلمة ابن الاکوع٥ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قال لرجل من اسلم اذن فی قومك او فی الناس یوم عاشوراء من اکل فلیصم بقیة یومه٥ومن لم یکن آکل فلیصم٥

(صحیح بن خزیمہ، جلد سوئم، ص:290، حدیث:2092)

حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قبیلۂ اسلم کے ایک شخص سے فرمایا۔اپنی قوم (روای کاشک ہے) یالوگوں میں اعلان کردو آج یوم عاشورہ ہے جس نے کھایا ہے وہ باقی دن روزہ رکھے اور جس نے نہیں کھایا وہ بھی روزہ رکھے۔

ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابن ابی شیبہ متوفی 235ھ نے ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی کے طریق سے امام زہری (محمد بن مسلم بن شہاب) سے مرسلاً روایت کیا ہے۔

(6) **عن محمد (بن مسلم بن شهاب زهری) ان النبی صلی الله علیه و آله وسلم امر رجلاً من اسلم یوم عاشوراء فقال ایت قومك فمرهم ان یصوموا هذا الیوم فقال ما ارانی آتیهم حتی یصطبحوا فقال من اصطبح منهم ان یصومه بقیة یومه ومن لم یصطبح منهم ان یصوم○**

(مصنف ابن ابی شیبہ، جلد سوئم، ص: 57، ادارۃ القرآن والعلوم اسلامیہ کراچی)

امام زہری سے روایت ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاشورہ (دس محرم الحرام) کے دن قبیلہ اسلم کے ایک شخص سے فرمایا اپنی قوم کے پاس جاؤ اور انہیں اس دن کے روزہ رکھنے کا حکم دو۔ اس شخص نے عرض کیا۔ مجھے خبر دیجئے جب میں ان کے پاس جاؤں اور وہ صبح کا کھانا کھا رہے ہوں۔ آپ نے فرمایا: ان میں سے جس نے کھانا کھایا وہ باقی دن روزہ رکھے اور ان میں سے جس نے نہیں کھایا وہ بھی روزہ رکھے۔

ابن ابی شیبہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک ایسی ہی روایت کی ہے۔ وہ یہ ہے:

(7) **عن ابی ماریة قال سمعت علیاً یقول فمن کان بدا فلیتم ومن کان اکل فلیصم○**

(مصنف ابن شیبہ، جلد سوئم، ص: 58)

ابو ماریہ سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا جس نے ابتداء ہی سے روزہ رکھا ہے وہ پورا کرے اور جس نے کھایا ہے چاہئے کہ وہ بھی روزہ رکھے۔

(8) **عن معبد القرشی قال کان النبی صلی الله علیه و آله وسلم بقدید فأتاه رجل فقال له النبی صلی الله علیه و آله وسلم اطعمت الیوم شیئاً○ لیوم عاشوراء○ قال لا الا انی شربت ماء○ قال○ فلا تطعم بعد حتی تغرب الشمس وامر من ورائك ان یصوم هذا الیوم○**

(مصنف عبدالرزاق، ج، جلد 4، ص: 286، حدیث: 7835)

معبد قرشی سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقام ''قدید'' میں تشریف فرما تھے۔ آپ کے حضور ایک شخص آیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا۔ آج دن تو نے کچھ کھایا ہے۔ کیونکہ آج عاشورہ کا دن ہے۔ اس شخص نے عرض کیا میں نے کچھ نہیں کھایا ہاں پانی پیا ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کے بعد مت کھاؤ حتی کہ سورج غروب ہو جائے۔ اور جو لوگ پیچھے ہیں ان کو بھی اس دن کا روزہ رکھنے کا حکم دو۔

اس حدیث کو طبرانی نے معجم کبیر میں اسی طریق سے روایت کیا ہے۔

(معجم کبیر للطبرانی، جلد 20، حدیث: 803، ص: 342)

ابن خزیمہ نے حدیث نمبر 2093 کے ماتحت لکھا ہے کہ یہ حدیث جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا کہ جس نے کچھ کھایا ہے وہ باقی ماندہ دن نہ کھائے اور جس نے کچھ نہیں کھایا وہ روزہ کو پورا کرے۔ اس حدیث کو ابو سعید خدری، محمد بن صیفی، عبداللہ بن منہال خزاعی اپنے چچا سے، اسماء بن حارثہ، بعجہ بن عبداللہ جہنی اپنے باپ سے روایت کیا ہے اور ان سب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مثل حدیث سلمہ بن اکوع روایت کیا ہے۔

محمد مصطفیٰ اعظمی نے ذیل میں لکھا ہے۔ یہ احادیث ''الفتح الربانی'' جلد 10، ص: 180 تا 182، میں آپ دیکھ سکتے ہیں۔

ان میں سے محمد بن صیفی کی حدیث کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔ اور عبداللہ بن منہال یا عبدالرحمٰن بن منہال اپنے چچا سے' کی حدیث کو امام طحاوی نے روایت کیا ہے۔

پہلے محمد بن صیفی کی حدیث سماعت فرمائیں:

(9) عن الشعبی عن محمد بن صیفی قال ٥ قال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم عاشوراء امنکم طعم الیوم فقلنا منا من طعم ومنا من لم یطعم قال ٥ قال اتمرا بقیۃ یومکم من کان طعم ومن طریطعم وارسلوا الی اہل العروض فلیتموا بقیۃ یومہم یعنی اہل العروض من حول المدینۃ٥ (مصنف ابن ابی شیبہ، جلد سوئم ص: 54-55، نسائی شریف، حدیث 2322، ابن حبان، حدیث 3608)

محمد بن صیفی سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاشورہ کے دن ہمیں فرمایا کیا تم میں سے کوئی ہے جس نے آج کے دن کھایا ہو۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے کچھ لوگ ہیں جنہوں نے کھایا ہے۔ اور ہم میں سے بعض ہیں جنہوں نے ابھی نہیں کھایا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے باقی دن کو پورا کرو۔ جس نے کچھ کھایا ہے اور جس نے کچھ نہیں کھایا۔ اور اہل عروض کی طرف پیغام بھیجو کہ وہ بھی اپنے باقی دن کو پورا کریں۔ اور اہل عروض سے مراد مدینہ منورہ کے اردگرد رہنے والے لوگ ہیں۔

(10) ہند بن اسماء عن ابیہ ٥ قال بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الٰی قومی من اسلم فقال قل لہم فلیصوموا یوم عاشوراء فمن وجدت منہم قد اکل من صدر یومہ فلیصم آخرہ٥ (شرح معانی الآثار للطحاوی، جلد اوّل، ص: 391، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

ہند بن اسماء نے اپنے باپ (اسماء بن حارثہ) سے روایت کی۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی قوم قبیلہ اسلم کی طرف بھیجا۔ اور فرمایا ان سے کہہ دو وہ عاشورہ کا روزہ رکھیں۔ اور تو ان میں سے جس کو پائے کہ اس نے عاشورہ کے ابتداء دن میں کھایا ہے وہ دن کے آخر تک روزہ رکھے۔

(11) عبدالرحمٰن بن سلمة (یا مسلمة) الخزاعی هوابن المنهال عن عمه ٥ قال غددنا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم صبیحة یوم عاشوراء وقد تغدینا فقال اصمتم هذا الیوم فقلنا تغدینا فقال فاتموا بقیة یومکم ٥ (طحاوی شریف)

عبدالرحمٰن بن سلمہ (یا مسلمہ) خزاعی اور وہ منہال کے بیٹے ہیں (انہیں ابوالمنہال بھی کہا جاتا ہے) وہ اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہم یوم عاشورہ (دس محرم الحرام) کی صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ہم نے کھانا کھایا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا: کیا تم نے اس دن کا روزہ رکھا ہوا ہے۔ ہم نے عرض کیا (یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) ہم نے صبح کا ناشتہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: تم باقی دن پورا کرو۔ (یعنی روزہ رکھو)۔

(12) عن قتادة قال سمعت اباالمنهال یحدث عن عمه ٥ وکان من اسلم ان ناساً اتوا النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم او بعضهم یوم عاشوراء فقال اصمتم الیوم فقالوا لا وقد اکلنا فقال فصوموا بقیة یومکم ٥ (طحاوی شریف، جلد اول، ص: 391، ابوداؤد شریف، حدیث: 2447)

قتادہ (بن دعامہ) سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں نے ابوالمنہال کو اپنے چچا سے حدیث بیان کرتے ہوئے سنا۔ اور وہ قبیلہ اسلم سے تھے کہ سب لوگ یا بعض لوگ عاشورہ کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے آج کا روزہ رکھا ہوا ہے۔ انہوں نے عرض کیا نہیں۔ ہم نے تو کھانا کھایا ہے۔ آپ نے فرمایا: تم باقی دن روزہ رکھو۔

قال ابوجعفر: ففی هذه الآثار وجوب صوم یوم عاشوراء وفی امر النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ایاهم بصومه ٥ الخ (طحاوی شریف، جلد اول، ص: 391)

ابوجعفر (کنیت) احمد بن محمد بن سلمہ بن سلامہ ازدی مصری طحاوی نے فرمایا۔ ان آثار سے یوم عاشورہ کا روزہ واجب ہونا ثابت ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا خاص ان کو صبح کے بعد روزہ رکھنے کا حکم دینے میں اس بات پر دلیل ہے کہ اس پر اس دن کا روزہ بعینہٖ واجب تھا اور اس نے رات کے وقت اس روزہ کی نیت نہ کی اس کو صبح کے بعد زوال سے قبل روزہ کی نیت کرنا کفایت کرتا ہے۔ اور اہل علم کا یہی قول ہے۔

اس سے قبل جو احادیث مبارکہ نقل کی جا چکی ہیں ان میں اس بات پر دلیل ہے کہ ماہ رمضان المبارک سے قبل عاشورہ کے دن کا روزہ فرض تھا۔ اس پر مفصل بحث انشاء اللہ سب احادیث مبارکہ کے نقل کرنے کے بعد آخر میں آئے گی۔

اب وہ احادیث مبارکہ پیش خدمت ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یوم عاشورہ کا روزہ منسوخ ہے۔ اور اس کا ناسخ ماہ رمضان کے روزے ہیں۔ ان احادیث میں سے ایک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے۔ جس کو اکثر ائمہ محدثین کرام

نے اپنی اپنی اسناد کے ساتھ کئی طریق سے ہدایت کیا ہے۔ چنانچہ امام طحاوی فرماتے ہیں۔
نسخ صوم عاشورہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آثار صحیحہ روایت کئے گئے ہیں۔ جن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر بھی ہے۔

(13) عن قيس بن سكن عن ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنهما قال اَتاه رجل وهو ياكل فقال له هلم○ فقال كنا نصومه ثم ترك يعني يوم عاشوراء○ (طحاوی شریف، جلد اول، ص:392)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: ان کے پاس اس حال میں ایک شخص (اشعث بن قیس) آیا کہ وہ کھانا کھارہے تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا آؤ کھانا کھاؤ (اس شخص نے کہا کیا آج یوم عاشورہ نہیں) تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے پھر اس کو چھوڑ دیا گیا۔

(14) عن عمارة بن عمير عن عبدالرحمٰن بن يزيد قال دخل اشعث بن قيس علىٰ عبدالله وهو يتغدى فقال يا ابا محمد ادن الىٰ لغداء فقال اوَ ليس اليوم يوم عاشوراء قال وهل تدرى ما يوم عاشوراء فقال ماهو قال انما هو يوم كان رسول الله صلى الله عليه وآلهٖ وسلم يصومه قبل ان ينزل شهر رمضان فلما نزل شهر رمضان ترك وقال ابو كريب تركه○

(مسلم شریف بمع نووی کتاب الصیام باب صوم عاشورہ، ص:358)

عبدالرحمٰن بن یزید نے کہا اشعث بن قیس حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گئے اور وہ صبح کا کھانا کھارہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے ابو محمد کھانے کے قریب آؤ۔ اشعث بن قیس نے کہا کیا آج یوم عاشورہ نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا جانتے ہو یوم عاشورہ کیا ہے؟ اشعث بن قیس نے کہا یوم عاشورہ کیا ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا یوم عاشورہ وہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہر رمضان کے نزول سے پہلے اس کا روزہ رکھتے تھے۔ اور جب شہر رمضان...... الخ کی آیت نازل ہوئی تو عاشورہ کا روزہ چھوڑ دیا گیا۔ ابو کریب نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو چھوڑ دیا۔
مسلم نے چار طریق سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

اوّل: **عن الاعمش عن عمارة عن عبدالرحمٰن بن يزيد قال○**
دوئم: **جرير عن الاعمش بهذالاسناد وقالا فلما نزل رمضان تركه○**
سوئم: **سفيان عن زبيد اليامى عن عمارة عن قيس بن سكن○ان اشعث○**
چہارم: **عن منصور عن ابراهيم عن علقمه قال دخل اشعث بن قيس○**

حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث کو جن ائمہ محدثین نے روایت کیا ہے وہ یہ ہیں:

مسند بزار، جلد 5، ص: 297، حدیث: 1917

اور ابراہیم عن علقمہ کے طریق سے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

حضرت ابن مسعود نے اشعث بن قیس کے سوال کے جواب میں فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لقد علمت ولقد امرنا بصومہ قبل ان ینزل رمضان فلما نزل رمضان لم نومر ولم ننہ عنہ○ (مسند بزار، جلد 5، ص: 18، حدیث: 1573)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے مجھے معلوم ہے (کہ آج یوم عاشورہ ہے) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان شریف کے نزول سے پہلے اس کا روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ اور جب رمضان نازل ہوا نہ ہی ہم کو حکم دیا اور نہ ہی منع فرمایا۔

طبرانی، جلد 10، ص: 180، حدیث: 10385، **عن قیس بن سکن قال کنت جالساً عندہ**، طبرانی جلد 10، ص: 218، حدیث: 10521، **عن مسلم عن ابی سعد قال دخلت علی عبداللہ الخ۔**

طبرانی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ابو وائل شقیق بن مسلمہ سے بھی روایت کی ہے۔ الفاظ یہ ہے:

عن ابراھیم ابی اسماعل انا ابووائل شقیق ابن سلمۃ○ قال دخلت علی ابن مسعود یوم عاشوراء وھو یا کل لَطَبًا فقال ھذا الیوم عاشوراء○ یوم امرنا بصیامہ قبل ان نیزل رمضان○

(طبرانی، جلد 10، ص: 194-195، حدیث: 10438)

ابو وائل شقیق بن مسلمہ نے کہا میں عاشورہ کے دن حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور آپ کھجوریں کھا رہے تھے۔ (میں نے کہا کیا آج یوم عاشورہ نہیں) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا آج یوم عاشورہ یہ وہ دن ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رمضان کے نازل ہونے سے قبل اس کا روزہ رکھنے کا حکم دیا تھا۔

(ابو یعلی، جلد 4، ص: 207، حدیث: 5172، مسند احمد، جلد اول، ص: 422، مصنف ابن ابی شیبہ، جلد سوئم، ص: 56، نیل الاوطار، جز 4، ص: 270، سنن الکبری للبیہقی، جلد 4، ص: 288 صحیح ابن خزیمہ، جلد سوئم، ص: 283، مسند ابوعوانہ، جلد دوئم، ص: 66، حدیث: 2389 تا 2392)

ابوعوانہ نے بھی مختلف اسانید کے ساتھ چار طرق سے اس کو روایت کیا ہے۔

دوسری حدیث جو صوم عاشورہ کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اس کو صحیحین نے روایت کیا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے۔

(15) **عن عروۃ بن الزبیر ان عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ**

و آلہٖ وسلم امر بصیام یوم عاشوراء فلما فرض رمضان کان من شاء صام ومن شاء افطر ۝

(بخاری شریف، حدیث: 2001، مسلم شریف کتاب الصیام، باب صوم عاشوراء، جلد اوّل، ص: 358)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عاشورہ کے دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیا اور جب رمضان شریف فرض کیا گیا تو اس کے بعد جو چاہتا روزہ رکھتا جو چاہتا افطار کرتا۔

(16) عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کان یوم عاشوراء تصومہ قریش فی الجاھلیۃ وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم یصومہ فی الجاھلیۃ فلما قدم المدینۃ ۝ صامہ وامر بصیامہ فلما فرض رمضان ترک یوم عاشوراء ۝ فمن شاء صامہ ومن شاء ترکہ ۝

(بخاری شریف، حدیث: 2002، مسلم شریف کتاب الصیام، جلد اوّل، ص: 358)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: قریش زمانہ جاہلیت میں عاشورہ کے دن کا روزہ رکھتے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی اس دن کا روزہ رکھتے تھے۔ اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (ہجرت کر کے) مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے اس دن کا روزہ رکھا اور اس دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ اور ماہ رمضان کے روزے فرض ہو گئے تو آپ نے عاشورہ کے دن کا روزہ ترک فرما دیا۔ اور جس کا دل چاہے روزہ رکھے اور جس کا دل نہ چاہے نہ رکھے۔

صحیحین کے علاوہ دیگر جن ائمہ محدثین نے اس حدیث کی تخریج کی وہ یہ ہے:

(مؤطا امام مالک، جلد دوئم، ص: 177، حدیث: 671، مطبوعہ دار الفکر، ترمذی شریف، ص: 190، حدیث: 753، ابن ماجہ شریف، ص: 247، حدیث: 1733، ابوداؤد شریف، ص: 354، حدیث: 2442، 2443، سند ابوعوانہ، جلد دوئم، ص: 66، حدیث: 2393 - 2400، صحیح ابن خزیمہ، جلد سوئم، ص: 283، حدیث: 2080، صحیح ابن حبان، جز 5، ص: 253، حدیث: 3612)

ابن حبان نے جو باب قائم کیا ہے وہ یہ ہے:

ذکر البیان بان الفرض علی المسلمین قبل رمضان کان صوم عاشوراء ۝

اس بیان کا ذکر کہ ماہ رمضان کے روزوں سے قبل مسلمانوں پر جو روزہ فرض تھا وہ یوم عاشورہ دس محرم الحرام کا روزہ تھا۔

(مسند ابویعلی، جلد 4، ص: 48، حدیث: 4636، مصنف ابن شیبہ، جلد سوئم، ص: 55، مصنف عبدالرزاق، جلد 4، ص: 289، حدیث: 7844-7845)

ان کے علاوہ بھی کئی محدثین کرام نے اس حدیث کی روایت کی ہے۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ان احادیث میں عاشورہ کے روزہ کے منسوخ ہونے پر دلیل ہے وہ یہ کہ یوم عاشورہ کے فرض ہونے کے بعد نفلی روزہ کی طرف لوٹنا ہے۔ جیسے کہ جملہ احادیث سے واضح اور ظاہر ہے۔

ان کے علاوہ بھی بے شمار احادیث ہیں جو کہ عاشورہ کے دن کے روزہ کے فرض ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ان میں سے ایک حدیث ربیع بنت معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ کی ہے۔اور وہ حدیث یہ ہے۔جس کو صحیحین نے روایت کیا ہے۔

عن الربیع بنت معوذ بن عفراء قالت ارسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم غداۃ عاشوراء الی قری الانصار حول المدینۃ من کان اصبح صائما فلیتم صومہ ۰ ومن کان اصبح مفطر افلیتم بقیۃ یومہ فکنا بعد ذالک نصومہ ونصوم صبیاننا الصغار منھم ان شاء اللہ ۰ فنذھب الی المسجد فجعل لھم اللعبۃ من العھن فاذابکی احدھم علی طعام اعطیناہ ایاہ عند الافطار ۰

(مسلم شریف بمعہ نووی، جلد اوّل، ص:360، بخاری شریف کتاب الصیام، حدیث:1832)

ربیع بنت معوذ سے روایت ہے۔انہوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاشورہ (دس محرم) کی صبح مدینہ منورہ کے اردگرد کے دیہات میں پیغام بھیجا۔جو شخص صبح سے روزہ سے ہے وہ روزہ رکھے۔اور جو شخص روزہ دار نہیں وہ باقی دن پورا کرے۔ربیع بنت معوذ فرماتی ہیں اس کے بعد ہم یوم عاشورہ کا روزہ رکھا کرتی تھیں۔ اور اپنے بچوں کو بھی روزہ رکھواتیں۔انشاء اللہ۔اور ہم مسجد کی طرف جاتیں۔اور ہم بچوں کے لیے رنگ دار روئی کی گڑیا بناتیں اور جب ان میں سے کوئی کھانے کے لیے روتا ہم اس کو یہ گڑیا دیتیں۔یہاں تک کہ روزہ افطار کا وقت ہو جاتا۔

اس حدیث کو بخاری اور مسلم کے علاوہ بھی اکثر محدثین عظام نے روایت کیا ہے۔ان کے حوالہ جات درج ذیل ہیں۔

طبرانی، جلد 24، ص:275، حدیث:700، مسند احمد، جلد 6، ص:346، صحیح ابن حبان، جز 5، ص:253، حدیث:3611، صحیح ابن خزیمہ، جلد سوئم، ص:288، حدیث:2088، مسند ابوعوانہ، جلد دوئم، ص:66، حدیث:2385، سنن الکبریٰ للبیہقی، جلد 4، ص:288، طحاوی شریف، جلد اوّل، ص:391

اس حدیث مبارک میں جو یہ آیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو کھانے سے منع کرتی تھی اور عاشورہ کے دن کا ان سے روزہ رکھواتی تھیں۔یہ ہمارے نزدیک جائز نہیں اس لیے کہ بچے نماز اور روزہ کے مکلف نہیں کہ وہ عبادت کریں اور نہ ہی کسی اور حکم شرعی کے وہ مکلف ہیں پھر وہ کیسے روزہ عاشورہ کی عبادت کے ساتھ مکلف بنائے گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے فرمایا تین سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔بچہ سے یہاں تک کہ بڑا ہو جائے۔سونے والے سے حتیٰ کہ بیدار ہو جائے اور مجنوں سے حتیٰ کہ افاقہ میں آجائے۔اور حضرت ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

رفع القلم عن ثلثۃ عن صبی حتی یکبر ۰ الخ

(مسند احمد، جلد اوّل، ص:140، مصنف ابن شیبہ، جلد 5، ص:268، صحیح ابن خزیمہ، حدیث:3048)

ان میں سے ایک حدیث قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔ جس کو ابوبکر احمد بن عمرو بن عبدالخالق عتکی بزار نے روایت کیا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

عن عمرو بن شرجیل عن قیس بن سعد بن عبادة رضی الله عنه قال كنا نصوم عاشوراء قبل ان ينزل شهر رمضان فلما نزل لم نؤمر به ولم ننه ونحن نصومه٥

(مسند بزار، جلد 9، ص:198، حدیث:3748)

قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا ہم ماہ رمضان کے نازل ہونے سے پہلے عاشورہ (دس محرم) کے دن کا روزہ رکھتے تھے۔ جب ماہ رمضان نازل ہوا (یعنی اس کے روزے فرض ہوئے) نہ ہی ہمیں یوم عاشورہ کا روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا اور نہ ہی ہمیں منع کیا گیا۔ اور ہم دس محرم کا روزہ رکھتے تھے۔

بزار کے علاوہ بھی کئی محدثین کرام نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

نسائی شریف، ص:364، حدیث:2508، طحاوی شریف، جلد اوّل، ص:392، طبرانی، جلد 18، ص:349، حدیث:888، مصنف ابن ابی شیبہ، جلد سوئم، ص:57

ان احادیث مبارکہ کے علاوہ اس باب میں حضرت ابن عمر اور جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی احادیث مروی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یوم عاشورہ کا روزہ فرض تھا اور ماہ رمضان المبارک کے روزے فرض ہوئے تو یوم عاشورہ کے روزہ کی فرضیت منسوخ ہوگئی اور اس کا استحباب باقی ہے۔ اس استحباب پر فریقین (یعنی احناف وشوافع) کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔

مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مؤید حدیث:

اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ حدیث یہ ہے۔

(1) عن حميد بن عبدالرحمن انه سمع معاوية ابن ابی سفيان رضی الله تعالىٰ عنهما يوم عاشوراء عام حج على المنبر يقول يا اهل المدينه اين علماء كم٥سمعت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يقول هذا يوم عاشوراء ولم يكتب الله عليكم صيامه، وانا صائم، فمن شاء فليصم ومن شاء فليفطر٥

(بخاری شریف، کتاب الصیام، حدیث:2003، مسلم شریف بمع نووی کتاب الصیام، باب صوم عاشوراء، جلد اول، ص:358)

حمید بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا میں نے حضرت معاویہ بن سفیان کو عاشورہ کے دن (خلافت کے بعد 54ھ) پہلے حج کے سال منبر پر کہتے ہوئے سنا۔ اے اہل مدینہ تمہارے علماء کہاں ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔ یہ عاشورہ کا دن ہے اور تم پر اس دن کا روزہ فرض نہیں کیا گیا حالانکہ میں روزہ سے ہوں۔ جس کا دل چاہے روزہ رکھے اور جس کا دل نہ چاہے نہ رکھے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ یوم عاشورہ کا روزہ فرض نہیں تھا بلکہ مؤکد مستحب تھا۔ بعد میں یہ روزہ فقط مستحب ہی رہ گیا اور اس کی تاکید ختم ہوگئی۔

(2) عن سالم عن ابیہ رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم یوم عاشوراء ان شاء صام ٥ (بخاری شریف، کتاب الصیام، حدیث: 2000، مسلم شریف، کتاب الصیام، ص: 358)

سالم نے اپنے باپ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: آج عاشورہ کا دن ہے اگر اس کا دل چاہے تو روزہ رکھ لے۔

شافعی المذہب حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں یوم عاشوراء کے روزے کے متعلق لکھتے ہیں۔

ان احادیث کا جواب:

ثم بدأ المصنف بالأخبار الدالة علی انه لیس بواجب ثم بالاخبار الدالة علی الترغیب فی صیامه٥ الحدیث الاولیٰ حدیث بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما٥

(فتح الباری، جلد 4، ص: 246، دار المعرفہ بیروت)

پھر مصنف (امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ) نے ان احادیث سے ابتداء کی ہے جو اس بات پر دلالت کرنے والی ہیں کہ عاشور کے دن کا روزہ واجب نہیں۔ پھر وہ اخبار لائے جو یوم عاشورہ کے روزہ کے متعلق ترغیب پر دلالت کرنے والی ہیں۔ پہلی حدیث، حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ہے۔ جس کو سالم نے اپنے باپ سے روایت کیا۔ اور مسلم نے بھی امام بخاری کے استاد ابو عاصم سے اس حدیث کو تخریج کیا جیسے امام بخاری نے اپنے شیخ سے یہ حدیث روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا آج عاشورہ کا دن ہے جس کا دل چاہے روزہ رکھے۔ ابن خزیمہ نے صحیح میں "عن ابی موسیٰ عن ابی عاصم" اس لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ آج یوم عاشورہ ہے جس کا دل چاہے وہ اس کا روزہ رکھے جس کا دل نہ چاہے وہ روزہ نہ رکھے۔ اور مسلم کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس یوم عاشورہ کے روزہ کا ذکر کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا اہل جاہلیت اس دن کا روزہ رکھتے تھے جس کا دل چاہے وہ روزہ رکھے اور جس کا دل چاہے اس کو چھوڑ دے۔

اور کتاب الصیام کے اوائل میں ایوب کے طریق سے نافع سے انہوں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

صام النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم عاشوراء وامر بصیامه فلما فرض رمضان ترك٥

(بخاری شریف، حدیث: 1892)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عاشورہ کے دن کا روزہ رکھا اور اس کے روزہ رکھنے کا حکم دیا اور جب ماہ رمضان

المقدس کے روزے فرض ہوئے تو یوم عاشورہ کا روزہ چھوڑ دیا۔

حافظ عسقلانی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

فیحمل حدیث سالم علی ثانی الحال التی اشار الیها نافع فی روایته٥

یعنی حدیث سالم دوسرے حال پر محمول ہوگی۔ جس کی طرف نافع نے اپنی روایت میں اشارہ کیا ہے۔

اس کا مقصد یہ ہے کہ سالم بن عبداللہ کی یہ حدیث کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آج عاشورہ کا دن ہے جس کا دل چاہے روزہ رکھے جس کا دل نہ چاہے نہ رکھے اور نافع سے روایت میں ہے جب ماہ رمضان نازل ہوا عاشورہ کا روزہ چھوڑ دیا گیا۔ یعنی روزہ عاشورہ کی فرضیت منسوخ ہونے کے بعد یوم عاشورہ کا روزہ جس کا دل چاہے رکھے نہ دل چاہے نہ رکھے۔

اس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث لائے جو نمبر 16 میں اس سے قبل مذکور ہے۔

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت والے یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی زمانہ جاہلیت میں قریش کے ساتھ روزہ رکھتے تھے (یعنی مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے سے قبل) اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث نے تعیین وقت کا فائدہ دیا جس وقت میں عاشورہ کا روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ اور یہ حکم آپ کے مدینہ منورہ میں تشریف لانے کے اوائل میں ہی تھا۔ اور اس میں شک نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدینہ منورہ میں تشریف لانا ربیع الاول شریف میں تھا۔ تو اس اعتبار سے یہ حکم سن ہجری کے دوسرے سال پہلے مہینہ (محرم الحرام) میں واقع ہوا۔ اور 2ھ میں ماہ رمضان کی فرضیت نازل ہوئی تو اس بناء پر صرف یوم عاشورہ کے روزہ رکھنے کا حکم صرف ایک سال ہی واقع ہوا ہے۔ پھر یوم عاشورہ کے روزہ کا حکم نفلی روزہ رکھنے والوں کی رائے کے سپرد کر دیا گیا۔ اور روزہ عاشورہ کی فرضیت احادیث صحیحہ کے ساتھ منسوخ ہوگئی۔ (اور وہ احادیث صحیحہ اس سے قبل نمبر 16 تک مذکور ہیں) علامہ ابن عبدالبر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ آج عاشورہ کا روزہ فرض نہیں ہے اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ یہ مستحب ہے۔ حافظ عسقلانی قریش کے روزہ عاشورہ رکھنے کی وجہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثم رأیت فی المجلس الثالث من "مجالس الباغندی الکبیر" عن عکرمة انه سئل عن ذالك٥

میں نے "باغندی کبیر کی مجالس" کی مجلس سوئم میں دیکھا۔

عکرمہ سے روایت ہے کہ ان سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو عکرمہ نے جواب دیا زمانہ جاہلیت میں قریش نے کوئی گناہ کیا جو ان کے سینوں میں دشوار اور باعث مشقت ہوگیا۔ تو قریش سے کہا گیا عاشورہ کے دن کا روزہ رکھو یہ روزہ اس گناہ کا کفارہ بن جائے گا۔ یا اس معنی میں کوئی اور بات کی۔ حافظ عسقلانی اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا

جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

قولہ ولم یکتب اللہ علیکم صیامہ٥ الخ

یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا اللہ عزوجل نے عاشورہ کے دن کا روزہ تم پر فرض نہیں کیا۔ اور اس حدیث سے استدلال کیا کہ یوم عاشورہ کا روزہ کبھی بھی فرض نہ تھا۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں اس میں کوئی ایسی دلالت نہیں جس سے انہوں نے استدلال کیا۔ ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جس طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ماہ رمضان کے روزے فرض کیے یہ روزہ تم پر اس طرح فرض نہیں کیا گیا۔ یا مراد یہ ہے کہ یہ اللہ عزوجل کے اس قول "کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم" میں داخل نہیں ہے۔ پھر اس کی تفسیر ماہ رمضان سے کی۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا قول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سابق کے متناقض نہیں۔ اور اس کی تائید یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ اور جو لوگ یوم عاشورہ کے روزہ کے متعلق کہ روزہ رکھو اور اس کے ساتھ ندا کے شاہد ہیں۔ وہی اوائل سال دوئم اس کے شاہد ہیں۔ اور تمام احادیث سے یہ اخذ کیا گیا ہے کہ روزہ عاشورہ واجب تھا اس لیے کہ اس کے ساتھ روزہ کا حکم دینا ثابت ہے۔ پھر اس کے ساتھ امر کا مؤکد ہونا۔ پھر ندا کے ساتھ مزید مؤکد ہونا۔ پھر جس نے اس دن کچھ کھایا باقی دن نہ کھانے سے مزید تاکید۔ پھر اس دن ماؤں کو بچوں کو دودھ پلانے کی تاکید بھی اور اضافہ پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول جو مسلم میں ثابت ہے "جب رمضان فرض ہوا عاشورہ کا روزہ چھوڑ دیا گیا" اس علم کے باوجود کہ روزہ عاشورہ کا استحباب متروک نہیں بلکہ وہ باقی ہے اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ متروک وجوب تھا نہ کہ استحباب اور بعض کا قول کہ متروک تاکید استحباب ہے اور مطلق استحباب باقی ہے حافظ عسقلانی فرماتے ہیں اس قول کا ضعف کسی پر مخفی نہیں۔

اس سے معلوم ہوا شافعیوں کے نزدیک بھی ماہ رمضان سے قبل عاشورہ کا روزہ فرض تھا اور جب ماہ رمضان کی فرضیت نازل ہوئی تو روزہ عاشورہ کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔

شافعی المذہب امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے متعلق جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"واستدل بہ الشافعیۃ والحنابلۃ علی انہ لم یکن فرضاً قط ولا نسخ برمضان"

(ارشاد الساری، جلد 4، ص:648، مطبوعہ دار الفکر)

امام قسطلانی فرماتے ہیں: شوافع اور حنابلہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ یوم عاشورہ کا روزہ کبھی بھی فرض نہ تھا اور نہ ہی ماہ رمضان کا روزہ اس کا ناسخ ہے۔

اس کا تعاقب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ میں مسلمان ہوئے۔ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان "ولم یکتب علیکم صیامہ" انہوں نے اسلام لانے کے بعد سنا ہے تو یہ سنا سن نو 9 یا 10 ہجری

ہوگا۔ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ ماہ رمضان کے وجوب کے ساتھ یوم عاشورہ کا روزہ منسوخ ہونے کا سنا ہے تو پھر اس کا معنی یہ ہوگا کہ رمضان المبارک کے روزوں کے واجب ہونے کے بعد کوئی روزہ فرض نہیں کیا تا کہ اس کے اور جو ادلہ صریحہ عاشورہ کے روزہ کے وجوب کے متعلق ہیں اس میں جمع ہو سکے۔ اور اگر انہوں نے اسلام لانے سے قبل سنا ہے تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا سننا یوم عاشورہ کے روزہ کے فرض ہونے سے قبل ہو۔ اور یوم عاشورہ کے روزہ کا منسوخ ہونا صحیحین میں جو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیث مروی ہے اس سے ثابت ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ لفظ امر جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول میں آیا ہے ''وامر بصیامہ'' اس کا بیک وقت صیغہ جو مستحب ہونے کا طالب ہے اور جو واجب ہونے کا مشرک ہونا ممنوع ہے۔ اگر تسلیم کر لیا جائے۔ تو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول ''فلما فرض رمضان ترک یوم عاشوراء'' اس بات پر دلیل ہے کہ اس جگہ مستعمل وہ صیغہ ہے جو قطعیت کا موجب ہے اور تغییر باعتبار ندب نہیں اس لیے کہ وہ ابھی تک مستحب ہے۔ چنانچہ تغییر باعتبار وجوب ہے۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوم عاشورہ کا روزہ رکھا اور اس کا روزہ رکھنے کا حکم دیا جب ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت نازل ہوئی تو یوم عاشوراء کا روزہ چھوڑ دیا گیا۔ جس کا دل چاہے رکھے۔ جس کا دل چاہے نہ رکھے۔ یہ جو روزہ رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار ہے یہ باعتبار مستحب نہیں کیونکہ عاشورہ کا روزہ اب بھی مستحب ہے یہ اختیار صرف وجوب کی وجہ سے ہے۔ یعنی پہلے یہ روزہ واجب تھا اب اس کا وجوب منسوخ ہو چکا ہے۔ جس کا دل چاہے رکھے جس کا دل نہ چاہے نہ رکھے۔

ابو العباس شہاب الدین احمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ باوجودیکہ شافعی المذہب ہیں لیکن وہ ماہ رمضان شریف سے قبل یوم عاشورہ کے روزہ کے فرض ہونے کے قائل ہیں اور پھر ماہ رمضان کی فرضیت کے سبب یوم عاشورہ کے روزے کے منسوخ ہونے کے بھی قائل ہیں۔

امام قسطلانی مذکور محولہ صفحہ کے ابتداء میں لکھتے ہیں اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ماہ رمضان سے قبل یوم عاشورہ کے روزہ کا حکم وجوب کے لیے تھا چنانچہ اس پر بناء کی جائے گی کہ جب وجوب منسوخ ہو گیا کیا استحباب میں منسوخ ہو گیا ہے یا کہ نہیں۔ اس میں اختلاف مشہور ہے۔

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ الباری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث میں فرماتے ہیں:

(وامر بصیامہ) ای اصحابہ اولا لوجوب ثم بعد النسخ المندب''

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، جلد 4، ص: 287، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولاً اپنے اصحاب کو یوم عاشورہ کے روزہ رکھنے کا وجوب کے ساتھ فرمایا۔ پھر

وجوب کے منسوخ ہونے کے بعد یوم عاشورہ کے روزہ کے مستحب ہونے کا حکم فرمایا۔
معلوم ہوا نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا حکم وجوب کے لیے تھا اور جب یوم عاشورہ کے روزہ کا وجوب منسوخ ہوگیا تو آپ کا دوسرا حکم اس کے استحباب کے متعلق تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

امام زرقانی شرح مؤطا میں حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حدیث نمبر 16 میں مذکور ہے کے ماتحت۔ حدیث حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا جواب وہی نقل کیا ہے جو حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کی شرح ارشاد الساری میں نقل کیا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ایک اثر کے ماتحت لکھتے ہیں۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اثر یہ ہے:

وحدثنی عن مالك انه بلغه ان عمر بن الخطاب ارسل الی الحارث بن هشام ان غدا یوم عاشوراء فصم وامر اهلك ان یصوموا ٥ (زرقانی شرح مؤطا، جلد دوئم، ص 179، مطبوعہ دار الفکر)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ان کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حارث بن ہشام (بن مغیرہ بن عبداللہ) کو پیغام بھیجا کہ کل یوم عاشورہ ہے۔ خود بھی روزہ رکھو اور اپنے اہل وعیال کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دو۔

اس حدیث کے ماتحت لکھتے ہیں:

کان الامام رحمة الله تعالٰی قصد بایراد هذا بعد حدیثی عائشة ومعاویة الاشارة الٰی ان تخییره فیهما انما کان لسقوط وجوب صیامه ٥ الخ (حوالہ مذکورہ)

گویا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی دو حدیثوں کے بعد اس اثر کو لانے کا جو ارادہ کیا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان دونوں میں یوم عاشورہ کے روزہ کی تخییر صرف اس کے روزہ کے وجوب کے ساقط ہونے کی وجہ سے ہے۔ نہ اس لیے کہ یوم عاشورہ کے روزہ رکھنے میں فضل نہیں۔ اور جب اس کا وجوب ساقط ہوگیا تو بجہت فضل اس کے روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں یوم عاشورہ کے روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ اسی طرح قاسم بن اصبغ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ عاشورہ کے دن کا روزہ رکھنے کا حکم دیا کرتے تھے۔ اور خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماہ رمضان المبارک کے فرض ہونے کے بعد یوم عاشورہ کا روزہ رکھا۔ اور بطور اطاعت وحصول نیکی اس کے روزہ رکھنے کا حکم دیا اور آپ کے بعد آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی ایسا ہی کیا اس طرف ابوعمر نے اشارہ کیا ہے۔ مالکی المذہب امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحقیقاً ثابت کیا ہے کہ یوم عاشورہ کا روزہ فرض تھا جب ماہ رمضان کے روزے فرض ہوئے تو اس کا فرض ہونا ساقط ہوگیا۔ اور عاشورہ کے دن کا روزہ رکھنے میں تخییر اس کے وجوب کی دلیل ہے۔ اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جو اثر حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ روایت کیا وہ بھی اس طرف مشیر ہے کہ تغییر اس کے روزہ کے وجوب کے ساقط کی وجہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عبداللہ بن عبدالرحیم مبارکپوری متوفی 1353ھ نے تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث جونمبر 16 میں مذکور ہے کے ماتحت لکھا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

"فلما افترض رمضان كان رمضان هو الفريضة وترك عاشوراء فمن شاء صامه ومن شاء تركه"

ظاهر هذا الحديث ان صوم عاشوراء كان فرضاً ثم نسخ وجوبه بوجوب صوم رمضان٥ الخ

(تحفۃ الاحوذی، جلد 4، ص: 315، حدیث: 753، دار الکتب العلمیہ)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا جب ماہ رمضان فرض ہوا تو ماہ رمضان کے روزے ہی فرض تھے۔ اور عاشورہ کے دن کا روزہ چھوڑ دیا گیا جس کا دل چاہے اس کا روزہ رکھے جس کا دل چاہے اس کو چھوڑ دے۔

اس حدیث کا ظاہر ثابت کرتا ہے کہ یوم عاشورہ کا روزہ فرض تھا۔ پھر عاشورہ کے دن کے روزہ کا وجوب ماہ رمضان کے وجوب کے ساتھ منسوخ ہو گیا۔ اس کے بعد مولانا عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم مبارکپوری لکھتے ہیں۔ حافظ عسقلانی نے فتح میں کہا۔ اور حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری میں اس کے متعلق جو نقل کیا ہے مبارکپوری نے وہی نقل کیا ہے۔ اور فتح الباری کا حوالہ اس سے قبل گزر چکا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

محمد شمس الحق عظیم آبادی "عون المعبود" شرح سنن ابوداؤد میں حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ماتحت لکھتے ہیں:

اتفق العلماء على ان صوم عاشوراء اليوم سنة ليس بواجب واختلفوا في حكمه في اول الاسلام حين شرع صومه قبل صوم رمضان٥ فقال ابوحنيفة كان واجباً٥

(عون المعبود، مجلد 4، ج 7، ص: 78، حدیث: 2439، دار الکتب العلمیہ)

علماء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آج یوم عاشورہ کا روزہ واجب نہیں ہے۔ اور علماء کرام نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ اسلام کے اوائل میں ماہ رمضان المبارک سے قبل جب اس کا روزہ شروع ہوا تھا اس کا کیا حکم ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: قبل از رمضان یوم عاشورہ کا روزہ فرض تھا اور اصحاب شافعی کا اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور قول میں یوم عاشورہ کا روزہ شروع ہونے سے لے کر اس وقت تک ہمیشہ سنت رہا ہے۔ اور اس امت میں کبھی واجب نہیں ہوا۔ اور دوسرا قول حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق ومطابق ہے

کہ روزہ یوم عاشورہ واجب تھا۔ اس سے معلوم ہوا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول کے مطابق یوم عاشورہ کا روزہ فرض تھا جو ماہ رمضان کی فرضیت کے بعد یوم عاشورہ کی روزہ کی فرضیت ساقط ہوگئی۔ اور اب یہ روزہ سنت مستحبہ ہے۔ جس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

عون المعبود شرح سنن ابوداؤد کے ساتھ حافظ شمس الدین بن قیم جوزی کی شرح بھی ہے۔ شمس الدین بن قیم جوزی اس حدیث کے ماتحت لکھتے ہیں:

قال ○ واختلف الناس فی یوم عاشوراء هل کان صومه واجبا او تطوعاً ○ فقالت طائفة کان واجباً وهذا قول ابی حنیفة وروی عن احمد وقال الشافعی رحمة الله علیه لم یکن واجباً ○ الخ (عون المعبود، مجلد 4 جز 7، ص: 81، دار الکتب العلمیه)

شمس الدین بن قیم جوزی نے کہا۔ لوگوں کا یوم عاشورہ کے روزہ میں اختلاف ہے۔ کیا اس کا روزہ واجب تھا یا نفل۔ ایک گروہ نے کہا یوم عاشورہ کا روزہ واجب تھا اور یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی مروی ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یوم عاشورہ کا روزہ فرض نہیں تھا۔ اس کے بعد صفحہ ''83'' میں لکھتے ہیں۔ ابن ابی ذئب کی ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ اور ہمیں اس کا روزہ رکھنے کا حکم دیتے تھے۔

شمس الدین بن قیم جوزی کہتے ہیں اگرچہ ابن ابی ذئب اس میں منفرد ہیں لیکن حدیث کا ظاہر یہی ہے کہ عاشورہ کا روزہ فرض تھا اور جب ماہ رمضان نازل ہوا تو وہی روزے فرض تھے اور یوم عاشورہ کا روزہ چھوڑ دیا گیا۔

امام شافعی نے فرمایا: حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول ''ترک عاشوراء'' صحیح معنی کا احتمال یہی ہے کہ یوم عاشورہ کے روزہ کا ایجاب ہی ترک ہوا ہے۔ اس سے ثابت ہوا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق ہے۔ اس کے بعد علامہ موصوف ''صفحہ 84'' پر حدیث حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت لکھتے ہیں۔

شاید کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اگرچہ اس طرف گئی ہیں کہ عاشورہ کے دن کا روزہ واجب تھا پھر منسوخ ہوگیا۔ کیونکہ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول اس بات کا احتمال رکھتا ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا جب آپ نے یوم عاشورہ کا روزہ رکھا۔ اور اس کے روزے رکھنے کا حکم دیا تو یوم عاشورہ کا روزہ فرض تھا پھر منسوخ ہو گیا۔

اگرچہ شمس الدین بن قیم جوزی کا میلان امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور قول کی طرف ہے کہ یوم عاشورہ کا روزہ فرض نہیں تھا اس کے باوجود وہ اس کو ثابت کرنے میں ناکام رہے۔

معلوم ہوتا ہے ائمہ ثلاثہ۔ حضرت امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ علیہم اجمعین کا مذہب یہی ہے کہ یوم عاشورہ کا روزہ فرض تھا۔ جو ماہ رمضان کے فرض ہونے کے بعد ساقط ہو گیا۔ اور امام شافعی کا ایک قول بھی ان کے موافق ہے۔

محمد بن علی بن محمد شوکانی ''نیل الاوطار شرح منتقی الاخیار'' میں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ماتحت لکھتے ہیں:

(قولہ فرأى اليهود تصوم عاشوراء) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے۔ تو آپ نے یہود کو دیکھا کہ وہ یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا یہ روزہ کیا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا یہ وہ صالح دن ہے جس میں اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو دشمن سے نجات دی۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بطور شکر اس دن کا روزہ رکھا۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بہ نسبت تمہارے ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ حقدار ہیں۔ (یہ حدیث متفق علیہ ہے۔)

شوکانی لکھتا ہے۔ اس حدیث میں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ اس حدیث کا ظاہر اس کا متقضی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس وقت مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہود کو یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے ہوئے پایا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ربیع الاول شریف میں مدینہ منورہ تشریف لائے یہ محرم کا مہینہ نہ تھا۔ لکھتے ہیں کلام میں حذف ہے۔ اس کی تقدیر یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اور یوم عاشورہ تک آپ نے قیام فرمایا تو دیکھا یہود اس دن کا روزہ رکھتے ہیں تو پھر آپ نے فرمایا یہ روزہ کیا ہے۔

پھر ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں جو یہ آیا ہے۔ (فصامه وامر بصيامه) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ رکھا اور لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ اس کے ماتحت شوکانی لکھتا ہے:

اس میں بھی ایک اشکال ہے وہ یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوم عاشورہ کا روزہ رکھنے میں یہود کی طرف رجوع فرمایا۔

مازری نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا ہو سکتا ہے ان کی صداقت کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف وحی نازل ہوئی ہو۔ یا اس روزہ کے متعلق آپ کے پاس اخبار متواترہ ہوں۔ یا یہود میں سے جو ایمان لایا جیسے عبد اللہ بن سلام اس نے آپ کو خبر دی ہو۔ (مازری نے کہا) حدیث میں یہ نہیں ہے کہ یوم عاشورہ کے روزہ رکھنے کا جو حکم ہے اس کی ابتداء ہجرت کے بعد ہوئی بلکہ حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں یہ تصریح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے قبل بھی یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔

اس حدیث کے ماتحت امام نووی لکھتے ہیں۔

قال المازرى خبر اليهود غير مقبول فيحتمل ؀ الخ

(مسلم شریف بمع نووی، جلد اول، ص: 359، کتاب الصیام)

مازری نے کہا یہودیوں کی خبر غیر مقبول ہے۔ ہو سکتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جو انہوں نے کہا ان کے صدق کے متعلق وحی نازل ہوئی ہو۔ یا اس کے متعلق آپ کے پاس نقل متواتر ہو حتیٰ کہ آپ کو اس سے علم حاصل ہو گیا ہو۔

اور قاضی عیاض نے کہا ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مشرفہ میں روزہ رکھتے ہوں پھر یوم عاشورہ کے اس روزہ کو ترک فرما دیا حتیٰ کہ اہل کتاب کے پاس جو اس روزہ کے متعلق علم تھا اس کو جان لیا ہو اور یوم عاشورہ کا روزہ رکھنا شروع کر دیا ہو۔

امام نووی فرماتے ہیں۔ مختار قول مازری کا ہی ہے۔ اس کا مختصر یہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے کہ قریش روزہ رکھتے تھے ایسے ہی روزہ رکھتے تھے۔ پھر جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہود کو بھی اس دن کا روزہ رکھتے ہوئے پایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بذریعہ وحی یا تواتر یا اپنے اجتہاد سے اس دن کا روزہ رکھا نہ کہ آپ نے صرف یہودیوں کے اخبار اماد کی بنا پر یوم عاشورہ کا روزہ رکھا۔ "انتھی کلام النووی"

قاضی شوکانی نے اس کے بعد حدیث حضرت امیر معاویہ کے متعلق وہی جواب نقل کیا جو جواب حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے "فتح الباری" میں اس حدیث کے ماتحت جواب دیا۔

معلوم ہوا قاضی شوکانی بھی اس کے قائل ہیں کہ یوم عاشورہ کا روزہ فرض تھا اور ماہ رمضان کے روزے فرض ہونے کے بعد اس کی فرضیت ساقط ہو گئی۔ اور اس کا استحباب باقی ہے۔ علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ الباری، مرقاۃ شرح مشکوۃ میں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ماتحت لکھتے ہیں۔

واما قول ابن حجر الاصح عند اکثر اصحابنا انه لم یجب علی هذه الامة اصلاً کما یصرح به حدیث الصحیحین ○ الخ

(مرقاۃ شرح مشکوۃ، جلد 4، ص: 287، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

ابن حجر عسقلانی کا یہ قول ہمارے اکثر اصحاب کے نزدیک یہی اصح ہے کہ اس امت پر اصلاً روزہ عاشورہ واجب نہیں ہوا۔ جیسا کہ بخاری اور مسلم کی حدیث اس کی تصریح کرتی ہے۔ یہ حدیث حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

ان هذا الیوم یوم عاشوراء ولم یکتب علیکم صیامه ○ الخ

یہ دن عاشورہ (دس محرم الحرام) کا دن ہے اور تم پر اس کا روزہ فرض نہیں کیا گیا۔ پوری حدیث "مذہب امام شافعی کی مؤید حدیث" میں ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں صحیحین میں حضرت سلمہ بن اکوع کی جو حدیث ہے اس سے حدیث حضرت امیر

معاویہ رضی اللہ عنہ مدفوع ہے۔ اور حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی، یہ دونوں حدیثیں اس سے قبل مذکور ہو چکی ہیں۔ حدیث مسلمہ بن اکوع نمبر (1) جو کہ امام بخاری کی ثلاثیات سے ہے اور حدیث ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نمبر 16 ہے۔

یہ دونوں حدیثیں حدیث حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے رد میں صریح ہیں۔ اور یہ دونوں احادیث اس بات پر دلیل ہیں کہ رمضان المقدس کے ساتھ اس کے منسوخ ہونے سے قبل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا امر ایجاب کے لیے تھا کیونکہ جس نے کچھ کھایا ہو اس کو باقی دن باز رہنے اور رکنے کا حکم صرف معین روزہ مفروض میں ہی ہو سکتا ہے۔ اور اس میں یہ واضح بیان ہے کہ جس حدیث کو شیخین نے روایت کیا (حدیث امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) اولاً۔ اس کا وقوع آخر میں ہوا۔ چنانچہ عاشورہ کا روزہ فرض تھا پھر رمضان المبارک سے یہ منسوخ ہو گیا۔

علامہ بدرالدین عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں حدیث سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے ماتحت فرماتے ہیں:

وقد احتج اصحابنا بهذا الحديث وبحديث الباب على صحة الصيام لمن لم ينو من الليل سواء كان رمضان او غيره لانه صلى الله عليه وآله وسلّم امر با الصوم فى اثناء النهار ○ الخ

(عمدۃ القاری، جلد 10، ص 303، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

ہمارے اصحاب (یعنی احناف) نے اس حدیث کے ساتھ اور حدیث الباب کے ساتھ دلیل اخذ کی ہے کہ جس نے رات کو روزہ کی نیت نہیں کی خواہ وہ روزہ رمضان کا ہو خواہ غیر رمضان کا اور دن میں نیت کی اس کا روزہ صحیح ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوران دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ روزہ کی نیت رات کے ساتھ مشروط نہیں۔

سلمہ بن اکوع کی حدیث یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلہ اسلم کا ایک آدمی بھیجا کہ وہ عاشورہ کے دن اعلان کرے جس نے کچھ کھایا ہے وہ روزہ پورا کرے اور جس نے کچھ نہیں کھایا وہ نہ کھائے۔

اور حدیث الباب یہ ہے۔

وقالت ام الدرداء كان ابو درداء يقول عند كم طعام فان قلنا لا قال فانى صائم يومى هذا○

حضرت ام درداء (خیرہ) فرماتی ہیں حضرت ابودرداء (عویمر انصاری) فرماتے کیا تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے۔ اگر ہم کہتے نہیں۔ تو حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے میں آج دن کا روزہ دار ہوں۔

یہ ہیں وہ دو احادیث جن کی طرف علامہ بدرالدین نے اشارہ فرمایا۔ اور اس حدیث کا امام بخاری نے جو باب قائم کیا ہے وہ یہ ہے۔

اس باب میں اس کا ذکر ہے کہ جب انسان دن کو روزہ رکھنے کی نیت کرے اور جواب ''اذا'' محذوف ہے اس کی تقدیر یہ

ہے کہ کیا دن میں روزہ کی نیت کرنا صحیح ہے یا نہیں۔ اور امام بخاری نے جواب اس لیے نقل نہیں کیا کہ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک ماہ رمضان کے روزہ اور نذر معین اور نفلی روزہ کی نیت اگر وہ رات کو نہیں کر سکا تو قبل از زوال روزہ کی نیت کر سکتا ہے۔ جیسا کہ (روزہ کی اقسام میں نیت کے عنوان کے) ماتحت اس کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رزہ کی نیت صرف رات کو ہی ہو سکتی اگر روزہ فرض ہو تو۔

اب علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

علامہ عینی نے کہا بعض نے ان دو حدیثوں کا جواب دیتے ہوئے کہا یہ اس بات پر موقوف ہے کہ عاشورہ کا روزہ واجب ہو۔ اور اقوال علماء میں سے مرجح قول یہ ہے کہ عاشورہ کا روزہ فرض نہیں تھا۔

علامہ بدرالدین عینی اس کے جواب میں فرماتے ہیں "میں کہتا ہوں" بخاری اور مسلم نے جو حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کی ہے (دیکھو حدیث 16:) یہ حدیث بصوت اعلیٰ ندا کر رہی ہے کہ یوم عاشورہ کا روزہ فرض تھا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں اکثر اسی پر ہیں کہ عاشورہ کے دن کا روزہ فرض تھا اور ماہ رمضان کے روزہ سے اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔ اور قائل کا یہ قول کہ اقوال علماء سے جس کو ترجیح دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ یوم عاشورہ کا روزہ فرض نہیں تھا۔ اور اس تقدیر پر کہ وہ فرض تھا تو وہ بلا ریب منسوخ ہو چکا ہے۔ اور اس کے ساتھ اس کا حکم اور شرائط بھی منسوخ ہو چکی ہیں۔

جواب میں فرماتے ہیں۔ یہ مکابرہ ہے اقوال علماء میں مرجح قول یہی ہے کہ یوم عاشورہ کا روزہ فرض تھا۔ جیسا کہ ہم نے دلائل سے ذکر کیا۔ اور قائل کا یہ قول کہ روزہ عاشورہ کا حکم اور شرائط بھی منسوخ ہو چکے ہیں۔ یہ صحیح نہیں۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا منسوخ ہو چکا ہے۔ اور نماز کے جملہ احکام و شرائط منسوخ نہیں ہوئے۔

علامہ بدرالدین رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد "باب صیام یوم عاشورہ" کے ماتحت فرماتے ہیں۔ کتاب الصوم کے اوّل میں حدیث ابن عمر گزر چکی "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاشورہ کا روزہ رکھا اور اس کے روزہ رکھنے کا حکم دیا جب رمضان فرض ہوا تو آپ نے عاشورہ کے روزہ کو (بطور فرض) چھوڑ دیا" یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یوم عاشورہ کا روزہ فرض تھا اور اس کے متعلق احادیث کثیرہ وارد ہوئی ہیں۔ پھر انہوں نے وہ احادیث نقل کیں۔ (یہ تقریباً تمام وہی ہیں جو اس سے قبل گزر چکی ہیں) اور آخر میں علامہ بدرالدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ان احادیث میں یوم عاشوراء کے وجوب کا منسوخ ہونا ظاہر ہے۔ اور یہ دلیل ہے کہ یوم عاشورہ کا روزہ فرض ہونے کے بعد نفل کی طرف لوٹ چکا ہے۔ اور اہل اصول کا اس میں اختلاف ہے کہ جو چیز فرض تھی جب وہ منسوخ ہو گئی۔ کیا اباحت باقی رہتی ہے یا نہیں اور یہ مسئلہ علماء اصول کے درمیان مشہور ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (عمدۃ القاری، جلد 11، ص 119-120، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

آخر میں حدیث حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ "کہ آج یوم۔ یوم عاشورہ ہے تم پر اس کا روزہ فرض نہیں کیا گیا" کا جواب جو ابو حنیفہ ثانی ابن ہمام نے دیا ہے وہ پیش خدمت ہے۔ واضح ہو کر حافظ عسقلانی متوفی 852ھ نے اس حدیث کے متعلق جو

جواب نقل کیا ہے وہ فتح القدیر شرح ھدایہ سے ماخوذ ہے۔ اور حافظ عسقلانی سے دیگر شارحین نے "فتح الباری" کے حوالہ سے یہ جواب نقل کیا جیسے امام قسطلانی، زرقانی، ملا علی قاری، شوکانی وغیرہم۔ چنانچہ ان حضرات نے جو جواب دیا اس کی تصدیق کے لیے ابن ہمام کا قول نقل کر رہا ہوں کہ انہوں نے جو جواب دیا ہے وہ صحیح ہے۔ جیسا کہ اصل میں ہے۔

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

واستدل الطحاوی بما فی الصحیحین عن سلمۃ بن الاکوع انہ علیہ السلام امر رجلاً من اسلم ان اذن فی الناس ان من اکل فلیصم بقیۃ یومہ فمن لم یکن اکل فلیصم فان الیوم ٥ یوم عاشوراء ٥ الخ (فتح القدیر، جلد دوئم، ص: 237، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیحین میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے جو حدیث مروی ہے اس سے استدلال کیا ہے۔ حضرت سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلہ اسلم کے ایک آدمی (اسما یا ھند دونوں حارثہ کے بیٹے ہیں) کو حکم دیا کہ وہ لوگوں میں اعلان کرے جس نے کچھ کھایا ہے وہ باقی دن روزہ رکھے اور جس نے کچھ نہیں کھایا وہ بھی روزہ رکھے۔ کیونکہ آج عاشورہ کا دن ہے۔ اس میں دلیل ہے کہ عاشورہ کے روزہ کا ماہ رمضان کے ساتھ منسوخ ہونے سے قبل آپ کا یہ حکم وجوب کے لیے تھا۔ اس لیے کہ باقی دن کھانے سے باز رہنے کا جو حکم دیا گیا ہے وہ صرف ابتداء بعینہٖ روزہ مفروض کے لیے ہی تھا۔ بخلاف قضائے روزہ رمضان کے جب اس نے دن میں افطار کیا معلوم ہوا جس پر معین دن کا روزہ ہے اور اس نے رات میں اس کی نیت نہیں کی۔ اس کو دن کے وقت نیت کرنا کفایت کر جاتا ہے۔ اور یہ اس بناء پر ہو سکتا ہے جب یوم عاشورہ کا روزہ واجب ہو۔

اور ابن جوزی نے دن کے وقت نیت کرنے سے منع کیا جیسا کہ صحیحین میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا۔ یہ عاشورہ کا دن ہے ہم پر اس کا روزہ فرض نہیں کیا گیا۔ تم میں سے جو روزہ رکھنا چاہے رکھے۔ کیونکہ میں روزہ دار ہوں۔ تو لوگوں نے روزہ رکھا۔ ابن جوزی نے کہا اس میں دلیل ہے کہ جس نے کھایا تھا اسے روزہ قضاء کرنے کا آپ نے حکم نہیں دیا۔ اگر روزہ واجب ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو قضاء کرنے کا حکم دیتے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں یہ اعتراض مرفوع ہے اس لیے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فتح کے دن اسلام لانے والوں میں سے ہیں۔ اگر حضرت امیر معاویہ نے اسلام لانے کے بعد سنا ہے تو یہ سن نو یا دس ہجری میں ہوگا تو ان کا یہ سننا ماہ رمضان سے عاشورہ کے روزہ کے منسوخ ہونے کے بعد ہے۔ اور معنی یہ ہوگا ماہ رمضان المقدس سے فرض ہونے کے بعد کوئی روزہ فرض نہیں۔ تا کہ ان کے اور دیگر ادلہ صریحہ جو روزہ عاشورہ کی فرضیت پر دلالت کرتی ہیں کے درمیان جمع ہو سکے۔ اور اگر حضرت امیر

معاویہ نے اسلام لانے سے پہلے سنا ہے تو جائز ہے کہ انہوں نے یوم عاشورہ کے فرض ہونے اور ماہ رمضان کے روزہ سے اس کے منسوخ ہونے سے پہلے سنا ہو۔ بخاری اور مسلم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے ام المؤمنین نے فرمایا: یوم عاشورہ وہ دن ہے کہ جاہلیت میں قریش اس کا روزہ رکھتے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس کا روزہ رکھتے تھے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے یوم عاشورہ کا روزہ رکھا اور لوگوں کو اس کا روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ پھر جب رمضان المقدس کے روزے فرض ہوئے فرمایا جس کا دل چاہے وہ روزہ رکھے جس کا دل نہ چاہے وہ نہ رکھے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں۔ لفظ ''امر'' کا جو صیغہ جو طالبہ مستحب اور ایجاب ہے بیک وقت مشترک نہیں ہو سکتے۔ اور اگر تسلیم کر لیا جائے۔ تو ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ قول ''فلما فرض رمضان قال من شاء صامه الخ'' اس پر دلیل ہے کہ اس جگہ صیغہ امر قطعیت کا موجب ہے۔ (یعنی امر وجوب کے لیے ہے) اس لیے کہ تغییر جس کا دل چاہے روزہ رکھے جس کا دل نہ چاہے نہ رکھے) باعتبار مستحب نہیں کیونکہ یوم عاشورہ کا روزہ اب تک مستحب ہے۔

چنانچہ تغییر باعتبار وجوب تھی۔ یعنی عاشورہ کا روزہ واجب تھا اب نہیں رہا جس کا دل چاہے رکھے جس کا دل نہ چاہے نہ رکھے۔ انتهى كلامه

اس سارے کلام کا ماحصل یہ ہے کہ ہمارے نزدیک فرض معین جیسے ماہ رمضان واجب معین جیسے نذر معین اور تمام نفلی روزوں میں رات کے وقت نیت کرنا افضل ہے اور اگر رات کے وقت کسی نے نیت نہ کی تو وہ قبل از زوال تک روزہ کی نیت کر سکتا ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا جنہوں نے کچھ کھایا ہے وہ باقی دن روزہ رکھیں اور جنہوں نے کچھ نہیں کھایا وہ بھی روزہ رکھیں اور عاشورہ کے دن کا روزہ رمضان المبارک کے فرض ہونے سے قبل فرض تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم بھی یوم عاشورہ کے روزہ کے فرض ہونے کے اعتبار سے تھا۔ جس کے متعلق آپ نے احادیث سماعت فرمائیں جو اس سے قبل مذکور ہو چکی ہیں۔ یہ سولہ 16 احادیث اگر ان کی اختلاف اسانید کے اعتبار سے شمار کیا جائے تو یہ کافی احادیث شمار ہوں گی۔ چنانچہ حدیث سلمہ بن اکوع جس کو شیخین نے روایت کیا۔ اور حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس کو شیخین نے روایت کیا اس کے علاوہ دیگر احادیث جن کو شیخین کے علاوہ دیگر کبار محدثین نے روایت کیا اس پر قوی دلیل ہے کہ ماہ رمضان سے قبل یوم عاشورہ کا روزہ فرض تھا اور یہ بھی ثابت ہوا کہ ماہ رمضان کے روزہ کی نیت قبل از زوال یعنی دوپہر سے پہلے کر سکتا ہے۔ بخلاف امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ان کے نزدیک صرف نفلی روزوں کی نیت دن میں کر سکتا ہے اور فرض روزہ کی نیت رات کو ہی ہو سکتی ہے اس پر مفصل بحث ''روزہ کی نیت'' کے ماتحت اس سے قبل ذکر کی جا چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

یہ مسائل بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب تمام مذاہب سے ارجع ہے جو کتاب

وسنت کے مطابق ہے۔ چنانچہ ہم پر ان کی تقلید واجب ہے۔ اور مذہب امام اعظم سے انحراف تعزیر کا مستوجب ہے۔ کیونکہ امام صاحب نے ان احادیث سے استخراج فرمایا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری عمل پر دلالت کرتی ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری عمل ''اول عمل'' کا ناسخ ہے۔ اس لیے امام صاحب کے مستخرجہ مسائل قرآن وسنت کے موافق ومطابق ہیں۔

اس موضوع پر اس فقیر کی کتاب ''امام اعظم اور علم حدیث'' قابل مطالعہ ہے۔ اس کتاب کو پڑھ کر آپ یہ اندازہ ضرور کر سکیں گے کہ امام صاحب کو حدیث پر کتنا عبور حاصل تھا۔ اور آپ کی مرویات احادیث صحت کے کس مقام پر فائز ہیں۔ جس سے کسی ذی عقل وباشعور انسان کو مفر نہیں۔ ہاں اگر امام صاحب سے محض تعصب ہے تو یہ اور بات ہے۔ ''واللہ یھدی الی سبیل الرشاد''۔

اب بندہ ناچیز ''راقم الحروف'' قرآن مقدس کی ان آیات مبارکہ جو کہ ماہ رمضان کے صیام کے متعلق ہیں ان کا ترجمہ اور اجمالاً کچھ تفسیر عرض کرتا ہے۔ کیونکہ ان کی تفاصیل کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ میں صرف حضرات مفسرین کرام کی معتمد تفاسیر سے صرف وہ اقوال نقل کروں گا جو اولیٰ اور ارجح ہوں گے۔ اور بالخصوص مسائل میں وہ اقوال درج کروں گا جو فقہ حنفی کے موافق ہوں گے۔ اور جس مسئلہ پر ائمہ مذاہب کے درمیان اختلاف ہے اس کا اجمالاً ذکر ہوگا۔ اور علمائے مفسرین کرام نے اس کے متعلق جو بیان کیا ان میں سے مرجح قول نقل کیا جائے گا۔

وما توفیقی الا باللہ وهو الموفق للصواب

بسم اللہ الرحمن الرحیم○

اللہ عزوجل کا فرمان: یایہا الذین آمنو کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون○ (سورۂ بقرہ، آیت 183)
ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے اگلی امتوں پر فرض ہوئے تھے کہ کہیں تمہیں پرہیز گاری ملے۔

(کنزالایمان)

اس آیۂ مبارکہ کی پہلی آیت سے مناسبت کیا ہے۔
اثیر الدین ابوعبداللہ محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان اندلسی المشہور بابی حیان اپنی تفسیر ''تفسیر الکبیر مسمی بہ البحر المحیط میں اس آیۂ کریمہ کے ماتحت لکھتے ہیں۔
مناسبۃ ھذہ الآیۃ لما قبلھا انہ اخبر تعالٰی اولاً لکتب القصاص○ الخ
(تفسیر البحر المحیط، جلد دوئم، ص:28 مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس آیۂ کریمہ کی اس سے قبل آیۂ مبارکہ سے مناسبت یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے پہلے یہ خبر دی کہ تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے۔ اور قصاص جانوں کا اتلاف ہے اور یہ تمام تکالیف میں سے بہت سخت، دشوار اور باعث مشقت تکلیف ہے۔ چنانچہ قاتل پر واجب ہوا کہ وہ اپنے آپ کو اللہ تعالٰی کے حکم کے مطابق قتل ہونے کے لیے ولی قصاص کے سپرد کردے۔ اور دوسری بار وصیت کو فرض کیا گیا۔ اور یہ اخراج مال ہے۔ اور اخراج مال بھی ایک طرح سے مثل روح ہے۔ یعنی جیسے قصاص میں قتل اخراج روح ہے جو کہ بہت دشوار اور باعث مشقت ہے اس طرح اخراج مال بھی دشوار اور باعث مشقت ہے۔

پھر اللہ عزوجل نے تیسری بار اس دشوار امر کو روزہ کے فرض ہونے کی طرف منتقل فرمایا۔ اور روزہ بدن کو لاغر اور کمزور کرتا ہے۔ اور دن میں انسان کے کھانے پینے کی محبت کو قطع کرتا ہے اور اس سے مانع ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل نے بہت دشوار امر سے ابتداء فرمائی ''یعنی کتب علیکم القصاص'' پھر اس کے بعد باعث مشقت امر کو بیان فرمایا۔ یعنی ''کتب علیکم الوصیہ''۔ پھر اس کے بعد مشاق امر کے ساتھ حکم دیا۔ چنانچہ اللہ عزوجل نے اس آیۂ مبارکہ میں اپنے بندوں پر جو فرض کیا یہ انتقال ہے۔ جس کی طرف پہلے اشارہ کیا جاچکا ہے کہ اللہ عزوجل نے تیسری بار اس دشوار امر کو روزہ کے فرض ہونے کی طرف منتقل فرمایا۔ یعنی اس سے قبل کتب قصاص۔ پھر کتب وصیت اور اس کے بعد کتب صیام۔ اللہ عزوجل نے اسلام کے ارکان ثلاثہ

یعنی ایمان، نماز، زکوۃ کا ذکر فرمایا پھر اس کے بعد چوتھا رکن بیان فرمایا۔ اوران تین مکتوبات میں ''کتب'' کی بناء مفعول کے لیے ہے۔ اور فاعل کو حذف کیا گیا۔ کیونکہ اس کا علم ہے کہ فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ اور فاعل کو حذف اس لیے کیا کہ یہ تینوں مکتوبات مکلف پر نہایت مشکل اور دشوار ہیں۔ چنانچہ مناسب سمجھا کو ان کو اللہ عزوجل کی طرف منسوب نہ کیا جائے۔ اگر چہ ان کو اللہ عزوجل نے ہی فرض فرمایا ہے۔ اور جس وقت مکلف کے لیے مکتوب میں راحت واستبشار ہو پھر فعل کو فاعل کے لیے بناء کیا جاتا ہے۔ یعنی فعل کی نسبت فاعل کی طرف کی جاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا:

''کتب ربکم علی نفسه الرحمة○'' (سورۂ انعام، آیت:12)

اس نے اپنے ذمہ کرم پر رحمت رکھ لی ہے۔ (کنز الایمان)

اللہ عزوجل کا فرمان: کتب اللہ لا غلبن انا ورسلی○ (سورۂ مجادلہ، آیت:21)

اللہ لکھ چکا کہ ضرور میں غالب آؤں گا اور میرے رسول۔

اور اسی سورۂ مجادلہ کی آیت 22 میں ہے۔ ''اولئك كتب في قلوبهم الايمان'' یہ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان نقش فرمادیا۔

ابن حیان فرماتے ہیں: یہ علم بیان کے لطیف میں سے ہے۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ قرآن معظم میں فعل کی بناء فاعل کے لیے ہے۔

جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان: وکتبنا علیهم فیها ان النفس بالنفس○ الخ (سورۂ مائدہ، آیت:45)

اور ہم نے توریت میں ان پر واجب کیا کہ جان کے بدلے جان یعنی اگر کسی نے کسی کو قتل کیا تو اس کی جان مقتول کے بدلہ میں ماخوذ ہوگی۔ خواہ وہ مقتول مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، مسلم ہو یا ذمی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مرد کو عورت کے بدلہ قتل نہ کرتے تھے اس پر یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی۔

اس کے جواب میں ابن ابی حیان لکھتے ہیں یہ مناسب ہے۔ اس لیے کہ یہود حضرات انبیاء کرام کی بکثرت مخالفت اوران کی نافرمانی کرتے تھے۔ بخلاف اس امت محمدیہ کے چنانچہ مخاطبین (یہود اور امت محمدیہ) کے جدا جدا ہونے کی وجہ سے دونوں خطاب میں اللہ تعالیٰ نے فرق فرمایا ہے۔ اور اللہ عزوجل نے تیسرے مکتوب یعنی ماہ رمضان کے روزے کے ساتھ ان کو مطلع کرتے وقت ندا فرمائی ''یاایھا الذین آمنو'' تاکہ یہ تکلیف جو ان کی طرف ڈالی جارہی ہے اس کے استماع پر خبردار ہو جائیں۔ اور اللہ عزوجل نے دوسرے مکتوب میں آدمی مکتوب کے ساتھ ایک نظام میں منسلک ہونے کی وجہ سے ندا کی طرف احتیاج نہیں فرمائی۔ اور اول مکتوب وہ قصاص کے بدلے موت کا حضور ہے۔ اور اللہ عزوجل نے اس تیسری تکلیف (یعنی روزہ) کو ان دونوں مکتوبات سے جدا فرمایا۔ اور اس تیسری تکلیف کے مکلفین کو ''یاایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام'' سے ندا فرمائی۔

حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے غنیۃ الطالبین میں حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے ندا کے متعلق ایک قول نقل فرمایا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ "یایها الذین آمنوا" کے متعلق فرماتے ہیں۔ ندا میں لذت قرب ہے، جو عبادت کی مشقت اور رنج کو دور کر دیتی ہے۔

(غنیۃ الطالبین مترجم فارسی مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ، ص:531)

اللہ عزوجل نے ایمان والوں کو ندا کے بعد فرمایا تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے۔

تمام علماء مفسرین کرام کے نزدیک اس آیہ کریمہ تشبیہ کے متعلق دو قول ہیں۔

قول اوّل:۔ ظاهره عموم الذين من قبلنا من الانبياء و اممهم من آدم الى زماننا○ الخ

(تفسیر بحر المحیط، جلد دوئم، ص:29)

اس کا ظاہر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے زمانہ تک ہم سے پہلے جتنے بھی انبیاء کرام اور ان کی امتیں گزر چکی ہیں ان سب کو شامل ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان میں سے اول حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ چنانچہ روزہ صرف تم پر ہی فرض نہیں کیا گیا۔ یعنی روزہ ایک عبادت قدیمہ اصلیہ ہے۔ اللہ عزوجل نے کسی امت کو خالی نہیں رہنے دیا کہ ان پر روزہ فرض نہ کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خاص تم پر ہی یہ روزہ فرض نہیں کیا۔

علامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی حنفی اپنی تفسیر "تفسیر مدارک التنزیل وحقائق التاویل" میں اس آیہ کریمہ کے ماتحت رقم فرماتے ہیں۔

"على الذين من قبلكم" على الانبياء و لامم من لدن آدم عليه السلام الى عهدكم فهو عبادة قديمة○ الخ (تفسیر مدارک، جلد اول، ص:93)

یعنی روزہ تمہارے زمانہ سے لے کر حضرت آدم علیہ السلام تک تمام انبیاء اور ان کی امتوں پر فرض تھا اور یہ روزہ عبادت قدیمہ ہے۔ اور تشبیہ اس اعتبار سے ہے کہ ان میں سے ہر ایک پر چند دنوں کے روزے فرض تھے۔ جیسے کہ تم سے پہلے روزہ بطور عبادت فرض تھا ایسے ہی تم بھی روزوں کے ساتھ اس کی عبادت کرنے والے ہو۔ مقصد یہ ہے کہ تشبیہ اصل وجوب میں ہے۔

علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی خلوتی۔ اپنی تفسیر۔ تفسیر صاوی حاشیہ جلالین۔ میں فرماتے ہیں:

(قوله من الامم) اى و انبيائهم من آدم الى نبينا لكن لا كصومنا من كل وجه لا الكيفية والثواب○ الخ (تفسیر صاوی، جلد اول، ص:77)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا قول "من الامم" یعنی تم سے پہلے امتوں پر بھی روزہ فرض تھا۔ علامہ صاوی مالکی فرماتے صرف امتیں ہی نہیں۔ بلکہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر بھی روزہ فرض تھا۔ لیکن من کل الوجوہ ہماری طرح روزہ نہیں تھا۔

نہ کیفیت میں اور نہ ہی ثواب میں۔ اور تشبیہ کے ذکر کرنے کی حکمت امر میں تاکید اور ہم سے جو پہلے گزر چکے ہیں ان کے ساتھ تسلی ہے۔ اس لیے کہ روزہ میں نوع مشقت ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوا تشبیہ اصل وجوب میں ہے۔

علامہ شیخ سلیمان جمل رحمۃ اللہ علیہ تفسیر جمل حاشیہ جلالین میں فرماتے ہیں:

(قوله من الامم) عبارة الخطيب من الانبياء ولامم من لدن آدم الى عهدكم ۝ الخ

جلالین کے قول "من الامم" کے ماتحت فرماتے ہیں۔ خطیب کی عبارت یہ ہے: حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تمہارے عہد تک تمام انبیاء کرام اور ان کی امتیں روزہ رکھتی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام پر روزہ فرض ہوا۔ یعنی روزہ عبادت، قدیمہ اصلیہ ہے۔ اللہ عزوجل نے کسی امت کو اس سے خالی نہیں چھوڑا صرف اکیلے تم پر یہ روزہ فرض ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: "کتب علیکم" اس میں حکم کی تاکید ہے۔ فعل میں ترغیب ہے۔ اور نفس کے لیے تسکین۔

ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی اپنی تفسیر "الجامع لاحکام القرآن" میں لکھتے ہیں:

لما ذكر ما كتب على المكلفين من القصاص والوصية ذكر ايضاً انه كتب عليهم الصيام والزمهم اياه واوجب عليهم ولا خلاف فيه ۝ (صاحب تفسیر قرطبی اس آیہ کریمہ "وکتب علیکم الصیام" الخ کے ماتحت ارقام فرماتے ہیں۔ جب مکلفین پر قصاص اور وصیت کو فرض کیا تو یہ بھی ذکر کیا کہ ان پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔ اور روزہ کو ان پر لازم کیا اور واجب کیا۔ اس میں کوئی خلاف نہیں۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

قيل التشبيه راجع الى اصل وجوبه على من تقدم لا فى الوقت والكيفية ۝ الخ

(تفسیر قرطبی، مجلد، اول، جزو دوئم، ص:184)

بعض نے کہا تشبیہ روزہ کے اصل وجوب کی طرف راجع ہے۔ جو پہلے گزر چکے۔ وقت اور کیفیت میں نہیں۔ اور بعض نے کہا تشبیہ روزہ کی صفت پر واقع ہے جو ان پر ان کو کھانے، پینے اور جماع سے منع کرنا ہے۔ اور جب افطار کا وقت قریب ہو جو سو گیا وہ ان چیزوں کو نہ کرے۔ اور اولاً نصاریٰ میں بھی ایسے ہی تھا اور ابتداء اسلام میں بھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان "احل لکم لیلة الصیام الرفث الی نسائکم" کے ساتھ منسوخ فرمایا۔ یہ قول سدی، ابوالعالیہ اور ربیع کا ہے۔ معاذ بن جبل اور عطاء بن ابی رباح کا قول ہے کہ تشبیہ روزہ پر واقع ہے صفت

پر نہیں۔ اور نہ ہی گنتی پر اگر چہ دونوں روزوں میں (یعنی ہمارے اور نصاریٰ) کی کمی بیشی میں اختلاف ہے۔ اور ''کتب علیکم الصیام'' کا معنی یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں ہر ماہ کے تین اور عاشورہ کا روزہ فرض تھا۔ جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض تھا۔ یعنی وہ یہود ہیں۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک قول کے مطابق تین روزے اور یوم عاشورہ کا روزہ۔ پھر اس امت میں رمضان المقدس کے ساتھ ان کو منسوخ کر دیا گیا۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان کا نسخ ''بایام معدودات'' سے ہوا پھر یہ ایام معدودہ رمضان المبارک کے ساتھ منسوخ ہوئے۔

محمود بن عمر زمخشری، اپنی تفسیر ''کشاف'' میں لکھتے ہیں۔

''کما کتب علی الذین من قبلکم'' علی الانبیاء والامم ۝ الخ

(تفسیر کشاف، جلد اوّل، ص:225)

انبیاء کرام اور ان کی امتوں پر روزہ فرض تھا زمخشری کی بقیہ تفسیر دوسرے مفسرین سے مختلف نہیں۔

اس سے معلوم ہوا تشبیہ اصل وجوب میں ہے قدر اور وقت میں نہیں۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:

(المسئالة الاولی) فی هذا التشبیه قولان "احدهما" انه عائد الٰی اصل ایجاب الصوم یعنی هذه العبادة کانت مکتوبة ۝ الخ (تفسیر کبیر، جز5، ص:69)

(پہلا مسئلہ)

اس تشبیہ میں دو قول ہیں۔ ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ تشبیہ اصل روزہ کے واجب ہونے کی طرف عائد ہے۔ یعنی یہ عبادت حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تمہارے زمانہ تک تمام انبیاء کرام اور ان کی امتوں پر واجب تھی۔ ان پر اس عبادت کے واجب ہونے سے کوئی امت خالی نہ تھی۔ اللہ عزوجل نے صرف تم پر ہی یہ عبادت فرض نہیں فرمائی۔ اور اس کلام کا فائدہ یہ ہے کہ روزہ ایک عبادت شاقہ ہے اور دشوار و مشقت والی چیز جب عام ہوتی ہے تو سہل اور آسان بن جاتی ہے۔

(اور قول ثانی) یہ تشبیہ اور وقت اور قدر کی طرف عائد ہوتی ہے۔ اور یہ قول ضعیف ہے۔ اس لیے کہ ایک شی کا دوسری شی کے ساتھ تشبیہ دینا۔ ان دونوں چیزوں کا امور میں سے کسی امر میں برابری کا متقاضی ہے۔ اور یہ کہا جائے کہ وہ تمام امور میں برابری کی متقاضی ہے تو ایسا نہیں۔

پھر قول ثانی کے قائلین نے کچھ وجوہ ذکر کی ہیں۔

(اوّل) اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ پر ماہ رمضان کے روزے فرض فرمائے۔ اور یہودیوں نے اس ماہ مقدس کے

روزے ترک کردیے اور سال میں صرف ایک روزہ رکھنا شروع کردیا۔ ان کا گمان تھا کہ اس دن فرعون غرق ہوا تھا۔ اور اس میں انہوں نے جھوٹ بولا۔ کیونکہ یوم عاشورہ کا دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان ترجمان کا ہے۔

اور نصاریٰ نے رمضان کے روزے رکھے۔ انہوں نے اس ماہ مقدس میں سخت گرمی پا کر ان کو ایک وقت کی طرف پھیر لیا جو کہ متغیر نہ ہو۔ پھر انہوں نے تحویل کے وقت کہا ہم اس میں دس روزہ کا اضافہ کریں گے۔ پھر کچھ مدت کے بعد ان کا بادشاہ بیمار ہو گیا تو انہوں نے نذر مانی اگر ہمارے بادشاہ صحت مند ہوئے تو سات روزے رکھیں گے۔ چنانچہ انہوں نے ان روزوں میں سات دن کا اور اضافہ کر دیا۔ پھر اس بادشاہ کے بعد دوسرا بادشاہ آیا تو اس نے کہا ان تین دنوں کا کیا حال ہے۔ چنانچہ اس نے پچاس دن کے روزے پورے کردیے۔

(دوئم) نصاریٰ نے مضبوطی سے ایک زمانہ کو اختیار کر لیا اور انہوں نے تیس روزوں سے ایک دن قبل اور ان کے بعد ایک دن کا روزہ رکھنا شروع کر دیا۔ پھر ہمیشہ یہ طریقہ جاری رہا حتی کہ وہ پچاس روزوں تک پہنچ گئے۔ اس لیے شک کے دن کا روزہ مکروہ ہے اور یہ شعبی سے مروی ہے۔

(سوئم) وجہ تشبیہ یہ ہے کہ کھانا اور پینا اور جماع کرنا نیند کے بعد حرام ہوا تھا جب کہ یہ تمام امتوں پر حرام تھا۔ اس قول کے قائلین نے اس قول کے ساتھ دلیل اخذ کی ہے کہ امت اس بات پر متفق ہے کہ اللہ عزوجل کا یہ فرمان "احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الٰی نسائکم" اس حکم کے منسوخ ہونے کا فائدہ دیتا ہے۔ اور یہ حکم ہے اس کے لیے کوئی دلیل چاہیے جو اس پر دلالت کرے۔ اور اس پر صرف یہی تشبیہ ہے جو دلیل ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا فرمان "کما کتب علی الذین من قبلکم" ہے۔ پس واجب ہوا کہ یہ تشبیہ اس نص کے ثبوت پر دلیل ہو۔

اور پہلے قول والے (یعنی تشبیہ اصل وجوب میں ہے) کہتے ہیں ہم نے واضح کر دیا کہ ایک چیز کے ساتھ دوسری چیز کو تشبیہ دینا "من کل الوجوہ" ان دونوں کی مشابہت پر دلالت نہیں کرتا۔ اور ان کے روزوں کے ساتھ ہمارے روزہ کی تشبیہ سے یہ لازم نہیں کہ ان کے روزے رمضان شریف کے ساتھ ہی مختص تھے۔ اور ان کے روزے تیس (30) دن ہی ہوں۔ پھر یہ روایت کہ جب یہود و نصاریٰ کو معلوم ہو گیا کہ یہ اسی طرح ہے تو وہ قبول اسلام سے متنفر ہوں گے۔ انتھی کلام الرازی۔

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی اپنی تفسیر "تفسیر مظہری" میں ارقام فرماتے ہیں:

قولہ تعالیٰ: کما کتب علی الذین من قبلکم○ من الانبیاء والامم والظاھر ان التشبیہ فی نفس الوجوب وذالک لا یقتضی المشابھۃ من کل جھۃ فی الکیفیۃ والوقت وغیر ذالک○ الخ

(تفسیر مظہری، ج اول، ص 188)

اللہ تعالیٰ کا فرمان: جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے۔ اور وہ حضرات انبیاء کرام علیہم التسلیمات اور ان کی امتیں ہیں۔ اور ظاہر نص سے ثابت ہوتا ہے کہ تشبیہ اصل یعنی نفس وجوب میں ہے۔ اور یہ کیفیت ووقت وغیرہما میں ہر جہت سے

مشابعت کی متقاضی نہیں ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم سے پہلے لوگوں پر روزہ رات کی تہائی سے آئندہ رات تک فرض تھا اور اس طرح ابتدائے اسلام میں روزہ فرض تھا چنانچہ یہ روزہ پہلے لوگوں کے مشابہ ہو گیا۔ اور اہل علم میں سے ایک جماعت نے کہا ماہ رمضان کے روزے نصاریٰ پر واجب تھے۔ جیسا کہ ہم پر فرض کئے گئے۔ بسا اوقات وہ سخت گرمی میں آتے تو بوجہ پیاس ان پر یہ روزہ رکھنا دشوار ہوتا یا سخت سردی میں واقع ہوتے تو بوجہ بھوک ان پر یہ روزے رکھنا دشوار ہوتے چنانچہ ان کے علماء اور سردار اکٹھے ہوئے اور انہوں نے اس ماہ رمضان کے روزوں کو موسم ربیع میں کر دیا۔ اور جو انہوں نے یہ کام کیا اس کے کفارہ کے عوض انہوں نے اس میں دس روزوں کا اضافہ کر دیا اور یہ چالیس روزے ہو گئے۔ پھر ان کے بادشاہ کو بیماری نے آلیا تو اس نے اللہ تعالیٰ کے لیے نذر مانی اگر وہ اس مرض سے صحت مند ہوا تو وہ ان روزوں میں سات اور روزوں کا اضافہ کرے گا۔ چنانچہ وہ تندرست ہو گیا تو اس نے اس میں سات روزوں کا اضافہ کر دیا۔ پھر ایک اور بادشاہ ان کا والی بنا تو اس نے کہا اس کو پچاس دن کر دو چنانچہ ان پر پچاس روزے فرض ہوئے۔

علامہ ابن ابی حیان نے اپنی تفسیر "تفسیر البحر المحیط" میں لکھا ہے:

وقیل الذین من قبلنا هم النصاریٰ قال الشعبی وغیرہ والصوم معین وهو رمضان فرض علی الذین من قبلنا وهم النصاریٰ○(ج اوّل، ص: 29)

بعض نے کہا "الذین من قبلکم" سے مراد نصاریٰ ہیں۔ امام شعبی وغیرہ نے کہا روزہ معین تھا۔ اور وہ ماہ رمضان کا روزہ تھا جو ہم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا۔ اور وہ نصاریٰ ہیں۔

صاحب تفسیر قرطبی نے لکھا ہے:

فقال الشعبی والقتادة وغیرهما التشبیه یرجع الی وقت الصوم وقدر الصوم○ فان اللہ تعالیٰ کتب علی قوم موسیٰ وعیسیٰ صوم رمضان فغیروا○ الخ (تفسیر قرطبی، ج اول، ص:184)

امام شعبی اور قتادہ وغیرہما نے کہا تشبیہ روزہ کے وقت اور قدر کی طرف راجع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قوم موسیٰ اور قوم عیسیٰ پر ماہ رمضان کا روزہ فرض فرمایا۔ اور انہوں نے اس کو تبدیل کر دیا۔ اور ان کے علماء نے اس پر دس دن کے روزوں کا اضافہ کیا پھر ان کے علماء میں سے کوئی بیمار ہوا تو اس نے نذر مانی اگر اللہ عزوجل نے اس کو شفا دی تو وہ روزوں میں دس دن کا اضافہ کرے گا اور اس نے اسی طرح کیا اور دس روزوں کا اور اضافہ کر دیا تو نصاریٰ کے روزے پچاس ہو گئے۔ جب گرمیوں میں ان پر ان کا رکھنا دشوار ہوا تو انہوں نے موسم ربیع کی طرف ان کو منتقل کر دیا۔ اور نحاس نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔ اور جو آیت مبارکہ میں ہے اس کے مشابہ ہے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں: اس کے متعلق حدیث ہے جو اس کی صحت پر دلالت کرتی ہے۔ وہ حدیث **عن دغفل بن حنظله عن النبی صلی اللہ علیه وآله وسلم** ہے۔ یعنی دغفل بن حنظلہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا۔ آپ نے فرمایا: نصاریٰ پر ماہ رمضان کے روزے فرض تھے۔ ان میں سے ایک شخص بیمار ہو گیا۔ تو نصاریٰ نے

کہا اگر اللہ عزوجل نے اس کو شفادی تو وہ ان میں دس دن کے روزوں کا اضافہ کریں گے۔ پھر دوسرا آیا اس نے گوشت کھایا تو اس کے منہ میں تکلیف ہوگئی۔ تو نصاریٰ نے کہا اگر اللہ عزوجل نے اس کو شفادی تو ضرور وہ اس میں سات دن کا اضافہ کریں گے۔ پھر ایک روز بادشاہ آیا تو انہوں نے کہا ہم ضرور ان سات دنوں کو پورا کریں گے اور موسم ربیع میں روزے رکھیں گے چنانچہ نصاریٰ کے پچاس روزے ہو گئے۔

اور امام مجاہد بن جبر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے ماہ رمضان کا روزہ ہر امت پر فرض فرمایا۔

مفسرین کرام کے اقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ تشبیہ میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک تشبیہ صرف نفس وجوب میں ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ مبارک تک تمام انبیاء کرام اور ان کی امتوں پر روزہ فرض تھا۔ بعض کے نزدیک تشبیہ وقت اور قدر میں ہے۔ اور بعض کے نزدیک صرف وقت میں ہے اور بعض کے نزدیک تشبیہ صفت روزہ میں ہے اور بعض کے نزدیک صفت روزہ میں تشبیہ نہیں بلکہ صرف روزہ پر واقع ہوئی۔ اور امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ تشبیہ صرف نفس وجوب میں ہے۔

ابو جعفر محمد بن جریر طبری اپنی تفسیر ''جامع البیان فی تفسیر القرآن'' میں تمام اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

انما التشبیه فانما وقع علی الوقت وذالك ان من كان قبلنا انما كان فرض علیهم شهر رمضان مثل الذی فرض علینا سواءO (تفسیر طبری، ج دوئم، ص:76)

فرماتے ہیں: تشبیہ صرف وقت پر واقع ہوئی ہے اور یہ اس لیے کہ جو لوگ ہم سے پہلے گزر گئے۔ ان پر ماہ رمضان فرض کیا گیا تھا۔ جیسا کہ ہم پر فرض کیا گیا ہے لہٰذا ہم اس میں برابر ہیں۔

اللہ عزوجل کا فرمان ہے: لعلکم تتقون۔ ''کہیں تمہیں پرہیز گاری ہے۔''

اس کی تفسیر میں علماء مفسرین کے کئی اقوال ہیں۔

تفسیر قرطبی میں ہے: بعض کے نزدیک اس کا معنی ہے ''تضعفون'' یعنی تم کمزور ہو جاؤ کیونکہ جب بھی کھانا کم ہو شہوت ضعیف ہوتی ہے اور جب بھی شہوت ضعیف ہو گناہ کم واقع ہوتے ہیں۔ اور یہ مجازی وجہ ہے اور حسن ہے۔ بعض نے کہا تا کہ تم معاصی سے بچ جاؤ۔ تفسیر کبیر میں ہے تا کہ تم اس عبادت کے سبب متقین کی جماعت کی لڑی میں پروئے جاؤ کیونکہ روزہ متقین کا شعار ہے۔

تفسیر البحر المحیط میں ہے: تا کہ تم گناہوں کے ترک کے سبب اپنے اور جہنم کی آگ کے درمیان حفاظت کا ذریعہ بناؤ۔ کیونکہ روزہ شہوت کے کمزور کرنے اور روکنے کا سبب ہے۔ اور بعض نے کہا اس کا معنی ہے کہ تم روزہ کے وقتِ وجوب میں کھانے، پینے اور جماع کرنے سے بچو۔ بعض نے کہا اس کا معنی یہ ہے کہ تم معاصی سے بچو۔ کیونکہ روزہ نفس جس کی خواہش رکھتا اس سے اس کو روکتا ہے۔

علامہ زمخشری نے لکھا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ تم روزہ کے عبادت اصلیہ اور قدیمہ کی وجہ سے اس کی تعظیم اور اس پر محافظت کے سبب پرہیزگار بن جاؤ۔

تفسیر مدارک میں ہے: "لعلکم تتقون" کا معنی یہ ہے کہ تم روزہ کی وجہ سے معاصی سے بچ جاؤ۔ اس لیے کہ روزہ نفس کے اوصاف ذمیمہ سے پاک اور برائی کے مواقع سے اس کو روکتا ہے۔

تفسیر مظہری میں ہے: اس کا معنی ہے کہ تم معاصی سے بچ جاؤ اس لیے کہ روزہ شہوت کو توڑتا ہے۔ جیسا کہ متفق علیہ حدیث جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے نوجوانو! جو تم میں سے نکاح کرنے کی طاقت رکھتا ہے وہ نکاح کرے۔ کیونکہ نکاح کرنا نگاہ نیچی رکھنے کی طرف بلاتا ہے اور زنا سے بچاتا ہے اور جو شخص نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا وہ روزہ رکھے کیونکہ روزے اس کو خصی بنا دیتے ہیں۔ یعنی روزہ رکھنا شہوت نفسانی کو ختم کر دیتا ہے۔ یا اس کا معنی یہ ہے کہ تم روزہ میں کوتاہی اور اس کے چھوڑ دینے سے بچو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ "تتقون" کے جملہ معانی۔ اسباب تقویٰ کے جامع اور موجب ہیں اور روزہ اسباب تقویٰ میں سے ہے اور جب آدمی روزہ رکھتا ہے تو وہ اسباب تقویٰ پر عمل پیرا ہو کر متقی و پرہیزگار بن جاتا ہے۔ اور حقیقت تقویٰ مامور ہے اور جو اللہ عزوجل کو محبوب اور پسندیدہ عمل ہیں ان پر عمل کرنا اور جس کام سے منع کیا گیا ہے اس سے اور مکروہ تحریمہ و مکروہ تنزیہ سے اجتناب کرنا حقیقت تقویٰ ہے۔ اس لیے کہ تقویٰ سے مراد آدمی کا اپنے آپ کو نار جہنم سے بچانا ہے اور وہ اپنے آپ کو نار جہنم سے اس طرح ہی بچا سکتا ہے کہ وہ اسباشب تقویٰ پر عمل کرے۔

آخر میں عرض یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ کے ماتحت جتنے اقوال نقل کیے گئے ہیں ان میں سے اہم اور معتمد قول یہ ہے کہ روزے عبادت قدیمہ ہیں۔ زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے تمام شریعتوں میں فرض ہوتے چلے آئے اگرچہ ایام و احکام مختلف تھے مگر اصل روزے سب امتوں پر لازم رہے۔

اور اسی قول کو امام فخر الدین رازی اور علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجیح دی ہے اور دوسرے قول کو ضعیف قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

قولہ تعالیٰ: ایاما معدودات فمن کان منکم مریضاً او علیٰ سفر فعدۃ من ایام اخر وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین فمن تطوع خیراً فھو خیر لہ وان تصوموا خیر لکم ان کنتم تعلمون٥

گنتی کے دن ہیں تو تم میں جو کوئی بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں۔ اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا پھر جو اپنی طرف سے نیکی زیادہ کرے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے اور روزہ رکھنا تمہارے لیے زیادہ بھلا ہے اگر تم جانو۔ (کنزالایمان)

اللہ عزوجل نے جب ایمان والوں کو یہ حکم دیا کہ تم روزے رکھو اس کے بعد فرمایا: ''ایاما معدوات'' ابی حیان نے کہا: ''ایاما'' کا منصوب ہونا فعل کے اضمار پر ہے اور اس پر اس کا ماقبل دلالت کرتا ہے اس کی تقدیر یہ ہے۔

''صوموا ایاما معدودات'' اس طرح مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''ایاما'' مقدر کی وجہ سے منصوب ہے نہ کہ ''بالصیام'' کے ساتھ اس لیے کہ دونوں کے درمیان اجنبیت کے فعل کے لیے ''صیام'' کے ساتھ منصوب جائز نہیں۔ اور بعض نے ''ایاما'' کو ''کتب'' کا مفعول ثانی اور یہ فراء کا قول ہے اور بعض نے کہا یہ ظرفیت کی بناء پر منصوب ہے۔ اے ''کتب علیکم الصیام فی ایام معدوات''۔ اس کو تفسیر قرطبی نے نقل کیا ہے۔

ابوحیان نے ''معدودات'' کا معنی یہ کیا ہے کہ اللہ عزوجل نے جو اپنے فرمان میں ''معدودات'' کا وصف بیان کیا ہے یہ مکلف پر آسانی کرنا ہے کہ یہ دن وہ ہیں جنہیں گنا جا سکتا ہے۔ زیادہ نہیں کہ جو نہ گنے جا سکتے ہوں۔ اور یہ بمعنی ''قلائل'' ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ عزوجل کے قول ''معدودات'' میں دو وجہیں ہیں:

اوّل: یہ کہ معدودات کا معنی یہ ہر عدد معلوم کے ساتھ وہ مقرر کیے گئے ہیں۔ اور دوئم: بمعنی ''قلائل'' ہے کہ یہ بہت تھوڑے دن ہیں۔ علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''معدودات'' بمعنی ''قلائل'' اس لیے ہے کہ عادتاً قلیل کو گنا جاتا ہے نہ کہ کثیر کو۔ علامہ صاوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ یہاں لکھتے ہیں: ''معدودات'' کا معنی ''موقتات بعدد معلوم'' یعنی عدد معلوم کے ساتھ وہ مقرر کیے گئے ہیں۔ صحیح ہے اور یہ اولیٰ ہے کہ ان سے دونوں کی تعیین معلوم ہوتی ہے۔

علامہ صاوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بعض نے کہا ''معدودات'' اے ''معدات للعطایا الربانیہ فالصالحون یتھیاون لھا''۔

یعنی ایام ''معدودات'' اللہ تعالیٰ کی عطاؤں کے حصول کے لیے بنائے گئے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ان کے لیے تیاری کرتے ہیں۔

اور ''معدودات'' چالیس سے کم پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اس لیے کہ لغت عرب میں عادتاً جب بھی لفظ عدد مذکور ہوتا ہے اس سے مراد یہی ہوتا ہے۔ یعنی لغت عرب میں عدد کا لفظ چالیس سے کم پر بولا جاتا ہے۔ اسی لیے شیخ سلیمان جمل رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

(قولہ ای قلائل) ای اقل من اربعین اذالعادة ٥ الخ۔ (تفسیر جمل، ج اوّل، ص:145 مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

یعنی علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ''قلائل'' یعنی چالیس سے کم پر بولا جاتا ہے اس لیے کہ جب لفظ عدد کا ذکر ہوگا۔ عادتاً یہی مراد ہوگا۔ شیخ جمل فرماتے ہیں: اس بناء پر اس قلیل سے خصوص عدد کے لیے کوئی تعیین نہیں۔ چنانچہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول صحیح ہے کہ ان کو عدد معلوم کے ساتھ ضبط کیا گیا ہے۔ اس سے مراد ''ایاما معدودات'' ہیں۔ یعنی ان کا عدد

معلوم ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ''تفسیر کبیر'' میں فرماتے ہیں:

(المسألة الثانية) اختلفوا في هذه الايام على قولين○

الاول: انها غير رمضان وهو قول معاذ وقتادة وعطاء○ الخ

(تفسیر کبیر ج5، ص:71، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ طہران)

دوسرا مسئلہ: علماء کرام نے ان دونوں میں اختلاف کیا ہے اور اس میں دو قول ہیں۔ (اوّل) یہ ایام ماہ رمضان کے غیر ہیں اور یہ قول حضرت معاذ بن جبل، قتادہ بن دعامہ اور عطاء بن ابی رباح کا ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس قول کو روایت کیا۔ پھر انہوں نے اس میں اختلاف کیا اور عطاء نے کہا ہر مہینہ کے تین روزے ماہ رمضان سے پہلے فرض تھے۔ اور قتادہ سے روایت میں ہر مہینہ کے تین دن اور یوم عاشورہ کا روزہ فرض تھا۔ پھر انہوں نے اختلاف کرتے ہوئے کہا وہ روزے نفل تھے پھر فرض کئے گئے۔ اور بعض نے کہا بلکہ وہ تھے ہی واجب۔ اور ان تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ روزے ماہ رمضان کے روزوں کے ساتھ منسوخ ہیں۔

(قول ثانی): یہ اکثر محققین کا اختیار ہے۔ مثل حضرت ابن عباس، حسن بصری اور ابو مسلم وغیرہ۔ محققین فرماتے ہیں۔ ''ایاما معدودات'' سے مراد ماہ رمضان المبارک ہی ہے۔ اس کی تقریر یہ ہے کہ اولاً اللہ عزوجل نے فرمایا: ''کتب علیکم الصیام'' اور یہ ایک یوم، دو یوم اور اکثر ایام کا احتمال رکھتا تھا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ جل اسمہ نے بیان فرمایا: ''ایاما معدودت'' تو اس سے بعض احتمال زائل ہو گیا (یعنی ایک دن یا دو دن وغیرہ) پھر اس کے بعد اللہ عزوجل نے یہ بیان فرمایا: ''شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن'' تو جملہ احتمال زائل ہو گیا۔ تو اس ترتیب کے مطابق ممکن ہے کہ ''ایام معدودات'' کو بعینها شهر رمضان قرار دیا جائے۔ اور جب یہ ممکن ہے تو غیر رمضان پر ''ایاما معدودات'' کے حمل کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ سب اقوال زائد ہیں اور لفظ ان پر دلالت نہیں کرتا چنانچہ یہ قول جائز نہیں کہ اس کے ساتھ استدلال کیا جائے۔

امام فخر الرازی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح سے ثابت ہوا کہ ''ایاما معدودات'' عین ماہ رمضان ہیں۔ باقی اقوال اس قول پر زیادتی ہے کیونکہ کوئی ایسا لفظ نہیں جو ان اقوال پر دلالت کرتا ہو۔ جب ایسا ہی ہے تو ان اقوال کے ساتھ استدلال جائز نہیں۔

ابو حیان اپنی تفسیر ''تفسیر البحر المحیط'' میں فرماتے ہیں:

''ایاما معدودات'' ان كان ما فرض صومه هو رمضان فيكون قوله ''ایاما معدودات'' عنى به رمضان وهو قول ابن ابی لیلی وجمهور المفسرین○ الخ

(تفسیر البحر المحیط، ج دوئم، ص:30، مطبوعہ احیاء التراث العربی بیروت)

یعنی اللہ عزوجل کا فرمان: ''ایاما معدودات '' اگر وہ جو روزہ فرض کیا گیا ہے وہ رمضان المبارک ہی ہے تو پھر اللہ عزوجل کے ''ایاما معدوات '' سے مراد رمضان شریف ہی ہے۔ اور ان ''ایاما معدودات '' سے وصف بیان کرنا صرف مکلف پر تسہیل کے لیے ہے۔ اور اگر جو روزہ فرض کیا گیا وہ ہر ماہ کے تین دن ہوں تو ان سے مراد بھی ایام ہوں گے۔ اور بعض کے نزدیک ان دنوں کے ساتھ یوم عاشورہ کا بھی روزہ ہے۔ جیسا کہ یہ ان لوگوں پر فرض کئے گئے جو ہم سے پہلے گزر چکے۔ اور اس طرف ابن عباس اور عطاء گئے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہجرت کے بعد سب سے پہلے امر قبلہ منسوخ ہوا۔ پھر روزہ چنانچہ پہلا قول کہ یہ ماہ رمضان کے لیے روزے مراد ہیں یہ ابن ابی لیلیٰ اور جمہور مفسرین عظام کا قول ہے۔ لہٰذا ترجیح اس قول کو ہے اور دوسرا قول ضعیف ہے۔

حضرت علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قیل ان المراد بذالك الایام صوم ثلا ثة ایام من كل شهر وصوم عاشوراء فانه كان واجبافی ابتداء الهجرة من ربیع الاول الی شهر رمضان سبعة عشر شهرا ثم نسخ بصوم رمضان۝ الخ

(تفسیر مظہری، ج اول، ص: 189، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ''ایاما معدودات '' سے بعض کے نزدیک ہر مہینے کے تین روزے اور عاشورہ کا روزہ مراد ہے۔ کیونکہ وہ ابتداء ہجرت میں ربیع الاول سے لے کر شھر رمضان تک سترہ (17) ماہ واجب رہے۔ پھر ماہ رمضان کے روزہ کے ساتھ وہ منسوخ ہو گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہجرت کے بعد سب سے پہلے امر قبلہ اور صوم کا حکم منسوخ ہوا۔ اس کے بعد مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ شیخین (امام بخاری و مسلم) کی دو احادیث لائے ہیں جو ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں۔ یہ دونوں احادیث ''کیا رمضان سے قبل کوئی روزہ فرض تھا'' کے ماتحت دیکھ سکتے ہیں۔

اور بعض نے کہا ''ایاما معدودات '' ماہ رمضان المبارک ہی ہے۔ اور یہ آیت غیر منسوخہ ہے۔ آخر میں حضرت علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: امام احمد، ابوداؤد اور حاکم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے۔ یعنی ہر ماہ کے تین روزے اور یوم عاشورہ کا روزہ واجب تھا لیکن یہ اس آیہ کریمہ کے نزول سے قبل تھا اور وہ اس آیہ کریمہ سے منسوخ ہوا چنانچہ ایاما معدودات سے مراد شھر رمضان ہی ہے اور کوئی دوسرا روزہ مرا نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

میں (راقم الحروف) نے اس سے قبل یوم عاشورہ کے روزہ کے متعلق نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے کہ ماہ رمضان سے قبل یوم عاشورہ کا روزہ فرض تھا جس پر ائمہ ثلاثہ کا اتفاق ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول بھی یہی ہے۔ پھر شارحین

بخاری ومسلم نے لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہ ربیع النور میں مدینہ منورہ تشریف لائے اور سن دو ہجری اٹھارویں ماہ کے اوائل میں تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا اور ایک ماہ بعد شعبان المعظم کی پندرھویں کو ماہ رمضان المبارک کی فرضیت کا حکم نازل ہوا چنانچہ یوم عاشورہ کا روزہ صرف ایک سال ہی فرض تھا بعد میں رمضان المبارک کی فرضیت سے یوم عاشورہ کی فرضیت ساقط ہوگئی اور اس کے بعد اب تک یہ روزہ سنت مستحبہ ہی چلا آرہا ہے چنانچہ ''ایاما معدودات'' سے مراد صرف یوم عاشورہ کا روزہ مراد لینا عقلاً اور نقلاً درست نہیں۔ اور اللہ عزوجل کے اس فرمان: ''ایاما معدودات'' سے ماہ رمضان کے روزے ہی مراد ہیں۔ جیسا کہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی اس پر دلالت کرتا ہے۔ اور حضرت علامہ مولانا ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی جس حدیث کی طرف اشارہ کیا کہ اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد اور حاکم نے روایت کیا وہ حدیث یہ ہے:

عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلٰی عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قال احیلت الصلوٰۃ ثلاثۃ احوال واحیل الصیام ثلاثۃ احوال (الی ان قال) واما احوال الصیام فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدم المدنیۃ فجعل یصوم من کل شھر ثلاثۃ ایام وقال یزید بن ھارون صام سبعۃ عشر شھرا من ربیع الاول الی رمضان من کل شھر ثلاثۃ ایام وصام یوم عاشوراء ثم ان اللہ عزوجل فرض علیہ الصیام فانزل اللہ عزوجل "یایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام" الی ھذہ الایۃ" وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین ۝ الخ۔

(مسند احمد، ج:5، ص:303 مطبوعہ ادارہ احیاء السنہ گوجرانوالہ)

(سنن ابوداؤد، ص:86، حدیث:507، مطبوعہ دار السلام للنشر والتوزیع ریاض)

(مستدرک للحاکم، ج دوئم، ص:667، حدیث:3139، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

(المعجم الکبیر، ج:۲۰، ص:133، حدیث:270، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی)

(صحیح ابن خزیمہ، ج اول، ص:199، حدیث:383-384، مطبوعہ مکتب الاسلامی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''احیلت الصلوٰۃ ثلاثۃ احوال واحیل الصیام ثلاثۃ احوال'' یہ حدیث طویل ہے نماز کے تین احوال بیان کرنے کے بعد فرمایا: صیام کے تین احوال یہ ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے ہر ماہ کے تین روزے رکھے۔ (اس حدیث کے ایک راوی) یزید بن ہارون نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ربیع الاول سے لے کر رمضان المبارک تک ہر ماہ کے تین اور یوم عاشورہ کے روزے رکھے۔ پھر اللہ عزوجل نے آپ پر روزے فرض فرمائے اور اللہ عزوجل نے یہ آیت مبارکہ ''یایھا الذین کتب علیکم الصیام الی ھذہ الایہ وعلی الذین یطیقوفہ فدیۃ طعام مسکین'' نازل فرمائی (آخر حدیث تک) اس حدیث سے ثابت ہوا ''ایاما معدودات'' سے ہی یوم عاشورہ کے روزہ کی فرضیت ساقط ہوئی۔ چنانچہ یہ آیت مبارکہ منسوخ نہیں۔ بلکہ ''ایاما

معدودات " سے مراد ماہ رمضان کے ہی روزے ہیں۔ جیسا کہ امام فخر الرازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس پر اکثر محققین کا اتفاق ہے۔ اور حضرت معاذ بن جبل کی حدیث ابوداؤد نے مرسلاً اور موصولاً روایت کی ہے۔

قولہ تعالیٰ: "من کان منکم مریضاً او علیٰ سفر فعدۃ من ایام اخر"

اس آیہ کریمہ کے ماتحت امام فخر الرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فالمراد منه ان فرض الصوم فی الایام المعدودات انی یلزم الاصحاء المقیمین فاما من کان مریضا او مسافرا فله تاخیر الصوم عن هذه الایام الیٰ ایام اخر قال القفال رحمة الله علیه ○ الخ

(تفسیر کبیر، ج5، ص:73، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ طہران)

اس سے مراد یہ ہے کہ گنتی کے دنوں میں روزہ کا فرض ہونا صرف صحیح وتندرست اور مقیم لوگوں پر ہے۔ لیکن جو مریض ہو یا مسافر تو اس کے لیے ان ایام (جو بوجہ مرض یا سفر ماہ رمضان کے روزے رہ گئے ہیں) سے دوسرے دنوں تک روزہ کی تاخیر ہے۔ امام قفال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک عجیب امر کی طرف دیکھو وہ یہ کہ اللہ عزوجل نے اس تکلیف شاقہ میں اپنے فضل ورحمت کے فراخی سے روزہ دار کے لیے کیسی تنبیہ فرمائی۔ اللہ عزوجل نے اول آیۂ مبارکہ میں فرمایا اس تکلیف میں اس امت کے لیے امت متقدمہ کے ساتھ پیروی کرنا ہے۔ اور اس پیروی سے غرض یہ ہے کہ جب امور شاقہ عام ہو جائیں تو سہل اور آسان ہو جاتے ہیں۔ پھر دوسری بار روزہ کے واجب کرنے کی حکمت بیان فرمائی۔ وہ یہ کہ روزہ حصول تقویٰ کا سبب ہے۔ اگر اللہ عزوجل روزے فرض نہ فرماتا تو یہ مقصود فوت ہو جاتا۔ پھر تیسری بار بیان فرمایا کہ وہ روزے ایام معدودہ کے ساتھ مختص ہیں اگر اللہ عزوجل یہ روزے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے فرض قرار دے دیتا یا اکثر اوقات میں انہیں فرض فرما دیتا تو پھر ایک مشقت عظیم حاصل ہوتی۔ پھر چوتھی دفعہ بیان کیا کہ اللہ عزوجل نے اوقات میں سے ایک مہینہ کے ساتھ اس کو خاص فرمایا جس مہینہ میں اللہ عزوجل نے قرآن نازل فرمایا۔ بسبب اس فضیلت کے یہ مہینہ رمضان تمام مہینوں سے اشرف وافضل ہوا۔ پھر پانچویں دفعہ یہ بیان فرمایا کہ اللہ عزوجل نے اس روزہ کے التزام میں جو مشقت تھی اس کو اس کی تاخیر کے ساتھ مباح فرمایا۔ اس طرح کہ مسافرین اور مریضوں پر جو مشقت تھی اس کو دوسرے دنوں کی طرف جو ان کے لیے باعث اطمینان وسکون ہوں لوٹا دیا۔ چنانچہ اللہ عزوجل نے اپنے رحمت سے روزہ کے واجب کرنے میں ان وجوہ کو ملحوظ فرمایا۔

اس آیت مبارکہ کے متعلق صاحب تفسیر مظہری نے جو حسین وضاحت فرمائی ہے سب سے پہلے وہ پیش خدمت ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

"فمن کان منکم مریضا" خاف زیادة مرضه او امتداده و کذا من کان فی معناه وهو ضعیف غلب علیٰ ظنه حدوث المرض بالصوم ○ الخ (تفسیر مظہری، ج اول، ص:189، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

یعنی مریض وہ ہے جس کو اپنے مرض کے زیادہ ہونے یا اس مرض کے طول پکڑنے کا خوف ہو اور اسی طرح جو اس کے معنی

میں ہے۔ اور وہ کمزور شخص جس کے ظن پر بوجہ روزہ مرض کے پیدا ہونے کا غلبہ ہو۔ حاملہ اور دودھ پلانے والی جب وہ اپنی جانوں کے لیے یا اپنے بچوں کے لیے خوف رکھتی ہوں کہ اگر روزہ رکھا تو خود ان کو یا ان بچوں کو تکلیف ہوگی یا بچوں کی ہلاکت کا خطرہ ہو وہ بھی روزہ نہ رکھیں۔ علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مریض کے لیے افطار کا جائز ہونا مجمع علیہ ہے سوائے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے۔ وہ فرماتے ہیں مریض کے لیے جماع کے ساتھ افطار جائز نہیں صرف کھانے اور پینے سے ہی جائز ہے۔ اگر مریض اور مسافر نے جماع کیا تو اس پر کفارہ ہے۔ ہاں اگر اس نے جماع سے قبل بلا جماع روزہ افطار کیا تو کفارہ نہیں۔

اور جو ہم نے مرض کے زیادہ اور بڑھنے کے خوف کی قید لگائی ہے یہ بھی متفق علیہ ہے مگر جو ابن سیرین سے مروی ہے انہوں نے کہا ادنیٰ مرض بھی جس پر اسم مریض کا اطلاق ہوتا ہو افطار کرنا جائز ہے اس لیے کہ آیت کریمہ میں بھی اطلاق ہے امام حسن اور ابراہیم نخعی نے فرمایا۔ ادنیٰ مرض وہ ہے جس کے ساتھ بیٹھ کر نماز پڑھنا ہے۔

اس کے بعد اللہ عزوجل نے فرمایا: "او علیٰ سفر "یعنی مسافر۔ اس میں اس بات پر اشارہ ہے کہ جس نے اثنائے دن سفر کیا وہ روزہ افطار نہ کرے اس پر اجماع منعقد ہوا اور علماء کرام کا سفر کی مسافت میں اختلاف ہے جس سفر میں افطار کی رخصت دی گئی ہے اور قصر نماز کا حکم ہے۔ امام مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے کہا سفر کی ادنیٰ مسافت سولہ (16) فراسخ ہے۔ اور یہ چار برد ہیں۔

اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اونٹ یا پیدل چلنے کی سیر تین دن اور تین راتیں ہیں۔ اور آیت مبارکہ کا اطلاق دلالت کرتا ہے کہ سفر معصیت (چوری، ڈاکہ زنی وغیرہ کا سفر) میں روزہ افطار کرنا جائز ہے۔ اور یہ قول امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے اور امام مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ "فمن اضطر غیر باغ ولا عاد" سے استدلال کرتے ہوئے کہا معصیت کے سفر میں روزہ افطار کرنا جائز نہیں۔ اور حق یہی ہے کہ بغی اور عدوان نفس سفر میں بغاوت اور عدوان نہیں بلکہ سفر کے ساتھ ملے ہوئے ہیں۔ (ملاصق)

سب سے پہلے وہ احادیث مبارکہ جن سے سفر میں روزہ رکھنے کی اباحت ہے وہ نقل کروں گا۔ اس کے بعد اس کے متعلق دیگر جملہ مسائل کا ذکر ہوگا اور علماء احناف سے اس کے متعلق دلائل پیش کئے جائیں گے۔

سفر میں روزہ افطار نہ کرنے کے متعلق احادیث:

(۱) عن عائشة زوج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان حمزة بن عمرو الاسلمی قال للنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصوم فی السفر وکان کثیر الصیام فقال ان شئت فصم وان شئت فافطر ٥

(بخاری شریف کتاب الصوم "باب الصوم فی الفطر والافطار")

(مسلم شریف بمعہ نووی، ج: اول، ص: 397)

''ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حمزہ بن عمرو اسلمی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا، کیا میں سفر میں روزہ رکھوں اور وہ کثیر الصیام تھے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر چاہو تو روزہ رکھو اور چاہو تو افطار کرو۔''

(2) عن عبداللہ حدثه عن ام الدرداء عن ابی درداء رضی اللہ تعالیٰ عنه قال خرجنا مع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی بعض اسفاره فی یوم حار حتی یضع الرجل یده علی راسه من شدالحر وما فینا صائم الاما کان من النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وابن رواحة ٥

(بخاری شریف کتاب الصوم۔باب لذا صام ایامامن رمضان ثم سافر)

(مسلم شریف بمعہ نووی، ج: اوّل، ص: 397)

''ام درداء (خیرہ) نے حضرت ابودرداء (عویمر بن مالک انصاری) رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے کہا ہم سخت گرمی کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کسی سفر میں نکلے یہاں تک کہ شدت گرمی کی وجہ سے آدمی اپنا ہاتھ اپنے سر پر رکھ لیتا تھا اور ہم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابن رواحہ کے سوا کوئی روزہ دار نہ تھا۔''

(3) عن انس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنه قال کنا نسافر مع النبی صلی اللہ علیه وآله وسلم فلم یعب الصائم علی المفطر ولا المفطر علی الصائم ٥ (بخاری شریف کتاب الصوم۔باب لم یعب اصحاب النبی صلی اللہ علیه وآله وسلم بعضهم بعضاً فی الصوم والافطار)

(مسلم شریف مع نووی، ج: اوّل، ص: 396، اور مسلم نے باسانید مختلفہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے تین احادیث روایت کی ہیں۔ مسند ابوعوانہ، ج: دوئم، حدیث: 2270)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر کرتے تو روزے رکھنے والا روزے نہ رکھنے والوں اور روزہ نہ رکھنے والا روزہ رکھنے والوں پر ملامت نہیں کرتا تھا۔''

(4) عن ابی سعید خدری رضی اللہ عنه قال کنا نغزوا مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وآله وسلم فی رمضان فمنا الصائم ومنا المضطر فلا یجد الصائم علی المفطر ولا المفطر علی الصائم یرون ان وجدقوة فصام فان ذالك حسن ۔ ویرون ان من وجدضعفا فافطر فان ذلك حسن ٥

(مسلم شریف بمعہ نووی، ج: اوّل، ص: 356) مسلم نے باسانید مختلفہ اور بالفاظ مختلفہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے تین احادیث روایت کی ہیں جن

کا معنی و مفہوم ایک ہی ہے)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رمضان شریف میں جنگ کرتے تو ہم سے بعض روزہ دار ہوتے اور ہم میں سے بعض روزہ نہ رکھتے۔ نہ ہی روزہ دار نہ روزہ رکھنے والے پر اور نہ ہی نہ روزہ رکھنے والا روزہ رکھنے والے پر غضبناک ہوتا۔ دیکھتے اگر کوئی روزہ رکھنے کی قوت پاتا ہے تو وہ روزہ رکھتا۔ اور یہ بھی حسن ہے۔ اور دیکھتے جو ضعف پاتا تو وہ روزہ نہ رکھتا اور یہ بھی اچھا ہے۔''

(5) عن حمزة بن عمرو الاسلمی انه قال یا رسول الله اجد فی قوة علی الصیام فی السفر فهل علی جناح ○ فقال رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم هی رخصة من الله فمن اخذبها فحسن ومن احب ان یصوم فلا جناح علیه○ اسناد صحیح

(مسلم شریف بمعہ نووی، جلد اول، ص:357، نسائی شریف، حدیث:2305، دار قطنی، جلد اول، جز دوئم، ص:169، حدیث:2278، سند ابوعوانہ، جلد دوئم، حدیث:2271)

''حمزہ بن عمرو اسلمی سے روایت ہے، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں سفر میں روزہ رکھنے کی اپنے آپ میں قوت پاتا ہوں۔ تو کیا اگر میں روزہ رکھ لوں تو مجھ پر گناہ تو نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ اللہ عزوجل کی طرف سے رخصت ہے جس نے اس کے ساتھ عمل کیا تو بہتر ہے۔ اور جو شخص روزہ رکھنا پسند کرے تو اس پر گناہ بھی نہیں ہے۔''

(6) عن ابی سعید الخدری وجابر بن عبدالله قالا سافرنا مع رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم فیصوم الصائم ویفطر المفطر فلا یحیب بعضهم علی بعض○ (مسلم شریف بمعہ نووی، جلد اول، ص:356، مسند ابی عوانہ، جلد دوئم، حدیث:2265)

''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ دونوں نے کہا ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ سفر کیا۔ تو روزہ رکھنے والا روزہ رکھتا اور روزہ نہ رکھنے والا روزہ نہ رکھتا تو وہ ایک دوسرے پر ملامت نہیں کرتے تھے۔

ان کے علاوہ بھی اور بہت احادیث ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے مسافر کے لیے روزہ رکھنا اگر باعث مشقت وصعوبت نہ ہو تو افضل ہے۔

ایسے امام نووی سے اس کے متعلق کچھ سماعت کرتے ہیں:

اختلف العلماء فی صوم رمضان فی السفر فقال بعض اهل الظاهر لایصح صوم رمضان فی السفر فان صامه لم ینعقد ویجب قضاءه البر، لظاهر الآیة ولحدیث لیس من البو الصیام فی

السفر وفي الحديث الآخر اولئك والعصاة وقال جماهير العلماء وجميع اهل الفتوى○الخ

(نووی شرح مسلم، جلد اول، ص:355)

''سفر میں ماہ رمضان المبارک کا روزہ رکھنے میں علماء کرام کا اختلاف ہے تو بعض اہل ظاہر نے کہا سفر میں ماہ رمضان کا روزہ صحیح نہیں ہے اگر اس نے روزہ رکھ لیا تو روزہ نہیں ہوگا اور اس کی قضاء واجب ہے۔ اس لیے کہ آیت کا ظاہر اور حدیث مبارک سفر میں روزہ رکھنا نیکی میں سے نہیں ہے اور دوسری حدیث روزہ رکھنے والے نافرمان ہیں۔ ماہ رمضان کا روزہ رکھنے سے مانع ہیں۔''

امام نووی فرماتے ہیں:

جمہور علماء اور جمیع اہل فتویٰ نے کہا سفر میں روزہ رکھنا جائز ہے اور منعقد ہو جاتا ہے۔ اور علماء نے اس میں بھی اختلاف کیا کہ روزہ رکھنا افضل ہے یا روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔ یا دونوں امر مساوی ہیں۔ امام ابوحنیفہ، مالک اور شافعی رحمہم اللہ اور اکثر کا قول ہے کہ روزہ اس شخص کے لیے افضل ہے جو بلا مشقت ظاہرہ اور بلا ضرر روزہ رکھ سکتا ہو۔ اگر روزہ رکھنے سے ضرر ہوتا ہو تو افطار افضل ہے۔ اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ وغیرہما اور اس کے علاوہ دیگر احادیث سے استدلال کیا ہے کہ افطار مطلقاً افضل ہے اور حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی کی حدیث کا ظاہر افطار کو ترجیح دیتا ہے۔ اور اکثرین نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ سب کا سب اس شخص کے لیے جس کو روزہ تکلیف پہنچاتا ہو یا وہ روزہ رکھنے سے مشقت پاتا ہو۔ جیسا کہ احادیث میں اس کے متعلق صراحت ہے۔ اور انہوں نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث جو اس باب میں مذکور ہے کہ ہم نے رمضان المبارک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ غزوہ کیا۔ حدیث نمبر 4 دیکھیں۔ فرماتے ہیں یہ حدیث مذہب اکثرین کی ترجیح میں صریح ہے اور اکثرین کا قول صحیح یہی ہے۔ انتھی کلامہ۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی اس صرامت سے بخوبی واضح ہوگیا کہ اگر سفر میں روزہ تکلیف نہ دیتا ہو اور باعث مشقت وصعوبت نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے۔ اب اس کے متعلق علماء فقہاء کرام کی تحقیق سماعت فرمائیں۔

الفقیہ المحقق عبداللہ بن شیخ محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی رحمۃ اللہ علیہ مجمع الانہار فی شرح ملتقی الابحار میں لکھتے ہیں۔

(یباح الفطر لمریض خاف) بالاجتهاد اوباخبار طبیب مسلم غیر ظاهر الفسق وقیل عدالته شرط والمراد بالخوف غلبة الظن○ الخ (مجمع الانہر، جلد اول، ص:248، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی)

''مریض کے لیے روزہ افطار کرنا جائز ہے۔ جس مریض کے غلبہ ظن میں اجتہاد یا طبیب حاذق جو مسلمان ہو اور اس کا فسق ظاہر نہ ہو خبر دینے پر کہ روزہ رکھنے سے مرض بڑھ جائے گا۔ روزہ افطار کرنا مباح ہے۔ اور بعض نے طبیب حاذق کے عادل ہونے کی شرط عائد کی ہے۔ اور خوف سے مراد غلبہ ظن ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

کے نزدیک جب تک مریض کو ہلاکت یا کسی عضو ضائع ہونے کا خوف نہ ہو وہ روزہ افطار نہ کرے۔ اور مسافر وہ ہے جس کے لیے نماز قصر ہے ایسے مسافر کو روزہ رکھنا افضل ہے جبکہ اس کے عام ساتھی روزہ افطار نہ کریں۔ ورنہ افطار افضل ہے اور اگر مسافر کو روزہ تکلیف نہ دے اور اس کے لیے باعث مشقت نہ ہو تو مسافر کو روزہ رکھنا افضل ہے۔"

اس میں یہ اشعار ہیں کہ اگر اس کو روزہ مشقت میں ڈالے تو اس کے لیے روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ بحر الرائق شرح کنز الاقائق میں لکھتے ہیں:

(لمن خاف زيادة المرض الفطر) لقوله تعالىٰ "فمن كان مريضا او على سفر فعدة من ايام اخر" ٥ الخ (بحر الرائق مجلد اول، جزو دوئم ص: 281، مطبوعہ سعید کمپنی کراچی)

"جس شخص کو مرض کے زیادہ ہونے کا خوف ہو وہ روزہ افطار کرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "فمن کان مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر" کیونکہ اللہ عزوجل نے مریض کے لیے فطر کو مباح قرار دیا ہے۔ لیکن بالیقین اس کے لیے روزہ افطار کرنے کی شروعیت صرف حرج کے دفعہ کرنے کے لیے ہے اور حرج کا تحقق اس کا دارومدار مرض کے زیادہ ہونے زخم کے صحیح نہ ہونے یا کسی عضو کے فاسد ہونے پر ہے۔"

پھر اس کی معرفت یہ ہے کہ مریض اپنے اجتہاد کے ساتھ اور اجتہاد مجرد وہم نہیں بلکہ غلبہ ظن ہے کہ اس مرض کے بڑھنے کی یہ علامت ہے یا تجربہ ہو یا کسی حاذق طبیب جو ظاہر الفسق نہ ہو اس کے خبر دینے کے ساتھ ہے اور پھر طبیب کی عدالت شرط ہے۔ یعنی مرض کے بڑھنے کی معرفت کا دارومدار ان چیزوں پر جو اوپر بیان کی گئیں۔ جب تک کوئی حاذق طبیب جو ظاہرا فاسق نہ ہو اور اس کی عدالت مسلم ہو وہ یہ بتائے کہ اگر تو نے روزہ رکھا تو مرض بڑھ جائے گا یا تیرے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے یا تیرا کوئی عضو فاسد ہو جائے گا تو ایسی صورت میں روزہ افطار کرنا واجب ہے ورنہ مریض کو روزہ رکھنا مباح ہے۔

علامہ ابن نجیم حنفی اس کے بعد لکھتے ہیں۔ میرے نزدیک طبیب حاذق کا مسلمان ہونا ضروری ہے نہ کہ وہ کافر ہو۔ جیسے کسی مسلمان نے تیمم کے ساتھ نماز شروع کی اور کافر نے اس کو پانی دینے کا وعدہ کیا مسلمان نماز کو نہ توڑے شاید کہ اس کافر کی غرض اس نماز میں فساد ہو۔ اور روزہ بھی اسی طرح ہے۔ یعنی اگر طبیب حاذق سلطان نہ ہو اور وہ کافر ہو اور مریض کو بتائے کہ اگر تو نے روزہ رکھا تو ہلاک ہو جائے گا تو ہو سکتا ہے اس طبیب کافر کی غرض یہ ہو کہ یہ روزہ نہ رکھے جو کہ عبادت ہے۔

علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں اس میں اشارہ ہے کہ مریض کے لیے عبادت کے ابطال کے سوا کافر سے دوا تجویز کرانا جائز ہے۔ اور مسافر کے لیے روزہ رکھنا افضل ہے اگر روزہ اس کو ضرر نہ پہنچائے۔ اس لیے کہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا: "**وان تصوموا خير لكم** "یعنی تمہارے لیے روزہ رکھنا ہی بہتر ہے۔ اور فتاویٰ الولوالجیہ میں ہے جو سفر روزہ کے لیے مباح ہے وہی سفر ہے جس میں قصر مباح ہے اور ضرر سے مراد وہ ضرر ہے جس میں ہلاکت کا خوف نہ ہو اور جس سفر میں بسبب روزہ رکھنے کے

خوف ہلاکت ہے اس روزہ کا افطار کرنا واجب ہے۔

علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ درمختار میں لکھتے ہیں:

(فصل فی العوارض) المبیحة لعدم الصوم ٥ وخوف هلاك اونقصان عقل ولو بعطش اوجوع شدید ولسعة حیة ٥ (لمسافر) سفراً شرعیاً ولوبمعصیة ٥ الخ

(درمختار علی حاشی ردالمحتار، جلد دوئم، ص: 125، 126، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

"روزہ نہ رکھنے کے عوارض مبیحہ: خوف ہلاکت، جیسے کوئی عمل سے ضعیف ہوجائے اور بوجہ روزہ ہلاکت کا اندیشہ ہو۔ یا نقصان عقل اگرچہ یہ بوجہ پیاس ہو۔ یا سخت بھوک اور سانپ کا ڈسنا۔ اور اس کا عطف "عطش" پر ہے جو "وخوف ہلاک" کے متعلق ہے۔ معنی یہ ہے کہ اگر کسی کو روزہ رکھنے سے ہلاکت کا خوف ہو بوجہ پیاس یا سانپ کا ڈسنا یا شدت بھوک سے ہلاکت کا خطرہ ہو۔ تو ایسی صورت میں کسی مستند ڈاکٹر سے مشورہ کرے اگر وہ یہ کہے اس سے تمہاری ہلاکت کا اندیشہ ہے تو روزہ افطار کرنا واجب ہے۔"

اگر کسی کو سانپ نے ڈس لیا تو اس کے لیے دوائی پینا ضروری ہے تاکہ اس کو نفع حاصل ہو۔ اس طرح شوگر کا مریض اس کو بھوک زیادہ لگتی ہے۔ اور بلڈ پریشر کے مریض کو پیاس زیادہ لگتی ہے۔ اگر مستند ڈاکٹر حضرات ان کو روزہ رکھنے سے منع کریں تو وہ روزہ نہ رکھیں اور روزہ کا فدیہ ادا کردیں۔

اور مسافر کے لیے سفر شرعی اگرچہ وہ سفر معصیت (چوری ڈاکہ وغیرہ) کا ہو اگر اس کو روزہ ضرر نہ پہنچائے تو اس کے لیے روزہ رکھنا افضل ہے ورنہ افطار افضل ہے۔ اور روزہ کے لیے شرعی مسافت وہی ہے جو نماز قصر کے لیے ہے۔ یعنی تین دن اور رات کا پیادہ سفر۔

یا مریض جس کو روزہ رکھنے سے اپنے مرض میں اضافہ کا خوف ہو یا صحیح ہے "غلبہ ظن" کے وجہ سے مرض کا خوف ہو (شرح مجمع میں ہے کہ یہ روزہ افطار نہ کرے کیونکہ اس کا خوف صرف وہم ہے) تو ایسی صورت میں غلبہ ظن کے ساتھ اس کی کوئی علامت یا تجربہ یا طبیب حاذق جو مسلمان ہو اس کا خبر دینا متحقق ہو تو وہ روزہ افطار کرے ورنہ مریض روزہ رکھے۔

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں اگر کسی شخص نے ایسے ڈاکٹر کے مشورہ سے روزہ افطار کیا جس میں یہ شروط نہیں پائی جاتیں کہ وہ مستند ڈاکٹر ہو۔ مسلمان ہو۔ ظاہر الفسق نہ ہو۔ اور اس کی عدالت مسلم ہو تو ایسے شخص پر کفارہ لازم ہے۔

معلوم ہوا وہی مریض روزہ افطار کرے جس کو کوئی مستند ڈاکٹر مشورہ دے ورنہ معمولی مرض میں روزہ افطار نہیں کرنا چاہئے۔ اور ایسی صورت میں اگر وہ روزہ نہ رکھے گا تو اس پر روزہ کا کفارہ لازم ہوگا۔

(ردالمحتار شرح درمختار، جلد دوئم، ص: 126-127)

صاحب فتاویٰ قاضی خان فرماتے ہیں:

رجل يخاف ان لم يفطر يزداد عينه وجعا اوحماه شدة وكان له ان يفطر ○ ويكره للمسافر ان يصوم اذا اجهده الصوم لان فيه اهلاك النفس فان لم يكن كذالك فالصوم للمسافر افضل عندنا○ (فتاوی قاضیخان اولین، ص:97-99، مطبوعه حافظ کتب خانه کوئٹه)

”کوئی شخص خوف کرتا ہے اگر اس نے روزہ افطار نہ کیا تو اس کی آنکھ کا درد زیادہ ہو جائے گا۔ یا اس کے بخار میں شدت ہو جائے گی۔ وہ روزہ افطار کر دے اور مسافر کے لیے روزہ رکھنا مکروہ ہے جبکہ روزہ رکھنا اس کو مشقت میں ڈالتا ہو اس لیے کہ روزہ رکھنے میں جان کے ہلاک ہونے کا اندیشہ ہے۔ اور اگر روزہ مسافر کے لیے باعث مشقت وصعوبت نہیں تو پھر اس کے لیے روزہ رکھنا ہمارے نزدیک افضل ہے۔“

(شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابوبکر مرغینانی حنفی متوفی 593)

ھدایہ میں فرماتے ہیں:

ومن كان مريضاً فى رمضان فخاف ان صام ازداد مرضه افطر و قضى: وقال الشافعى رحمة الله عليه لايفطر هو يعتبر خوف الهلاك او فوات العضو○ الخ

(فتح القدیر، جلد دوئم ص:272، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

”جو شخص رمضان المبارک میں مریض ہو گیا اور خوف کیا کہ اگر اس نے روزہ رکھا تو اس کے مرض میں اضافہ ہو جائے گا وہ روزہ افطار کرے پھر رمضان کے بعد اس روزہ کی قضا کرے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: وہ شخص روزہ افطار نہ کرے۔ کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خوف ہلاکت اور کسی عضو کے جاتے رہنے کا اعتبار ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ مرض کی زیادتی اور اس کا بڑھنا ہلاکت کی طرف پہنچا دیتا ہے۔ اور اگر کوئی مسافر ہے اور روزہ رکھنے سے اس کو نقصان نہیں پہنچتا تو اس کو روزہ رکھنا افضل ہے۔ اور اگر اس نے افطار کر دیا تو پھر جائز ہے۔ کیونکہ سفر مشقت سے خالی نہیں تو اس لیے نفس سفر کو ہی عذر قرار دیا بخلاف مریض کے۔“

ھدایہ کے متن کے ماتحت شارح ھدایہ ابن ہمام نے مسافر کے روزہ نہ رکھنے پر کافی گفتگو فرمائی۔ اور وہ احادیث جن سے بحالت سفر روزہ رکھنا جائز نہیں ان کو نقل فرمایا اور وہ احادیث جن سے روزہ رکھنے کا ثبوت ملتا ہے ان کو بھی نقل فرمایا اور آخر میں یہ فیصلہ دیا۔

”واحاديث الجواز اقوى ثبوتا واستقامة واوفق لكتاب الله تعالىٰ“ (فتح القدیر، جلد دوئم، ص:273)

”یعنی وہ احادیث (جن میں روزہ رکھنا آیا ہے) وہ باعتبار ثبوت واستقامت اقویٰ ہیں بنسبت ان احادیث کے جو عدم روزہ پر دلالت کرتی ہیں۔ اس لیے کہ مسافر کا روزہ رکھنا اللہ تعالیٰ کی کتاب کے بہت موافق ہے۔ کیونکہ اللہ

عزوجل نے اپنے اس فرمان ''فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر '' کے بعد فرمایا: ''یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ''یعنی اللہ عزوجل نے بارادہ میسر دوسری دنوں کی گنتی کو پالینے تک تاخیر کو علت بیان فرمایا ہے۔اور کبھی یسر افطار میں متعین نہیں ہوتا بلکہ روزہ رکھنے میں بھی یسر ہے۔ جبکہ وہ قوی ہو اور لوگوں کی موافقت کی وجہ سے روزہ اس کو نقصان نہ پہنچاتا ہو تو یہ روزہ رکھنا بھی آسان ہے۔

دوئم یہ کہ مسافر کے لیے روزے کے دو وقت ہیں ایک وقت جو موجود ہے اور دوسرا وقت ماہ رمضان کے بعد یعنی اس روزہ کی قضاء کا وقت۔اور روزہ کے لیے ماہ رمضان کے ایام افضل ہیں۔بنسبت وقت روزہ قضاء کے۔ چنانچہ مسافر کا روزہ رکھنا اگر باعث ضرر نہ ہو تو افضل ہے۔فتح القدیر کے ذیل میں صاحب کفایہ لکھتے ہیں۔ایام رمضان افضل ہیں اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے جس نے ماہ رمضان میں نفل ادا کیا گویا کہ وہ اس شخص کی مثل ہے جس نے شعبان میں فرض ادا کیا۔اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر کسی کا ماہ رمضان کا روزہ قضا ہو گیا وہ ''من حیث الثواب ''پوری زندگی اس کی قضاء نہیں کر سکے گا۔اس لیے اگر مسافر میں روزہ رکھنے کی قوت ہے تو وہ ضرور روزہ رکھے کیونکہ اس کے لیے یہ روزہ رکھنا افطار کرنے سے افضل ہے۔

چنانچہ احادیث مبارکہ اور فقہاء کرام کے اقوال سے یہ بخوبی واضح ہو گیا کہ مریض کو اگر مرض کی زیادتی کا خوف نہ ہو اور مسافر اگر نقصان پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو تو ان کے لیے روزہ رکھنا افضل ہے۔اس کے بعد علماء مفسرین کے اقوال سمجھنے میں انشاءاللہ آسانی ہوگی۔

اب علماء مفسرین کرام نے اس آیہ مبارکہ کے ضمن میں جو بیان فرمایا ہے وہ بھی پیش خدمت ہے۔

قاضی ثناءاللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وان تصوموا "ایها المطیقون "خیر لکم" من الفدیة هذا صریح فی ان المراد "بالذین یطیقون" هم المطیقون لاغیر المطیقین من الشیخ والمریض فان کون صومهم خیر الهم ممنوع وهذه الآیة تدل علی ان المسافر اذا لم یکن له بالصوم ضرر بین فالافضل فی حقه الصوم کذاقال الجمهور ٥ الخ (تفسیر مظهری، جلد اوّل، ص:193، مطبوعه مکتبه رشیدیه کوئٹه)

''اللہ عزوجل کے فرمان ''وان تصوموا '' کا معنی ہے اے روزہ کی طاقت رکھنے والو تمہارے لیے روزہ رکھنا فدیہ دینے سے افضل ہے۔یہ اس بات میں صریح ہے کہ ''الذین یطیقون '' سے مراد وہ لوگ ہیں جو کہ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں نہ کہ وہ جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔جیسے بہت زیادہ بوڑھا آدمی اور مریض۔اس لیے کہ ان کے لیے روزہ کا ''خیر'' ہونا ممنوع ہے اور یہ آیت مبارکہ اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ جب تک مسافر کو روزہ واضح ضرر نہ پہنچائے تو اس کے حق میں روزہ رکھنا افضل ہے اسی طرح جمہور نے کہا ہے۔اور امام احمد،

اوزاعی، سعید بن مسیب اور شعبی وغیرہ اس کے خلاف ہیں۔ انہوں نے ان احادیث سے احتجاج کیا ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسافر کو روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔ جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ''لیس من البر الصوم'' مسافر کے لیے روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے اور یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اولئك العصاة، اولئك العصاة '' روزہ رکھنے والے گنہگار ہیں نافرمان ہیں۔ اس کو مسلم نے روایت کیا۔ اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''صائم رمضان فی السفر کا المفطر فی الحضر '' ماہ رمضان میں سفر میں روزہ رکھنے والا ایسے ہی ہے جیسے حضر میں افطار کرنے والا۔''

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

''قلنا هذا الاحادیث فی حق من یتضرر بالصوم غایة التضرر''

''ہم کہتے ہیں یہ احادیث مبارکہ ان مسافر کے حق میں ہیں جنہیں روزہ رکھنے سے نہایت ہی ضرر و تکلیف ہو (اور ہمارے نزدیک ایسے مسافر کو روزہ افطار کرنا واجب ہے) تو بلا شک اس کے حق میں روزہ نہ رکھنا افضل ہے مسافر ہو خواہ مریض۔''

ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی فرماتے ہیں:

اللہ عزوجل کے فرمان: ''فمن کان منکم مریضاً او علی سفر فعدة من ایام اخر '' میں سولہ (16) مسائل ہیں۔

(الاولی) قوله تعالیٰ: ''مریضاً'' للمریض حالتان احد اهما الا یطیق الصوم بحال ٥ فعلیه الفطر واجباً٥ الخ (جامع الاحکام القرآن مجلد اوّل، جز دونم، ص:185)

''مریض کی دو حالتیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ حالت کہ وہ کسی بھی حال میں روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور دوسری حالت کہ وہ ضرر و مشقت کے ساتھ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہے۔ چنانچہ اس حالت میں اس کے لیے روزہ نہ رکھنا مستحب ہے۔ اور صرف جاہل ہی روزہ رکھ سکتا ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے اس مسئلہ میں روایت میں اختلاف ہے۔ ایک بار کہا اگر روزہ سے تلف ہونے کا خوف ہو تو روزہ نہ رکھے اور ایک بار کہا مرض سخت ہو اور اس میں اضافہ کا خوف ہو اور اس کے لیے روزہ نہایت ہی دشوار ہو۔ امام قرطبی فرماتے ہیں امام مالک کا یہی مذہب صحیح ہے اور ظاہر آیت کا متقاضی ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ جب کسی شخص کو اپنی جان کا خوف ہو اور وہ روزہ دار ہو اگر اس نے روزہ افطار نہ کیا تو اس کی آنکھ کے درد میں اضافہ ہو گا یا بخار میں

شدت آئے گی۔ تو ایسے روزہ دار کے لیے روزہ افطار کرنا بہتر ہے۔"

(الثانیة) قوله تعالیٰ "او علی سفر"

علماء کرام کا اس سفر میں اختلاف ہے جس سفر میں روزہ افطار کرنا اور قصرِ نماز جائز ہے۔ اور اس سفر میں ان سب کا اجماع ہے کہ یہ سفر طاعت کا ہو جیسے حج اور جہاد کا سفر۔ اور ان دونوں کے ساتھ صلہ رحمی (یعنی رشتہ داروں کے ہاں آنے جانے) اور طلب معاش کا سفر بھی متصل ہے۔ اور تجارت و مباح (جیسے سیاحت و سیر) کا سفر اس میں علماء کا اخلاف ہے اور راجح قول کے مطابق جواز ہے۔ اور معاص کا سفر (جیسے چوری، ڈاکہ وغیرہ کا سفر) اس میں بھی علماء کرام جواز و منع میں اختلاف ہے لیکن ارجح قول منع کا ہے۔ انتھیٰ کلامه۔

پھر مسافر کے سفرِ مسافت کی مقدار میں بھی اختلاف ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ایک دن رات کی مسافت۔ اور ان سے دو دن رات کی مسافت بھی مروی ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

امام فخر الرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وہ سفر جس میں روزہ نہ رکھنا مباح ہے وہ ایک دن کی مسافت ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سولہ فرسخ کی مسافت ہے۔ اس میں واپس لوٹنے کی مسافت شمار نہ کی جائے۔ اور ہر فرسخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد ہاشم کے تین میل ہے۔ اور یہی مذہب امام مالک، احمد اور اسحاق کا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ثوری رحمہما اللہ کا مذہب یہ ہے کہ سفر کی رخصت صرف تین مراحل میں ہی حاصل ہو سکتی۔ اور یہ چوبیس فرسخ ہیں یعنی بہتر 72 میل شرعی۔

(تفسیر کبیر، جلد 5، ص: 74-75، مکتبہ دار الکتب العلمیہ طہران)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

سفر کے مقدار مسافت جو فطر اور قصر نماز کے لیے مُرخِّص ہے اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ کے نزدیک ادنیٰ مسافت معتبر ہے اور وہ سولہ (16) فرسخ ہے یعنی چار برد۔ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ جس کو دار قطنی نے روایت کیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے اہل مکہ! مکہ مکرمہ سے عسفان تک چار برد (سولہ فرسخ 48 میل شرعی) سے کم مسافت میں نماز میں قصر نہ کرو۔ قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اس میں ایک راوی اسماعیل بن عیاش ہے وہ ضعیف ہے۔ دوسرا عبد الوہاب ہے وہ اس سے زیادہ ضعیف ہے۔ امام احمد اور یحییٰ نے کہا عبد الوہاب کچھ بھی نہیں۔ سفیان ثوری نے کہا وہ کذاب ہے۔ نسائی نے کہا وہ متروک الحدیث ہے۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ایک دن کی مسافت میں نماز قصر پڑھی جائے۔

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے جو سفر روزہ کے نہ رکھنے اور نماز قصر میں معتبر ہے اس کی مقدار مسافت پا پیادہ اور اونٹ کے چلنے کی تین دن اور رات ہے۔ (تفسیر مظہری، جلد اول، ص ۱۹۰)

علامہ ابن العابدین شامی "ردالمحتار" میں اور مولانا جلال الدین خوارزمی "الکفایہ" شرح ھدایہ میں لکھتے ہیں۔

علامہ ابن العابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ویدل علی ما قلنا ما فی الهداية وعن ابی حنيفة التقدير بالمراحل وهو قريب من الاوّل ہ

فرماتے ہیں: "ہم نے جو مراحل کے متعلق کہا ھدایہ میں ہے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مسافت کی مقدار مراحل کے ساتھ ہے اور یہ اوّل کے قریب ہے۔"

صاحب ھدایہ کے اس قول "وهو قريب من الاوّل" کے تحت علامہ خوارزمی لکھتے ہیں:

ری التقدير بثلاث مراحل قريب التقدير ثلاثة ايام ہ الخ

"یعنی مسافت سفر کی مقدار کا تین مراحل کے ساتھ مقدر کرنا یہ تین دن کی تقدیر کے قریب ہے کیونکہ ہر مرحلہ میں خصوصاً سال کے سب سے چھوٹے دنوں میں۔ ہر دن کی معتاد سیر ہے۔ اور اس طرح مبسوط میں ہے۔"

اور ھدایہ کا قول "ولا معتبر بالفراسخ" یعنی اس میں فراسخ معتبر نہیں۔

امام خوارزمی فرماتے ہیں: یہ صحیح ہے اور عام مشائخ کے قول سے احتراز ہے۔ کیونکہ مشائخ عامہ نے اس کی مقدار فراسخ سے کی ہے۔ پھر ان کا بھی باہم اختلاف ہے بعض نے کہا 21 فرسخ۔ بعض نے کہا 18 فرسخ اور بعض نے کہا 15 فرسخ اور فتویٰ اٹھارہ (18) فرسخ پر ہے۔ کیونکہ اعداد میں سے وہ اوسط عدد ہے اسی طرح محیط میں ہے۔

علامہ ابن العابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"كل من قدر منها اعتقد انه ثلاثه ايام"

اور جس نے بھی ان فراسخ میں سے مسافت کا اندازہ لگایا۔ (یعنی 21-18-15) اس کے اعتقاد میں یہ تین دن کی مسافت ہے۔ اور یہ شہروں کے اختلاف کی بناء پر ہے اور ہر قائل نے اپنی شہر کے سب سے چھوٹے دنوں کا اندازہ لگایا اور مسافت کی یہ مقدار بیان کی۔ یا دنوں کے چھوٹے یا لمبے یا درمیانہ کے اعتبار کی بناء پر انہوں نے مسافت کی یہ مقدار بیان کی۔ اور ان سب کے نزدیک یہ صریح ہے کہ دنوں سے مراد وہ دن ہی ہیں جن میں یہ مراحل معتادہ طے کئے جاتے ہیں۔

(فتح القدیر، جلد دوئم، ص: 304، مکتبہ رشیدیہ، ردالمحتار، جلد اول، :579-580، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

معلوم ہوا احناف کے نزدیک مفتی بہ قول وہ ہے جس کو امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے "المحیط" میں لکھا کہ اٹھارہ (18) فرسخ وہ مقدار مسافت ہے کہ اگر کوئی شخص اتنا سفر کرے تو اس کے لیے روزہ نہ رکھنا اور نماز قصر کرنا جائز ہے۔

اور یہ اٹھارہ (18) فرسخ 54 میل شرعی بنتے ہیں اور ہمارے دور حاضرہ کے کلومیٹر کے حساب سے یہ تقریباً 99 کلومیٹر سفر بنتا ہے۔

ابو عبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی نے لکھا ہے:

(مسئلہ رابعہ) **واختلف العلماء فی الافضل من الفطر أو الصوم فی السفر"**

(الجامع لاحکام القرآن، مجلد اول، جزء دوم)

اور علماء کرام نے سفر میں روزہ رکھنے یا روزہ نہ رکھنے کے افضل ہونے میں اختلاف کیا ہے۔ امام مالک اور شافعی رحمہما اللہ سے بعض روایت میں ہے کہ جو شخص روزہ رکھنے پر قوی ہے اس کے لیے روزہ افضل ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مذہب میں تخییر ہے یعنی وہ روزہ رکھے یا نہ رکھے۔ اور اس پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی مذہب ہے۔ امام شافعی اور آپ کے متبعین نے کہا مسافر مخیر ہے اور انہوں نے اس کی تفصیل بیان نہیں کی۔ ان کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو اس سے پہلے نمبر 3 میں مذکور ہے اور یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم نے رمضان المبارک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ سفر کیا نہ تو روزہ رکھنے والے نے روزہ نہ رکھنے والے پر ملامت کی اور نہ ہی روزہ نہ رکھنے والے نے روزہ رکھنے والے پر ملامت کی۔ اس حدیث کو شیخین کے علاوہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تخریج کیا ہے۔ حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے اور یہ دونوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہیں۔ ان دونوں نے کہا سفر میں روزہ اس شخص کے لیے افضل ہے جو روزہ رکھنے پر قدرت رکھتا ہو۔ اور امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب کا یہی قول ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک رخصت افضل ہے۔ اور یہی قول سعید بن مسیب، شعبی، عمر بن عبدالعزیز، مجاہد، قتادہ، اوزاعی، احمد اور اسحاق کا ہے۔ یہ سب کہتے ہیں روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔ علامہ قرطبی نے جو حضرت عثمان بن ابی العاص ثقفی اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روزہ رکھنے کی افضلیت میں اثر نقل کیا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے اپنے مصنف میں ان دونوں سے الگ الگ یہ اثر نقل کیا ہے وہ دونوں اثر پیش خدمت ہیں۔

(1) **حدثنا ابو معاویة مروان بن معاویة عن عاصم قال سئل انس عن الصوم فی السفر فقال من افطر فرخصة ومن صام فالصوم افضل ٥**

(مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 3، ص: 15 - مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

"عاصم الاحول سے روایت ہے انہوں نے کہا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سفر میں روزہ رکھنے کے متعلق سوال کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا: جس نے افطار کیا تو یہ رخصت ہے۔ اور جس نے روزہ رکھ لیا تو روزہ رکھنا افضل ہے۔"

(2) **حدثنا ابو اسامة عن اشعث عن ابن سیرین ان عثمان بن ابی العاص قال الصوم فی السفر**

افضل و الفطر رخصة○

''ابن سیرین سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: سفر میں روزہ رکھنا افضل ہے اور نہ رکھنا رخصت ہے۔''

چنانچہ تمام کلام کا ماحاصل یہ ہے کہ مسافر کے لیے اگر روزہ رکھنے کی قدرت ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے جیسا کہ اس سے قبل امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے مذکور ہے کہ جمہور علماء اور جمیع اہل فتویٰ نے کہا سفر میں روزہ رکھنا جائز ہے اور یہ روزہ ہو جاتا ہے اور اکثرین کا قول بھی یہی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اللہ عزوجل کا فرمان: ''وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین○

''جنہیں اس کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا۔''

اس آیت مبارکہ میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ آیت مبارکہ منسوخ ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیہ مبارکہ منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔ پہلے قول کے متعلق دلائل۔

یہ آیت مبارکہ منسوخ ہے۔ سب سے پہلے اس کے متعلق احادیث مبارکہ۔

(۱) قال ابن عمر وسلمة بن الاکوع نسختها (ای وعلی الذین یطیقونه فدیة) شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن هدی للناس وبینات من الهدی والفرقان فمن شهد منکم الشهر فلیصمه (الی) لعلکم تشکرون○

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما وسلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے کہا اس آیت ''**وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین**'' کو اس آیہ مبارکہ ''**فمن شهد منکم الشهر فلیصمه**'' نے منسوخ کر دیا ہے۔

وقال ابن نمیر حدثنا الاعمش حدثنا عمرو بن مرة حدثنا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نزل رمضان فشق علیهم فکان من اطعم کل یوم مسکینا ترك الصوم ممن یطیقونه ورخص لهم فی ذالك فنسختها "وان تصوموا خیرلکم" فامروا بالصوم○

(بخاری شریف، کتاب الصوم، باب:39)

''ابن نمیر (عبداللہ) نے کہا ہم سے سلیمان اعمش نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا ہم سے عمرو بن مرہ نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا ہم سے ابن ابی لیلیٰ (عبدالرحمٰن) نے بیان کیا۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا ہم سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب نے بیان کیا کہ ماہ رمضا کی فرضیت نازل ہوئی تو لوگوں پر یہ شاق گزرا اور جو کوئی ان میں سے روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہو (اس کے باوجود) وہ ہر روز ایک مسکین کا کھانا کھلا دیتا اور روزہ ترک کر دیتا تھا تو ایسا کرنے میں ان کو رخصت دی گئی تھی پھر اس کو اس آیہ کریمہ ''**وان تصوموا خیر لکم**'' نے منسوخ کر دیا اور ان کو

روزے رکھنے کا حکم دیا۔"

(2) عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنهما قرأ "فدیه طعام مساکین" قال هی منسوخة○

(بخاری شریف، کتاب الصوم، حدیث 1949)

"حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے یہ آیت مقدسہ "فدیة طعام مساکین" پڑھی اور فرمایا یہ منسوخ ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث کتاب التفسیر میں بھی لائے ہیں۔ (کتاب التفسیر، حدیث 4506)

(3) عن یزید مولیٰ سلمة الاکوع عن سلمة قال لما نزلت "وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین" کان من اراد ان یفطر ویفتدی حتی نزلت الآیة التی بعدها فنسختها○

بخاری شریف کتاب التفسیر حدیث: 4507، مسلم شریف بمعہ نووی کتاب الصیام، جلد اول، ص: 361- باب بیان نسخ قول اللہ تعالی "وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین"

ابوداؤد شریف، حدیث: 2313- مطبوعہ دار السلام للنشر والتوزیع ریاض

صحیح ابن خزیمہ، جلد سوئم، ص: 200- حدیث: 1903، المکتب الاسلامی

ترمذی شریف: حدیث: 798- مطبوعہ دار السلام للنشر والتوزیع ریاض

ابو عیسیٰ ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے اور یزید وہ ابن عبید آزاد کردہ غلام حضرت سلمہ بن اکوع ہیں۔

مسند ابی عوانہ، جلد دوئم، ص: 40، حدیث: 2273، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان- نسائی شریف، حدیث: 2318۔

(4) عن سلمة بن الاکوع ○ قال کنا فی رمضان علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من شاء صام ومن شاء افطر فافتدی بطعام مسکین حتی انزلت هذا الآیة "فمن شهد منکم الشهر فلیصمه"

مسلم شریف بمعہ نووی، جلد اوّل، ص: 361، مسند ابی عوانہ، جلد دوئم، ص: 40، حدیث: 2272۔

صحیح ابن خزیمہ، جلد سوئم، ص: 200- حدیث: 1903

"سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ اقدس میں روزہ رکھتے تھے۔ اور جو چاہتا روزہ رکھتا اور جو نہ چاہتا روزہ نہ رکھتا اور ایک مسکین کا فدیہ دے دیتا۔ حتیٰ کہ یہ آیت مبارکہ "فمن شهد منکم الشهر فلیصمه" نازل ہوئی۔" (تو پہلی آیت منسوخ ہو گئی۔)

(5) عن عمرو بن مرة قال سمعت ابن ابی لیلیٰ قال حدثنا اصحابنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لما قدم المدینة امرهم بصیام ثلاثة ایام ثم انزل رمضان و کانوا قوما لم یتعودوا الصیام و کان الصیام علیهم شدید افکان من لم یصم اطعم مسکیناً فنزلت هذه الآیة "فمن

شهد منکم الشهر فلیصمه" فکانت الرخصة للمریض والمسافر وامروا بالصیام۰

(ابوداؤد شریف، حدیث:506 مطبوعہ دار السلام للنشر والتوزیع ریاض)

''عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ (جنہوں نے کثیر صحابہ کرام کو دیکھا ہے مثل حضرت عمر فاروق، عثمان غنی، علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے کہا ہمارے اصحاب نے بیان کیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو صحابہ کرام کو تین دن کے روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ پھر جب رمضان شریف کے روزوں کی فرضیت نازل کی گئی۔ اور لوگ روزہ رکھنے کے عادی نہ تھے۔ اوران پر روزہ رکھنا سخت دشوار ہوا تو جو روزہ نہ رکھتا وہ ایک مسکین کا کھانا دیتا تھا۔ پھر یہ آیت مبارکہ ''فمن شهد منکم الشهر فلیصمه'' نازل ہوئی تو رخصت صرف مریض اور مسافر کے لیے باقی رہ گئی اور لوگوں کو روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا۔''

(6) عن عکرمة عن ابن عباس "وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین" فکان من شاء منهم ان یفتدی بطعام مسکین افتدی وتم له صومه فقال عزوجل "فمن تطوع خیر افهو خیر له وان تصوموا خیر لکم" وقال "فمن شهد منکم الشهر فلیصمه ومن کان مریضا او علی سفر فعدة من ایام اخر۰

ابوداؤد شریف، حدیث 6 [32، باب فسخ قوله تعالیٰ "وعلی الذین یطیقونه فدیة"

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت مبارکہ ''اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں وہ ایک مسکین کا فدیہ دیں'' کی تفسیر میں فرمایا۔ لوگوں میں سے جو ایک مسکین کا فدیہ دینا چاہتا وہ فدیہ دیتا اور اس کا روزہ پورا ہو جاتا۔ تو اللہ عزوجل نے فرمایا: ''پھر جو اپنے طرف سے نیکی زیادہ کرے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے اور روزہ رکھنا تمہارے لیے زیادہ بھلا ہے'' اور اللہ عزوجل نے فرمایا: ''تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے اور جو بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں''۔

حضرت ابن عباس کی حدیث سے ثابت ہوا پہلی آیت مبارکہ منسوخ ہے اور اس حدیث کو امام طبری نے بھی روایت کیا ہے۔

(7) عن ابراهیم عن علقمة فی قوله تعالیٰ "وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین" قال نسختها" فمن شهد منکم الشهر فلیصمه" الآیة التی بعدها۰

''ابراہیم نخعی نے علقمہ سے اللہ تعالیٰ کے اس قول ''وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین'' کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا اس کے بعد والی آیت ''فمن شهد منکم الشهر فلیصمه'' نے اس آیت مبارکہ کو منسوخ کر دیا ہے۔''

(8) عن نافع عن بن عمر قال انها قد نسخت هذه الاية فمن شهد منكم الشهر فليصمه" الآية التی بعدھا٥

(دونوں احادیث مصنف ابن ابی شیبہ، جلد سوئم، ص:19، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: اس آیت مبارکہ'' والذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین '' کو دوسری آیت مقدسہ ''فمن شهد منکم الشهر فليصمه '' نے منسوخ کردیا ہے''

(9) عن ابراهيم عن علقمة قال نسخ قوله "وعلى الذين يطيقونه" فمن شهد منكم الشهر فليصمه٥ (مصنف عبدالرزاق، جلد 4، ص:222، حدیث 7578)

''علقمہ نے کہا، اللہ تعالیٰ کے اس قول ''جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں'' کو اللہ تعالیٰ کے اس قول ''تم میں سے جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے'' نے منسوخ کردیا ہے۔''

(10) عن معمر عن قتادة فی قوله "وعلى الذين يطيقونه" قال كانت فی الشيخ الكبير والمرأة الكبيرة لايطيقان الصوم وهو شديد عليهما فرحض لهما ان يفطرا ثم نسخ ذالك بعد فقال "من شهد منكم الشهر فليصمه" (مصنف عبدالرزاق، جلد سوئم، ص 224-223، حدیث 7584)

''قتادہ بن دعامہ سے اللہ عزوجل کے اس قول ''جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں'' کے متعلق روایت ہے۔ انہوں نے کہا یہ حکم بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت کے متعلق تھا۔ وہ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے اور ان پر روزہ رکھنا دشوار تھا تو ان کو روزہ افطار کرنے کی رخصت دی گئی۔ پھر یہ رخصت بعد میں منسوخ کردی گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تم میں سے جو یہ مہینہ پائے تو ضرور اس کے روزے رکھے'' اور طبری میں ''لایطیقان'' کے بدل ''هما يطيقان'' ہے۔''

(11) عن حبيب ابن ابی ثابت عن مجاهد عن ابن عباس رضی الله عنهما قال رخص للشيخ وهو صائم ونهى الشاب٥

(المعجم الکبیر للطبرانی، جلد 11، ص 49050، حدیث 11040، دار احیاء التراث العربی)

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بوڑھے آدمی کو جو روزہ دار ہے (اور اس کے لیے روزہ رکھنا دشوار ہے) رخصت دی گئی (وہ روزہ افطار کرے) اور جوان آدمی کو اس سے منع کیا گیا۔ یہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما اس پر دلالت کر رہی ہے کہ یہ آیت مبارکہ'' والذین یطیقونہ ''منسوخ ہے۔

(12) عن قتادة عن عكرمة قال كان الشيخ والعجوزة لهما الرخصة ان يفطرا ويطعما بقوله "وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين" قال وكانت لهم الرخصة ثم نسخت بهذه الاية

"فمن شهد منكم الشهر فليصمه" الخ

(تفسیر جامع البیان للطبری، جلد دوئم، ص:79، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

"قتادہ بن دعامہ نے عکرمہ سے روایت کی انہوں نے کہا بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت کو اللہ عزوجل نے اس فرمان "جولوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں وہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں" سے، ان دونوں کو روزہ افطار کرنے اور کھانے کی رخصت دی۔ عکرمہ نے کہا ان کے لیے رخصت تھی پھر اس آیت مقدسہ "تم میں سے جو مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے" سے یہ رخصت منسوخ ہوگئی۔ یعنی ان بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت کے لیے جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے تھے اور حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی عورت باقی رہ گئیں کہ وہ روزہ افطار کریں اور کھائیں۔"

ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ یہ احادیث ان علماء کے قول کے ماتحت لائے ہیں جو یہ کہتے ہیں اللہ عزوجل کا فرمان: "وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين" "یہ حکم اس بوڑھے مرد اور عورت کے لیے جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ ان کو رخصت دی گئی کہ وہ روزہ افطار کریں اور فدیہ دیں پھر یہ حکم اس آیہ کریمہ "فمن شهد منكم الشهر فليصمه" سے منسوخ ہوگیا۔ امام طبری نے اس کے ماتحت حضرت ابن عباس، عکرمہ، قتادہ اور ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے احادیث روایت کی ہیں کہ جو بوڑھا مرد یا بوڑھی عورت روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے تھے اور ان کو رخصت دی گئی کہ وہ ایک مسکین کا فدیہ دیں اور روزہ افطار کریں لیکن یہ رخصت منسوخ کردی گئی۔

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ اللہ عزوجل کے اس قول "والذين يطيقونه فدية طعام مسكين" کے ماتحت ارقام فرماتے ہیں۔ سب مسلمانوں کی قرأت "والذين يطيقونه" ہے اور اس پر ان کے مصاحف کی کتابت ہے اور یہ وہ قرأت ہے کہ اہل اسلام میں سے کسی کے لیے اس کا خلاف جائز نہیں۔ اس لیے کہ ایک زمانہ کے بعد دوسرے زمانہ (یعنی متواتر) سب مسلمانوں نے اس کی تصویب نقل کی ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جوان سے مروی ہے "وعلى الذين يطوقونه" پڑھا ہے۔ پھر "والذين يطيقون" پڑھنے والوں کا اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا جب ماہ رمضان فرض ہوا تو ابتدا میں مقیمین جو اس کی طاقت رکھتے تھے ان میں سے اگر کوئی چاہتا روزہ رکھتا اور اگر چاہتا روزہ نہ رکھتا اور اس کا فدیہ دیتا۔ تو ہر دن میں جو روزہ نہ رکھتا ایک مسکین کو کھانا کھلاتا حتیٰ کہ یہ منسوخ ہوگیا۔ جنہوں نے یہ کہا ان کی دلیل یہ احادیث ہیں۔

(13) عن عبدالرحمن بن ابی لیلی عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدم المدینۃ فصام یوم عاشوراء وثلاثۃ ایام من کل شھر ثم ان اللہ عزوجل فرض شھر رمضان ٥ الخ

"حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو یوم عاشورہ کا

روزہ اور ہر مہینہ کے تین دن کے روزے رکھتے۔ پھر بے شک اللہ عزوجل نے ماہ رمضان کو فرض فرمایا اور اس کا ذکر یوں فرمایا: "یایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام " حتیٰ کہ" وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین " تک پہنچے۔ تو جس کا دل چاہتا وہ روزہ رکھتا اور جو نہ چاہتا وہ روزہ نہ رکھتا اور ایک مسکین کا طعام دے دیتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے صحیح، مقیم پر روزہ کو واجب فرمایا اور وہ بوڑھا شخص جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا اس کے طعام دینے کو ثابت رکھا۔ تو اللہ عزوجل نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔ "فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ ومن کان مریضا او علی سفر " الی آخر الایۃ " اس حدیث سے ثابت ہوا پہلی آیت منسوخ ہے۔"

(14) **عن شعبۃ عن عمرو بن مرّۃ قال حدثنا اصحابنا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قدم علیھم امرھم بصیام ثلاثہ ایام من کل شھر تطوعاً غیر فریضۃ قال ثم نزل صیام رمضان ۰ الخ**

"شعبہ بن حجاج نے عمرو بن مرہ سے روایت کی، انہوں نے کہا ہمارے اصحاب نے ہم سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور ان کو ہر ماہ تین روزے رکھنے کا حکم دیا۔ یہ روزے فرض نہ تھے بلکہ نفلی تھے۔ عمرو بن مرہ نے کہا پھر ماہ رمضان کے روزے نازل ہوئے۔ اور لوگوں کو روزہ رکھنے کی عادت نہ تھی اور ان پر روزہ رکھنا دشوار ہوا تو ان میں سے جو روزہ نہ رکھتا وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا۔ تو پھر یہ آیہ مبارکہ "فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ " آخر تک۔ نازل ہوئی تو مریض اور مسافر کے لیے رخصت ہوگئی اور ہمیں روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا۔

اس کے بعد ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیہ مقدسہ کے منسوخ ہونے کے متعلق اپنی سند کے ساتھ جن علماء حضرات سے روایت کیا ان میں سے چند احادیث صرف ترجمہ کے ساتھ پیش خدمت ہیں۔

(15) ابراہیم نخعی نے علقمہ سے روایت کیا انہوں نے اس آیت مبارکہ "وعلی الذین یطیقون " کے متعلق فرمایا جس کا دل چاہتا وہ روزہ رکھتا جو نہ چاہتا روزہ نہ رکھتا اور نصف صاع (دو کلو) ایک مسکین کو طعام دے دیتا۔ تو اس آیت مبارکہ کو اس آیت مقدسہ "فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ " نے منسوخ کر دیا۔

(16) حسین نے یزید نحوی سے انہوں نے عکرمہ اور حسن بصری سے دریافت کیا کہ اللہ عزوجل کا فرمان "وعلی الذین یطیقونہ " ان میں سے جس کا دل جو چاہتا روزہ رکھتا اور جس کا دل نہ چاہتا وہ روزہ نہ رکھتا وہ ایک مسکین کا فدیہ دے دیتا اور (ثواب کے اعتبار سے) اپنا روزہ پورا کرتا پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ " پھر اللہ عزوجل نے اس سے "ومن کان مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر " کو مستثنیٰ فرمایا۔

(17) عاصم نے امام شعبی سے روایت کیا، انہوں نے کہا یہ آیت مبارکہ "وعلی الذین یطیقون فدیۃ طعام مسکین " عام لوگوں کے لیے نازل ہوئی۔ اور کوئی آدمی روزہ نہ رکھتا وہ اپنے روزہ کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا دے دیتا۔ پھر یہ آیت

مبارکہ ''ومن کان مریضاً او علی سفر فعدۃ من ایام اخر '' نازل ہوئی۔تو رخصت صرف مریض اور مسافر کے لیے ہی نازل ہوئی۔

(18) وکیع نے ابن ابی لیلیٰ سے روایت کی، انہوں نے کہا میں عطاء بن ابی رباح کے پاس گیا اور وہ ماہ رمضان میں کھانا کھا رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے کہا میں ایک بوڑھا شیخ ہوں۔ روزہ کا حکم نازل ہوا تو جس کا دل چاہتا روزہ رکھتا اور جس کا دل چاہتا وہ روزہ نہ رکھتا اور وہ ایک مسکین کا کھانا دے دیتا۔ حتیٰ کہ یہ آیت مبارکہ ''فمن شهد منكم الشهر فليصمه'' (الی قوله) فعدۃ من ایام اخر '' تو ہر ایک پر روزہ رکھنا واجب ہو گیا سوائے مریض یا مسافر یا میری مثل بہت بوڑھے آدمی کے جو اپنے روزوں کا فدیہ دے۔

اس کے علاوہ بھی امام طبری نے حضرت عبداللہ بن مسعود، مسلم بن اکوع، ابراہیم نخعی، عبیدہ بن جراح، علی المرتضیٰ اور ضحاک سے اپنی سند کے ساتھ احادیث روایت کی ہیں جن کے الفاظ تو مختلف ہیں لیکن معنی و مفہوم میں وہ سب ایک ہی ہیں کہ یہ آیت مبارکہ ''وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین '' دوسری آیت مبارکہ ''فمن شهد منكم الشهر فليصمه '' سے منسوخ ہے۔

میں نے یہ احادیث مبارکہ اس ضمن میں اس لیے نقل کی ہیں کہ ہم کو یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول قرآت شاذہ ہے۔ آپ ''یطیقون'' کے بدل جو کہ از باب افعال ہے ''یطوقون'' جو کہ از باب تفعیل ہے پڑھتے ہیں اور یطیقون قرآت متواترہ ہے۔ اور جمہور کا قول بھی یہی ہے کہ پہلی آیت دوسری آیت سے منسوخ ہے۔

مفسر قرآن حضرت علامہ غلام رسول سعیدی صاحب مجدہ کا غالباً رجحان حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی طرف ہے جو کہ خلاف جمہور ہے جیسا کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا سب مسلمانوں کی قرآت ''وعلی الذین یطیقون'' ہے اور اس پر ان کے مصاحف لکھے گئے ہیں۔ اور یہ وہ قرآت ہے کہ اہل اسلام میں سے کسی کے لیے اس کا خلاف جائز نہیں۔ چنانچہ سعیدی صاحب زید مجدہ نے جمہور کے قول کو ترک کر کے خلاف جمہور قول کو ترجیح دی ہے۔

پڑھنے والا محسوس نہیں کرے گا کہ آپ نے ایسا کیا ہے لیکن درحقیقت یہ صحیح ہے۔ ان کی چند وجوہ پیش خدمت ہیں۔

(اولاً) سعیدی صاحب زید مجدہ نے ''وعلی الذین یطیقونه '' کے ماتحت فرمایا اس کے معنی کی تحقیق اور آثار۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور جن لوگوں پر روزہ رکھنا دشوار ہو (ان پر ایک روزہ کا) فدیہ ایک مسکین کا کھانا ہے۔

علامہ سعیدی صاحب نے اس آیت مبارکہ کا معنی ہی قرآت شاذہ ''یطوقون'' کے مطابق کیا ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

اس آیت کے معنی میں اختلاف ہے۔ آیا اس کا معنی ہے جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہوں وہ روزہ نہ رکھیں اور ایک مسکین کا کھانا فدیہ میں دے دیں۔ اور پھر یہ آیت دوسری آیت سے منسوخ ہے۔

''فمن شهد منكم الشهر فليصمه''

تم میں سے جو شخص اس مہینہ میں موجود ہو وہ ضرور اس ماہ کا روزہ رکھے۔ (البقرہ:185)

یا اس آیت میں ''یطیقون، یطوقون'' کے معنی میں ہے یعنی جن لوگوں پر روزہ رکھنا سخت دشوار ہو وہ روزہ کے بدلہ میں ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں اور یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔

چنانچہ اول الذکر کی تائید میں سعیدی صاحب نے امام بخاری کی روایت نقل کی ہے جس روایت میں امام بخاری نے سلمہ بن اکوع اور ابن عمر اور ابن ابی لیلیٰ کی احادیث روایت کی ہیں کہ یہ آیت ''وعلى الذين يطيقونه'' اس دوسری آیت ''فمن شهد منكم الشهر فليصمه'' سے منسوخ ہے۔

''یہ احادیث نمبر 1، 2 دیکھیں میں نے بمع سند ان کو نقل کیا ہے۔''

اس کے بعد سعیدی صاحب نے ثانی الذکر ۔ ''یعنی یہ آیت منسوخ نہیں'' کی تائید میں یہ حدیث نقل کی ہے امام دار قطنی روایت کرتے ہیں۔

علامہ سعیدی صاحب دار قطنی کی روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

امام دار قطنی نے چودہ صحیح سندوں کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ انتهى كلامه۔

آپ ذرا غور سے علامہ سعیدی صاحب زید مجدہ کی اس تحریر کو پڑھیں تو آپ کو بلا تامل یہ تاثر ملے گا کہ سعیدی صاحب کا رجحان حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی طرف ہے۔ اس لیے کہ پہلے آپ نے اس آیت مبارکہ کا ترجمہ قرآت شاذہ کے مطابق کیا۔ اس کے بعد اس معنی میں اختلاف کو بیان کرتے ہوئے اول الذکر یعنی یہ آیت منسوخ ہے۔ اس پر صرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی روایت نقل کی ہے۔ جس کے متعلق سعیدی صاحب نے کوئی تبصرہ نہیں فرمایا۔ پھر ثانی الذکر کی تائید میں امام دار قطنی کے چند آثار نقل کیے اور اس کے بعد فرمایا۔ دار قطنی نے چودہ صحیح سندوں کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ یہ آیت منسوخ نہیں۔ معلوم ہوتا ہے سعیدی صاحب کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی چودہ اسانید صحیحہ سے جو روایت ہے اس پر اعتماد و اعتبار ہے۔

اس کے بعد دار قطنی سے ہی چند آثار حضرت ابن عمر، انس بن مالک، قتادہ اور قیس بن سائب سے نقل کیے اور ان کے متعلق فرمایا۔

ان تمام آثار صحیحہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں۔

سعیدی صاحب نے اپنا سارا زور اس پر صرف کیا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول صحیح ہے۔ اس سے آپ کو بخوبی علم ہو گیا ہو گا کہ سعیدی صاحب قرآت متواترہ کے خلاف ہیں اور قرآت شاذہ پر عمل پیرا ہیں۔ میں

(راقم الحروف) سعیدی صاحب سے استفسار کرتا ہوں جناب نے فرمایا: (دار قطنی نے چودہ صحیح سندوں کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں۔ آپ نے سنن دار قطنی جلد دوئم، ص:204، 205، 207۔ مطبوعہ نشر السنہ ملتان کا حوالہ پیش کیا ہے۔ یعنی دار قطنی، جلد دوئم میں صفحہ 204 سے 207 تک یہ ان چودہ صحیح سندوں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت مروی ہے۔

کیا یہ چودہ اسناد صحیحہ دار قطنی میں موجود بھی ہیں یا کہ نہیں۔

میرے پاس سنن دار قطنی کا جو نسخہ ہے وہ دار الکتب العلمیہ بیروت کا مطبوعہ ہے۔

(مجلد اول، جزء دوئم، ص:184، باب 8، طلوع الشمس بعد الافطار، 1-38)

اس باب میں اڑتیس 38 احادیث ہیں۔ اس باب ماقبل باب 7 **الافطار فی رمضان لکبر او رضاع او عذر او غیر ذالك** " ہے۔ جس میں صرف ایک حدیث ہے۔ سنن دار قطنی کے آخر میں فہرست میں بھی یہی ترتیب ہے۔ حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت باب نمبر 7 میں ہو لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت باب آٹھ میں ہے شاید کہ یہ کتابت کی غلطی ہے یا ترتیب ہی اسی طرح ہے۔ تو باب نمبر 8 میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث جو چند اسناد کے ساتھ مروی ہے وہ باعتبار اسانید مختلفہ بالاتفاق دس 10 اور علی الاختلاف گیارہ 11 ہیں۔ اس سے زیادہ اس باب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نہیں۔ آئیے علامہ سعیدی صاحب نے صرف ترجمہ پر اکتفا کیا اور پندرہ صحیح سندیں لکھ ڈالیں۔ میں ان تمام اسانید کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث نقل کرتا ہوں تا کہ عوام الناس کو معلوم ہو جائے علامہ سعیدی زید مجدہ کی یہ نقل صحیح ہے یا غلط۔

(1) **عن عمرو بن دینار عن عطاء عن ابن عباس "علی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین" واحد○ "فمن تطوع" وقال . زاد مسکینا آخر فهو خیر وقال ولیست بمنسونة○** الخ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "**وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین**" کی تفسیر میں فرمایا۔ ایک مسکین کو کھانا کھلائے اور "**فمن تطوع خیرًا**" کی تفسیر میں فرمایا اگر وہ دوسرے مسکین کا اضافہ کرے یعنی ایک سے زیادہ مسکینوں کو کھلائے تو بہتر ہے اور فرمایا یہ آیت مبارکہ منسوخ نہیں ہے البتہ بوڑھے آدمی کو جو روزہ رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتا رخصت ہے۔ جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا اس کو کھانا کھلانے کا حکم دیا گیا۔

(2) **عن عمرو بن دینار عن عطاء عن ابن عباس فقوله "وعلی الآین لیقون فدیة طعام مسکین" قال یطیقونه یکلفونه فدیة طعام مسکین واحد○** الخ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ کے فرمان: "**وعلی الذین یطیقونه** الخ" کے متعلق فرمایا: "**یطیقون**" **بمعنی "یکلفون**" ہے یعنی جن کے لیے روزہ رکھنا دشوار ہو وہ ایک مسکین کا فدیہ دیں۔ اور جس نے زیادہ

مسکینوں کو کھلایا تو بہتر ہے یہ آیت منسوخ نہیں۔ الخ

(3) عن مجاهد وعطاء عن ابن عباس "وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين" واحد "فمن تطوع خيراً فازاد طعام مسكين آخر" فهو خيرله وان تصوموا خيرلكم" الخ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "وعلى الذين يطيقون الخ" کی تفسیر میں فرمایا: ایک مسکین کو کھانا کھلانا۔ اور "فمن تطوع خيرا الخ" کی تفسیر میں فرمایا: یہ صرف اس بوڑھے شخص کو رخصت دی گئی ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا یا اس مریض کو جس کو شفا کی امید نہ ہو۔

(4) عن عكرمة عن ابن عباس رخص للشيخ الكبير ان يفطر ويطعم عن كل يوم مسكيناً ولا قضاء عليه۞

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: بوڑھے آدمی کو روزہ افطار کرنے میں رخصت دی گئی ہے اور وہ ہر دن کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلائے اس پر روزہ کی قضا نہیں ہے۔

(5) عن عطاء انه سمع ابن عباس يقرها "وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين" قال ابن عباس "ليست بمنسوخة" الخ

عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ آیت مبارکہ "وعلى الذين يطيقونه" پڑھتے ہوئے سنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ یہ وہ بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے وہ ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔

(6) عن سعيد بن جبير ان ابن عباس قال لام ولدله حبلى او ترضع انت من الذين لا يطيقون الصيام۞ عليك الجزاء وليس عليك القضاء۞

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی ام ولد حاملہ یا دودھ پلانے والی سے فرمایا تو ان لوگوں میں سے ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ تجھ پر جزا ہے قضاء نہیں۔

(7) عن سعيد بن جبير عن ابن عباس قال صاحب السل الذى يئس ان يبرأ فلا يستطيع الصوم يفطر ويطعم عن كل يوم مسكيناً۞ (حجاج ضعیف)

حضرت ابن عباس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: سل کی بیماری والا جو تندرست ہونے سے ناامید ہو جائے اور روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو وہ روزہ افطار کرے اور ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔

(8) عن سعيد بن جبير عن ابن عباس انه كانت له امة توضع فاجهضت فامرها ابن عباس ان تفطر يعني تطعم ولا تقضى۞

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان کی دودھ پلانے والی ایک لونڈی تھی اس کا حمل ساقط ہو گیا تو آپ نے اس کو روزہ نہ رکھنے کا حکم دیا یعنی تم کسی مسکین کو کھانا کھلاؤ اور تم پر روزہ کی قضاء نہیں۔

(9) عن سعيد بن جبير عن ابن عباس او ابن عمر قال لحامل والمرضع تفطر ولا تقضى ٥

(هذا صحيح ومابعده)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا حاملہ اور دودھ پلانے والی روزہ نہ رکھیں اور نہ ہی روزہ کی قضاء کریں۔

(10) عن مجاهد عن ابن عباس قرأ "وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين" يقول ٥ الخ

مجاہد سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیہ مبارکہ "وعلى الذين يطيقونه الخ" پڑھی۔ فرماتے ہیں: یہ وہ بوڑھا آدمی ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا وہ روزہ افطار کرے اور ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔

(11) عن عكرمة عن ابن عباس انه كان يقرأ "وعلى الذين يطيقونه" ويقول لم تنسخ ٥

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ وہ اس آیہ مبارہ "وعلى الذين يطيقونه" کی تلاوت فرماتے اور کہتے یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی۔

اس کے علاوہ باب نمبر 7 میں ایک حدیث ہے وہ یہ ہے عکرمہ سے روایت ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب بوڑھا شخص روزہ رکھنے سے عاجز ہو جائے تو وہ ہر دن کے عوض مسکین کو ایک "مد" ایک کلو طعام کھلا دے۔

یہ ہیں احادیث مبارکہ جن کے متعلق جناب محترم سعیدی صاحب زید مجدہ نے ارشاد فرمایا کہ امام دارقطنی نے چودہ صحیح سندوں کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ یہ آیت منسوخ ہے۔

حدیث نمبر 2352 لغایتہ 2362۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو چھوڑ کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت دس متعدد اسناد سے مروی ہے ان میں سے نمبر 7 حدیث ضعیف ہے۔ اور حدیث نمبر 10 کے متعلق دارقطنی کی احادیث کے تخریج کرنے والے مجدی بن منصور بن سید شوری لکھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں اس حدیث کے راوی اسحاق بن ضعیف "صدوق یخطئ"

اب امام دارقطنی کی دس سندوں میں سے دو میں ضعف ہے۔ باقی آٹھ سندیں رہ گئی۔ چنانچہ باب نمبر 7 کی حدیث کو ملا کر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث گیارہ سندوں کے ساتھ امام دارقطنی نے روایت کی ہے۔

معلوم یہ ہوتا ہے کہ جناب سعیدی صاحب محترم نے دارقطنی کو دیکھا نہیں ہے اور کسی شاگرد رشید نے جناب کی طبع نازک کی خوشنودی کے لیے تعداد میں اضافہ کر دیا تا کہ سعیدی صاحب زید مجدہ کثرت اسناد سے خوش ہو جائیں کہ میرا مدعا صحیح ہے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول معتبر ہے کیونکہ امام دار قطنی نے فتویٰ دے دیا ہے۔

میں دعوے سے کہتا ہوں جناب محترم سعیدی صاحب زید مجدہ دار قطنی میں گیارہ سے زیادہ اسناد کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو ثابت نہ کر سکیں گے۔

چنانچہ جیسے چودہ اسناد کا قول حضور والا کا محقق و ثابت ہوا ہے اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر اعتماد بھی ثابت ہوگا۔

ناظرین کرام! آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ جناب محترم سعیدی صاحب زید مجدہ نے کس طرح ایک قرأت متواترہ کا خون کیا محض اس لیے کہ جناب کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول پسند ہے چنانچہ آپ نے جمہور کا مسلک چھوڑ کر ان پر عدم اعتماد فرمایا۔ آپ حضرات علامہ سعیدی صاحب کی جملہ عبارات کا مقصد دیکھیں کہ آپ نے اپنے مذہب کی تائید میں ہی وہی آثار واخبار اور اقوال تلاش کیے جو اس قرأت شاذہ کی تقویت کے باعث ہوں۔ اس لیے میں نے اس سے قبل اٹھارہ احادیث مبارکہ جن کو اکثر محدثین کرام بالخصوص شیخین نے تخریج کیا پیش کیں کہ جمہور کا مذہب یہی ہے کہ جب ماہ رمضان فرض ہوا تو لوگوں کو روزہ رکھنے کی عادت نہ تھی چنانچہ جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے تھے ان کو روزہ رکھنے اور روزہ نہ رکھنے میں اختیار دیا گیا اور جو روزہ نہ رکھے وہ ایک مسکین کو کھانا کھلائے اور بعد میں اللہ عزوجل نے دوسری آیت مبارکہ "**فمن شهد منكم الشهر فليصمه**" سے اس کو منسوخ فرمایا اور روزہ نہ رکھنے کی رخصت صرف مریض اور مسافر کے حق میں باقی رہ گئی۔

(ثانیا) حضرت علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے اپنے مذہب کی تائید میں کچھ حوالہ جات امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری سے بھی نقل کیے ہیں۔ فرماتے ہیں:

امام طبری نے "**الذين يطيقونه**" کے معنی اور اس کے منسوخ ہونے یا نہ ہونے کے متعلق متعدد آثار اور اقوال نقل کیے ہیں اور اخیر میں لکھتے ہیں۔

عکرمہ نے "**الذين يطيقونه**" کی تفسیر میں فرمایا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس سے مراد بوڑھا شخص ہے۔

سعید بن جبیر نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "**وعلى الذين يطيقونه**" اس کا معنی ہے جو مشقت اور تکلیف سے روزہ رکھیں۔ عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ "**الذين يطيقون**" کا معنی ہے جو لوگ مشقت سے روزہ رکھیں وہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں یہ رخصت صرف اس بوڑھے شخص کے لیے ہے جو روزہ نہ رکھ سکے یا اس بیمار کے لیے جس کو شفاء کی امید نہ ہو مجاہد نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

(جامع البیان، جلد دوئم، ص: 81۔ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے یہ آثار نقل کرنے کے بعد علامہ ابو الحیان اندلسی سے نقل کیا ہے کہ جو صحابہ اور تابعین

یہ کہتے ہیں کہ "الذین یطیقونہ" سے مراد بوڑھے اور عاجز لوگ ہیں ان کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ محکم ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت حاملہ اور دودھ پلانے والی کو شامل ہے یا نہیں۔ (البحر المحیط، جلد دوئم، ص 190، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

انتھی کلامہ

علامہ غلام رسول سعیدی صاحب زید مجدہ نے طبری کے حوالہ سے اپنے قول کو مؤید حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت نقل کی ہے۔ پہلے تو یہ جاننا چاہئے کہ امام طبری کا اس کے متعلق کیا قول ہے۔ کیا وہ اس قرآۃ شاذہ جو کہ سعیدی صاحب کا مذہب ہے کے موافق بھی ہیں یا نہیں۔ تو سنئے امام طبری کیا فرماتے ہیں:

فاما قوله "وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين" فأن قرأة كافة المسلمين "وعلى الذين يطيقونه" وعلى ذالك خطوط مصاحفهم وهو القرأة التى لايجوز لاحد من اهل الاسلام خلافها لنقل جميعهم تصويب ذالك قرنا عن قرن و كان ابن عباس يقرؤها فيما روى عنه وعلى الذين يطوقونه○

اللہ عزوجل کا فرمان: "**وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين**" سب مسلمانوں کی قرأت "**وعلى الذين يطيقونه**" میں ہے اور اس قرآت متواترہ پر ان کے مصاحف مکتوب ہیں اور یہ وہ قرآت ہے کہ اہل اسلام میں سے کسی کے لیے اس کا خلاف جائز نہیں اس لیے کہ سب مسلمانون نے متوارثا اس قرآت متواترہ کی تصویب فرمائی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کو یطوقون پڑھتے ہیں۔

یعنی امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے قرآۃ شاذہ "یطوقونہ" کو جمہور اہل اسلام کے خلاف قرار دیا ہے۔ جس قرآت کی تائید میں سعیدی صاحب ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور چن، چن کا وہ روایت نقل کرتے ہیں جو قرأت شاذہ کے موافق ہو۔ اس کی مثال یہ ہے۔

علامہ سعیدی صاحب نے امام طبری کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے وہ یہ ہے:

عن عمرو بن دينار عن عطاء عن ابن عباس قال الذين يطيقونه، يتكلفونه فدية طعام مسكين واحد ولم يرخص هذا الا للشيخ الذى لايطيق الصوم او المريض الذى يعلم انه لايشفى هذا عن مجاهد○ (جامع البیان، جلد دوئم، ص: 81، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس حدیث کا معنی جو علامہ سعیدی صاحب نے کیا ہے وہی پیش خدمت ہے۔

عطاء نے ابن عباس سے روایت کیا کہ "**الذین یطیقونہ**" کا معنی ہے جو لوگ مشقت سے روزہ رکھیں وہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں یہ رخصت صرف اس بوڑھے شخص کے لیے ہے جو روزہ نہ رکھ سکے یا اس بیمار کے لیے جس کو شفاء کی امید نہ ہو۔ مجاہد نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔

علامہ سعیدی صاحب نے اس اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما کو نقل کیا اور ظاہر کیا کہ جو قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے یعنی "الذین یطیقونہ" "یطوقونہ" ہے۔ یعنی وہ بوڑھا آدمی جو روزہ نہ رکھ سکتا ہو یا وہ مریض جس کو شفا کی امید نہ ہو اس کے لیے رخصت دی گئی ہے کہ وہ ہر دن کے عوض ایک مسکین کا کھانا کھلائیں۔ چنانچہ یہ آیت مبارکہ جب سے نازل ہوئی ہے ثابت الحکم ہے منسوخ نہیں۔ وہی میرا مذہب ہے۔ اب دیکھیں جو اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما جناب سعیدی صاحب نے نقل فرمایا اس اثر ابن عباس سے قبل امام طبری نے یہی اثر ابن عباس سے روایت کیا ہے جس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں۔ لیکن سعیدی صاحب نے اس اثر ابن عباس کو اس لیے نقل نہیں کیا کہ اس میں یہ ہے کہ یہ آیہ مبارکہ منسوخ ہے۔ اب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ اثر بھی سماعت فرمائیں اور حضرت علامہ سعیدی صاحب زید مجدہ کی خیانت علمی کو داد دیں۔ وہ اثر یہ ہے:

عن ابن ابی نجیح عن مجاهد وعطاء عن ابن عباس فی قول اللہ "وعلی الذین یطیقونہ قال یکلفونہ فدیة طعام مسکین واحد قال وفهذه آیة منسوخة لا یرخص فیها الاللکبیر الذی لا یطیق الصیام او المریض یعلم انه لایشفی٥ حوالہ مذکور۔

اس حدیث کا معنی بھی وہی ہے جو اس سے قبل حدیث کا ہے فرق صرف یہ ہے کہ پہلی حدیث میں "**فهذه آیة منسوخه**" نہیں ہے۔ پہلی حدیث میں ہے کہ "**هذا عن مجاهد**" یعنی مجاہد سے بھی اس طرح روایت کیا ہے۔ اور اس حدیث میں ہے: "**عن مجاهد وعطاء عن ابن عباس**" یعنی امام مجاہد اور عطاء نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا۔ اب بتائیں ان دونوں حدیثوں میں کیا فرق ہے اور علامہ سعیدی صاحب نے اس حدیث کو ترجیح دی ہے جو عدم نسخ کا فائدہ دیتی ہے۔ اور جس حدیث میں اس آیہ مبارکہ کا منسوخ ہونا ثابت ہے سعیدی صاحب نے اس کو چھوڑ دیا۔ لہٰذا ثابت ہوا سعیدی صاحب کا مذہب جمہور کے خلاف ہے اور آپ مذہب جمہور کو مرجوع قرار دیتے ہیں اور جمہور کے خلاف مذہب کو راجح بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ میں نے جو کہا ہے علامہ موصوف چن، چن کر وہ روایت نقل کرتے ہیں جو قرآۃ متواترہ کے خلاف اور قرآت شاذہ کے موافق ہیں۔ حالانکہ جس امام طبری سے وہ یہ روایت نقل کر رہے ہیں وہ خود اس کے خلاف ہیں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔ اور انشاء اللہ آخر میں امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کا ان اقوال میں اولیٰ کون سا قول ہے نقل کروں گا۔ لیکن پہلے وہ اثر ابن عباس سماعت فرمائیں جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خود بھی قرآت متواترہ کے مطابق اس آیہ کریمہ کو منسوخ قرار دیا ہے۔ اس اثر ابن عباس کو علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر "**الدر المنثور فی التفسیر الماثور**" میں باسانید متعددہ روایت کیا ہے۔

قوله تعالیٰ: "علی الذین یطیقونه فدیة"

اخرج عبد بن حمید عن ابن سیرین قال کان ابن عباس یخطب فقر اهذه الآیة "وعلی الذین یطیقونه فدیة" قال قد نسخت هذه الآیة٥ (در منثور، مجلد اول، جز اول، ص: 177، مطبوعہ

منشورات مکتبہ آیۃ اللہ العظمی المرعشی النجفی قم ایران)

محمد بن سیرین سے روایت ہے انہوں نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خطبہ ارشاد فرمارہے تھے تو آپ نے یہ آیت مبارکہ "وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ" تلاوت فرمائی اور فرمایا یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے۔

واخرج ابن ابی حاتم والنحاس فی ناسخہ وابن مردویہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ قال نزلت ھذہ الآیہ "وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ" فکان من شاء صام ومن شاء افطر واطعم مسکیناً ثم نزلت ھذہ الایۃ "فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ" فنسخت الاولی الاالفانی ان شاء اطعم عن کل یوم مسکین وافطر ○ حوالہ مذکورہ۔

ابن ابی حاتم اور نحاس "ناسخ" میں اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا یہ آیہ مبارکہ "وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ" نازل ہوئی تو جس کا دل چاہتا روزہ رکھتا اور جس کا دل نہ چاہتا وہ روزہ نہ رکھتا اور ایک مسکین کھانا دیتا۔ پھر یہ آیہ مبارکہ "فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ" نازل ہوئی تو پہلی آیت منسوخ ہو گئی البتہ بوڑھا آدمی اگر چاہتا ہر دن کے عوض مسکین کو کھانا کھلاتا اور روزہ نہ رکھتا۔

واخرج ابوداؤد عن ابن عباس "وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ" من شاء منھم ان یفتدی بطعام مسکین افتدی وتم لہ صومہ فقال من تطوع خیرا فھو خیرلہ وان تصوموا خیرلکم وقال فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ الایۃ ○ حوالہ مذکورہ۔

ابوداود نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تخریج کیا کہ "وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا لوگوں میں سے جو ایک مسکین کو طعام کا فدیہ دینا چاہتا وہ فدیہ دیتا۔ اور اپنے روزہ کو پورا کرتا (یعنی اس کا ثواب حاصل کرتا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا "پھر جو اپنی طرف سے نیکی زیادہ کرے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے اور روزہ رکھنا تمہارے لیے زیادہ بھلا ہے" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم میں سے جو مہینہ پائے وہ ضرور اس کے روزے رکھے۔ (ابوداؤد شریف، حدیث 2316، دار السلام للنشر والتوزیع ریاض)

واخرج سعید بن منصور وعبد ابن حمید وابوداؤد ابن جریر وابن منذر وابن ابی حاتم والبیھقی فی سننہ عن ابن عباس فی الایۃ قال کانت مرخصۃ للشیخ الکبیر والعجوز وھما یطیقان الصوم ان یفطرا ویطعما مکان کل یوم مسکیناً ثم نسخت بعد ذلک فقال اللہ "فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ" الخ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیہ مبارکہ "والذین یطیقون فدیۃ" کی تفسیر میں فرمایا: بوڑھے آدمی اور بوڑھی عورت جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے تھے ان کو رخصت دی گئی تھی کہ وہ روزہ نہ رکھیں اور ہر دن کے عوض

ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔ پھر اس کے بعد یہ آیت منسوخ ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تم میں سے جو مہینہ کو پائے وہ ضرور روزے رکھے۔'' الخ

یہ ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اثر جس کو علامہ سیوطی نے متعدد اسناد کے ساتھ روایت کیا۔ اس سے معلوم ہوا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی اس آیہ مبارکہ کے منسوخ ہونے کے قائل ہیں۔

اب جبکہ اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما میں تعارض آ گیا تو آپ کا وہ قول مقبول ہو گا جو اکثرین کے مطابق وموافق ہو گا نہ کہ جو ان کے مخالف ہو گا۔

چنانچہ علامہ سعیدی صاحب زید مجدہ کا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جو کہ اکثرین کے مخالف ہے کہ تائید وتاکید میں اتنا زیادہ زور دینا کچھ مناسب نظر نہیں آتا یا اس کے پیچھے کچھ عوامل کارفرما ہیں ان کو وہ ہی بہتر جانتے ہیں ہم تو آپ کے متعلق حسن ظن ہی رکھتے ہیں۔

اب امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کا قول فیصل پیش خدمت ہے:

و اولیٰ هذه الاقوال بتاویل الایة قول من قال "وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین" منسوخ بقول الله تعالیٰ ذکره "فمن شهد منکم الشهر فلیصمه" لان الهاء التی من قوله "وعلی الذین یطیقونه" من ذکر الصیام ومعناه وعلی الذین یطیقون الصیام فدیة طعام مسکین فاذا کان ذالك کذالك و کان جمیع بن اهل الاسلام مجمعین علی ان٥ الخ

آیت مبارکہ کی تاویل کے متعلق ان اقوال میں سے اولیٰ (بہتر) قول ان کا ہے جو کہتا ہے: ''**وعلی الذین یطیقونه** الخ'' یہ آیت اللہ تعالیٰ ذکرہ کے اس فرمان: ''**فمن شهد منکم الشهر فلیصمه**'' سے منسوخ ہے۔ اس لیے کہ اللہ عزوجل کے قول ''**وعلی الذین یطیقونه**'' میں ضمیر هاء ذکر صیام سے ہے اور اس کا معنی یہ ہے جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں وہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں۔ اور جب یہ اس طرح ہے تو جمیع اہل اسلام اس بات پر متفق ہیں کہ مردوں میں سے جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں صحیح ہیں مسافر نہیں مقیم ہیں ان کے لیے ماہ رمضان میں روزہ نہ رکھنا جائز نہیں اور نہ ہی ایک مسکین کا فدیہ دینا۔ اور معلوم ہوا کہ یہ آیہ مبارکہ منسوخ ہو چکی ہے۔ اور اس کی تاکید جو ہم نے معاذ بن جبل، ابن عمر اور مسلم بن اکوع سے اخبار ذکر کیے ہیں کہ صحابہ کرام اس آیہ مبارکہ کے نزول کے بعد زمانہ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ماہ رمضان میں روزہ رکھنے اور سقوط فدیہ اور روزہ نہ رکھنے اور فدیہ دینے میں ان کو اختیار تھا اور وہ یہی کرتے حتیٰ کہ آیت مبارکہ ''**فمن شهد منکم الشهر فلیصمه**'' نازل ہوئی تو ماہ رمضان کا روزہ رکھنا لازم ہو گیا اور فدیہ کا اختیار باطل ہو گیا۔

اس کے چند سطور کے بعد امام طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

واما قراۃ من قرا ذالک "وعلی الذین یطوقونہ" فقراۃ لمصاحف اھل الاسلام خلاف وغیر جائزۃ الخ (جامع البیان، جلد دوئم، ص:82، مطبوعہ دارالفکر بیروت)

لیکن جس نے اس آیہ مبارکہ "وعلی الذین یطوقون " کو اس قرأت پر پڑھا تو یہ قراۃ اہل اسلام کے مصاحف کے خلاف ہے اور غیر جائز ہے۔ یعنی اہل اسلام کے لیے اپنی رائے سے جس کو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وراثۃ نقل کیا پیش کرنا جائز ہے اور یہ نقل ظاہر اور عذر کے لیے قاطع ہے۔ کیونکہ جو اس کو دین سے بطور حجت لایا وہی حق ہے جس میں شک نہیں کہ وہ اللہ عزوجل کی طرف سے ہے جو چیز قرآن سے ثابت ہو اور اس کے ساتھ حجت قائم ہو کہ وہ اللہ عزوجل کی طرف سے ہے اس کے مقابلہ میں اپنی آراء اور ظنون اور اقوال شاذہ پیش نہ کیے جائیں۔ آپ غور فرمائیں کہ امام طبری رحمۃ اللہ علیہ تو نہایت ہی زوردار آواز میں متنبہ فرمارہے ہیں کہ قراۃ حضرت ابن عباس "یطوقونہ" قرأت شاذہ ہے اور یہ قراۃ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وراثۃً مسلمانوں کے مصاحف میں مکتوب نہیں ہے چنانچہ اس ظاہر اور قاطع قراۃ جو متواترہ ہے کے خلاف اپنی آرا، یا ظن یا اقوال شاذہ کو پیش کرنا اہل اسلام کے خلاف ہے۔ اتنی صریح وضاحت کے باوجود علامہ سعیدی صاحب نے قرآۃ شاذہ کے احیاء پر اتنا زور کیوں دیا ہے؟ اور جو اقوال آپ کی رائے اور قول کے مطابق تھے انہیں اپنی تفسیر کی زینت بنایا اور جن علماء کرام سے آپ نے یہ اقوال نقل کیے ان کے واضح اور راجح قول سے اغماض برتنا یہ علماء حق کی شان کے لائق نہیں۔

علامہ علاء الدین بن علی بن عثمان ماردینی المشھور بابن ترکمانی رحمۃ اللہ علیہ سنن الکبری للبیہقی کے ذیل میں ایک حدیث کے جواب میں کہ "اس میں دلالت ہے کہ صلوۃ وسطی غیر عصر ہے" فرماتے ہیں:

ھذہ قراء ۃ شاذۃ والشافعی ومالک لا یجعلون القرأۃ الشاذۃ قرآنا ولا خبرا ویسقطان الاحتجاج بھا ۔ (جوھرالنقی فی ذیل سنن، جلد اول، ص:463، مطبوعہ نشرالسنہ ملتان

علامہ ابن ترکمانی فرماتے ہیں یہ قرأت شاذہ اور امام شافعی و مالک رحمہا اللہ قرأت شاذہ کو نہ قرآن سمجھتے ہیں اور نہ ہی خبر اور قرأت شاذہ سے احتجاج کو ساقط کرتے ہیں۔

امام شافعی اور مالک رحمہا اللہ تو قرأت شاذہ کو نہ قرآن اور نہ ہی حدیث سمجھتے ہیں اور اس سے استدلال کو ساقط گردانتے ہیں۔

معلوم ہوا قراۃ شاذہ سے استدلال ساقط ہے۔ لیکن علامہ سعیدی صاحب زید مجدہ قرأت شاذہ کو بطور دلیل وحجت بنا کر پیش کر رہے ہیں جو امام شافعی اور مالک رحمہا اللہ کے نزدیک قرآن ہی نہیں۔ **واللہ اعلم بالصواب۔**

(ثالثاً) علامہ غلام رسول صاحب سعیدی زیدہ مجدہ ایک اور کمال فن اپنی تفسیر میں اس آیہ کریمہ کے ماتحت اپنے قول کی تائید وتاکید میں ابوحیان اندلسی سے ایک حوالہ نقل فرماتے ہیں جو اس سے قبل ذکر کیا گیا ہے پھر دوبارہ پیش خدمت ہے۔ سعیدی

صاحب لکھتے ہیں:

جو صحابہ اور فقہاء تابعین یہ کہتے ہیں کہ ''الذین یطیقونہ'' سے مراد بوڑھے اور عاجز لوگ ہیں ان کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں ہے بلکہ محکم ہے۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ آیت حاملہ اور دودھ پلانے والی کو شامل ہے یا نہیں۔

(البحر المحیط، جلد 2، ص: 197، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

آیئے دیکھتے ہیں ابو حیان اندلسی کی اصل عبارت کیا ہے:

والقائلون بان الذين يطيقونه هم الشيوخ والعجز تكون الاية محكمة على قولهم○ واختلفوا فقيل يختص هذا المحكم بهولاء وقيل يتناول الحامل والمرضع○ الخ

(البحر المحیط، جلد دوئم، ص: 36، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

معنی وہی ہے جو کہ حضرت علامہ غلام رسول سعیدی صاحب زید مجدہ نے کیا ہے۔ لیکن آپ نے جو ''والقائلون'' کا معنی فرمایا جو صحابہ کرام اور فقہاء تابعین یہ فرماتے ہیں کہ ''والذین یطیقون'' سے مراد بوڑھے اور عاجز لوگ مراد ہیں ان کے نزدیک یہ آیت مبارکہ منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔

امام احمد بن علی بن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ بخاری کی شرح فتح الباری میں فرماتے ہیں:

واتفقت هذه الاخير على ان قوله "وعلى الذين يطيقونه" منسوخ وخالف فى ذالك ابن عباس فذهب الى انها محكمة لكنها مخصوص بالشيخ الكبير وغيره○

(فتح الباری، جلد 4، ص: 188، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

یہ تمام اخبار اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ کا یہ فرمان: ''وعلی الذین یطیقونہ'' منسوخ ہے۔ اور اس کی صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مخالفت کی ہے وہ اس طرف گئے ہیں کہ یہ آیت محکم ہے لیکن بوڑھے آدمی اور اس کی مثل (عاجز لوگ وغیرہ) کے ساتھ مخصوص ہے۔

یہی حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کتاب التفسیر میں لکھتے ہیں:

عمرو بن دینار نے عطاء بن ابی رباح سے روایت کیا کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ آیت مبارکہ ''وعلی الذین یطوقونہ'' تلاوت کرتے ہوئے سنا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت منسوخ نہیں۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں: ''هذا مذهب ابن عباس وخالفه الاكثر''۔

یہ حضرت ابن عباس کا مذہب ہے اور حضرت ابن عباس کی اکثر نے مخالفت کی ہے۔ یا یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں) اکثر نے حضرت ابن عباس کی اس میں مخالفت کی ہے۔

علامہ بدر الدین حنفی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں:

قولہ، قال ابن عباس الیٰ آخرہ اشارۃ الیٰ ان ابن عباس لایری النسخ فی ھذا فقد خالفہ الجمھور ○ (عمدۃ القاری، جلد18، ص:105، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول کہ یہ آیت منسوخ نہیں۔ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس کا نسخ جائز نہیں۔ اور جمہور نے حضرت ابن عباس کی مخالفت کی ہے۔

ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی فرماتے ہیں:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے "فدیۃ طعام مساکین" پڑھا ہے (یعنی مسکین کی جگہ مساکین پڑھا ہے) اور فرمایا یہ آیت منسوخ ہے۔ علامہ قسطلانی فرماتے ہیں:

"وھذا مذھب الجمھور خلافا ابن عباس حیث قال انھا لیست بمنسوخۃ"

یہ جمہور کا مذہب ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے جو حضرت ابن عباس کے خلاف ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔

آپ نے شارحین بخاری حافظ عسقلانی، بدرالدین عینی اور امام قسطلانی کی وضاحت سنی۔ یہ سب محدثین فرماتے ہیں اس آیہ مبارکہ کا منسوخ ہونا عندالجمہور مسلم ہے اور اسکی مخالفت صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کی ہے۔ ان تمام محدثین کرام کے اس قول کو مدنظر رکھتے ہوئے جناب محترم سعیدی صاحب کا "القائلون" کا معنی بھی پڑھئے۔ کیا یہ جمہور کا خلاف نہیں۔

علامہ ابوحیان اندلسی نے صرف یہ کہا "القائلون" اور حضرت علامہ سعیدی صاحب نے اس سے مراد صحابہ کرام اور فقہاء تابعین لے لیا۔ کیا ابوحیان اندلسی کے اس قول سے مراد علمائے مفسرین نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اس آیت مبارکہ کے عدم منسوخ کا مذہب تو صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے۔ پھر "قائلون" سے مراد صحابہ اور فقہاء تابعین لینا ظاہر کے خلاف نظر آتا ہے۔ ویسے بھی ابوحیان اندلسی نحوی کے قول "قائلون" کے سیاق وسباق سے بھی یہی ظاہر ہے کہ اس سے مراد مفسرین کرام ہیں۔ اس کی وضاحت پیش خدمت ہے۔

ابوحیان اندلسی نے "وعلی الذین یطیقونہ الخ" کے ماتحت سب سے پہلے قرآت کا ذکر کیا ہے۔ پھر فرمایا: "فھذہ ست قرء آت" یعنی یہ چھ قرآت "یطیقون" کے معنی استطاعت اور قدرت کی طرف راجع ہیں۔ پھر اس کے بعد کہا کہ قرآت تشدید واؤ اور یا کا احتمال بھی ہو سکتا ہے جو تکلیف کے معنی میں ہے۔

"ای یتکلفونہ اویکلفونہ" اور اس کا مجاز یہ ہوگا کہ یہ طوق سے ہے جس کا معنی قلادہ (ہار) ہے۔ گویا کہ کہا گیا "مقلدون" یعنی انہوں نے دشواری ومشقت کا اپنے گلے میں ہار ڈالا ہوا ہے اور یہ کفایہ تکلیف سے ہوگا یعنی ان پر روزہ رکھنا

دشوار ہے۔ اور ان دو معانی پر علماء مفسرین نے اللہ عزوجل کے فرمان ''وعلی الذین یطیقونہ'' کو محل کیا ہے۔ پھر اس کے بعد لکھتے ہیں:

واختلفوا فقال معاذ بن جبل ٥ الخ

پھر علماء مفسرین نے اس میں اختلاف کیا اور اس اختلاف کو بیان کیا۔

اس کے بعد لکھتے ہیں ''**والظاهر من هذه الاقوال القول الاول**'' ان تمام اقوال مفسرین میں سے یہ قول اولیٰ ظاہر ہے۔ کہ یہ آیت کریمہ منسوخ ہے۔

اس کے بعد لکھتے ''**والقائلون**'' اور مفسرین حضرات یہ کہتے ہیں کہ ''**الذین یطیقونہ**'' سے مراد بوڑھے اور عاجز لوگ ہیں ان کے نزدیک یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔ یعنی مفسرین کرام نے قول اول کو ترجیح دی ہے۔

میں نے جو نقل کیا ہے ہو سکتا ہے منقول کے خلاف ہو لیکن نثار حسین بخاری کے اقوال کو مدنظر رکھتے ہوئے جو میں نے معنی کیا ہے وہ درست ہے البتہ اس کے خلاف میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ جو معنی میں نے نقل کیا وہ مراد کے قریب ہے اس لیے کہ آیت مبارکہ کے عدم نسخ کا مذہب تو صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے۔ اور ''القائلون'' اس کے خلاف ہے۔ **واللہ اعلم بالصواب۔**

ویسے بھی اگر آپ علامہ سعیدی صاحب کا یہ پورا مضمون پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ کا رجحان کیا ہے۔ سب سے پہلے آپ نے اس آیت کا معنی ہی وہ فرمایا ہے جو مذہب ابن عباس کے موافق ہے۔ پھر جو دلائل پیش کئے وہ بھی اس پر دلیل ہیں۔ پھر احناف کا مذہب نقل کیا اور صحابہ وفقہاء کے اکثرین کے مطابق اس آیت کو منسوخ قرار دیا اور یہ صرف تسلی طفل ہے ورنہ آپ کی تحریر سے بالکل واضح ہے کہ آپ ''**تتبع الرحص فی المذاھب**'' کے قائل ہیں۔

اس کے متعلق بندہ ناچیز کی کتاب ''مسئلہ تقلید کی شرعی حیثیت'' باب مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کا تعین۔ دیکھیں آپ کو معلوم ہوگا کہ مذاہب میں ''**تتبع الرخص**'' کیا ہے۔

پھر خود علامہ سعیدی صاحب نے حضرت علامہ آلوسی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر روح المعانی سے نقل فرمایا اکثر صحابہ اور فقہاء تابعین کے نزدیک یہ آیت مبارکہ منسوخ ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس آیت مبارکہ کو ''**یطوقونہ**'' پڑھا ہے۔ اس کے بعد کہا بعض علماء نے اس آیت کو قرأت متواترہ (مشہورہ) کے مطابق ''**الذین یطیقونہ**'' پڑھا ہے اور کہا یہ آیت منسوخ نہیں۔ اور اس کی توجیہہ بیان فرمائی۔

لہٰذا حضرت علامہ صاحب زید مجدہ کی پوری تحریر سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ آپ تمام مذاہب میں سیر فرما رہے ہیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ مذاہب ائمہ کو بیان کر کے ان میں ترجیح دیتے اور فرماتے مرجع مذہب فلاں ہے لیکن ایسا نہیں ایک جگہ کوئی چیز نقل کی تو دوسری جگہ کوئی اور۔

''آپ نے ''الذین یطیقونه'' کے معنی کی تحقیق میں احادیث وآثار'' کے ماتحت لکھا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک جو شخص بوجہ بڑھاپا روزہ نہ رکھ سکے وہ ایک کلو گندم فدیہ دے۔ (سنن دار قطنی)

اس کے بعد موطا امام مالک کے حوالہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ایک قول حاملہ عورت روزہ نہ رکھے اور ایک کلو گندم فدیہ دے۔ اس کے بعد طبرانی کے حوالہ سے قیس بن سائب کا اثر نقل کیا۔ انہوں نے کہا ماہ رمضان کے ہر روزہ کے عوض آدمی بدلہ میں ایک مسکین کو طعام کھلاتا ہے میری طرف سے ہر روز ایک صاع (4 کلو) طعام دو۔

اس کے بعد ''ردالمحتار'' کے حوالہ سے نصف صاع (دو کلو گندم) نقل فرمایا۔

پھر امام قرطبی کے حوالہ سے نقل کیا کہ اس پر کچھ بھی نہیں ہے۔

معلوم ہوتا ہے آپ بہت فیاض ہیں آپ کا دل یہ نہیں چاہتا ہوگا کوئی میرے فیض سے خالی رہے۔ اس لیے آپ نے مذاہب اربعہ کو نہایت پابندی کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ تاکہ متبعین مذاہب آپ سے مستفید و مستفیض ہو سکیں حتیٰ کہ آپ کے دست فیض گستر کا یہ عالم ہے کہ آپ نے منکرین آئمہ اربعہ یعنی غیر مقلدین کے سر پر بھی دست شفقت رکھا ہوا ہے مقصد یہ ہے کہ کوئی بھی آپ کے فیض سے بے مراد نہ رہے بلکہ سب کو فیض رسانی جاری رہے تاکہ وہ بھی بامراد ہو جائیں۔

پھر آپ نے امام قرطبی کے حوالہ سے آیت مبارکہ کا منسوخ ہونا تحریر فرمایا لکھتے ہیں:

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی مختار ہے۔ اور نسخ کا قول بھی صحیح ہے۔ البتہ یہ احتمال ہے کہ ''نسخ'' بمعنی تخصیص ہو (الی قوله) اس پر اجماع ہے کہ جو بوڑھے روزے کی طاقت نہیں رکھتے یا جو بہت مشقت سے طاقت رکھتے ہوں وہ روزہ نہ رکھیں اور فدیہ کے وجوب میں اختلاف ہے ربیعہ اور مالک کے نزدیک ان پر کوئی فدیہ واجب نہیں ہے۔ انتهی کلامه

(المجاہدہ مکام القرآن، جلد دوئم، ص:288-289)

اب جو آپ نے امام قرطبی کے حوالہ سے تحریر فرمایا انصاف اصل عبارت سے ظاہر گا۔

ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی فرماتے ہیں:

قلت ○ فقد ثبت بالاسانید الصحاح عن ابن عباس ان الآیة لیست بمنسوخة وانها محكمة فی حق من ذکر ○ والقول الاول صحیح ایضاً ○ الا انه یحتمل ان یکون النسخ هناك بمعنی التخصیص فکثیرا ما یطلقون النسخ بمعناه ○ الی آخره ○ والله اعلم ○

امام قرطبی فرماتے ہیں میں کہتا ہوں: حضرت ابن عباس سے اسانید صحیحہ سے ثابت ہوا کہ آیت منسوخ نہیں بلکہ جن لوگوں کے حق میں مذکور ہوئی محکم ہے۔ اور قول اول (یعنی نسخ) بھی صحیح ہے۔ البتہ یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ اس جگہ نسخ بمعنی تخصیص ہو۔ اس لیے کہ بہت دفعہ متقدمین نے نسخ کو تخصیص کے معنی کے ساتھ اطلاق کیا ہے۔ پھر

علامہ سعیدی صاحب چند سطور کے بعد فرماتے ہیں:

واجمعوا علی ان المشائخ والعجائز الذین لا یطیقون الصیام او یطیقونه علی مشقة شدیدة ان یفطروا واختلفوا فیها علیهم ٥ الخ

یعنی امام قرطبی نے فرمایا: اس پر اجماع ہے وہ بوڑھے لوگ اور بوڑھی عورتیں جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے یا بہت مشقت سے رکھتے ہیں وہ روزہ نہ رکھیں۔ اور علماء کا فدیہ کے وجوب میں اختلاف ہے۔ ربیعہ اور امام مالک نے کہا ان پر فدیہ واجب نہیں ہے۔ ہاں امام مالک نے یہ کہا اگر وہ ہر دن کے عوض مسکین کو کھانا دے دیں تو مجھے پسند ہے۔ حضرت انس بن مالک، ابن عباس، قیس بن سائب اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا: ان پر فدیہ واجب ہے اور یہی قول امام شافعی، اصحاب الرائے، امام احمد اور اسحاق کا ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اتباع کرتے ہوئے۔

یہ ہے امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ قول جس کو علامہ سعیدی صاحب زید مجدہ نے اپنی تفسیر ''تبیان القرآن'' میں نقل فرمایا۔ اب آپ لوگوں کا ذمہ ہے کہ میں نے تفسیر قرطبی کی اصل عبارت پیش کی ہے اور سعیدی صاحب نے جو اس عبارت کا فقط ترجمہ نقل کیا ہے دونوں کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے فیصلہ کریں کہ ان میں کچھ فرق ہے یا نہیں یہ فیصلہ آپ پر ہے۔

امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کی اصل نقل کرنے کے بعد واضح ہوتا ہے کہ سعیدی صاحب فن تحریف وتدلیس کے ماہر ہیں۔ دیکھیں سعیدی صاحب نے فرمایا امام قرطبی فرماتے ہیں: احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں اور یہی حضرت ابن عباس کا مختار ہے۔ امام قرطبی کی اصل عبارت یہ ہے۔

''فقد ثبت باسانید الصحاح ''یعنی حضرت ابن عباس سے اسانید صحیحہ کے ساتھ ثابت ہوا یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ سعیدی صاحب کے نزدیک اسانید اور احادیث ایک ہی چیز ہیں۔ یہ کتنی بڑی جسارت ہے جو سعیدی صاحب جیسے مقتدر عالم دین کے لیے باعث عزت نہیں۔ اسانید تو میزان احادیث ہوتی ہیں جس پر راویان حدیث کی جانچ پڑتال کی جاتی ہے کہ یہ کسی عیب میں ملوث تو نہیں اس کو فن اسماء الرجال میں جرح کہا جاتا ہے پھر اس کے بعد کسی حدیث کے صحیح وغیر صحیح ہونے کا سرٹیفکیٹ دیا جاتا ہے۔ لیکن کتنی ستم ظریفی کہ سعیدی صاحب نے اپنے مدعا کی خواہش کی تکمیل کے لیے اسانید کو احادیث قرار دے دیا اور فرمایا احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے۔ سعیدی صاحب نے نفس حدیث کو سند سے تعبیر فرمایا۔ حالانکہ آپ کا پاکستان میں مقتدر علماء کرام میں شمار ہوتا ہے وہ یہ جانتے تھے۔ اسناد کیا ہے متن حدیث کیا ہے۔ لیکن مدعا کی تکمیل نے ایسے کرنے پر مجبور کیا ہوگا۔ اس لیے آپ نے فرمایا یہی ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مختار ہے۔ یہ بھی امام قرطبی کے الفاظ نہیں بلکہ سعیدی صاحب کا اضافہ ہے۔ ہم بھی سمجھتے ہیں کہ یہ حضرت ابن عباس کا مختار ہے اس میں شک بھی نہیں لیکن کیا خوب ہوتا اگر اس کو امام قرطبی کی طرف منسوب کرنے کی بجائے اپنی طرف منسوب کر دیتے اور ان الفاظ کو قوسین میں لاتے چنانچہ اپنے کلام جامع نظام اور امام

قرطبی کے کلام میں اختلاط واقع نہ ہوتا۔ یہ ہیں وہ چیزیں جن میں آپ کمال فن رکھتے ہیں۔ جس کی بناء پر آپ یکتا ہیں۔

پھر دیکھے آپ نے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب نقل فرمایا لیکن اس کے خلاف دیگر ائمہ مذاہب کا مذہب نقل نہیں فرمایا۔

لکھتے ہیں ربیعہ اور امام مالک کے نزدیک بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت جو روزہ نہیں رکھ سکتے ان پر فدیہ نہیں ہے۔ اور اس کے بعد دیگر مذاہب کو بیان نہیں کیا۔ کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے فرمایا ان پر فدیہ واجب ہے اور یہی قول امام شافعی، اصحاب الرائے، امام احمد اور اسحاق کا ہے۔ چنانچہ علامہ سعیدی صاحب زید مجدہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب تو نقل کر دیا لیکن دیگر ائمہ مذاہب کو ترک کیا۔ یہ قرین انصاف نہیں۔

(تفسیر الجامع لاحکام القرآن، مجلد اول، جز دوم، ص: 193-194)

امام فخر الرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(القول الثانی) وهو قول اکثر المفسرین ان المراد من قوله "وعلی الذین یطیقونه" المقیم الصحیح فخیره الله اولاً بین هذین ثم نسخ ذالك واوجب الصوم علیه مضیقاً معیناً۝

(تفسیر کبیر، ج5، ص: 79، الطبعۃ الثانیہ دار الکتب العلمیہ طہران)

(دوسرا قول) اور یہ اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اللہ عزوجل کے فرمان "وعلی الذین یطیقونه" سے مراد مقیم اور صحیح آدمی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اولاً ان دونوں کو (روزہ رکھنے یا نہ رکھنے) کے درمیان اختیار دیا پھر یہ آیت مبارکہ منسوخ ہوگئی اور اس پر روزہ سختی سے معین کر دیا۔

اس کے بعد لکھتے ہیں: تمام مفسرین کرام کا اس پر اجماع ہے کہ بوڑھا آدمی جب روزہ نہ رکھے تو اس پر فدیہ ہے۔ حاملہ اور دودھ پلانے والی جب روزہ نہ رکھیں تو کیا ان پر فدیہ ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان پر فدیہ ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ان پر فدیہ واجب نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وعلی الذین یطیقونه فدیة" یہ حکم حاملہ اور دودھ پلانے والی کو بھی شامل ہے اور ان پر فدیہ بھی واجب ہے۔ جیسا کہ بوڑھے شیخ پر فدیہ واجب ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے درمیان فرق کیا ہے۔ اور فرمایا کہ بوڑھا شخص اس پر روزہ کا قضا کرنا ممکن نہیں تو فدیہ واجب ہوا۔ اور حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت تو ان دونوں پر قضا واجب ہے۔ اور اگر ہم ان دونوں پر فدیہ بھی واجب کر دیں تو یہ دو بدلوں کا جمع کرنا ہوگا اور یہ جائز نہیں۔ اس لیے کہ قضاء بھی روزہ کا بدل ہے اور فدیہ بھی روزہ کا بدل ہے۔ چنانچہ حاملہ اور دودھ پلانے والی پر صرف قضاء ہے فدیہ نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

امام حافظ الدین عبد اللہ بن احمد نسفی اپنی تفسیر "مدارک التنزیل وحقائق التاویل"

تفسیر مدارک کے متعلق صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے: یہ کتاب تاویلات میں وسط ہے وجوہ اعراب اور قرآت کی

جامع ہے۔ اور علم بدیع واشارات کے دقائق کو متضمن ہے۔ اہل سنت وجماعت کے حال کو بیان کرنے والی اور اہل بدعت وضلالت کے اباطیل سے خالی ہے۔

(کشف الظنون، جلد دوئم، ص:1640، مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کراچی)

"وعلى الذين يطيقونه" وعلى المطيقين للصيام لا عذرلهم ان افطروا "فدية طعام مسكين" نصف صاع من برأ وصاع غيره ۝ الخ

اللہ تعالیٰ کے فرمان: "وعلى الذين يطيقون" یعنی روزہ کی طاقت واستطاعت رکھنے والوں پر جو معذور نہیں اگر انہوں نے روزہ افطار کر دیا تو ان پر "ایک مسکین کا کھانا فدیہ ہے" گندم کا نصف صاع (2 کلو) جو یا کھجور وغیرہ ایک صاع (4 کلو) اور طعام فدیہ سے بدل ہے۔ اور یہ ابتدائے اسلام میں تھا ان پر ماہ رمضان کا روزہ فرض ہوا اور وہ اس کے عادی نہیں تھے تو ان کے لیے روزہ رکھنا سخت دشوار ہوا تو انہیں روزہ رکھنے اور فدیہ دینے میں رخصت دی گئی۔ پھر یہ اختیار اللہ عزوجل کے اس فرمان "فمن شهد منكم الشهر فليصمه" سے منسوخ ہو گیا۔ اور اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے قول "فمن كان منكم مريضاً او على سفر" کا تکرار فرمایا۔ کیونکہ جب وہ منسوخ کے ساتھ مذکور تھا تو ناسخ کے ساتھ بھی اس کا ذکر کیا۔ تاکہ اس حکم کے باقی رہنے پر دلالت کرے۔

دو عظیم مفسرین امام فخر الدین رازی اور نسفی رحمہما اللہ کے قول سے ثابت ہوا کہ یہ آیت "جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں وہ ایک مسکین کا فدیہ دیں" منسوخ ہے جس پر اکثر مفسرین عظام کا اجماع واتفاق ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ فدیہ کی مقدار 2 کلو گندم ہے یا چار کلو جو یا کھجور۔ (تفسیر مدارک التنزیل، جلد اول، ص:93-94)

صاحب تفسیر احمدیہ فرماتے ہیں:

واما مسئلة الشيخ الفاني ففي قوله تعالى "وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين" وهو يحتمل معنيين ۝ احدهما ۝ الخ (تفسير احمدی، ص:50)

شیخ فانی کا مسئلہ تو اللہ تعالیٰ کا فرمان: "وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين" یہ دو معانی کا احتمال رکھتا ہے۔ ان میں سے ایک یہ کہ معطوف ہو یا شرط محذوف ہو۔ یعنی "وعلى الذين يطيقونه" ولا يصومونه۔ ان لوگوں پر جو طاقت رکھتے ہیں اور وہ روزہ نہیں رکھتے۔ یا "على الذين يطيقونه" ان لم يصوموا" ان لوگوں پر روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں اگر چہ وہ روزہ نہ رکھیں۔ ایک مسکین کو کھانا دینا فدیہ ہے۔ اور یہ ابتدائے اسلام میں تھا کہ ان پر روزے فرض ہوئے اور وہ روزہ رکھنے کے عادی نہ تھے۔ تو ان کو افطار اور فدیہ میں رخصت دی گئی۔ پھر تخییر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: "فمن شهد منكم الشهر فليصمه" سے منسوخ ہو گئی۔ اور اس کے بعد جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں اور وہ روزہ نہیں رکھتے ان پر کفارہ اور قضاء لازم ہے فدیہ نہیں۔

اور دوسرا معنی یہ کہ اس میں حرف ''لا'' محذوف ہو اور یہ فصحاء کے استعمال میں بکثرت واقع ہوا ہے۔ اور معنی یہ ہوگا ''وعلى الذين لايطيقون'' یعنی جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ وہ ہر دن کے عوض ایک مسکین کا کھانا دیں۔ تو یہ آیت کریمہ بوڑھے آدمی کے حق میں ہوگی اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حامل اور مرضعہ کے حق میں بھی۔

اور ''لا'' کے محذوف کے متعلق قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی نقل بھی ملاحظہ فرمائیں۔

"وعلى الذين يطيقونه" يعنى الصوم "فدية" قال البغوى اختلف العلماء فى تاويل هذه الآية وحكمها فذهب اكثرهم الى ان الآية منسوخة وهو قول ابن عمر وسلمة ابن الاكوع وغيرهما وذالك انهم كانوا فى ابتداء الاسلام مخيرين بين ان يصوموا وبين ان يفطروا ويفتدوا ٥ (تفسیر مظہری، جلد اول، ص: 191-192، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں (اللہ عزوجل کا فرمان) ان لوگوں پر جو طاقت رکھتے ہیں یعنی روزہ رکھنے کی فدیہ ہے۔

امام بغوی نے کہا علماء عظام کا اس آیت مبارکہ کی تاویل اور حکم میں اختلاف ہے۔ اور اکثر مفسرین کرام اس طرف گئے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ منسوخ ہے۔ اور یہ حضرت ابن عمر، سلمہ بن اکوع وغیرہما رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔ اور یہ اس لیے کہ وہ ابتداء اسلام میں روزہ رکھنے اور نہ رکھنے اور فدیہ دینے میں اختیار دیئے گئے اور یہ اختیار ان کو اللہ عزوجل نے دیا تھا تاکہ ان پر مشقت نہ ہو کیونکہ وہ روزے رکھنے کے عادی نہ تھے۔ پھر یہ اختیار منسوخ ہوگیا۔ اور اللہ عزوجل کے اس قول ''**فمن شهد منكم الشهر فليصمه**'' کے ساتھ عزیمت نازل ہوئی۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں اس تقدیر پر مریض اور مسافر اس وقت تین امور میں اختیار دیئے گئے تھے۔ روزہ، فطر بنیتِ قضاء اور فدیہ پھر جب فدیہ منسوخ ہوگیا تو ان دونوں کے لیے روزہ اور قضا کے درمیان تخییر باقی رہ گئی۔ اور حضرت قتادہ بن دعامہ نے کہا یہ آیت مبارکہ بوڑھے شخص جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہے لیکن اس پر دشوار ہے اس کے لیے خاص ہے اور اس کو روزہ رکھنے اور فدیہ دینے کی رخصت دی گئی۔ پھر بالعزیمت روزہ رکھنے کے ساتھ یہ رخصت منسوخ ہوگئی۔ اور امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا یہ رخصت اس مریض کے حق میں تھی جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہو تو اس کو روزہ رکھنے اور روزہ نہ رکھنے اور فدیہ دینے میں اختیار دیا گیا۔ جو منسوخ ہوگیا۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں ان تمام اقوال پر نص قرآن سے بوڑھے آدمی جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا اس کا حکم ثابت نہیں۔ اس جگہ امام شافعی و مالک رحمہما اللہ نے اپنے ایک قول میں کہا بہت بوڑھے آدمی کے لیے بوجہ عجز روزہ نہ رکھنا جائز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''**لايكلف الله نفسا الا وسعها**'' اور اس پر فدیہ واجب نہیں کیونکہ فدیہ کے وجوب کے لیے دلیل کا ہونا ضروری ہے۔ اور غیر معقول مثل رائے سے ثابت نہیں ہوتی۔

اور ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ یہ آیت مبارکہ منسوخ نہیں اور اس کا معنی ہے جو لوگ جوانی کی حالت میں روزہ رکھتے تھے اور بڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے سے عاجز ہو گئے ان پر روزہ کے عوض فدیہ ہے۔ اور یہ تاویل نظم قرآن کے مناسب وموافق نہیں ہے۔ اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے اس آیت میں ''لا'' مقدر ہے۔ ''علی الذین ''لا'' یطیقونہ'' ہے۔ یعنی جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں تقدیر ''لا'' بھی بعید ہے اس لیے کہ وہ ظاہر عبارت کی ضد ہے اور یہ تو ایجاب کو سلب بنانا ہے۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں: اگر کہا جائے کہ مذہب امام ابوحنیفہ، احمد اور امام شافعی کے اصح مذہب پر شیخ فانی پر روزہ کی جگہ فدیہ واجب ہے اور حضرت سعید بن جبیر نے بھی یہی فرمایا اور تمام اقوال کا معنی یہی آیہ مبارکہ ہے۔ اگر یہ تاویل (یعنی تبقدیر ''لا'') جس سے تم راضی نہیں تو بوڑھے شخص اور مریض جس کو شفاء کی امید نہیں ان پر وجوب فدیہ کس دلیل سے کہتے ہو۔

قاضی صاحب فرماتے: میں کہتا ہوں ''واللہ اعلم'' تاویل پہلی ہی ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ ابتدائے اسلام میں جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے تھے ان کے لیے روزہ رکھنے یا روزہ نہ رکھنے اور فدیہ دینے میں اختیار تھا۔ اور دلالت النص کے ساتھ بطریق اولیٰ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے ان کے لیے فدیہ دینا ثابت ہوا۔ اس لیے کہ جب اللہ عزوجل نے روزہ رکھنے والوں کے لیے اپنے فضل اور ان پر آسانی کرتے ہوئے اختیار عطا فرمایا تو یہ تغییر جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے بدرجہ اولیٰ ہوگی۔ اس لیے میں نے کہا تھا کہ مریض اور مسافر یہاں تین امور میں رخصت دیئے گئے ہیں۔ پھر جب یہ آیت ''فمن شهد منكم الشهر فليصمه'' نازل ہوئی۔ تو پہلی آیت منسوخ ہو گئی۔ تو ان لوگوں کے حق میں جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے تھے فدیہ منسوخ ہو گیا حالاً۔ اور ان لوگوں کے حق میں جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے تھے مریض جس کو شفا کی امید ہو اور مسافر مآلاً۔ ان پر قضا ہے فدیہ نہیں۔ تو روزہ کا ادا کرنا یا قضاء کرنا ان کے حق میں حتمی ہو گیا۔ اور باقی رہ گئے وہ لوگ جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے نہ حالاً اور نہ مآلاً۔ تو ان پر فدیہ دلالت النص سے ثابت ہوا اس لیے کہ وہ اللہ عزوجل کے اس فرمان ''فمن شهد منكم الشهر'' یعنی صحیح ہو مقیم ہو میں داخل نہیں کہ وہ اس کا روزہ رکھتے اور جو مریض شفاء کا امیدوار ہو اور مسافر وہ دوسرے دنوں کی گنتی کریں۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں: ہم نے جو مریض کے ساتھ شفاء کی امید کی قید لگائی ہے یہ دلیل عقل سے ہے۔ کیونکہ جس کو شفاء کی امید نہیں اس کو روزہ قضاء کی تکلیف۔ تکلیف مالا یطاق، تکلیف مالا یطیق ہے یعنی جس کی وہ طاقت نہیں رکھتا (یعنی قضائے روزہ) یہ اس کے لیے تکلیف ہے۔

اور جس حکم کا عبارۃ النص سے منسوخ ہونا ثابت ہے۔ یہ جو حکم دلالۃ النص سے ثابت ہے اس کے منسوخ ہونے کی دعوت نہیں دیتا۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تصریح کا ماحصل یہ ہے کہ بوڑھے شخص اور مریض جس کو شفاء کی امید نہ ہو اور وہ

روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں تو دلالت النص سے یہ ثابت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں اور ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلائیں اور جس حکم کا عبارت النص سے منسوخ ہونا ثابت ہے ضروری نہیں کہ جو حکم دلالت النص سے ثابت ہے وہ بھی منسوخ ہو۔

''یعنی والذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین'' کا دوسری آیت ''فمن شھدمنکم الشھر فلیصمہ'' سے منسوخ ہونا ثابت ہے تو پہلی آیۂ مبارکہ سے جو حکم بوڑھے شخص اور مریض جس کو شفاء کی امید نہ ہو وہ روزہ نہ رکھیں اور فدیہ دیں جو دلالت النص سے ثابت ہے۔ ضروری نہیں کہ ''فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ'' سے یہ بھی منسوخ ہو۔

اب جبکہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح سے ثابت ہوا کہ بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت اور مریض جس کو شفاء کی امید نہ وہ روزہ نہ رکھیں اور فدیہ دیں یہ دلالت النص سے ثابت ہے۔ پھر اس آیۂ کریمہ میں صرف ''لا'' کے محذوف کی تاویل اور قرآت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق یطوقونہ۔ بمعنی یکلفوفہ۔ یا یتطوقونہ بمعنی یتکلفونہ۔ یعنی جو بوڑھے لوگ دشواری سے روزہ رکھتے ہوں۔ وغیرہ کی تاویل کی کیا ضرورت ہے۔ جس کو ثابت کرنے کے لیے حضرت علامہ غلام رسول سعیدی صاحب زید مجدہ نے تمام زور اس پر صرف فرمایا حتیٰ کہ مفسرین کرام کی عبارات میں تحریف اور قطع و برید بھی کی اور اس آیۂ کریمہ کے عدم نسخ پر دلائل وافرہ نقل فرمائے۔

اس کے متعلق محدثین کرام کے اقوال:

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ: حدیث ابن نمیر کہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے کہا ہم سے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان کیا کہ ماہ رمضان نازل ہوا تو ان پر روزہ رکھنا دشوار ہوگیا اور جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا تھا وہ ہر دن کے عوض ایک مسکین کا کھانا کھلا دیتا اور روزہ نہ رکھتا اور صحابہ کرام کو اس میں رخصت تھی تو ''ان تصوموا خیر لکم'' نے اس کو منسوخ کر دیا اور روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا۔

اس حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں:

و طریق ابن نمیر ھذہ روجھاo (فتح الباری، جلد 4، ص:188، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

یعنی عبداللہ بن نمیر کا یہ طریق تمام طرق سے ارجح ہے۔ معلوم ہوا پہلی آیت کا منسوخ ہونا ارجح ہے۔

کتاب التفسیر میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول ''ھی منسوخۃ'' کے ماتحت فرماتے ہیں:

ھو صریح فی دعوی النسخ ورجحہ ابن المنذر من جھۃ قولہ ''وان تصوموا خیر لکم'' الخ

(فتح الباری، جلد 8، ص:181، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یعنی حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ دعویٰ نسخ میں صریح ہے۔ اور ابن منذر نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''تمہارے لیے روزہ رکھنا بہتر ہے'' کی جہت سے اس دعویٰ نسخ کو ترجیح دی ہے۔ اور حدیث مسلم بن اکوع ''حدیث

نمبر:4507 ‘‘ کے ماتحت لکھتے ہیں یہ حدیث بھی دعویٰ نسخ میں صریح ہے۔اور اس سے بھی صریح حدیث وہ ہے جو عبدالرحمٰن بن ابی لیلی سے مروی ہے جو اس سے قبل مذکور ہے۔

سیدی محمد زرقانی مالکی رحمۃ اللہ علیہ شرح مؤطا حدیث سعید بن جبیر،692، کے ماتحت لکھتے ہیں:

وقد اختلف فی قولہ تعالٰی ’’وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین‘‘ فقال ابن عمر عند البخاری ھی منسوخۃ ۰ وفی الصحیحین عن سلمۃ ابن الاکوع لما نزلت ھذہ الآیۃ ’’وعلی الذین یطیقونہ‘‘ کان من شاء صام ومن شاء افطر ۰ الخ

(شرح الزرقانی علی المؤطا، جلد دوئم، ص:193، مطبوعہ دار الفکر)

علماء کا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ’’اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں‘‘ میں اختلاف ہے۔اور امام بخاری کے نزدیک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول منسوخ ہے۔اور بخاری ومسلم میں حضرت مسلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت کہ جب یہ آیت مبارکہ ’’وعلی الذین یطیقونہ‘‘ نازل ہوئی تو جس کا دل چاہتا روزہ رکھتا اور جس کا دل نہ چاہتا وہ روزہ نہ رکھتا اور فدیہ دے دیتا۔حتیٰ کہ اس کے بعد والی آیت نازل ہوئی۔اور اس نے پہلی آیت کو منسوخ کر دیا۔

قاضی عیاض نے فرمایا: جمہور اس طرف گئے ہیں۔پھر علماء کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ کیا اس آیت سے کوئی ایسی چیز ہے جو منسوخ نہیں ہوئی۔تو حضرت ابن عمر اور جمہور سے مروی ہے کہ بوجہ بڑھاپا جو شخص روزہ نہیں رکھ سکتا اس کے فدیہ کا حکم باقی ہے۔پھر علامہ زرقانی چند سطور کے بعد فرماتے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:’’یطیقونہ‘‘ میں ضمیر طعام کی طرف راجع ہے۔نہ کہ صوم کی طرف پھر یہ منسوخ ہو گیا چنانچہ یہ آیت ان کے نزدیک عام ہے۔خاص نہیں۔

اعتراض:

اگر حضرت سعیدی صاحب زید مجدہ یہ اعتراض کریں کہ احناف کے نزدیک یہ آیت مبارکہ منسوخ نہیں ہے۔کیونکہ ابن ہمام نے شرح ھدایہ میں امام مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول ’’ولا صل فیہ وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین قیل معناہ لا یطیقون ‘‘یعنی شیخ فانی جو روزہ رکھنے پر قدرت نہیں رکھتا وہ روزہ نہ رکھے اور ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلائے جیسا کہ کفارات میں کھانا دیا جاتا ہے اس کی اصل اللہ عزوجل کا فرمان ہے۔جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں وہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں۔کہا گیا ہے اس کا معنی ہے جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے (جیسے شیخ فانی) وہ اپنے روزہ کا فدیہ دیں۔

صاحب ھدایہ کے اس قول کے ماتحت فرمایا:

ولنا ماروی عن ابن عباس رضی الله عنهما یقرأ "وعلی الذین یطیقونه فدیة طعام مسکین" قال ابن عباس رضی الله عنهما لیست بمنسوخة٥ الخ

(فتح القدیر، جلد دوئم، ص: 277، مطبوعہ مکتبہ رشیدہ کوئٹہ)

ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ آیت مبارکہ "وعلی الذین یطیقونه الخ" پڑھتے ہوئے سنا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ آیت مبارکہ منسوخ نہیں ہے۔ اور یہ آیت مبارکہ بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت کے حق میں ہے۔ جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ وہ روزہ نہ رکھیں اور ہر دن کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔ اس کو بخاری نے روایت کیا اور یہ حدیث حضرت علی بن ابی طالب، ابن عباس، ابن عمر وغیرہم صحابہ کرام سے مروی ہے۔ اور کسی سے اس کا خلاف مروی نہیں اور یہ اجماع ہے۔ اور اگر ان میں سے کسی نے اس حدیث کے خلاف روایت کی ہے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول مقدم ہوگا۔ کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ اس میں سے ہے کہ یہ رائے سے نہیں کہا سکتا بلکہ سماع سے ہی کہا جاسکتا ہے کیونکہ یہ ظاہر قرآن کے مخالف ہے اس لیے کہ کتاب اللہ کی نظم میں یہ مثبت ہے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے صرف نفی "لا" کی تقدیر کے ساتھ اس کو نفی بنایا اور یہ صرف سماع سے ہی ہوسکتا ہے۔

اعتراض کا جواب:

میں کہتا ہوں علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کو قرآت شاذہ "یطوقون" پر محمول نہیں کیا بلکہ بتقدیر صرف نفی "لا" پر محمول فرمایا۔ میرا کہنا یہ تھا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرآت شاذہ کے مطابق یہ آیت منسوخ نہیں، کا قول صحیح نہیں اس لیے کہ قرآت شاذہ قرآن نہیں اور نہ ہی حدیث ہے۔ جیسے کہ آپ نے اس کا ترجمہ فرمایا ہے۔ اور میں بحمدہ تعالیٰ ابن ہمام کے قول کو مفروضہ اور نظریہ قرار نہیں دوں گا جیسا کہ جناب نے جوف معدہ اور جوف دماغ کے درمیان منفذ (راستہ) کو حضرت علماء کرام رحمہم اللہ علیہم کے قول کو مفروضہ اور نظریہ قرار دیا ہے۔ میں ابن ہمام کے قول کو مانتا ہوں۔ کیونکہ آپ نے ایک حدیث سے استدلال فرمایا ہے اور یہ آپ کی تحقیق ہے مفروضہ ونظریہ نہیں۔ میں یہ کہتا ہوں یہ احناف کا متفق علیہ قول نہیں ہے بلکہ اکثرین احناف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو تسلیم نہیں کرتے جیسا کہ "الاحکام" میں ابوبکر جصاص، "روح المعانی" میں علامہ سید محمود آلوسی، "مدارک" میں علامہ نسفی اور تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے فرمایا اکثر صحابہ کرام اور فقہاء تابعین کے نزدیک یہ آیت مبارکہ منسوخ ہے۔ پھر علامہ حصکفی نے در مختار میں اور علامہ ابن عابدین نے رد المحتار میں۔ پھر بدر المنتقی فی شرح الملتقی میں، صاحب فتاویٰ قاضی خان نے فتاویٰ قاضی خان میں اور ابن نجیم نے بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں اس کا ذکر نہیں کیا۔ بلکہ صاحب عنایہ امام اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی متوفی 786ھ نے عنایہ شرح ہدایہ (علی هامش فتح القدیر) میں لکھا ہے۔

فان قيل روى عن الشعبى رحمه الله انه قال لما نزل قوله تعالىٰ "وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين" كان الاغنياء يفطرون ويفدون والفقراء يصومون بناء على ان فى بدء الاسلام۔ الخ

اگر کہا جائے امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا گیا ہے کہ جب اللہ عزوجل کا یہ فرمان: "وعلى الذين يطيقونه" نازل ہوا تو اغنیاء روزہ نہ رکھتے اور فدیہ دے دیتے۔ اور فقراء روزہ رکھتے۔ یہ اس بناء پر تھا کہ ابتدائے اسلام میں آدمی روزہ رکھنے اور روزہ نہ رکھنے میں اختیار دیا گیا تھا پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "فمن شهد منكم الشهر فليصمه" سے منسوخ ہو گیا۔ اور منسوخ سے استدلال جائز نہیں۔ علامہ بابرتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کا جواب یہ ہے اگرچہ یہ آیت بوڑھے آدمی کے حق میں آئی ہے جیسا کہ بعض سلف اس طرف گئے ہیں تو یہ ظاہر ہے۔ اور اگر یہ آیت مبارکہ تغییر کے جواز میں نازل ہوئی ہے تو پھر بھی یہ مسئلہ اس طرح ہے کہ بوڑھا آدمی روزہ نہ رکھے اور فدیہ دے اس لیے کہ منسوخ ہونا صرف اس شخص کے حق میں ہے جو روزہ رکھنے پر قادر ہے۔ تو شیخ فانی اپنے حال پر ہی رہا جیسا کہ ہے۔

علامہ محمد بن محمود بابرتی کے قول کے مطابق آیت مبارکہ کا عدم نسخ میں بعض سلف کا قول ہے (اکثر سلف اس کے خلاف ہیں)۔

چنانچہ میں نے ابن ہمام ابوحنیفہ ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی مخالفت نہیں کی۔ وہ خود بھی یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ظاہر قرآن کے مخالف ہے کیونکہ کتاب اللہ کی نظم میں یہ مثبت ہے میں بھی یہی کہتا ہوں جیسا کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر صرف نفی "لا" کو مقدر مان لیا جائے تو نظم کتاب اور ایجاب سے سلب ہو جائے گی۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے فرمان کو ظاہر پر محمول میں رکھا جائے تو بھی اس آیہ کریمہ سے بدلالت النص شیخ فانی کا فدیہ ثابت ہے اور جس حکم کا عبارت النص سے منسوخ ہونا ثابت ہے ضروری نہیں کہ جو حکم دلالت النص سے ثابت ہے وہ بھی منسوخ ہو۔ چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ اس آیہ مقدسہ سے بوڑھے آدمی اور بوڑھی عورت جو آئندہ روزہ نہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں ان کا فدیہ اس آیہ کریمہ سے ثابت ہے لہٰذا اس اعتبار سے ہم ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف نہیں کیونکہ وہ بھی شیخ فانی پر فدیہ قرآن سے ثابت کرتے ہیں اور ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ شیخ فانی پر فدیہ دلالت النص سے ثابت ہے تو اختلاف نہ رہا۔ کیونکہ اصل مسئلہ تو شیخ فانی کے فدیہ کا ہے جس سے امام مالک اور قدیم قول میں امام شافعی اور امام طحاوی حنفی انکار کرتے ہیں اور کہتے کہ شیخ فانی اس مریض کے مشابہ ہے جو اس دنیا سے رخصت ہو گیا جس طرح اس پر فدیہ نہیں اسی طرح شیخ فانی پر بھی فدیہ نہیں۔ اور ہم بحمدہ تعالیٰ شیخ فانی کے فدیہ کے واجب ہونے کے قائل ہیں اور دلالت النص سے یہ فدیہ ثابت ہے اس لیے ہم احناف کے خلاف نہیں۔ ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرآت شاذہ کے اعتبار سے اس آیہ کریمہ کو منسوخ نہ ماننا

احناف کے خلاف ہے کیونکہ قرآت شاذہ قرآن نہیں اس کے متعلق انشاء اللہ عنقریب علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کا قول پیش کروں گا۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت پر اجماع ہے تو یہ اجماع حکمی ہے اس لیے کہ جملہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین عدول ہیں ان میں سے چند کا قول بھی ہمارے لیے اجماع حکمی ہی ہے۔ ورنہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن نمیر کے طریق سے حدیث جو حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت کی ہے وہ اس باب میں سب سے زیادہ مرجح ہے۔ اسی لیے حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ابن نمیر کا طریق ارجم ہے۔ کیونکہ ابوداؤد نے بھی اپنی سند کے ساتھ اس حدیث کی روایت کی ہے اور ان کے طرق میں مقال ہے۔ اور عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے متعلق حافظ مزی نے تہذیب الکمال میں اور حافظ عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کا تعلق طبقہ دوئم سے ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے اوائل میں پیدا ہوئے۔ اور انہوں نے صرف انصار میں سے ایک سو بیس صحابہ کرام کو پایا ہے اور انصار سے علاوہ بھی آپ نے کئی صحابہ کرام کو پایا ہوگا۔

(تہذیب التہذیب، جلد 6، ص:260، طبع اولیٰ مجلس دائرۃ المعارف نظامیہ حیدرآباد ہندوستان، تہذیب الکمال، جلد 6، ص:253، دارالکتب العلمیہ بیروت)

امام بخاری نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی جو حدیث روایت کی ہے وہ یہ ہے۔

وقال ابن نمیر حدثنا الاعمش حدثنا عمرو بن مره حدثنا اصحاب محمد (صلی اللہ علیه وآلہٖ وسلم) نزل رمضان فشق علیهم فکان من اطعم کل یوم مسکیناً ترك الصوم من یطیقه ورخص لهم فی ذالك فنسختها "وان تصوموا خیر لکم" فامرو بالصوم

(فتح الباری، جلد 4، ص:178، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)

ابن نمیر (عبداللہ) نے کہا ہم سے اعمش نے بیان۔ انہوں نے کہا ہم سے عمرو بن مرہ نے بیان کیا انہوں نے کہا ہم سے ابن ابی لیلیٰ (عبدالرحمٰن) نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا ہم سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب نے بیان کیا کہ رمضان نازل ہوا تو لوگوں پر اس کے روزے رکھنا دشوار ہوئے۔ ان میں سے کوئی ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیتا اور روزہ چھوڑ دیتا۔ اور ان کو اس میں رخصت دی گئی تھی۔ تو اس آیت ''وان تصوموا خیر لکم'' نے منسوخ کر دیا اور صحابہ کرام کو روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا۔

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ اس نسخ کو اصحاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ثابت کر رہے ہیں۔ آپ نے صحابہ کرام میں کسی ایک یا چند کی تخصیص و تعیین نہیں کی۔ بلکہ کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب نے یہ بیان کیا تو ظاہر حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ ان کو بیان کرنے والے صحابہ کرام کی تعداد بہت زیادہ ہے اگر زیادہ نہ سہی تو ایک سو بیس 120 صحابہ کرام کا اجماع تو ثابت ہے۔

اس سے بڑھ کر اور کونسی دلیل اقوی وارجح ہو سکتی ہے کہ آیت مبارکہ ''وعلی الذین یطیقونہ'' منسوخ نہیں ہے۔

اس لیے اس آیت مبارکہ کے منسوخ ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہ جاتا چنانچہ یہ آیت مبارکہ منسوخ ہے اور شیخ فانی کے فدیہ کا وجوب دلالت النص سے ثابت ہے اور یہی احناف کا مذہب ہے اور ہم اسی مذہب کے متبع ہیں۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں فرماتے ہیں:

قولہ "نسختها" اور کتاب التفسیر میں ہے "لما نزلت" وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين" كان من اراد ان يفطر وافتدى ٥حتى نزلت آية التي بعد ها فنسختها ٥وقد اختلف السلف في قوله عزوجل "وعلى الذين يطيقونه" فقال قوم انها منسوخة٥ الخ

(عمدۃ القاری، جلد 11، ص: 51، مطبوعہ مکتبہ رشیدہ، 1401ھ)

اور جب یہ آیت مبارکہ "وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين" نازل ہوئی تو جو روزہ رکھنا چاہتا وہ روزہ رکھتا۔ اور فدیہ دے دیتا۔ حتیٰ کہ اس کے بعد والی آیت نازل ہوئی تو اس نے اس کو منسوخ کر دیا۔

اور علماء سلف کا اللہ تعالیٰ کے فرمان: "وعلى الذين يطيقونه" میں اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے کہا یہ آیہ مبارکہ منسوخ ہے۔ اور انہوں نے حدیث مسلمہ بن اکوع، ابن عمر اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے استدلال کیا ہے اور علقمہ، نخعی، حسن بصری، شعبی اور ابن شہاب کا یہی قول ہے چنانچہ ان کی قرآت "یطیقون" اور باب افعال۔ یہ آیت منسوخ ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قرآت "یطوقونہ۔ یایطیقونہ" پر یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں ہے۔

پھر بوڑھا آدمی یا بوڑھی عورت جب روزہ رکھنا ان کو مشقت میں ڈالے اور ان پر روزہ نہایت دشوار ہو تو ان کے لیے رخصت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں اور ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔ یہ حضرت علی، ابن عباس، ابوہریرہ، انس بن مالک، سعید بن جبیر، طاؤس، ابوحنیفہ، ثوری، اوزاعی اور احمد بن حنبل کا قول ہے۔ (یعنی جب وہ روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں تو وہ فدیہ دیں) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس پر کچھ بھی نہیں۔ اس لیے کہ اگر شیخ فانی نے عاجز ہونے کی وجہ سے روزہ ترک کیا ہے تو اس پر فدیہ واجب نہیں یہ اسی طرح ہے جیسے کہ اس نے مرض کی وجہ سے روزہ ترک کیا جس کے بعد وہ فوت ہو گیا۔ اور یہ ربیعہ، ابوثور، داؤد سے مروی ہے کہ اس پر فدیہ واجب نہیں۔ اور امام طحاوی اور ابن منذر کا بھی یہی مختار ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس میں دو قول ہیں۔ ان کے قدیم قول میں ان پر روزہ واجب نہ ہونے کی وجہ سے فدیہ واجب نہیں۔ اور دوسرا قول جدید ہے کہ اس پر ہر دن کے بدلے ایک "مد" 1 کلو، کھانا واجب ہے۔ اور "بویطی" نے کہا یہ فدیہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔ اگر اللہ عزوجل شیخ فانی کو روزہ رکھنے کی قوت عطا فرما دے یہاں تک کہ وہ فدیہ دینے کے بعد روزہ رکھنے پر قادر ہو جائے تو فدیہ کا حکم باطل ہو جائے گا۔ اور ہمارے احناف کی کتب میں مسطور ہے اگر اس نے ماہ رمضان کے روزہ کو جو قضاء ہیں مؤخر کیا حتیٰ کہ دوسرا ماہ رمضان آ گیا۔ تو وہ پہلے ماہ رمضان جو موجود ہے اس کے روزے رکھے کیونکہ یہ ان کا

وقت ہے پھر اس کے بعد پہلے رمضان کے قضاء روزے رکھے کیونکہ یہ وقت قضاء کا ہے اور اس پر فدیہ نہیں۔ سعید بن جبیر اور قتادہ نے کہا وہ فدیہ دے اور قضاء نہ کرے۔

مسئلہ:

رمضان کے قضاء روزے اگر چاہے تو متفرق رکھے اور اگر چاہے تو پے در پے رکھے۔ اس طرف امام شافعی اور مالک گئے ہیں۔ اور شرح مہذب میں ہے اگر اس نے ماہ رمضان کے قضاء روزے بلا ترتیب یا متفرق رکھے تو ہمارے نزدیک جائز ہے اور یہی جمہور کا قول ہے۔ کیونکہ اسم روزہ کا اطلاق سب پر واقع ہوتا ہے۔ اور تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح، معاذ بن جبل، ابو ہریرہ، رافع بن خدیج، انس بن مالک، عمرو بن عاص، عبیدہ سلمانی، قاسم، عبید بن عمیر، سعید بن میتب، ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن، ابو جعفر محمد بن علی بن حسین، سالم، عطاء، ابو میرہ، طاؤس، مجاہد، عبد الرحمٰن بن اسود، سعید بن جبیر، حسن، ابو قلابہ، ابراہیم نخعی، حاکم عکرمہ، عطاء بن یسار، ابو الزناد، زید بن اسلم، قتادہ، ربیعہ، مکحول، ثوری، مالک، اوزاعی، حسن بن صالح، شافعی، احمد، اسحاق، رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان سب حضرات کا یہی قول ہے کہ ماہ رمضان کے قضاء روزے متفرق (جدا جدا) رکھے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ دار قطنی نے صحیح سند کے ساتھ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت "فعدة من ایام اخر "متتابعات، نازل ہوئی پھر "متتابعات" ساقط ہو گیا۔ مراد یہ ہے کہ اس آیت میں بوقت نزول متتابعات (یعنی پے در پے متواتر روزے رکھنا) تھا پھر ساقط ہو گیا۔

یعنی ماہ رمضان روزوں کے قضاء، روزوں کے پے در پے رکھنا واجب ہے۔ جیسا کہ ابن حزم کا قول ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ابن قدامہ نے کہا ہمارے نزدیک اس کا صحیح ہونا ثابت نہیں (یعنی اس آیت کے نزول کے وقت "متتابعات" بھی نازل ہوئی) اور اگر یہ صحیح ہو تو ہم اس کو استحباب یا افضلیت پر محمول کرتے ہیں۔ نہ کہ وجوب پر۔ اور بعض نے کہا اگر "متتابعات" ثابت ہو جائے تو یہ لفظاً وحکماً منسوخ ہوگا اسی لیے کہ قراء شاذہ میں سے کسی نے "متتابعات" نہیں پڑھا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح:

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم کی شرح نووی میں آیت مبارکہ "والذین یطیقونہ" کے متعلق نہایت مفصل لکھا ہے۔

قال القاضی عیاض اختلف السلف فی الاولی ھل ھو محکمة او مخصوصة او منسوخة کلھا او بعضھا فقال الجمھور منسوخة لقول مسلمة رضی اللہ عنہ ○ الخ

(نووی شرح مسلم، جلد اول، ص: 361، مطبوعہ اصح المطابع دہلی، 1349ھ)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے کہا علماء کرام نے پہلی آیت مبارکہ "والذین یطیقون" میں اختلاف کیا ہے کیا یہ محکم ہے یا مخصوص ہے یا سب کی سب منسوخ ہے یا آیہ کریمہ کا بعض منسوخ ہے۔ جمہور کا قول ہے حضرت مسلمہ بن

اکوع کے قول کے مطابق یہ آیت منسوخ ہے۔ پھر علماء کرام نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے کہ کیا اس آیہ مبارکہ سے کچھ باقی ہے جو منسوخ نہیں ہوئی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور جمہور سے روایت ہے کہ فدیہ دینے کا حکم اس شخص پر باقی ہے جو بوجہ بڑھاپا روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا (معلوم ہوا آیت منسوخ ہے لیکن فدیہ دینے کا حکم بوڑھے آدمی کے لیے باقی ہے) اور سلف میں سے ایک جماعت نے اور امام مالک، ابوثور اور داؤد ظاہری نے کہا فدیہ تمام کا تمام منسوخ ہے۔ اور بوڑھے آدمی پر جبکہ وہ روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو فدیہ نہیں ہے۔ اور امام مالک کے نزدیک اس کے لیے فدیہ دینا مستحب ہے۔ واجب نہیں اور حضرت قتادہ بن دماعر نے کہا اس بوڑھے شخص کے لیے رخصت تھی جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا تھا پھر یہ اس کے حق میں منسوخ گئی۔ اور وہ بوڑھا شخص باقی رہ گیا جو روزہ رکھنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ نے فرمایا یہ آیہ کریمہ اس مریض اور بوڑھے شخص کے حق میں نازل ہوئی جو روزہ رکھنے پر قادر نہیں۔ چنانچہ ان کے نزدیک یہ آیت محکم ہے۔ لیکن مریض شفایاب ہو جائے تو وہ روزہ کی قضاء کرے۔ اکثر علماء کے نزدیک مریض پر فدیہ نہیں ہے۔ زید بن اسلم، امام زہری، اور امام مالک کے نزدیک یہ آیت محکم ہے۔ اور یہ آیت مریض کے حق میں نازل فرمائی وہ بوجہ مرض روزہ افطار کرے پھر تندرست ہو جائے اور دوسرے رمضان تک روزے کی قضاء نہ کرے اس پر لازم ہے کہ وہ موجودہ ماہ رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد گزشتہ سال کے روزے کی قضاء کرے اور ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو ایک مد ''کلو'' گندم دے اور اگر اس کی مرض دوسرے ماہ رمضان تک رہی اس پر فدیہ نہیں فقط روزہ کی قضاء کرے۔ حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ''یطیقونہ'' میں ضمیر فدیہ دینے کی طرف راجع ہے نہ کہ روزہ کی طرف پھر یہ منسوخ ہو گیا چنانچہ ان کے نزدیک یہ آیت مبارکہ عام ہے۔

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کریمہ کے متعلق جملہ اقوال نقل فرما دیئے اور احناف کے نزدیک اس شخص پر صرف قضاء ہی واجب ہے جس نے پہلے رمضان کے روزے کی قضاء کو دوسرے رمضان تک موخر کیا۔ وہ دوسرے ماہ رمضان کے روزے رکھے پھر اس کے بعد پہلے ماہ ررمضان کے روزوں کی قضاء کرے اس پر فدیہ نہیں ہے کیونکہ وہ وقت روزہ قضاء کا وقت ہے اس لیے اس پر صرف قضاء ہی واجب ہے فدیہ نہیں۔

دوئم یہ کہ جمہور کے نزدیک یہ آیہ کریمہ منسوخ ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول قرآت شاذہ ہے جیسا کہ علامہ بدرالدین عینی کے حوالہ سے مذکور ہے کہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ کہنا کہ ''فعدة من ایام اخر'' کے ساتھ لفظ متتابعات بھی نازل ہوا۔ اور پھر متتابعات کا لفظ ساقط ہو گیا۔ لیکن بعض کا یہ قول ہے کہ یہ قرآت شاذہ میں سے ہے لہٰذا قراء شواذ میں سے کسی نے بھی اس جگہ لفظ متتابعات کی قرآت نہیں کی ہے۔

اس لیے میں کہتا ہوں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ قرآت شاذہ ہے جو کہ قابل عمل نہیں بلکہ لغت کے امام ابن

منظور نے اپنی کتاب لسان العرب میں لکھا ہے۔

ومن الشاذ قرأة ابن عباس ومجاهد وعكرمه وعلى الذين "يطوقونه" معروف – ويطوقونه– مجهول – ويطيقونه– معروف – ويطيقونه– مجهول○

(لسان العرب، جلد 8، ص:224، مطبوعہ دار احیاء التراث عربی بیروت)

یعنی وعلی الذین "یطوقونه" الی آخرہ - تک ابن عباس، مجاہد اور عکرمہ کی قرآت شاذ میں سے ہے۔ اور قرآت شاذہ جیسا کہ امام طبری پھر امام شافعی رحمہما اللہ نے لکھا ہے کہ یہ قرآن نہیں ہے اور نہ ہی خبر۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: "فمن تطوع خيراً فهو خير له وان تصوموا خير لكم ان كنتم تعلمون○

اللہ عزوجل نے فرمایا: پھر جو اپنی طرف سے نیکی زیادہ کرے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے اور روزہ رکھنا تمہارے لیے زیادہ بھلا ہے اگر تم جانو۔

"فمن تطوع خيرا" جو اپنی طرف سے نیکی زیادہ کرے یعنی فدیہ میں اضافہ تو وہ اس کے لیے اصل فدیہ سے بہتر ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اما قوله "فمن تطوع خيراً فهو خير له" ففيه وجوه○ الخ

(تفسیر کبیر ج5، ص:82، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ طہران)

اللہ تعالیٰ کے اس قول "جو اپنی طرف سے نیکی زیادہ کرے تو اس کے لیے بہتر ہے" اس میں چند وجوہ ہیں۔ ان میں سے اوّل: یہ کہ وہ ایک مسکین کو کھانا کھلائے یا زیادہ مسکینوں کو۔ دوئم: یہ کہ قدر واجب سے ایک مسکین کو زیادہ کھانا دے۔ سوئم: امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جو شخص فدیہ بھی دے اور روزہ بھی رکھے یہ اس کے لیے بہتر ہے۔

ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الرابعة:- قوله تعالٰى "فمن تطرع خيراً فهو خيرله" قال ابن شهاب من ارادالاطعام مع الصوم○ الخ (تفسیر قرطبی، مجلد اوّل، جز دوئم، ص:194)

چوتھا مسئلہ: اللہ عزوجل کا فرمان: "فمن تطوع خيراً○ الخ" ابن شہاب نے فرمایا: جو شخص روزہ رکھنے کے ساتھ مسکین کو طعام دے یہ اس کے لیے بہتر ہے۔

مجاہد نے کہا جو شخص ایک مد (1 کلو) سے زیادہ ایک مسکین کو طعام دے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: "فمن تطوع خيراً" جو ایک سے زیادہ مسکینوں کو کھانا کھلائے تو وہ اس کے لیے بہتر ہے۔ اس کو دار قطنی نے ذکر کیا ہے۔

اور اس کی اسناد صحیح ثابت ہیں۔

اسی طرح ابو حیان اندلسی نے بھی اپنی تفسیر ''البحر المحیط'' میں نقل کیا ہے۔

الخامسة: - قوله تعالٰی: ''وان تصوموا خیر لکم'' ای والصیام خیر لکم وکذا قرا ابی ای من الافطار مع الفدیه ۝ الخ، (حوالہ مذکور)

پانچواں مسئلہ: اللہ تعالٰی کا فرمان: ''تمہارے لیے روزہ رکھنا بھلا ہے۔ یعنی تمہارے لیے روزے بہتر ہیں۔ اسی طرح ابی بن کعب نے پڑھا ہے یعنی روزہ نہ رکھنے کے ساتھ فدیہ دینا اور یہ حکم منسوخ ہونے سے پہلے تھا۔ اور بعض نے کہا سفر اور مرض میں اگر مشقت نہ ہو تو تمہارے لیے روزہ رکھنا بہتر ہے۔ تو اس جملہ پر روزہ کی ترغیب دینا ہے یعنی یہ جان لو اور روزہ رکھو۔

امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں:

اما قوله: ان تصوموا خیر لکم ۝ ففیه وجوه ۝ الخ حوالہ مذکور

اللہ تعالٰی کا فرمان: تمہارے لیے روزہ رکھنا بھلا ہے۔ اس میں چند وجوہ ہیں۔

اوّل: یہ ان لوگوں کے ساتھ خطاب ہے جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے تھے تو اس کی تقدیر یوں ہوگی۔ اے روزہ کی طاقت رکھنے والو تم مشقت کو برداشت کرو اور روزہ رکھو یہ تمہارے لیے فدیہ سے بہتر ہے۔

دوئم: یہ خطاب ان سب کے ساتھ ہو جو آیت کریمہ میں مذکور ہیں۔ یعنی مریض، مسافر اور جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں۔ اور یہ وجہ اولٰی ہے۔ اس لیے کہ لفظ عام ہے اور اللہ عز وجل کے اس فرمان ''وعلی الذین یطیقونه'' کے ساتھ متصل ہونے کی بناء پر یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا حکم ان کے ساتھ مختص ہو۔ اس لیے کہ لفظ عام ہے اور کل کی طرف رجوع کرنے میں کوئی منافات نہیں۔

سوئم: یہ کہ اللہ عز وجل کے فرمان ''وان تصوموا خیر لکم'' اس آیت مبارکہ کا عطف پہلی آیت مبارکہ پر ہو۔ اور تقدیر یہ ہے ''کتب علیکم الصیام'' ''تم پر روزے فرض کیے گئے۔ اور تمہارے لیے روزہ رکھنا ہی بہتر ہے۔ لیکن ابو حیان اندلسی نے فرمایا کہ یہ وجہ بہت بعید ہے کہ اس کو پہلی آیت ''کتب علیکم الصیام'' کے ساتھ متعلق کیا جائے۔

ابوحیان اندلسی لکھتے ہیں قرأت اُبی بن کعب میں ''الصوم خیر لکم'' ہے۔ اور اس طرح ابن عطیہ سے منقول ہے۔ اور زمخشری نے نقل کیا ہے قرآت ''الصیام خیر لکم'' ہے اور خطاب روزہ کی طاقت رکھنے والے مقیم کے لیے ہے۔ یعنی اے روزہ رکھنے کی طاقت رکھنے والو روزہ رکھنا تمہارے لیے افطار اور فدیہ سے بہتر ہے۔ یا خطاب مریض اور مسافر کے لیے ہے یعنی اے مریض اور مسافر روزہ رکھنا تمہارے لیے افطار اور قضاء سے بہتر ہے۔ اور اظہر قول پہلا ہے یعنی یہ خطاب مطیقین و مقیمین کے لیے ہے۔ یعنی جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہیں اور مقیم ہیں ان کے لیے روزہ رکھنا

بہتر ہے۔ اور یہی قول۔ صاحب تفسیر مظہری کا ہے۔ اور اس قول کو امام نسفی نے ''مدارک'' میں نقل کیا۔ محمود بن عمر زمخشری نے ''کشاف'' میں اس قول کو ترجیح دی ہے۔ بلکہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ''تمہارے لیے روزہ رکھنا بہتر ہے'' یہ اس بات میں صریح ہے کہ اللہ عزوجل کے فرمان: ''وعلى الذين يطيقونه'' سے مراد وہی لوگ ہیں جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے تھے۔ نہ کہ وہ لوگ جو روزہ نہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں جیسے شیخ فانی اور مریض اس لیے کہ روزہ رکھنا ان کے حق میں خیر (بہتر) ہونا ممنوع ہے۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ ''ان كنتم تعلمون'' کے ماتحت فرماتے ہیں: العالم باللہ ضروری ہے کہ اس کے دل میں خوف خدا ہو۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: ''انما يخشى الله من عباده العلماء'' اللہ تعالیٰ نے ذکر علم کا فرمایا اور مراد خشیت لی ہے۔ اور خوف خدار کھنے والا ہی احتیاط کا محافظ ہوتا ہے۔ اور روزہ رکھنے میں فعل احتیاط ہی تو ہے۔ گویا کہ کہا گیا تم اللہ کو جانتے ہو حتی کہ اس سے ڈرتے ہو تو روزہ رکھنا تمہارے لیے بہتر ہوگا۔

آخر میں اس آیت مبارکہ کے متعلق جو اقوال ہیں پیش خدمت ہیں۔

حافظ شمس الدین ابن قیم جوزیہ ابوداود شریف کی شرح میں لکھتے ہیں۔

علماء سلف نے اس کریمہ میں اختلاف کیا ہے اور اس میں چار اقوال ہیں

اول: یہ آیت مارکہ منسوخ نہیں ہے۔ یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے۔

دوئم: یہ آیت مقدسہ منسوخ ہے یہ قول مسلم بن اکوع اور جمہور کا ہے۔

سوئم: یہ آیت مبارکہ مخصوص ہے۔ اس سے اس آدمی کو خاص کرلیا گیا ہے۔ جو روزہ رکھنے پر قادر ہے اور اس کو کوئی عذر نہیں۔

چہارم: اس آیت مبارکہ کا بعض منسوخ ہے اور بعض محکم۔

عون المعبود شرح سنن ابوداؤد کے ذیل میں شرح ابن مقیم جوزیہ

(مجلد 3 ج 6 ص: 307 مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

بندۂ ناچیز پر از خطا و تقصیر نے جمہور کے قول کے مطابق اس آیہ کریمہ کی تفسیر میں دلائل پیش کئے ہیں۔ صرف میں نے ہی نہیں بلکہ ہمارے احناف مفسرین کرام نے بھی اس آیت مبارکہ کے منسوخ ہونے پر اکثر صحابہ وفقہاء تابعین کا قول نقل کیا ہے۔ اور خود وہ فقہاء کرام جنہوں نے اس آیت کے عدم نسخ پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے استدلال کیا ہے وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر اس آیہ مقدسہ کو منسوخ تسلیم کرلیا جائے تب بھی حکم شیخ فانی باقی ہے۔ وہ منسوخ نہیں ہوا۔ جیسا کہ صاحب عنایہ شارح ھدایہ نے لکھا ہے۔ اور ابن ہمام نے فرمایا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول مسموع ہے نہ کہ رائے۔ اس لیے کہ اگر صرف لانفی کی تقدیر نہ ہو تو یہ ظاہر قرآن کے مخالف ہے کیونکہ وہ کتاب اللہ تعالیٰ کی نظم میں مثبت ہے۔ اور بتقدیر صرف ''لا'' نفی سے یہ مثبت نہیں رہے گا۔ اور معنی یہ ہوگا جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے وہ ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں۔

میں نے نہایت احتیاط وادب کے ساتھ عرض کیا تھا کہ اس آیت مبارکہ کو منسوخ نہ ماننا صرف اس لیے ہے کہ شیخ فانی یا بوڑھی عورت جو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے نہ حال میں اور نہ مآل میں۔ وہ روزہ نہ رکھیں اور ہر دن روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا دیں۔ تو ان کا یہ حکم اس آیت مبارکہ کے منسوخ ہونے سے بھی ثابت و متحقق ہے۔ جیسا کہ صاحب عنایہ نے لکھا ہے اور صاحب تفسیر مظہری نے بھی یہی فرمایا کہ دلالت نص سے ان دونوں کا روزہ نہ رکھنا اور فدیہ دینا ثابت ہے۔ جب ان دونوں کا حکم اس آیت کے منسوخ ہونے سے ثابت ہے جو کہ احناف کے مذہب کے عین مطابق ہے جو بوڑھا مرد یا بوڑھی عورت روزہ رکھنے کی قدرت نہ رکھتے ہوں وہ روزہ نہ رکھیں اور فدیہ دیں تو پھر اس آیت مبارکہ میں نظم کتاب اللہ کے ایجاب کو سلب میں تبدیل کرنا کوئی مستحسن امر نہیں ہے۔ اور یہ جمہور کے قول کا خلاف بھی ہے۔ جیسا کہ میں نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی حدیث نقل کی ہے جس حدیث کے طریق کو حافظ عسقلانی، بدرالدین عینی اور امام قسطلانی نے ارجع قرار دیا وہ فرماتے ہیں: مجھ سے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بیان کیا کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ وہ ہیں جنہوں نے صرف انصار میں سے ایک سو بیس صحابہ کرام کو پایا ہے۔ جب وہ لفظ اصحاب سے جو کہ جمع ہے روایت کر رہے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ قول اکثر صحابہ کرام کا ہے جو کہ بدلالت النص بوڑھے مرد اور بوڑھی عورت کو بھی شامل ہے تو اس کے ایجاب کو سلب بنانا ضروری نہیں۔ **واللہ اعلم بالصواب۔**

مسائل روزہ

یہ بندۂ ناچیز روزہ کے متعلق جملہ مسائل جو کہ ضروری اور موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق ہیں اور ہمارے معاشرتی زندگی میں عام پیش آتے ہیں اور لوگوں کو ان مسائل کی حاجت ہے فتاویٰ قاضی خان سے نقل کر رہا ہے۔ جو ترتیب کتاب الصوم میں صاحب فتاویٰ قاضی خان کی ہے اس ترتیب سے ہی میں بھی مسائل روزہ نقل کروں گا۔ میں نے مسائل روزہ بیان کرنے کے لیے فتاویٰ قاضی خان کا انتخاب اس لیے کیا ہے کہ سیدی ومرشدی واستاذی واستاذ العلماء شیخ الحدیث والقرآن حضرت علامہ مولانا سلطان احمد نور اللہ مرقدہ فرماتے تھے۔ فتاویٰ قاضی خان ایک معتبر فتاویٰ ہے۔ صاحب فتاویٰ قاضی خان صرف ایک فقیہ کامل ہی نہیں تھے بلکہ ایک ولی کامل بھی تھے۔ اور آپ کے جملہ فتاویٰ مفتی بہا ہیں۔ حاجی خلیفہ چلپی نے اپنی کتاب ''کشف الظنون'' میں ان کا جو مختصر تعارف نقل کیا ہے وہ پیش خدمت ہے۔ لکھتے ہیں:

وہ امام فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی فرغانی المتوفی 592ھ ہیں۔ اور فتاویٰ قاضی خان مشہور ومقبول اور معمول بہا ہے۔ علماء فقہاء کے ہر وقت پیش نظر رہا ہے۔ اور یہ فتاویٰ جو قاضی حکم اور افتاء کے لیے بیٹھتا ہے اس کا نصب العین بھی یہی فتاویٰ ہوتا ہے۔ امام اوزجندی فرغانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں سب کے سب وہ مسائل بیان فرمائے ہیں جن کا وقوع غالب ہے اور ان کی حاجت شدیدہ ہے۔ اور واقعات امت ان ہی مسائل پر گردش کرتے ہیں۔ اور فتاویٰ قاضی خان کی ترتیب کتب معروفہ جیسی ہے۔ صاحب فتاویٰ قاضی خان نے ہر فرع کا اصل بیان کیا ہے۔ اور جس مسئلہ کے متعلق متاخرین میں چند اقوال ہیں آپ نے اس میں سے ایک قول یا دو قول پر اقتصار فرمایا اور اس قول کو مقدم رکھا جو قول اظہر ہے جیسا کہ آپ نے خطبۂ کتاب میں بھی اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

(کشف الظنون، جلد دوئم، ص: 1227، مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب کراچی)

چنانچہ میں نے جملہ کتب فتاویٰ میں سے اس فتاویٰ کی اہمیت وشہرت کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ فتاویٰ قاضی خان ہر دور میں علماء وفقہاء کا معتمد ومعتبر رہا ہے اور اس کے مسائل کو مفتی بہا سمجھا جاتا ہے ارادہ کیا کہ مسائل روزہ کا مصدر یہی فتاویٰ ہو۔

اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ اپنے حبیب رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسل سے اس بندۂ عاجز وبے کس کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت وھو نعم الوکیل۔

رویتِ ہلال اور کس شخص پر روزہ واجب اور کس پر واجب نہیں؟

مسئلہ:

ماہ رمضان کے چاند دیکھنے پر ایک شخص کی شہادت قبول ہے۔ جبکہ وہ عادل، مسلمان، بالغ اور عاقل ہو۔ آزاد ہو یا غلام خواہ مرد ہو یا عورت اور قذف میں حد لگائے جانے والے کی توبہ کے بعد شہادت قبول ہے اس طرح ظاہر روایت میں ہے۔ اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں عدالت شرط نہیں۔

مسئلہ:

ہلال ماہ رمضان میں دعویٰ بھی شرط نہیں اور نہ لفظ شہادت شرط ہے جیسا کہ دیگر اخبارات میں یہ شرط نہیں یہ اس وقت ہے جب آسمان ابر آلود ہو۔ اور اگر آسمان ابر آلود نہ ہو اور لوگوں نے شہر میں شہادت دی کہ چاند نظر آ گیا ہے۔ تو ان لوگوں کی شہادت قبول کی جائے جن کی شہادت دینا معلوم ہو۔

مسئلہ:

لوگوں کی تقدیر میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا اندازہ پچاس آدمی لگایا ہے جیسا کہ قسامت میں ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر طرف سے متواتر خبر آئے کہ ہم نے ماہ رمضان کا چاند دیکھا ہے۔

مسئلہ:

اگر کوئی شخص باہر سے شہر میں آیا اور گواہی دی کہ اس نے وہاں ماہ رمضان کا چاند دیکھا ہے ایک روایت میں ہے اس کی شہادت قبول کی جائے اور اصل میں اس طرف اشارہ ہے۔ اور اس طرح شہر میں اس شخص کی بھی شہادت قبول کی جائے جس نے شہر میں کسی بلند جگہ پر چاند دیکھا ہو۔

مسئلہ:

اور ماہ شوال کا چاند یعنی عید الفطر کا چاند اگر آسمان میں علت ہو یعنی ابر آلود ہو تو دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت قبول کی جائے اور اس میں آزاد ہونا شرط ہے۔ غلام کی شہادت قبول نہ کی جائے اسی طرح اس میں عدد بھی شرط ہے۔ اور عید الفطر کے چاند میں لفظ شہادت بھی شرط ہے۔ اور عید الفطر کے چاند میں قذف میں حد لگائے جانے کی شہادت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قبول نہیں اگرچہ اس نے توبہ کر لی ہو۔

مسئلہ:

اور اگر آسمان ابر آلود نہ ہو تو ماہ رمضان کے چاند کی طرح اس میں بھی ایک جماعت کی شہادت قبول کی جائے کہ ہم نے

عید الفطر کا چاند دیکھا ہے۔

مسئلہ:

امام حاکم نے فرمایا ماہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنا اسی طرح ہے جس طرح ماہ شوال کا چاند دیکھنا ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نوادر میں روایت ہے کہ رویت ہلال ذوالحجہ ایسے ہی ہے جیسے ماہ رمضان دیکھنے کی شہادت ہے اس لیے کہ اس کے ساتھ بھی امر دینی متعلق ہے اور وہ وقت حج کا ظہور ہے۔ اور ظاہر روایت میں ہے رویت ہلال ذوالحجہ کی شہادت ایسے ہی ہے جیسے عید الفطر کے چاند دیکھنے کی شہادت ہے کیونکہ اس میں ان لوگوں کے لیے منفعت ہے اور وہ قربانی کے گوشت کا وسعت حاصل کرنا ہے۔

مسئلہ:

ایک آدمی نے تنہا ماہ شوال کا چاند دیکھا اور وہ شخص ان لوگوں میں سے ہوگا جس کی شہادت قبول کی جائے اور ان لوگوں میں سے جن کی شہادت قبول نہ کی جائے۔ وہ روزہ کی نیت کر کے روزہ رکھے اور بوجہ مشتبہ وہ پوشید، میں رو رزہ افطار نہ کرے۔

مسئلہ:

کسی نے عید الفطر کا چاند دیکھا اور چاند دیکھنے کی گواہی دی اور اس کی گواہی قبول نہ کی گئی اس پر روزہ رکھنا لازم ہے اور اگر اس نے اس دن کا روزہ نہ رکھا اس پر صرف قضاء ہے کفارہ نہیں۔ اور اسی طرح اگر کسی نے تنہا ماہ رمضان کا چاند دیکھا اور شہادت دی کہ اس نے چاند دیکھا ہے۔ اور اس کی شہادت قبول نہ کی گئی۔ اس پر بھی لازم ہے کہ وہ روزہ رکھے اگر اس نے اس دن کا روزہ نہ رکھا اس پر بھی صرف قضاء ہے کفارہ نہیں۔ اور اگر اس شخص نے قاضی کے شہادت رد کرنے سے قبل (یعنی قاضی نے اس کی شہادت رد کر دی قبول نہیں کی) روزہ افطار کیا تو اس میں علماء کا اختلاف ہے اور صحیح قول یہی ہے کہ اس پر کفارہ واجب نہیں۔

مسئلہ:

اگر کسی شخص نے دیہات میں ماہ رمضان کا چاند دیکھا اور وہاں کوئی قاضی وغیرہ نہیں ہے اگر وہ آدمی ثقہ ہو تو لوگ اس کی شہادت پر روزہ رکھیں۔ اور عید الفطر کے چاند میں اگر دو عادل چاند دیکھنے کی خبر دیں تو روزہ افطار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ:

جب لوگوں نے ایک شہادت کی بناء پر تیس 30 دن کے روزے رکھے اور ان کو عید الفطر کا چاند نظر نہ آیا تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے قول کے مطابق وہ روزہ افطار نہ کریں اور ایک اور روزہ رکھیں اس لیے کہ انہوں نے روزہ افطار کیا تو صرف ایک شہادت پر روزہ افطار کریں گے (کیونکہ انہوں نے ایک آدمی کی شہادت پر ماہ رمضان کا روزہ رکھا تھا) اور فطر میں ایک آدمی کی شہادت حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اور جب انہوں نے دو آدمیوں کی شہادت پر روزے رکھے اور روزہ افطار کریں جبکہ انہوں نے تیس 30 دن کے روزے پورے کر لیے ہوں۔

مسئلہ:

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا عید الفطر کے چاند دیکھنے کی دو آدمیوں کی شہادت اس وقت قبول کی جائے جب وہ یہ خبر دیں کہ انہوں نے شہر کے علاوہ دوسری جگہ چاند دیکھا ہے۔ اگر ان کی شہادت یہ ہو کہ انہوں نے شہر میں چاند دیکھا ہے اور شہر کے رہنے والے بہت زیادہ ہیں تو اس میں ایک یا دو شخصوں کی شہادت قبول نہ کی جائے بلکہ ایک جماعت کی شہادت قبول کی جائے جن کا جھوٹ پر مجتمع متصور نہ ہو۔

مسئلہ:

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے نوادر میں ہے جب شہر والوں نے بغیر چاند دیکھے اٹھائیس 28 دن کے روزے رکھے پھر انہوں نے شوال کا چاند دیکھ لیا۔ علماء کرام فرماتے ہیں اگر انہوں نے شعبان المعظم کے چاند کی رویت کے تیس 30 دن شمار کر لیے اور ماہ رمضان المبارک کا بوجہ موسم ابر آلود ہونے کے چاند نہ دیکھا۔ وہ ایک روزہ کی قضاء کریں۔ اور اگر انہوں نے انتیس 29 روزے رکھے پھر انہوں نے ماہ شوال کا چاند دیکھا ان پر روزہ کی قضا نہیں کیونکہ انہوں نے ایک مہینہ مکمل کر لیا ہے۔

مسئلہ:

اگر ایک شہر والوں نے چاند دیکھنے کی بناء پر تیس روزے رکھے اور دوسرے شہر والوں نے انتیس 29 روزے رکھے اور جب انتیس 29 روزے رکھنے والوں کو معلوم ہو گیا کہ فلاں شہر والوں نے چاند کے دیکھنے پر تیس روزہ رکھے ہیں۔ تو انتیس 29 روزے رکھنے والے ایک روزہ کی قضاء کریں۔ اور ظاہر روایت میں مطالعہ کے اختلاف کا اعتبار نہیں۔ اس طرح شمس الائمہ حلوائی نے ذکر کیا ہے۔

مسئلہ:

اور بعض نے کہا مطالع کا اختلاف معتبر ہے۔ ایک شہر والوں نے ماہ رمضان المبارک کا چاند دیکھا تو انہوں نے انتیس 29 دن کے روزے رکھے تو کچھ لوگوں نے انتیسویں روزہ میں شہادت دی کہ فلاں شہر والوں نے تم سے پہلے ایک دن فلاں رات فلاں شہر میں ماہ رمضان المقدس کا چاند دیکھا اور انہوں نے روزہ رکھا۔ اور آج کا دن تیسواں 30 ہے۔ چنانچہ انتیس 29 روزہ رکھنے والوں نے اس رات کو چاند نظر نہیں آیا اور آسمان بھی ابر آلود نہیں تو ان کے لیے کل کا روزہ ترک کرنا جائز نہیں اور نہ ہی وہ اس رات کی تراویح ترک کریں۔ اس لیے کہ ان لوگوں نے یہ گواہی نہیں دی کہ انہوں نے چاند دیکھا ہے اور نہ ہی انہوں نے دوسرے لوگوں کی شہادت پر گواہی دی۔ انہوں نے صرف دوسروں کے چاند دیکھنے کی حکایت کی ہے۔

اس سے معلوم ہوا جب موسم ابر آلود نہ ہو اور مطلع بالکل صاف ہو تو ریڈیو اور ٹیلیویژن کی یہ خبر کہ فلاں شہر میں چاند نظر آ گیا ہے یہ شہادت نہیں بلکہ خبر و حکایت ہے۔ چانچہ اس خبر کی بناء پر روزہ افطار کرنا جائز نہیں۔

مسئلہ:

جب دو گواہوں نے قاضی کے ہاں گواہی دی کہ چاند نہیں دیکھا گیا البتہ فلاں شہر کے قاضی کے پاس دو گواہوں نے شہادت دی کہ انہوں نے فلاں رات چاند دیکھا ہے اور قاضی نے ان کی شہادت پر فیصلہ کر دیا۔ تو اس قاضی کے لیے جائز ہے کہ ان کی شہادت پر فیصلہ دے کیونکہ قاضی کا فیصلہ حجت ہے۔

مسئلہ:

جب کسی نے قبل از زوال دن کے وقت چاند دیکھا تو اس رویت پر نہ روزہ رکھا جائے اور نہ ہی روزہ افطار کیا جائے، اس لیے کہ وہ چاند آئندہ رات کا ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر انہوں نے بعد از زوال بھی چاند دیکھا تو اس طرح ہے کہ نہ اس روایت کے سبب روزہ رکھا جائے اور نہ روزہ افطار کیا جائے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں ہے اگر چاند کی گذرگاہ سورج کے آگے ہے اور سورج اس کے پیچھے ہے تو یہ گزری رات کا چاند ہے۔ اور اگر اس کی گذرگاہ سورج کے پیچھے ہے تو یہ آئندہ رات کا چاند ہے۔

چنانچہ جتنے مسائل متعلقہ رویت ہلال سے تعلق رکھتے ہیں ان کا دارومدار شہادت پر ہے۔ اور یہ شہادت شرعی ہونی چاہئے۔ قضاۃ کی عدالت میں جو فیصلہ گواہوں کی شہادت پر ہوتا ہے وہ فیصلہ شرعی ہے۔ اور قضاۃ حضرات وہ ہوتے ہیں جو علوم دینیہ میں کلی مہارت رکھتے ہوں اور وہ فقہ کی جزئیات سے مکمل طور پر آشنا ہوں اور قاضی اپنے امام کے حکم کے مطابق فیصلہ کرے جس امام کا وہ قاضی مقلد ہے اگر اپنے امام کے حکم کے خلاف فیصلہ کرے گا تو شرعی اعتبار سے نافذ العمل نہیں ہوگا۔ اس لیے روزہ وحج وغیرہ عبادات میں سے ہیں ان کے جواز وعدم جواز میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے ہر کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ایسی عبادات کے متعلق فیصلہ کرے پھر قاضی وہ ہوتا ہے جو اپنے مذہب کے جملہ ائمہ کرام کے اقوال کو جانتا ہو اور اختلاف کی صورت ان اقوال میں مرجع قول کی شناخت رکھتا ہو۔ اور وجہ ترجیح سے بھی واقف ہو۔ ہمارے موجودہ دور میں گواہوں میں وہ شرائط نہیں پائی جاتیں جس کی بناء پر کوئی فیصلہ کیا جائے چنانچہ ہمارے علماء کرام کو رویت ہلال کے معاملہ میں نہایت احتیاط سے کام لینا چاہئے کیونکہ اس پر ایک عبادت کا انحصار ہے۔ میں نے کئی حضرات سے سنا ہے جنہوں نے حلفیہ بیان کیا کہ ہمارے علاقہ میں یہ رواج ہے ہم ماہ رمضان سے ایک دن قبل کسی آدمی کو مفروض چاند سے موسوم کر دیتے ہیں اور جب رات کو چاند دیکھنے کے متعلق شہادت لی جاتی ہے تو ہم گواہی دے دیتے ہیں کہ ہم نے چاند دیکھا ہے چنانچہ فساق لوگوں کی شہادت از روئے شریعت غیر معتبر ہے۔ اور جو لوگ شریعت کے پابند نہیں علوم دینیہ سے کوسوں دور اور عبادات کا مذاق اڑانے والوں کی شہادت کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور جو لوگ بذات خود روزہ رکھنے کے عادی نہیں بھلا اس کو اس عبادت مقدسہ سے کیا تعلق ہے اس لیے چاند کے دیکھنے کے مسئلہ پر ہمارے علماء کرام کو خصوصی احتیاط کی ضرورت ہے۔

مسئلہ:

کوئی شخص ماہ رمضان میں مجنون ہوگیا پھر کئی سالوں بعد اسے ماہ رمضان کے آخر دن میں افاقہ ہوا تو اس پر اس مہینہ کی قضاء واجب ہے جس ماہ رمضان میں وہ پاگل ہوا اور اس ماہ رمضان کی قضاء واجب ہے۔ جس میں اسے افاقہ ہوا اور اس کے درمیان گذرے ہوئے جتنے سال بھی ہیں ماہ رمضان کی قضاء واجب نہیں ہے۔

مسئلہ:

ایک شخص ماہ رمضان کا پورا مہینہ حالت جنون میں رہا اس پر قضاء واجب نہیں۔ اور اگر اس پر پورا ماہ رمضان کا مہینہ غشی طاری رہی تو اس پر قضاء ہے۔ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جیسے پورا ماہ رمضان جنون کی حالت میں رہنے والے پر قضاء نہیں اسی طرح پورا ماہ بحالت غشی رہنے والے پر بھی قضاء نہیں ہے۔

ماہ رمضان کے روزہ کی نیت کا بیان

مسئلہ:

ہمارے نزدیک صرف نیت کرنے سے ہی روزہ میں داخل ہوسکتا ہے اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب روزہ دار صحیح ہے ماہ رمضان کے دن میں مقیم ہے تو اس کا روزہ بلانیت صحیح ہے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ماہ رمضان کے پورے مہینہ کی ایک ہی نیت کرنا کافی ہے۔ پھر ہمارے نزدیک ماہ رمضان کے ہر روزہ کی نیت کرنا ضروری ہے۔

میں نے روزہ کی نیت کے مسائل اوائل کتاب میں با دلائل اور با حوالہ بیان کئے ہیں وہاں آپ اس مسئلہ کو اچھی طرح سے دیکھ سکتے ہیں۔

مسئلہ:

ماہ رمضان المبارک کے روزے اور نذر معین (جیسے کہے میں رجب کے روزے رکھوں گا) کے روزے اور تمام نفلی روزے جیسے عاشورا کا روزہ، عرفہ کا روزہ، جمعہ کا روزہ، ہر سوموار اور جمعرات کا روزہ وغیرہا ان سب روزوں میں غروب آفتاب کے بعد سے لے کر قبل از زوال تک روزہ کی نیت کرسکتا ہے۔ اور جن روزوں میں رات کو ہی نیت ضروری ہے جیسے ماہ رمضان کے قضاء روزے۔ روزہ کفارات، نذر مطلق وغیرہا کے روزے۔ ان سب روزوں میں رات کے وقت ہی نیت کرنا ضروری ہے ہاں اگر طلوع فجر کے بعد ساتھ ہی نیت کرلی تو بھی جائز ہے۔ لیکن رات کی نیت کرنا افضل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ماہ رمضان کے روزے۔ نذر معین کے روزے اور نفلی روزے ان کے وقت کا تعین ہے بخلاف دیگر روزوں کے انکے وقت کا تعین وہ جب چاہیں کرسکتے ہیں تو اس لیے ان کی نیت رات کو کرنا ہی افضل ہے۔

مسئلہ:

جب کسی نے ماہِ رمضان میں سورج کے غروب ہونے سے پہلے کل کا روزہ رکھنے کی نیت کی وہ سو گیا یا اس پر بیہوشی طاری ہوگئی، یا روزہ سے غافل ہوگیا۔ حتیٰ کہ کل کے دن کا سورج زوال سے ڈھل گیا تو اس کا روزہ نہیں ہوگا۔ ہاں اگر اس نے سورج کے غروب ہونے کے بعد روزہ کی نیت کی تو کل کا روزہ ہو جائے گا۔

مسئلہ:

مریض اور مسافر نے ماہِ رمضان میں رات کے وقت روزہ کی نیت نہیں کی پھر انہوں نے طلوعِ فجر کے بعد روزہ کی نیت کی امام ابو یوسف فرماتے ان کے لیے یہ نیت کافی ہے اور امام حسن بن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔

وہ عذر جس کے سبب روزہ افطار کرنا مباح اور اس کے متعلقہ احکام

مسئلہ:

کوئی شخص ڈرتا ہے اگر اس نے روزہ افطار نہ کیا تو اس کی آنکھ میں درد کا اضافہ ہو جائے گا۔ یا اس کو بہت سخت بخار ہو جائے گا وہ روزہ افطار کرلے۔

مسئلہ:

حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت جب ان کو روزہ رکھنے کی وجہ سے اپنی جان یا بچے کی ہلاکت کا خوف ہو تو وہ روزہ نہ رکھیں ان پر صرف روزہ کی قضاء ہے فدیہ نہیں جیسا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

مسئلہ:

لونڈی جب کھانے پکانے اور کپڑے دھونے سے کمزور ہو جائے اور اس حال کو پہنچ جائے کہ اس کو اپنی جان کی ہلاکت کا خوف ہو تو وہ روزہ افطار کرے اس پر قضاء ہے کفارہ نہیں۔

مسئلہ:

جب کسی کو سانپ نے ڈس لیا تو اس نے دوا پینے کے لیے روزہ افطار کردیا۔ علماء فرماتے ہیں اگر یہ دوا اس کے لیے نافع ہے تو کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ:

کسی شخص نے ماہ رمضان میں روزہ رکھا تو اس کے لیے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ممکن نہیں اور اگر وہ روزہ نہ رکھے تو کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ممکن ہے تو وہ شخص روزہ رکھے اور بیٹھ کر نماز ادا کرے اور دونوں عبادتوں کو جمع کرلے۔

مسئلہ:

ایک شخص کو باری کا بخار ہوتا ہے تو اس نے اس ظن پر روزہ افطار کرلیا کہ آج دن اس کی مرض کا ہے۔ اور اس دن اس کو بخار نہیں ہوا اس پر کفارہ ہے۔ اسی طرح جب کسی عورت نے اس ظن پر روزہ نہ رکھا کہ آج اس کے حیض کا دن ہے اور اس عورت کو اس دن حیض نہیں آیا تو اس عورت پر کفارہ ہوگا۔ اس لیے کہ اس نے اس دن میں روزہ افطار کیا جس میں شبہ اباحت نہیں ہے۔ علامہ اوز جندی فرغانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہمارے مولانا رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ اس وقت ہے جب اس نے روزہ کی نیت کی پھر طلوع فجر کے بعد افطار کردیا۔ اور اگر اس نے اس دن کے روزہ کی نیت ہی نہیں کی تو اس پر صرف قضاء ہے کفارہ نہیں۔

مسئلہ:

مسافر کو جب یاد آیا کہ وہ اپنے گھر کوئی چیز بھول آیا ہے تو پھر وہ واپس اپنے گھر آیا تو روزہ توڑ دیا پھر وہ سفر کے لیے نکلا اس پر قیاساً کفارہ ہے۔ جب اس نے سفر کو چھوڑا اور گھر واپس آیا اور روزہ افطار کیا تو وہ کھانے کے وقت مقیم ہے۔ اور ہم یہاں قیاس پر عمل کرتے ہیں۔

مسئلہ:

نفلی روزہ رکھنے والا جب وہ اپنے کسی بھائی کے گھر گیا تو اس نے اس کو کھانے کی دعوت دی۔ تو اس دعوت کے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں یعنی اس کو نفل روزہ چھوڑ کر اپنے بھائی کے ساتھ کھانا چاہئے۔ ہاں اگر اس نے ماہ رمضان المبارک کے قضاء کا روزہ رکھا ہے تو پھر اس کے لیے کھانا مکروہ ہے۔

مسئلہ:

اگر کسی نے قسم کھائی کہ اگر فلاں نے روزہ افطار نہ کیا تو اس کی عورت کو طلاق ہے۔ اگر فلاں نے نفلی روزہ رکھا ہوا ہے تو وہ اپنے بھائی قسم کھانے والے کے حق میں روزہ افطار کرے۔ اور اگر فلاں نے ماہ رمضان کے قضاء کا روزہ رکھا ہوا ہے تو پھر وہ روزہ افطار نہ کرے۔

مسئلہ:

اگر کسی نے مرض کی وجہ سے روزہ افطار کیا تو اس پر قضاء ہے۔ فدیہ دینا جائز نہیں اور اگر وہ مریض شفایاب ہونے سے پہلے مرگیا تو اس پر کچھ نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے دوسرے دنوں کی گنتی نہیں پائی۔ اور اس کو فدیہ کے متعلق وصیت کرنا جائز ہے۔ اور ہمارے نزدیک میت کے تیسرے حصہ مال سے وصیت کرنا جائز ہے۔ اور اگر اس نے وصیت نہیں کی اور اس کے ورثاء نے میت کی طرف سے صدقہ کردیا تو جائز ہے۔ اور ہمارے نزدیک میت کی وصیت کے بغیر فدیہ دینا جائز نہیں اور امام شافعی رحمۃ

اللہ علیہ کے نزدیک جائز ہے۔

مسئلہ:

جب کسی شخص پر بالعذر یا بلا عذر روزہ افطار کرنے کی وجہ سے قضاء واجب ہوگئی اور اس نے روزہ قضاء کیا حتی کہ بہت بوڑھا ہوگیا اور شفاء کی کوئی امید نہ رہی تو اس کو روزہ کا فدیہ دینا جائز ہے۔ اس لیے کہ روزہ کی قضاء سے ناامید ہونے کے وقت وہ فدیہ بنفسہ اصل ہے یعنی ماہ رمضان کا روزہ یعنی فدیہ ہی روزہ کا اصل ہے۔ اور فدیہ ہر دن کے عوض نصف صاع (دو کلو) گندم وغیرہ دینا ہے۔ اور فدیہ میں ہر وہ چیز دینا جائز ہے جو صدقہ فطر میں دینا جائز ہے ہاں فدیہ میں طعام کھلانا بھی جائز ہے اور صدقہ فطر میں یہ نہیں ہے۔

مسئلہ:

کسی شخص نے روزہ دار کو دیکھا کہ وہ بھول کر کھا رہا ہے تو اس نے روزہ دار سے کہا یہ ماہ رمضان کا مہینہ ہے اور تو کھا رہا ہے تو کھانے والے آدمی نے جواب دیا میرا روزہ نہیں ہے اور وہ کھاتا رہا پھر یاد آیا کہ وہ روزہ دار ہے حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا کیونکہ وہ بھولا ہوا ہے۔ لیکن احتیاط امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول میں ہے۔

مسئلہ:

اگر کسی شخص نے روزہ دار کو بھول کر کھاتے ہوئے دیکھا کیا اس شخص پر واجب ہے کہ روزہ دار کو مطلع کرے۔ علماء کرام فرماتے ہیں اگر کھانے والا نوجوان ہے روزہ کے پورا کرنے کی قدرت رکھتا ہے تو اس کو بتانا واجب ہے۔ اور اگر کھانے والا بوڑھا آدمی ہے وہ اس کو مطلع نہ کرے کیونکہ بہت بوڑھا روزہ کو پورا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ وہ اس کو چھوڑ دے یہاں تک کہ وہ کھالے پھر اس کو بتائے۔

مسئلہ:

عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ نہ رکھے اور اسی طرح غلام بھی مگر جب وہ غائب ہو اور اس کو روزہ رکھنے میں ضرر نہ ہو تو وہ روزہ رکھے۔ اور اس طرح مزدور بھی ہے جبکہ وہ روزہ رکھ کر مزدوری نہ کر سکتا ہو۔ اور مزدوری کے بغیر اپنے اہل وعیال کی کفالت ناممکن ہو تو وہ مزدور بھی روزہ نہ رکھے اور اس پر قضاء واجب ہے۔

روزہ دار کے لیے جو مکروہ اور جو مکروہ نہیں

مسئلہ:

روزہ دار کے لیے گوند کا چبانا مکروہ ہے اس لیے کہ یہ بلا ضرورت روزہ کے فساد کے لیے تعریض ہے۔اور یہ مکروہ ہے۔اور یہ اس کے روزہ کو فاسد نہیں کرتا۔ بعض نے کہا یہ اس وقت ہے جبکہ وہ گوند سفید ہو اور دوسرے نے چبایا ہو۔جبکہ دوسرے نے اس کو نہ چبایا ہو یا گوند سیاہ رنگ کی ہو تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔اس لیے کہ سیاہ گوند گھل کر جوف میں پہنچ جاتی ہے۔

مسئلہ:

عورت کا بچہ کے لیے کھانا چبانا مکروہ ہے جبکہ اس کی ضرورت نہ ہو اس طرح عورت کا زبان سے کوئی چیز چکھنا بھی مکروہ ہے کیونکہ اس میں روزہ کے فساد کی تعریض ہے۔اور بعض نے کہا اس عورت کا خاوند بد خلق ہو تو اس کا اپنی ہانڈی سے شوربا کو چکھنا جائز ہے۔اور اس میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ:

روزہ دار کے لیے خریدتے وقت شہد اور تیل کا چکھنا تاکہ جید کو ردی سے پہچان سکے، مکروہ ہے۔

مسئلہ:

روزہ دار کے لیے ستاروں کے طلوع ہونے سے پہلے روزہ افطار کرنے میں جلدی کرنا اور سحری میں تاخیر کرنا مستحب ہے۔ کیونکہ اس کے متعلق آثار وارد ہوئی ہیں اور بارش والے دن افطار میں جلدی کرنا مستحب نہیں ہے۔اور جب تک اس کے ظن میں یہ غالب نہ آجائے کہ سورج غروب ہو چکا ہے اگرچہ مؤذن مغرب کی اذان دے دے۔

مسئلہ:

ہمارے نزدیک صبح و شام خشک اور تر مسواک کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سہ پہر مسواک کرنا مکروہ ہے۔اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پانی سے تر مسواک کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں بلا ضرورت منہ میں پانی داخل کرنا ہے۔اور ظاہر روایت میں پانی سے تر مسواک کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ مقصد منہ کی تطہیر ہے۔اور یہ کلی کرنے کے قائم مقام ہوگا۔اور تر و تازہ سبز مسواک کرنا تمام کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مسئلہ:

روزہ دار کے لیے عورت کا بوسہ لینے اور مباشرت میں کوئی حرج نہیں جبکہ اس کے سوا اپنے نفس پر امن کا یقین رکھتا ہو۔ اور اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا، یعنی اگر روزہ دار کو اس کا پورا یقین ہو کہ وہ بوسہ وغیرہ سے جماع وغیرہ کرنے سے امن میں رہے گا تو اس کے لیے بوسہ لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بوسہ لینا روزہ کو فاسد کر دیتا ہے۔ ہماری دلیل ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوسہ لیا کرتے تھے حالانکہ آپ روزہ دار ہوتے تھے۔ اور اگر بوسہ لینے اور مباشرت سے اپنے آپ پر امن کا یقین نہ ہو تو بوسہ و مباشرت مکروہ ہے۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے مباشرت فاحشہ یہ ہے کہ دونوں عریانی کی حالت میں ایک دوسرے کی شرمگاہ کو مس کریں۔ اور یہ روزہ دار کے لیے مکروہ ہے۔

مسئلہ:

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ روزہ دار کے لیے پانی منہ میں ڈال کر کلی کرنے کی طرح پھرانا یا اپنے سر پر پانی ڈالنا۔ یا کپڑا تر کر کے اس میں اپنے بدن کو لپیٹنا مکروہ ہے اس لیے کہ اس میں عبادت میں عجز کا اظہار کرنا ہے۔ اور امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ کرنا مکروہ نہیں اس لیے یہ کام کرنا اور سایہ میں بیٹھنا برابر ہے۔ یہی اظہر ہے **کذافی المحیط السرخی**۔

مسئلہ:

روزہ دار کے لیے آنکھ میں سرمہ ڈالنے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ اس کا ذائقہ حلق میں محسوس کرے۔ اور اس طرح مونچھوں کو تیل لگانا یا پچھنے لگوانا اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روزہ کی حالت میں پچھنے لگوانا ثابت ہے۔

مسئلہ:

دو دن متواتر روزہ رکھنا اور اس کے درمیان افطار نہ کرنا بھی مکروہ ہے اور روزہ وصال بھی مکروہ ہے۔ اور وہ پورے سال روزہ رکھنا اور جن دنوں میں روزہ رکھنا ممنوع ہے ان میں بھی روزہ افطار نہ کرنا۔ اور افضل یہ ہے کہ ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن افطار کرے۔ اور چپ رہنے کا روزہ رکھنا بھی مکروہ اس لیے کہ یہ مجوسیوں کا فعل ہے۔ اور صرف جمعۃ المبارک کا روزہ رکھنے میں بھی حضرت امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک کوئی حرج نہیں۔ اس لیے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ جمعہ کا روزہ رکھتے اور افطار نہیں کرتے تھے۔ نیروز اور مہربان کا روزہ رکھنا بھی مکروہ ہے کیونکہ اس میں ان دنوں کی تعظیم

ہے جن دنوں کی تعظیم کرنے سے ہمیں منع کیا گیا ہے۔

مسئلہ:

مسافر کے لیے روزہ رکھنا مکروہ ہے جبکہ روزہ اس کو مشقت میں ڈالے اس لیے کہ اس میں نفس کو ہلاک کرنا ہے۔ اور اگر روزہ رکھنا مسافر کے لیے باعث مشقت نہ ہو تو ہمارے نزدیک مسافر کے لیے روزہ رکھنا افضل ہے۔ جبکہ اس کے ساتھی اور عام لوگ روزہ دار ہوں اور جب اس کے ساتھی اور عام لوگوں نے روزہ نہ رکھا ہو اور خرچ بھی ان کے درمیان مشترک ہو تو پھر مسافر کے لیے روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔

مسئلہ:

شک کے دن کا روزہ یعنی وہ دن جس میں شک ہوا کیا وہ دن رمضان کا ہے یا شعبان کا۔ اگر کسی نے اس دن میں رمضان المبارک کے روزہ کی نیت کی تو مکروہ ہے۔ اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے جس نے شک والے دن کا روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم رضی اللہ عنہ کی نافرمانی کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان رمضان المقدس سے ایک یا دو دن پہلے روزہ نہ رکھو کیونکہ اس میں رافضیوں کی مشابہت ہے اس لیے کہ وہ رمضان سے ایک دن قبل روزہ رکھتے اور یوم الفطر سے ایک دن پہلے روزہ افطار کرتے ہیں۔

مسئلہ:

اگر کسی نے شک کے دن نفلی روزہ کی نیت کی تو اس کے مکروہ ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ اور صحیح قول یہی ہے اس دن کا روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لیے کہ حضرت علی اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ وہ دونوں شک کے دن کا روزہ رکھتے تھے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان کہ جس نے شک کے دن کا روزہ رکھا اس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی یہ روزہ فرض پر محمول ہے۔ اگر ظاہر ہو گیا کہ وہ دن ماہ رمضان کا ہے تو وہ رمضان المبارک کا روزہ دار ہے۔ اور اگر ظاہر ہو گیا کہ وہ شعبان کا ہے تو وہ نفلی روزہ رکھنے والا ہے۔ اور اگر اس نے روزہ افطار کیا تو اس پر قضاء ہے کیونکہ اس نے روزہ کو التزامی شروع کیا ہے بخلاف مسئلہ مظنون کے۔

جن چیزوں سے روزہ فاسد نہیں ہوتا

مسئلہ:

جس نے بھول کر کھایا، پیایا جماع کیا استحساناً اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا اور اگر ان چیزوں پر وہ مجبور کیا گیا یا حد سے بڑھنے والا ہے تو اس کا روزہ قیاساً و استحساناً فاسد ہو جائے گا۔ اس پر قضاء ہے کفارہ نہیں۔

"المخطی" وہ ہے جس کو روزہ رکھنا یاد ہو اور قصداً یہ کام نہ کرے۔

مسئلہ:

جس نے اپنے منہ کی تھوک نگلی یا وہ رنیٹ جو سر سے اتر کر منہ میں آئی اور نگل گیا اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ اس طرح جب دھواں، غبار یا عطر کی خوشبو یا مکھی روزہ دار کے حلق میں چلی گئی تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

مسئلہ:

جب کلام کرنے کے وقت اپنی تھوک کے ساتھ اپنے ہونٹوں کو تر کیا پھر اس کو نگل گیا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ اس طرح جب اس کے دانتوں سے خون نکلا۔ اور تھوک خون پر غالب ہے اور اس کو نگل گیا اور اس کا ذائقہ حلق میں محسوس نہ کیا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ اور اگر غلبہ خون کا ہو تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ اور اگر تھوک اور خون برابر برابر ہوں تو احتیاطاً روزہ فاسد ہو جائے گا۔

مسئلہ:

اگر کسی نے پیٹ کے زخم یا دماغ کے زخم پر دوا لگائی اگر وہ دوا خشک ہے تو تمام کے نزدیک اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ اگر دوا تر ہے تو حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔ اور صاحبین کے قول کے مطابق روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ لیکن اکثر مشائخ کے نزدیک اعتبار جوف یا دماغ تک دوا کے پہنچنے کا ہے۔ اعتبار دوا کے خشک و تر ہونے کا نہیں ان میں سے جو دوا بھی پیٹ یا دماغ تک پہنچ گئی روزہ فاسد ہو جائے گا۔

مسئلہ:

ہمارے نزدیک فصد کرانے (پچھنے لگوانا) سے روزہ نہیں ہوتا۔ اور امام مالک کے نزدیک روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ غیبت کرنے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا اور اس طرح احتلام سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا۔

مسئلہ:

جب کسی نے عورت کی طرف دیکھا تو انزال ہو گیا یا فکر کیا تو منی ٹپک پڑی اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ جماع میں روزے کا فساد نصًا معروف ہے اور جماع کا معنی ہے ایک عضو کا دوسرے عضو کے ساتھ مس کرنے سے شہوت کا پورا ہونا اور وہ نہیں پایا گیا۔

مسئلہ:

جب کسی نے چوپائے سے جماع کیا اور انزال نہیں ہوا۔ یا مردہ سے جماع کیا اور انزال نہیں ہوا۔ یا مشت زنی کی اور انزال نہیں ہوا یا فرج کے علاوہ ران وغیرہ میں جماع کیا اور انزال نہیں ہوا روزہ فاسد نہیں ہوگا اور اگر ان سب صورتوں میں انزال ہو گیا تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ اور اس پر روزہ کی قضاء ہے کفارہ نہیں۔ اس لیے کہ شہوت کا پورا ہونا صفت نقصان کے ساتھ پایا گیا ہے۔ اور مشت زنی کے متعلق صاحب فتاویٰ قاضی خان فرماتے ہیں۔ کیا اگر کسی نے ماہ رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں میں مشت زنی کیا جائز ہے۔ فرماتے ہیں: اگر بارادہ شہوت کیا تو جائز نہیں۔ اور اگر بارادہ تسکین شہوت (تاکہ زنا وغیرہ سے بچ سکے) کیا تو علماء فرماتے ہیں ہم امید رکھتے ہیں وہ گنہگار نہیں ہوگا۔

مسئلہ:

اگر کسی کی منہ سے رال نکل کر بلا انقطاع ٹھوڑی تک آئی تو اس کو نگل گیا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

مسئلہ:

جب روزہ دار نے تل کا دانہ جو اس کے دانتوں میں تھا نگل لیا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ اور اگر اس نے تل کا دانہ منہ میں ڈال کر نگلا تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔ اور علماء کا اس کے وجوب کفارہ میں اختلاف ہے اور مختار یہی ہے کہ اس پر کفارہ ہے۔ اور کفارہ اس وقت ہے جب اس کو نگلے اگر اس نے تل کا دانہ چبایا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا کیونکہ چبانے سے وہ دانتوں سے چمٹ جاتا ہے اور وہ جوف تک نہیں پہنچتا۔

مسئلہ:

اگر کسی نے پانی میں غوطہ لگایا تو اس کے کان میں پانی داخل ہو گیا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ اور اگر اس نے کان میں پانی انڈیلا تو علماء کا اس میں اختلاف ہے اور صحیح قول یہی ہے کہ اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا کیونکہ ایسا اس کے خود کرنے سے پانی جوف تک پہنچا ہے اور اس میں بدن کی صلاح معتبر نہیں۔

جن چیزوں سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو صرف قضاء کو واجب کرتی ہیں کفارہ نہیں۔ دوئم جن سے قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں اور ان میں طلوع وغروب کے مسائل بھی شامل ہیں۔

وہ صورتیں جن سے صرف قضاء لازم ہوتی ہے کفارہ نہیں

مسئلہ:

جس آدمی پر جماع کے لیے ماہ رمضان کے دن میں جبر کیا گیا اور اس نے عورت سے جماع کیا اس پر صرف قضاء ہے کفارہ نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا قول یہ تھا کہ اس پر قضاء بھی ہے اور کفارہ بھی اس لیے کہ جماع انتشار آلہ کے بغیر نہیں ہوتا اور انتشار آلہ اختیار کی علامت ہے پھر آپ نے اس سے رجوع فرمالیا اور یہی قول صاحبین کا ہے کہ اس پر صرف قضاء ہے کفارہ نہیں۔ کیونکہ روزہ میں فساد ایلاج (نفس کا فرج میں داخل کرنا) سے ہوتا ہے اور وہ شخص ایلاج میں مجبور کیا گیا ہے اور ہر شخص ایسا نہیں کہ جس کا آلہ منتشر ہو اور وہ جماع کرتا ہو۔'' اور جماع کا معنی ہے شہوت کا پورا کرنا اور اگر صرف دخول ہے لیکن شہوت پوری نہیں کی گئی تو یہ ایلاج ہے۔''

مسئلہ:

جب کسی نے شہوت کے ساتھ اپنی بیوی کا بوسہ لیا تو انزال ہو گیا یا اپنی بیوی کو شہوت سے مس کیا اور انزال ہو گیا اس پر قضاء ہے کفارہ نہیں اس لیے کہ شہوت کا پورا ہونا صفت نقصان کے ساتھ پایا گیا ہے۔

مسئلہ:

حیض اور نفاس دونوں روزہ کو فاسد کر دیتے ہیں تو حیض نفاس والی عورتوں پر صرف روزہ کی قضاء ہے کفارہ نہیں۔

مسئلہ:

اگر کسی نے کسی کے جبر و اکراہ کی وجہ سے کھایا یا پیا روزہ تو اس کو یاد تھا لیکن جب کھایا یا پیا تو ارادہ روزہ افطار کا نہ تھا (یعنی خطأً کھایا پیا) یعنی قصداً روزہ افطار کے لیے نہیں کھایا، یا پیا۔ یہ کہ اس نے کلی کی تو پانی اس کے جوف تک پہنچ گیا اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا اس پر قضاء ہے کفارہ نہیں۔ بعض نے کہا اس نے کلی کی حتیٰ کہ پانی اس کے حلق میں داخل ہو گیا۔ اگر کلی میں پانی تین حصہ سے زیادہ تھا اور پانی اس کے جوف تک پہنچ گیا تو اس کا روزہ فاسد ہو گیا۔ عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ نے کہا اگر اس نے فرض نماز کے لیے وضو کیا تو روزہ فاسد نہیں ہوا اور اگر اس نے نفلی نماز کے لیے وضو کیا تو اس کا روزہ فاسد ہو گیا۔ اور بعض نے کہا دونوں صورتوں میں روزہ فاسد نہیں ہوا۔ اور حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ اگر اس کو روزہ رکھنا یاد ہے تو روزہ فاسد ہو گیا۔ صاحب فتاویٰ قاضی خان فرماتے ہیں ہمارے اصحاب کا یہی قول ہے۔ اور اگر اس کو روزہ یاد نہیں تو اس پر کچھ نہیں۔

مسئلہ:

جب کسی شخص نے سوئی ہوئی یا مجنونہ بیوی سے جماع کیا تو اس پر قضاء ہے کفارہ نہیں۔ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان دونوں کا روزہ فاسد نہیں ہوگا اس لیے کہ وہ دونوں نسیان کے معنی میں ہیں۔ ہم کہتے ہیں شہوت کا پورا کرنا ایسی وجہ پر حاصل ہوا ہے جس کا وجود غالب نہیں ہے۔ اور اس کی مثل روزہ کے قضاء میں وقوع امن دیتا ہے۔ اور بھولنے والے میں عذر تو وہ اس کی طرف سے آیا ہے جس کا حق ہے۔ اور یہاں یہ بندہ کی طرف سے آیا ہے۔ اس لیے ان پر روزہ کی قضاء واجب ہے کفارہ نہیں۔

مسئلہ:

جب ایک مرد نے دوسرے مرد سے ایلاج کیا تو ان دونوں پر قضاء اور غسل ہے انزال ہوا یا نہیں۔ اور اس فعل میں کفارہ نہیں کیونکہ یہ قائم مقام اس جماع کے ہے جو فرج کے سوا ران وغیرہ میں ہوا۔ اور اگر دو عورتوں نے بھی مردوں جیسا ماہ رمضان میں عمل کیا اگر ان دونوں عورتوں کو انزال ہوا تو ان دونوں پر روزہ کی قضاء اور غسل ہے اور اگر ان دونوں عورتوں کو انزال نہیں ہوا تو ان دونوں پر نہ غسل ہے اور نہ ہی روزہ کی قضاء۔

مسئلہ:

جب کسی شخص نے طلوع فجر سے قبل ایلاج کیا (ایلاج کا معنی ہے نفس کو فرج میں داخل کرنا) جب صبح ہونے کا خوف لاحق ہوا تو اس نے اپنے نفس کو باہر نکال لیا اور صبح کے بعد اس کی منی نکلی اس پر روزہ کی قضاء نہیں جیسا کہ احتلام میں ہے۔ اگر کسی شخص نے بھول کر جماع کی ابتداء کی اور طلوع فجر سے قبل ایلاج کیا پھر فجر طلوع ہوگئی۔ یا دن میں بھول کر جماع کرنے کو یاد آیا تو اس نے فی الفور اپنے نفس کو باہر کھینچ لیا ایک روایت کے مطابق صحیح قول پر اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ اور اگر وہ شخص اپنی بیوی پر لیٹا رہا حتیٰ کہ اس کو انزال ہوگیا مشائخ کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا اس پر روزہ کی صرف قضاء ہے۔ اس لیے کہ فعل پر دوام اس کا حکم ابتدائے فعل کا حکم ہے اور اس پر کفارہ نہیں ہے اس لیے کہ اولاً نفس کا فرج میں داخل کرنا حد سے تجاوز کرنے کی وجہ پر نہیں تھا۔ (یعنی وہ اپنے نفس کو حرکت دیتا رہا) بعض نے کہا اگر وہ شخص ٹھہرا رہا اور نفس کو حرکت دینے کے ساتھ تجاوز نہیں کیا اس پر کفارہ نہیں صرف قضاء ہے۔ اور اگر اس نے یاد آجانے کے بعد اور طلوع فجر کے بعد اپنے نفس کو حرکت دی تو اس پر قضاء بھی ہے اور کفارہ بھی۔ اور یہی قول صحیح ہے۔

مسئلہ:

''حقنہ'' اگر کسی خص نے حقنہ (ہر وہ دوا جو مریض کی مقعد سے پیٹ صاف کرنے کے لیے چڑھائی جائے) کرایا تو اس پر قضاء واجب ہے اور حقنہ (بچہ) دودھ کا ہو تو اس سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔ اور ''سعوط'' ناک میں چڑھانے والی دوا۔

''وجور'' منہ میں ٹپکانے والی دوا۔''القطور فی الاذان'' کان میں قطرہ قطرہ ٹپکانے والی دوا۔ان دواؤں کے استعمال سے صرف روزہ کی قضاء لازم ہوتی ہے۔

نیچہ اور منہ میں ٹپکانے والی دوا اس لیے کہ وہ جوف تک پہنچتی ہے۔جس میں بدن کی منفعت ہے۔اور ناک میں چڑھانے والی دوا۔اور کان میں قطرہ قطرہ ٹپکانے والی دوا۔اس لیے کہ یہ دوا سر تک پہنچتی ہے اس میں بھی بدن کی منفعت ہے۔اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سعوط، وجور اور حقنہ میں کفارہ ہے اس لیے کہ یہ دوا جوف تک پہنچتی ہے۔جس میں بدن کی منفعت ہے۔اور یہ کھانے کے قائم مقام ہے۔اور پہلا قول صحیح ہے کہ ان دواؤں کے استعمال سے صرف قضاء ہی لازم آتی ہے کفارہ نہیں۔کیونکہ کفارہ اس افطار کا موجب ہے جو افطار کرنا صورۃً اور معنیً ہو۔اور یہاں صورۃً افطار منعدم ہے۔کیونکہ صورۃً افطار میں نگلنا پایا جاتا ہے اور وہ یہاں نہیں ہے۔

مسئلہ:

اگر کسی کے حلق میں اس کے آنسو کا پانی یا اس کی پیشانی کے پسینہ کا پانی یا ناک سے بہنے والی نکسیر کا خون چلا گیا تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔اس پر صرف قضاء ہے کفارہ نہیں۔''فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے'' جب آنسو کا پانی ایک قطرہ یا دو قطرے اس کے منہ میں چلے گئے اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔اور اگر اس سے زیادہ آنسو کا پانی اس کے منہ میں چلا گیا اور اس نے اس کی نمکینی کو پایا تو رزوہ فاسد ہو گیا۔

مسئلہ:

جب روزہ دار نے قے کی اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔اس پر سب کا اتفاق ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جس نے قے کی اس پر قضاء نہیں۔

اگر اس نے قے کو واپس جوف میں لوٹایا تو اس کی دو وجہیں ہے۔اوّل: اگر وہ قے منہ بھر کر آئی اور اس کو واپس لوٹایا تو سب کے نزدیک اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا کیونکہ منہ بھر کے قے کرنا اس کا حکم۔حکم خارج کا ہے اور اس کا واپس لوٹانا کھانے کی ابتداء کے قائم مقام ہے۔دوئم: اگر وہ قے بذات خود واپس لوٹی تو امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔کیونکہ قے پیٹ کی طرف واپس لوٹی ہے۔جس کا حکم خارج کا ہے۔اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔اور یہی صحیح ہے۔اس لیے کہ جیسے قے کے نکلنے سے بچنا ممکن نہیں اسی طرح اس کے واپس لوٹنے سے بھی احتراز ممکن نہیں تو یہ اس کو معاف کر دیا گیا۔

علامہ ابن نجیم مصری رحمۃ اللہ علیہ بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں لکھتے ہیں:

قے کے متعلق مسائل کی بارہ 12 صورتیں ہیں۔یا تو وہ قے خود آئے گی یا وہ جان بوجھ کر قے کرے گا۔پھر ان ہر دو

صورتوں میں یا قے منہ بھر کر آئے گی یا کم آئے گی۔

ان چاروں صورتوں میں یا تو قے خود واپس ہوگی۔ یا اس کو ارادۃً واپس لوٹائے گا۔ یا قے نکلی تو اس نے واپس نہیں لوٹائی۔ یا دہ قے بنفسہ واپس نہیں ہوئی۔ اصح قول پر سوائے دو صورتوں کے روزہ فاسد نہیں ہوگا ''اوّل صورت'' منہ بھر کے قے آئے اور اس کو واپس لوٹائے۔ (دوئم صورت) جان بوجھ کر منہ بھر کے قے کرے۔ قے کے مسائل کی جملہ صورتوں میں صرف یہی دو صورتیں ہیں جن سے روزہ فاسد ہوگا۔ (بحرالرائق مجلد اول، جز دوئم، ص:274، مطبوعہ سعید اینڈ کمپنی کراچی)

مسئلہ:

اگر کسی نے بلغمی قے کی تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔ ابن ہمام نے فتح القدیر میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو احسن قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک جب اس نے جان بوجھ کر بلغمی قے کی تو روزہ فاسد ہو گیا۔ بخلاف امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے ان کے نزدیک اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ اور اسی طرح بحرالرائق اور ردالمحتار میں ہے۔

مسئلہ:

روزہ دار نے وہ چیز کھائی جو عادتاً نہیں کھائی جاتی۔ مثل پتھر کی کنکری، گٹھلی، روئی، گھاس، مٹی، کاغذ، وہ تھوک جو اس نے ہتھیلی پر رکھ کر نگلا۔ یا جبکہ وہ پکا ہوا نہ ہو (یعنی کچا ہو) اور نہ ہی وہ ہانڈی میں پکایا گیا ہو۔ کچا اخروٹ، اور وہ مٹی جس سے سر دھویا جاتا ہے ان چیزوں کے کھانے سے روزہ فاسد ہوگا اور اس پر صرف قضاء ہے کفارہ نہیں۔ اور اگر وہ اس مٹی کے کھانے کا عادی ہے تو اس پر قضاء بھی ہے اور کفارہ بھی۔

وہ صورتیں جن سے قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں

مسئلہ:

ماہِ رمضان میں دن کے وقت کسی نے اپنی عورت سے جان بوجھ کر مجامعت کی اس پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔ اور جب ''حشفہ'' (عضو تناسل کی سپاری) فرج میں غائب ہو گیا انزال ہوا یا نہیں اس پر قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہیں۔ اور جیسے مرد پر قضاء اور کفارہ ہے ایسے ہی ہمارے نزدیک اس عورت پر بھی قضاء اور کفارہ واجب جس نے اپنی رضامندی سے یہ کام کیا اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وجوب کفارہ میں دو قول ہیں ایک قول میں کفارہ واجب ہے اور ایک قول میں کفارہ واجب نہیں۔

مسئلہ:

اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کی دبر کے راستہ سے جماع کیا یا اپنی لونڈی کے دبر کے راستہ سے جان بوجھ کر جماع کیا انزال

ہوایا نہیں ہوا امام ابویوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے قول کے مطابق اس پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔ اور اسی طرح جس نے قوم لوط کا عمل کیا (یعنی لواطت کی) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس میں دو روایتیں ہیں ایک روایت میں جیسا کہ صاحبین نے کہا کہ اس پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں اور اس پر مشائخ کا عمل ہے۔ اور امام صاحب سے دوسری روایت میں اس پر کفارہ نہیں ہے۔

مسئلہ:

جب روزہ دار نے جان بوجھ کر وہ چیز جو بطور غذا یا بطور دوا کھائی جاتی ہے۔ کھالی جیسے روٹی اور دیگر طعام و شراب اور تیل و دودھ وغیرہ تو اس پر ہمارے نزدیک کفارہ ہے۔ اسی طرح جس نے کستوری، کافور، زعفران یا کوئی مرکب خوشبو، کو کھایا تو اس پر بھی قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔

مسئلہ:

جب کسی روزہ دار نے درخت کے وہ پتے کھائے جو لوگ کھاتے ہیں یا سرکہ، زرد رنگ والا پانی، زعفران کا پانی، لوبیہ کا پانی، تربوز، ککڑی، کھیرا کا پانی، انگور کی ٹہنیوں کا پانی بارش اور برف کا پانی، جان بوجھ کر پیا تو کفارہ ہے۔

مسئلہ:

اور کسی روزہ دار نے وہ مٹی کھائی جو مٹی بطور دوا کھائی جاتی ہے جیسے مٹی ارمنی، اس پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔

مسئلہ:

جس نے باریک آٹا کھایا امام ابویوسف کی بعض روایات میں ہے۔ اس پر کفارہ نہیں صرف قضاء ہے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کفارہ واجب ہے اور بعض روایات میں خلاف اس کے عکس ہے۔ یعنی امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک اس پر کفارہ نہیں ہے اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر کفارہ ہے۔

مسئلہ:

مکئی کا آٹا جب روزہ دار نے گھی کے ساتھ ملا کر کھایا تو اس پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔

مسئلہ:

اگر کسی نے ثابت گندم کو کھایا حضرت امام ابوحنیفہ کے قول میں اس پر قضاء اور کفارہ واجب ہے۔ اور امام ابویوسف سے روایت میں ہے اگر روزہ دار نے گندم کو دانتوں سے توڑا اور کھایا تو اس پر قضاء اور کفارہ واجب ہے۔ اور اگر اس نے گندم کا دانہ چبایا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا اس لیے کہ وہ دانتوں سے چمٹ جاتا ہے جیسا کہ تل۔

مسئلہ:

اگر کسی نے انگور کا دانہ نگل لیا تو صرف قضاء ہے کفارہ نہیں اور اگر انگور کا دانہ چبا کر کھایا تو اس پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔

مسئلہ:

اگر کسی نے کچا بادام یا کچا شفتالو کھایا تو اس پر کفارہ ہے اس لیے کہ یہ کچا کھایا جاتا ہے۔ اور کچا اخروٹ کسی نے نگل لیا تو اس پر قضاء ہے کفارہ نہیں۔ کیونکہ وہ کچا نہیں کھایا جاتا۔ اور اگر کسی نے اس کو چبا کر کھایا اگر اس میں مغز ہے تو اس پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔ اس لیے کہ اس نے وہ چیز کھائی جو بہت زیادہ کھائی جاتی ہے اگر اس میں مغز نہیں تو صرف قضاء ہے کفارہ نہیں۔ اس میں کچا اور پکا اخروٹ دونوں برابر ہیں۔

مسئلہ:

خشک بادام اخروٹ کے قائم مقام ہے اگر کسی نے کچی بیس یا پستہ یا اخروٹ ثابت۔ یا خشک بادام مسلم نگل لیا۔ یا چھلکے سمیت انڈا کھایا تو کفارہ نہیں۔ اگر خشک پستہ یا خشک بادام چبا کر کھایا اور اس میں مغز بھی ہو تو کفارہ ہے۔ اور تر بادام کھانے میں بھی کفارہ ہے۔ اور اگر کسی نے سیب نگل لیا تو ہشام کی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت میں اس پر کفارہ ہے اس لیے کہ سیب تمام کا تمام کھایا جاتا ہے۔ بخلاف اخروٹ کے چھلکے کے۔

مسئلہ:

اگر کسی روزہ دار نے خون کھالیا تو ظاہر روایت میں اس پر قضاء ہے کفارہ نہیں۔ اس لیے کہ طبیعت اس کو گندا اور مکروہ سمجھتی ہے۔ اور بعض روایات میں ہے خون کھانے والے پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہے۔ کیونکہ بعض لوگ خون پیتے ہیں۔ اور ظاہر روایت کا قول صحیح ہے۔ اور اگر کسی نے کچا گوشت کھایا تو اس پر قضاء اور کفارہ بھی ہے۔

مسئلہ:

اگر سحری کھانے کا ایک لقمہ منہ میں باقی رہ گیا اور فجر طلوع ہوگئی۔ پھر اس لقمہ کو وہ نگل گیا۔ یا اس نے روٹی کا ایک ٹکڑا لیا تاکہ اسے کھالے اور وہ روزہ کو بھولا ہوا ہے۔ اور جب اس نے روٹی کے اس ٹکڑے کو چبایا اور یاد آگیا کہ وہ روزہ دار ہے تو باوجود روزہ یاد ہونے کے وہ اس کو نگل گیا تو مشائخ کرام کا اس مسئلہ میں چار اقوال پر اختلاف ہے۔

بعض نے کہا اس پر کفارہ نہیں۔ بعض نے کہا اس پر کفارہ ہے۔ اور بعض نے کہا اگر وہ اس کو نگل گیا اس پر کفارہ نہیں اور اگر اس نے اس لقمہ یا روٹی کے ٹکڑے کو منہ سے نکالا پھر دوبارہ منہ میں ڈالا اور نگل گیا اس پر کفارہ ہے۔ بعض نے کہا اگر اس نے اس لقمہ کو منہ سے نکالنے سے پہلے ہی نگل لیا تو اس پر کفارہ ہے۔ اور اگر اس کو منہ سے نکالا پھر منہ میں لوٹایا اس پر کفارہ نہیں۔ اور

یہی قول صحیح ہے۔

مسئلہ:

جب کسی نے اس یقین کے ساتھ سحری کا کھانا کھایا کہ ابھی فجر طلوع نہیں ہوئی۔ یا اس یقین کے ساتھ روزہ افطار کرلیا کہ ابھی سورج غروب ہو چکا ہے پھر کیا دیکھا کہ فجر طلوع ہو چکی ہے اور سورج غروب نہیں ہوا ان دونوں صورتوں میں اس پر صرف قضاء ہے اور کفارہ نہیں۔

مسئلہ:

اگر کسی نے سحری کا کھانا کھایا اور اس کو طلوع فجر میں شک ہے تو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ کھانا چھوڑ دے۔ اور اگر اس نے شک کی حالت میں کھالیا تو اس کا روزہ مکمل ہے۔ اور اگر اس پر غروب شمس میں شک ہے تو اس کو کھانا چھوڑ دینا چاہئے۔ اور اگر وہ شک کی حالت میں کھاتا رہا تو اس پر روزہ کی قضاء واجب ہے۔ اور وجوب کفارہ میں علماء کا اختلاف ہے۔ اگر اس نے سحری کا کھانا کھایا اور اس کی غالب رائے میں فجر طلوع ہو چکی ہے تو اس پر اس دن کے روزہ کی قضاء واجب ہے۔ اور اگر اس نے اپنی غالب رائے میں روزہ افطار کیا کہ سورج غروب نہیں ہوا تو اس پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔ اس لیے کہ دن بھی ابھی ثابت تھا اور اس کے ساتھ اس کا غالب رائے بھی مل چکی تھی تو یہ یقین کے قائم مقام ہو گیا۔ لہٰذا اس پر روزہ کی قضاء بھی ہے اور کفارہ بھی ہے۔

مسئلہ:

جب دو آدمیوں نے شہادت دی کہ سورج غروب ہو چکا ہے اور دوسرے دو گواہوں نے شہادت دی کہ ابھی سورج غروب نہیں ہوا۔ تو اس نے روزہ افطار کرلیا پھر ظاہر ہوا کہ ابھی سورج غروب نہیں ہوا تو بالاتفاق اس پر قضاء ہے کفارہ نہیں۔ اور جب دو آدمیوں نے طلوع فجر کی شہادت دی اور دوسرے دو گواہوں نے شہادت دی کہ ابھی فجر طلوع نہیں ہوئی تو اس نے روزہ توڑ دیا۔ پھر ظاہر ہوا کہ فجر طلوع ہو چکی تھی۔ اس پر بالاتفاق قضاء بھی ہے اور کفارہ بھی۔ اور شہادت اثبات پر قبول کی جائے گی اور وہ شہادت جو نفی پر ہے اس کے معارض نہیں ہو گی۔

مسئلہ:

اگر ایک شخص نے یہ شہادت دی کہ فجر طلوع ہو چکی ہے اور دوسرے دو گواہوں نے شہادت دی کہ ابھی فجر طلوع نہیں ہوئی۔ تو اس نے سحری کا کھانا کھالیا۔ بعد میں ظاہر ہوا کہ فجر طلوع ہو چکی تھی اس پر کفارہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ ایک مرد کی طلوع فجر پر شہادت مکمل حجت نہیں بلکہ یہ حجت کا نصف ہے۔

مسئلہ:

اگر مرد نے اپنی عورت سے کہا دیکھو فجر طلوع ہوئی یا نہیں ہوئی اس عورت نے باہر آ کر دیکھا اور واپس آ کر کہا ابھی فجر

طلوع نہیں ہوئی۔ تو اس کے شوہر نے اس سے جماع کیا پھر ظاہر ہوا کہ فجر طلوع ہو چکی تھی۔ مشائخ کرام کا اس میں اختلاف ہے اگر وہ اپنی بیوی کو سچا سمجھتا ہے اور وہ ثقہ ہے تو مرد پر کفارہ نہیں۔ اور بعض نے کہا اس پر مطلقاً کفارہ نہیں اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ مرد کو رات کا یقین ہے اور دن میں شک ہے اور عورت پر کفارہ ہے کہ اس نے باوجود طلوع فجر کے علم ہونے کے روزہ افطار کیا ہے۔

مسئلہ:

اگر کسی شخص نے ماہ رمضان میں ایک دن روزہ افطار کیا اور اس کا کفارہ نہیں دیا۔ حتیٰ کہ اس نے اس ماہ رمضان میں کسی اور دن کا روزہ نہ رکھا تو اس پر ایک ہی کفارہ ہے۔ اور اگر اس نے دو رمضان شریف میں ایسا کیا تو اس پر ہر دن کا روزہ نہ رکھنے پر کفارہ ہے۔ یعنی اس پر دو کفارے ہیں۔

جن صورتوں میں کفارہ ساقط ہو جاتا ہے اور جن سے ساقط نہیں ہوتا

مسئلہ:

مسافر جب شہر میں واپس آیا اور اس نے ماہ رمضان کا روزہ رکھا ہوا تھا مفتی نے فتویٰ دیا کہ اس کے لیے روزہ رکھنا جائز نہیں تو اس کے بعد اس مسافر نے جان بوجھ کر روزہ افطار کر دیا اس پر کفارہ نہیں۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر اس کو کسی نے فتویٰ نہ بھی دیا ہے تو اسی طرح ہے کہ اس پر کفارہ نہیں اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے۔ اس لیے کہ بعض علماء کا یہ کہنا مسافر کا روزہ رکھنا جائز نہیں۔ یہ اس میں شبہ پیدا کرتا ہے۔ اور اسی طرح جب مقیم نے روزہ کی حالت میں صبح کی پھر سفر کیا اور اس کے بعد روزہ توڑ دیا اس پر بھی کفارہ نہیں۔ اور اس طرح جب کسی عورت نے روزہ توڑا پھر اس کو حیض آ گیا تو اس پر بھی کفارہ نہیں۔ اور صحیح یہی ہے کہ جب کسی نے روزہ توڑا پھر وہ ایسا بیمار رہا کہ وہ اس مرض کے سبب روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا ہمارے نزدیک یہ مرض کفارہ کو ساقط کر دیتا ہے۔ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے ہمارے نزدیک اس کی اصل یہ ہے کہ جب کوئی شخص دن کے آخر میں ایسی صفت پر ہو گیا اگر وہ اس پر دن کے اوائل میں ہوتی جس سے اس کے لیے روزہ توڑنا جائز ہے تو وہ صفت اس سے کفارہ کو ساقط کر دیتی ہے۔

مسئلہ:

صاحب منتقی نے ذکر کیا۔ جب کسی نے ماہ رمضان میں دن میں جان بوجھ کر روزہ توڑا پھر اس کے بعد اس پر کچھ وقت بیہوشی طاری ہو گئی اس پر کفارہ نہیں۔ اگر کسی نے دن کے اوائل میں جان بوجھ کر روزہ توڑا پھر اس کو بادشاہ نے سفر پر مجبور کیا تو ظاہر روایت میں اس سے کفارہ ساقط نہیں ہوگا۔ اور امام حسن نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کیا اس سے کفارہ ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے اپنے اختیار سے سفر کیا تو اس سے کفارہ ساقط نہیں ہوگا۔

مسئلہ:

جب روزہ دار نے بھول کر کھایا۔ پیا یا جماع کیا تو اس نے گمان کیا کہ اس کا روزہ نہیں ہے۔ پھر جان بوجھ کر کھالیا اس پر کفارہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ قیاساً اس کا روزہ فاسد ہو چکا ہے اور اس کا کھانا پینا شبہ کی بناء پر ہے۔ اگر اس کو یہ بات پہنچی ہے اور اس کو معلوم ہے کہ اس کا روزہ بھول کر کھانے، پینے سے فاسد نہیں ہوتا۔ پھر کھایا پیا۔ تو امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ سے روایت میں اس پر کفارہ ہے۔ اور حسن کی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت میں بھی یہی ہے کہ اس پر کفارہ ہے اور یہی صحیح ہے۔

مسئلہ:

اگر کسی شخص کو قے آئی درآنحالیکہ اس کو روزہ یاد ہے تو اس نے جان بوجھ کر کھایا پیا۔ اس پر قضاء بھی ہے اور کفارہ بھی۔ اور بعض روایات میں ہے کہ اس میں عالم اور جاہل کا فرق ہے وہ جاہل پر کفارہ واجب نہیں کرتے صرف عالم پر کفارہ کو واجب قرار دیتے ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول میں جاہل بھی اسی طرح ہے۔ یعنی اس پر قضاء اور کفارہ ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے اور قول امام محمد رحمۃ اللہ علیہ مضطرب ہے۔

مسئلہ:

اگر کسی کو ماہ رمضان میں دن کے وقت احتلام ہو گیا پھر اس نے جان بوجھ کر کھالیا۔ اس پر کفارہ ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جاہل بھی اسی طرح ہے۔ اور یہ قول ظاہر روایت کے مطابق ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے اگر اس نے کسی فقیہ سے مسئلہ پوچھا تو اس فقیہ نے اس کو روزہ افطار کرنے کا فتویٰ دیا۔ پھر اس کے بعد محتلم نے جان بوجھ کر کچھ کھالیا تو اس پر کفارہ نہیں۔ اور یہی صحیح ہے۔

مسئلہ:

اگر کسی نے پچھنے لگوائے اور گمان کیا کہ اس سے اس کا روزہ ٹوٹ گیا ہے یا اس نے آنکھوں میں سرمہ ڈالا یا اپنی مونچھوں کو تیل لگایا اور گمان کیا کہ اس سے اس کا روزہ ٹوٹ گیا ہے اگر وہ جاہل ہے تو اس کے متعلق اس کی بات نہ سنی جائے اور نہ ہی اس کو کسی نے فتویٰ دیا کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا ہے۔ تو جان بوجھ کر کھانے سے اس پر کفارہ واجب ہے۔ کیونکہ یہ وہ چیز ہے جو کسی حال میں بھی روزہ کو توڑنے والی نہیں۔

مسئلہ:

اگر کسی نے پچھنے لگوانے کے متعلق حدیث سنی اور اس کی تاویل کو جانتا ہے تو اس طرح اس پر بھی کفارہ واجب ہے۔ اور اگر وہ اس حدیث کو تاویل کو نہیں جانتا تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر کفارہ ہے جیسا کہ عالم پر تھا اگر اس جاہل نے کسی

مفتی سے پچھنے لگوانے کے متعلق پوچھا تو مفتی نے اس سے کہا تیرا روزہ ٹوٹ گیا ہے اس نے جان بوجھ کر کھایا۔ اس پر کفارہ نہیں ہے۔

مسئلہ:

روزہ دار نے کسی کی غیبت کی تو گمان کیا اس سے روزہ ٹوٹ گیا ہے۔ اس کے بعد اس نے جان بوجھ کر کچھ کھالیا۔ اگر اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان پہنچا ہے کہ غیبت روزہ کو توڑ دیتی ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان تین چیزیں روزہ کو توڑ دیتی ہیں اور وضوء کو بھی توڑ دیتی ہیں۔ غیبت، چغلی اور عورت کے محاسن کی طرف نظر کرنا۔ تو اس نے حدیث پر اعتماد کیا اور جان بوجھ کر روزہ توڑ دیا اور حدیث کی تاویل کو بھی نہیں جانتا بعض نے کہا یہ مسئلہ اور پچھنے لگوانے والا مسئلہ تمام وجوہ میں برابر ہیں۔ اور عام مشائخ عظام رحمہم اللہ نے فرمایا ہر حال پر اس پر کفارہ ہے اس نے حدیث پر اعتماد کیا یا فتویٰ پر اس لیے کہ تمام علماء کا اس پر اجماع ہے ظاہر حدیث پر عمل متروک ہے۔

مسئلہ:

کسی نے مسواک کی تو گمان کیا اس سے اس کا روزہ ٹوٹ گیا ہے پھر اس نے جان بوجھ کر کھایا۔ اس پر قضاء اور کفارہ ہے خواہ وہ عالم ہو یا جاہل کیونکہ یہ وہ چیز ہے جس کو ہر خاص وعام جانتا ہے۔

مسئلہ:

اگر روزہ دار نے چوپائے یا مردار سے ایلاج کیا (یعنی اس کی دبر میں اپنا عضو تناسل ڈالا) اور انزال نہیں ہوا۔ اس کا روزہ فاسد ہوگا نہ اس پر غسل ہے اگر اس نے یہ گمان کیا اس سے اس کا روزہ ٹوٹ گیا ہے اس کے بعد اس نے جان بوجھ کر کھالیا۔ اگر یہ کام کرنے والا عالم ہے تو اس پر قضاء اور کفارہ واجب ہے اگر وہ جاہل ہے تو اس پر صرف قضاء ہے کفارہ نہیں۔

مسئلہ:

اگر کسی نے عورت کے محاسن کی طرف دیکھا اور انزال ہو گیا یا اس عورت کے حسن میں تفکر کیا اور انزال ہو گیا تو گمان کیا اس سے اس کا روزہ جاتا رہا۔ تو پھر جان بوجھ کر کھایا، پیا۔ اور یہ قے کرنے کے قائم مقام ہے۔ اور بعض نے کہا اگر وہ عالم ہے تو اس پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہے۔ اور اگر وہ جاہل ہے تو اس پر صرف قضاء ہے کفارہ نہیں۔

بحمدہ تعالیٰ! میں نے امام فخر الدین حسن بن منصور اوز جندی فرغانی متوفی 592ھ کے فتاویٰ قاضی خان سے روزہ کے متعلق کم وبیش یک صد 100 مسائل نقل کیے ہیں۔

فتاویٰ قاضی خان کے متعلق صاحب رد المحتار علامہ ابن العابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"فان قاضیخان من اهل التصحیح و الترجیح" (رد المحتار، جلد 4، ص 276، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

یعنی بلاشبہ قاضی خان اہل تصحیح اور ترجیح میں سے ہیں۔

اور اہل ترجیح مجتہدین کے طبقہ خامسہ سے ہیں جو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی دو قول میں سے ایک کو ترجیح دیتے ہیں جیسے یہ کہیں "ھذا الاصح" "ھذا اولیٰ" وغیرہ اور اسی طبقہ سے صاحب ہدایہ شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابوبکر مرغینانی حنفی متوفی 593ھ ہیں۔ صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے۔

شیخ اکمل الدین فرماتے ہیں: صاحب ھدایہ تیرہ 13 سال کتاب ھدایہ کی تصنیف میں مشغول رہے اور اس مدت میں آپ نے روزہ نہیں چھوڑا۔ اور اس پر آپ کوشش کرتے رہے کہ کوئی بھی ان کے روزہ پر مطلع نہ ہو۔ اور اسی طبقہ سے امام ابوالحسین احمد بن محمد قدوری بغدادی متوفی 428ھ ہیں۔ اور قدوری وہ کتاب ہے جس پر لفظ کتاب "فی المذھب" بولا جاتا ہے۔ اس کا متن متین ہے اور ایمان آئمہ کے درمیان متداولہ ہے اور اس کی شہرت بیان سے مستغنی ہے۔ اور بعض شروح کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ کتاب بارہ ہزار 12000 مسائل پر مشتمل ہے۔ اور صاحب مصباح انوار الادعیہ۔ لکھتے ہیں، حنفیہ وباء کے دنوں میں کتاب مختصر القدوری کے پڑھنے سے برکت حاصل کرتے تھے۔ اور یہ ایک مبارک کتاب ہے جس نے اس کو یاد کیا وہ فقر سے مامون رہے گا۔

چنانچہ میں نے جملہ مسائل روزہ فتاویٰ قاضی خان سے نقل کرتے ہوئے درج ذیل کتب زیر نظر رکھیں۔

حدایہ۔ (فتح القدیر لابن ہمام متوفی 861ھ، بحر الرائق لابن نجیم حنفی متوفی 970ھ، رد المحتار لابن العابدین شامی متوفی 1252ھ، جوھر نیرہ جو کہ سراج وھاج کا اختصار ہے المعروف بالحدادی عبادی متوفی 800ھ، جامع الرموز القہستانی متوفی 962ھ، مجمع الانھر الشیخ زادہ متوفی 1078ھ شرح النقایہ لقاری حنفی متوفی 1014ھ خلاصۃ الفتاوی بطاہر بن احمد بن عبد الرشید بخاری متوفی 542ھ اور فتاویٰ عالمگیریہ)

اور جو میں نے مسائل روزہ نقل کئے ان میں سے اکثر مسائل وہ ہیں جن پر ائمہ فقہاء کا اتفاق ہے اور فتاویٰ عالمگیری میں ان کو ترجیح دی گئی ہے اور اس کے علاوہ صاحب ردالمحتار اور فتح القدیر اور بحر الرائق نے بھی ان پر اعتماد کیا ہے۔ اور بہت کم ایسے مسائل ہیں جن پر ائمہ کا اختلاف ہے۔

جیسے صاحب درمختار نے فرمایا:

او دخل الماء فی اذنه وان کان بفعله ٥ (علی المختار)

یعنی جس روزہ دار کے کان میں پانی داخل ہوا اگر چہ اس کے خود کرنے سے ایسا ہوا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

صاحب درمختار نے فرمایا یہی مختار ہے۔

صاحب فتاویٰ قاضی خان نے لکھا ہے اگر کسی نے اپنے کان میں پانی ٹپکانا تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا اس میں بدن کی منفعت شرط نہیں۔

چنانچہ صاحب درمختار کے نزدیک اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا اور صاحب فتاویٰ قاضی خان کے نزدیک اس کا روزہ فاسد

ہوگا۔

علامہ ابن العابدین رحمۃ اللہ علیہ اس کے ماتحت فرماتے ہیں: صاحب ھدایہ نے اور صاحب تبیین الحقائق نے کہا یہی مختار ہے۔ اور صاحب محیط نے فرمایا یہ صحیح ہے اور دلوالجیہ نے کہا یہی مختار ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں خانیہ میں اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ اگر اس کے کان میں پانی داخل ہوا تو روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ اور اگر اس نے خود کان میں پانی داخل کیا تو صحیح قول کے مطابق اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا اس لیے کہ خود اس کے پانی ڈالنے سے وہ پانی جوف تک پہنچا ہے اور اس میں بدن کی صلاح معتبر نہیں۔ اور اسی طرح بزازیہ میں ہے۔

چنانچہ صاحب ردالمحتار نے فتاویٰ قاضی خان کے قول کو ترجیح دی ہے۔

(ردالمحتار، جلد دوئم، ص: 107 مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اس طرح ابن ہمام نے بھی لکھا ہے:

فالا ولی تفسیر الصورۃ بادخال بصنعہ کما ھو فی عبارۃ الامام قاضیخان فی تعلیل ما اختارہ من ثبوت الفساد۝ الخ

اگر کان میں پانی داخل ہو تو روزہ فاسد نہیں ہوتا اس صورت کی اولیٰ تفسیر یہ ہے کہ روزہ دار کے بذات خود جان بوجھ کر کان میں پانی انڈیلنے سے روزہ فاسد ہو جائے گا۔ جیسا کہ امام قاضی خان نے روزہ کے ثبوت فساد کے متعلق جو اختیار کیا اس کی تعلیل میں ان کی یہ عبارت ہے۔

"وان صب الماء فیھا اختلفوا فیہ والصحیح ھو الفساد"

اگر روزہ دار نے اپنے کان میں پانی انڈیلا تو علماء کا اس میں اختلاف ہے اور صحیح قول یہی ہے کہ روزہ فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ اپنے فعل سے خود پیٹ میں پانی پہنچانے والا ہے اور اس میں بدن کی منفعت معتبر نہیں ہے۔ اس کے بعد ابن ہمام فرماتے ہیں۔ ظاہر ہوتا ہے پانی کی تفصیل کے متعلق صحیح قول وہی ہے جس کو امام قاضی خان نے اختیار فرمایا ہے۔

لہٰذا اس مسئلہ کے اختلاف پر ائمہ کرام نے امام قاضی خان کے قول کو ترجیح دی ہے اور اسی طرح دیگر مسائل بھی ہیں جن میں اختلاف ہے اور ائمہ اعلام نے قاضی خان کے قول کو ترجیح دی ہے۔ میں نے بحمدہ تعالیٰ ان مسائل کو نقل کیا ہے جن پر علماء کا اعتماد و اعتبار ہے۔ **واللہ اعلم بالصواب۔**

سعیدی صاحب اور اسلاف:

محترم حضرت العلام سعیدی صاحب زید مجدہ نے "انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹنے کا بیان" کے ماتحت ارقام فرمایا ہے۔

تحقیق یہ ہے کہ انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے قدیم فقہاء کے دور میں انسانی جسم کی اور اس کے تمام اعضاء کی مکمل تحقیق نہیں ہوئی تھی اور ان کے نظریات محض مفروضات پر مبنی تھے۔ انہوں نے انسان کے جسم کا مکمل مشاہدہ اور تجربہ نہیں

کیا تھا اور اب تحقیق اور تجربہ سے ان کے کئی نظریات غلط ثابت ہو گئے۔ مثلاً ان کا مفروضہ تھا کہ دماغ اور معدہ کے درمیان ایک منفذ (راستہ) ہے اور دماغ سے معدہ میں اور معدہ سے دماغ میں کوئی چیز چلی جاتی ہے حالانکہ دماغ اور معدہ میں کوئی منفذ نہیں ہے۔ نیز ان کا مفروضہ تھا کہ کان اور معدہ میں منفذ ہے حالانکہ کان اور معدہ میں کوئی منفذ نہیں ہے۔ انہی مفروضات کی بناء پر انہوں نے کہا کہ جوف معدہ یا جوف دماغ میں کوئی غذا یا دوا چلی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ لیکن یہ فقہاء اس غلطی میں معذور تھے کیونکہ اس زمانہ میں پوسٹ مارٹم کے ذریعہ جسم کے تمام رگ و ریشہ کا مکمل مطالعہ اور مشاہدہ نہیں کیا گیا تھا۔ نیز ان کے زمانہ میں جسم کو غذا یا دوا کے ذریعہ منفعت پہنچانے کا ذریعہ صرف معدہ کا نظام ہضم تھا اس لیے انہوں نے کہا دوا یا غذا معدہ میں پہنچ جائے تو اس سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ جب ہم منہ کے ذریعہ دوا کھاتے ہیں تو معدہ کے ہضم کرنے کے بعد وہ دوا خون میں پہنچ جاتی ہے اور جب تک وہ دوا خون میں نہ چلی جائے اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ پہلے دوا سے صرف استفادہ کا یہی ایک طریقہ تھا لیکن اب میڈیکل سائنس نے ترقی کر لی ہے اور انجکشن کے ذریعہ دوا کو براہ راست خون میں پہنچایا جاتا ہے۔ بعض اوقات کسی عارضہ کی وجہ سے معدہ کام کرنا چھوڑ جاتا ہے۔ پہلے اس کا کوئی حل نہیں تھا۔ اب جب معدہ کام نہ کرے یا کسی چیز کو قبول نہ کرے یا دوا کا اثر جلدی مطلوب ہو تو دوا کو انجکشن کے ذریعہ براہ راست خون میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ لہٰذا منہ کے ذریعہ دوا کھانے سے جو فائدہ مطلوب ہوتا ہے وہ انجکشن کے ذریعہ دوا خون میں پہنچانے سے بہ طریق اتم اور اکمل حاصل ہو جاتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ منہ کے ذریعہ دوا کھانے سے معدہ کے عمل ہضم کے بعد دوا خون میں پہنچتی ہے اور انجکشن کے ذریعہ اسی وقت براہ راست دوا خون میں پہنچ جاتی ہے۔ اور اثر کرتی ہے۔ اس لیے جس طرح منہ کے ذریعہ دوا کھانے سے روزہ ٹوٹتا ہے اس طرح دوا کا انجکشن لگوانے سے بھی روزہ ٹوٹ جائے گا۔

پھر تین چار سطور کے بعد فرماتے ہیں: دوا یا گلوکوز کا انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اس میں صرف قضاء ہے کفارہ نہیں ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز "صورۃ" اور "معنیٰ" دونوں طرح مفطر ہو اس سے قضاء اور کفارہ دونوں لازم آتے ہیں۔ اور جو صرف "صورۃ" یا صرف "معنیٰ" مفطر ہو اس سے صرف قضاء ہے کفارہ نہیں ہے اور دوا یا گلوکوز کا انجکشن لگوانا صرف "معنیٰ" مفطر ہے "صورۃ" مفطر نہیں ہے۔ انتہی کلامہ (تبیان القرآن، جلد اول، ص: 707)

آپ نے حضرت علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کا انجکشن سے روزہ ٹوٹ جانے کے متعلق تفصیلی بیان سماعت فرمایا۔ آپ نے مسئلہ کی تمہید میں جو غلطیاں کی ہیں وہ آپ کی خدمت میں پیش خدمت ہیں۔

اوّل: جناب محترم سعیدی صاحب نے قدیم فقہاء کرام کے اس مسئلہ کو کہ جوف معدہ اور جوف دماغ کے درمیان منفذ "راستہ" ہے کو غلط قرار دیا ہے۔ حالانکہ ہمارے اسلاف فقہاء کرام نے اس کو ثابت کیا ہے۔

علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ بحر الرائق میں فرماتے ہیں:

وفی التحقیق ان بین الجوفین منفذاً اصلیاً فما وصل الی جوف الراس یصل الی جوف

البطن○ کذا فی النهایه و البدائع○

(بحرالرائق، مجلد اول، جزدوئم، ص:279، مطبوعہ سعید اینڈ کمپنی کراچی)

"تحقیق" میں ہے کہ جوف معدہ اور جوف دماغ کے درمیان ایک اصلی منفذ (راستہ) ہے۔ چنانچہ جو چیز جوف دماغ تک پہنچتی ہے وہ جوف بطن تک بھی پہنچتی ہے۔

علامہ ابن العابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ردالمحتار شرح درمختار میں فرمایا:

والتحقیق ان بین جوف الرأس وجوف المعدة منفذاً اصلیاً فما وصل الی جوف الرأس یصل الی جوف البطن○ (ردالمحتار، جلد دوئم، ص:112، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اور تحقیق یہ ہے کہ جوف دماغ اور جوف معدہ کے درمیان ایک اصلی منفذ (راستہ) ہے جو چیز جوف دماغ تک پہنچتی ہے وہ چیز جوف بطن تک پہنچتی ہے۔

الفقیہ المحقق عبداللہ بن شیخ محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی ملتقی الابحر کی شرح مجمع الانہر میں فرماتے ہیں:

فما وصل الی الدماغ وصل الی الجوف لما ان بین الدماغ والجوف منفذ○

(مجمع الانہر، جلد اول، ص:230، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

یعنی جو چیز دماغ تک پہنچتی ہے وہ جوف تک بھی پہنچتی ہے اس لیے کہ دماغ اور جوف کے درمیان ایک منفذ (راستہ) ہے۔

ان کے علاوہ بھی کئی فقہاء کرام نے یہی فرمایا ہے کہ دماغ اور جوف تک ایک اصلی منفذ (راستہ) ہے۔ جس کا سعیدی صاحب انکار فرمارہے ہیں۔ اور آپ کے انکار کا مبنی یہ ہے کہ ہمارے معتمد اسلاف فقہاء کرام کا یہ قول نظریاتی ہے اور مفروضہ ہے۔ اور اس کی دلیل یہ پیش فرمائی کہ دور جدید میں سرجیکل کے ذریعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ جوف دماغ اور جوف معدہ کے درمیان کوئی منفذ نہیں ہے۔ اب دیکھتے ہیں کیا یہ صحیح ہے یا غلط ہے۔

ہمارے دو مستند و تجربہ کار ڈاکٹر حضرات نے اس کے متعلق اس کی تحقیق لکھ کر مجھے عنایت فرمائی وہ بھی پیش خدمت ہے۔

وہ دونوں ڈاکٹر حضرات یہ ہیں:

1- ڈاکٹر آفتاب احمد خاں صاحب:

ایم بی بی ایس، آر ایم پی، ڈی-سی-ایچ، کھاریاں ضلع گجرات۔

2- ڈاکٹر ظفر مہدی صاحب:

ایم بی بی ایس، ایم-ڈی-آر-ایم-پی نصیرہ تحصیل کھاریاں۔

یہ کہنا کہ دماغ اور معدہ کے درمیان کوئی راستہ نہیں ہے یہ نا سمجھی، کم علمی اور نا تجربہ کاری ہے۔ کیونکہ نروس سسٹم (NERVOUS SYSTEM) میں دماغ اور معدہ کا ڈائریکٹ تعلق ہے۔

(مثال)

1- دماغ پر چوٹ لگنے کی وجہ سے ہمیشہ معدہ متاثر ہوتا ہے اسی لیے اس کے علاج میں معدہ کے لیے دوائی سب سے پہلے دی جاتی ہے۔

2- ذہنی دباؤ کے مریض ہمیشہ معدہ کی بیماری میں بھی مبتلا ہو جاتے ہیں۔ سرکولیٹری سسٹم (CIRCULATORY SYSTEM) میں خون معدہ سے نکل کر جگر پھر مختلف راستوں سے ہوتا ہوا دل اور دل سے دماغ میں پہنچتا ہے۔

3- (Liver C) جگر کی سوزش یا جگر کے کینسر میں (　　) گندا خون جب معدہ سے دل اور پھر دماغ میں پہنچتا ہے تو دماغ کے ٹھیک کام نہ کرنے کی وجہ سے آدمی قومہ میں جا سکتا ہے۔

4- ہیپاٹائٹس بی اور سی کی وجہ سے جب جگر کام کرنا چھوڑ دیتا ہے تو معدہ سے (IMPURIFIED) گندا خون اسی طرح دماغ میں پہنچتا ہے اور ہیپاٹک ''قومہ'' میں مریض کے جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔

5- اگر کسی مریض کی شوگر کم ہو جائے اور وہ بے ہوش ہو جائے (دماغ میں گلوکوز کا لیول کم ہونے کی وجہ سے بندے بے ہوش ہوتا ہے) تو تھوڑی مقدار چینی یا میٹھی چیز کھلانے سے اکثر بندہ واپس ہوش میں آ جاتا ہے کیونکہ معدہ کا خون دل سے گزرنے کے بعد دماغ میں جاتا ہے۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا دماغ اور معدہ کے درمیان راستہ ہے اور حضرات فقہاء کرام نے جو نقل فرمایا ہے وہ صحیح ہے۔ کیونکہ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے بصری سے جو دیکھا اور فراست سے جو سمجھا اس کے مطابق انہوں نے یہ مسئلہ نقل فرمایا۔

اس کے متعلق حضرت ابوسعید خدری رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث پیش خدمت ہے:

عن ابی سعید الخدری (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) قال- قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتقوا فراسۃ المؤمن فانہ ینظر بنور اللہ ۞ ثم قرأ ''ان فی ذالک لآیت للمتوسمین'' ۞

(ترمذی شریف، حدیث نمبر: 3127، حلیۃ الاولیاء، جلد 4، ص: 94، مطبوعہ دار الفکر، ایضاً جلد 6، ص: 118)

حلیۃ الاولیاء کی پہلی حدیث ابن عمر۔ اور دوسری حدیث حضرت ابوامامہ سے مروی ہے۔ اور امام طبرانی نے ''معجم کبیر'' میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث تخریج کی ہے۔

(طبرانی، جلد 8، ص: 102، مطبوعہ دار احیاء التراث عربی، فتح الباری، جلد 12، ص: 388، مطبوعہ دار المعرفہ)

امام زبیدی نے ''اتحاف السادۃ المتقین'' میں اور امام عجلونی نے ''کشف الخفا'' میں نقل کیا ہے:

''اتقوا فراسۃ العلماء'' (اتحاف، جلد 7، ص: 259، مطبوعہ تصویر بیروت، ''خفا'' جلد اول، ص: 42، مطبوعہ مکتبہ دار التراث عربی)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مؤمن کی فراست سے ڈرو کیونکہ وہ اللہ عزوجل کے عطا کردہ نور سے دیکھتا ہے۔

امام زبیدی اور عجلونی نے فرمایا: علماء کی فراست سے ڈرو۔

جبکہ حضرات علماء ربانیین اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نور سے دیکھتے ہیں۔

اور ان کی فراست کا ذریعہ نور خدا ہے جب انہوں نے اس مسئلہ کو اپنی فراست اور اس وقت کی طب کے مطابق بیان فرمایا کہ دماغ اور جوف کے درمیان منفذ (راستہ) ہے۔ اور ڈاکٹر حضرات نے اس کی تصدیق کر دی تو ان کے احکام فقہ کو نظریات اور مفروضات کی بناء پر خطاء سمجھنا قرین عقل ونقل نہیں۔ اور نہ جناب محترم سعیدی زید مجدہ جیسے مقتدر عالم دین کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ حکم فقہ کو مفروضہ قرار دیں۔

(دوئم): اب ملاحظہ فرمائیں نظریہ کیا ہے:

فیروز اللغات فیروز سنز لاہور میں ہے۔

وہ مسئلہ جس میں نظر وفکر سے کام لیا جائے۔ تھیوری، اصول قاموس مترادفات وارث سرہندی میں ہے۔

<u>نظریہ:</u>

خیال، قیاس، اصول، نصب العین اور نقطۂ نظر کا نام ہے۔ اکرام چغتائی تشریحی لغت میں لکھتا ہے۔

دور حاضر میں عمرانیات کے ماہر "مثلاً" "مینہم" نظریات کو خیالات کے مختلف انداز قرار دیتا ہے۔ وہ مختلف نظریات کے درمیان امتیاز بھی روا رکھتا ہے۔ مثلاً: کسی خاص گروہ کے گروہی خیالات وغیرہ۔ پھر 1950ء تا 1960ء کے عشروں میں ماہرین عمرانیات کے ایک گروہ نے جس میں "ریمنڈ یرون" ایڈورڈ شلز اور ایس۔ ایم لیپ سیٹ شامل ہیں۔ اس نے نظریات کے اس تصور کو لادینیت کا مترادف قرار دیا تھا۔ جو ان کے خیالات میں مغربی صنعتی معاشروں میں الہامی عقائد کے انحطاط یا الہامی نظریات کے خاتمہ کا سبب بن گیا۔ ایک فلسفی ٹالکوٹ پرسنر نے نظریات یا نظریہ کو ایک تشریحی سکیم قرار دیا ہے۔ جو عمرانی گروہوں نے اس دنیا کو بہتر طور پر سمجھنے کے قابل بنانے کے لیے اختیار کی ہے۔

مارکس کے نظریہ کے حامی اور عمرانی اقدار وروایات کے حامی دونوں "نظریہ" کو حقائق کو مسخ شدہ صورت تصور کرتے ہیں۔ اور مارکس "نظریہ" کو ضمیر کی سچائی کے الٹ قرار دیتے ہیں۔

کلیفورڈ گیرٹز کے مطابق نظریہ تو ایک طرح کی علامت ہوتی ہے۔ جو دوسرے ثقافتی علامتی نظام میں سے ایک ہے۔ مثلاً: علمی نظریات، سائنسی نظریات، یا پھر مذہب نظریات جو سب سائنسی انداز لیے ہوئے ہیں۔

میں نے نظریہ کے معانی کا ایک پہلو آپ کے سامنے پیش کیا ہے جس پر تبصرہ نہیں کرنا چاہتا۔ آپ خود ہی اس سے نظریہ کا رخ متعین کر سکتے ہیں کہ حقیقت نظریہ کیا چیز ہے اور کیا احکام فقیہ کے لیے نظریات کا استعمال جائز ہے یا نہیں۔ اس کے بعد

لغت کی کتاب ''المنجد'' سے اس کا معنی بھی سماعت فرمائیں۔ صاحب منجد لکھتا ہے:

نظریہ: ''فی ھندسۃ'' وہ قضیہ جو صحت ثبوت کے لیے دلیل کا محتاج ہو۔ جمع نظریات۔ اور ہندسہ کا معنی حد وقیاس بھی ہے۔ اور ''قضیۃ'' منطقیوں کے نزدیک وہ قول ہے جس کے کہنے والے کو سچا یا جھوٹا کہا جا سکے۔ اور یہ مصدر ''قضی'' کا اسم ہے۔

اسماعیل بن حماد جوہری نے ''الصحاح'' میں لکھا ہے:

القضاء: الحکم: قضاء حکم ہے۔ اس کی اصل ''قضایی'' تھی مگر جب الف کے بعد صرف ''یاء'' آتا ہے تو صرف ''یاء'' ہمزہ سے بدل جاتا ہے۔ اور اس کی جمع ''اقضیۃ'' ہے۔

''والقضیۃ مثلہ'' اور قضیہ بھی اس کی مثل ہے یعنی بمعنی حکم ہے۔ اور اس کی جمع ''قضایا'' بروزن ''فعالی'' ہے۔ اور اس کا اصل ''فعائل'' ہے۔

(صحاح للجوہری، جلد 6، ص 2463، مطبوعہ دار العلم للملایین بیروت طبعہ اولیٰ قاہرہ 1376ھ، 1956م)

اور اسی طرح ابن منظور کی ''لسان العرب'' میں بھی ہے۔

اس کے بعد نظریہ کا معنی یہ ہوا۔ وہ حکم جو صحت ثبوت کے لیے دلیل کا محتاج ہو۔ یعنی نظریہ وہ حکم ہے جس کے صحیح ہونے کا ثبوت محتاج دلیل ہے۔ علامہ سعیدی صاحب نے ''احکام فقہیہ کو نظریات قرار دے کر در اصل یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ اس حکم کے صحیح ہونے کے لیے دلیل چاہیے ورنہ یہ حکم صحیح نہ ہوگا۔ اسی لیے جناب والا نے مسائل صوم میں کان اور معدہ کے درمیان بھی منفذ (راستہ) کا انکار فرمایا ہے۔ چنانچہ یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ جس مسئلہ شرعی کو سعیدی صاحب زید مجدہ نظریہ مبنی بر مفروضہ قرار دے رہے ہیں اس کا تعلق روزہ کے فساد وعدم فساد سے ہے جو کہ احکام شرعیہ سے متعلق ہے۔ اور حضرت علامہ سعیدی صاحب بلا دلیل اس کو قبول نہیں فرما رہے۔ اور یہ تقلید کے خلاف ہے۔

تقلید کا معنی:

الصحاح للجوہری میں ہے:

''القلادۃ التی فی العنق ومنہ التقلید فی الدین''

یعنی گردن میں ہار وغیرہ ڈالنا اور اسی سے تقلید فی الدین ہے۔

اور اسی طرح ابن منظور کی ''لسان العرب'' میں ہے۔

اصطلاح اور شرع میں اس کا معنی یہ ہے کہ کسی کے قول وفعل کو اپنے اوپر شرعی جاننا یہ سمجھ کر کہ اس کا کلام اور اس کا کام ہمارے لیے حجت ہے کیونکہ یہ شرعی محقق ہے۔

حسامی کے حاشیہ میں ''باب متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے ماتحت صفحہ 86 پر شرح مختصر المنار سے منقول

ہے اور یہ عبارت نور الانوار میں ''بحث تقلید'' کے ماتحت منقول ہے۔
تقلید کا معنی ہے کسی شخص کا اپنے غیر کی اطاعت کرنا اس بات میں جو کچھ اس سے سنا یا اسے کرتے دیکھا یہ سمجھ کر کہ وہ اہل تحقیق سے ہے بلا نظر کئے دلیل میں۔
امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''المستصفی'' جلد دوئم، ص:387 میں فرماتے ہیں:
''التقليد هو قبول قول بلا حجة''
یعنی کسی کے قول کو بلا حجت قبول کرنا یہ تقلید ہے۔
مسلم الثبوت میں ہے:
''التقليد العمل بقول الغير من غير حجة''
یعنی تقلید کا معنی ہے بلا دلیل کسی کے قول پر عمل کرنا۔
علامہ حسن جان سرہندی رحمۃ اللہ علیہ ''اصول اربعہ'' میں فرماتے ہیں:

معنائے تقلید قبول کر دن قول شخصے است بلا طلب دلیل

(اصول الاربعہ، ص:115)

تقلید کا معنی ہے کسی شخص کے قول کو بلا طلب دلیل قبول کرنا۔
جب نظریہ کا معنی یہ ہو کہ کسی حکم کے صحیح ہونے کے ثبوت کے لیے دلیل ضروری ہے۔ اور ظاہر ہے دماغ و معدہ کے درمیان راستہ یا کان اور معدہ کے درمیان راستہ جو کہ روزہ کے فساد و عدم فساد کے لیے ایک حکم ہے۔ جیسا کہ مسائل روزہ میں مذکور ہے کہ صاحب درمختار کا قول کہ کان میں پانی جانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ لیکن امام قاضی خان نے فرمایا: اگر کسی نے ''بفعلہ'' اپنے کام میں پانی انڈیلا تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔ اور امام قاضی خان کے اس مسئلہ کی علامہ ابن العابدین اور ابن ہمام نے تصدیق و تحسین فرمائی۔ چنانچہ علامہ سعیدی صاحب زید مجدہ فقہ کے جس مسئلہ کو نظریہ جو کہ مبنی بر مفروضہ ہے قرار دے رہے ہیں اور فرماتے ہیں قدیم فقہاء جس میں امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر وغیرہم سب شامل و داخل ہیں۔ ان کے نظریات محض مفروضات پر مبنی تھے۔ تو بقول سعیدی صاحب احکام فقہ کا پورا ڈھانچہ ہی کسی دلیل کا محتاج ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ یہ احکام صحیح ہیں۔ یا نہیں تو پھر فقہ کا حسن یا ٹائٹل کیا ہوگا۔
اگر سعیدی صاحب کے اس قول نظریات مبنی بر مفروضات کو ملحوظ نظر رکھا جائے تو آپ کے اس قول کو کہ فقہاء کرام کے کئی نظریات غلط ثابت ہوئے۔ ان نظریات سے مثلاً یہ مفروضہ۔ الخ
تو نظریہ کے معنی کے اعتبار سے تو تقلید کا انکار ہی نظر آتا ہے کیونکہ نظریہ کا معنی ہے کسی حکم کے صحیح ثابت کرنے کے لیے دلیل کی احتیاج ہے جب احکام فقہ جو کہ قرآن وسنت سے مستفیضہ و مستخرجہ ہیں یہ سب کے سب نظریاتی ہیں جو کہ محض

مفروضات پر مبنی ہیں۔ تو ان احکام کے صحت ثبوت کے لیے دلیل کی احتیاج ہے جن سے یہ ثابت ہو کہ یہ احکام صحیح ہیں۔ اور تقلید کا معنی ہے بلا طلب دلیل کسی کے قول پر عمل کرنا اور یہاں احکام فقہ جو قدیم فقہاء کے نظریات مبنی بلا مفروضات ہیں اور بلا تخصیص ان کے کئی نظریات غلط ہیں تو یہ سب کے سب محتاج دلیل ہوئے جن سے ان احکام شرعیہ کی صحت کا ثبوت مل سکے۔ اور یہ کھلم کھلا تقلید سے انکار ہے۔ مجھے بحمدہ تعالیٰ آپ کی نیت پر شبہ نہیں لیکن آپ کے مستعمل الفاظ سے یہ ثابت و محقق ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے جناب محترم سعیدی صاحب زید مجدہ نے قدیم فقہاء کرام کے اقوال کو نظریات جو محض مفروضات ہیں سے تعبیر فرما کر باب اجتہاد کھولنے کا ارادہ فرمایا ہو۔ اور جب اس میں داخل ہو کر مسند اجتہاد پر متمکن ہو جائیں تو لوگ کہنے لگیں آپ واقعی مجتہد ہیں۔ مسئلہ تقلید اور احکام فقہ کے متعلق باحوالہ دلائل میری ان دو کتابوں مسئلہ تقلید کی شرعی حیثیت، اور امام اعظم اور علم حدیث کو مطالعہ فرمائیں۔ جس سے مسئلہ تقلید اور احکام فقہ سے آپ کو آگاہی ہوگی۔

قطب ربانی امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مستطاب "میزان الکبریٰ" کے مقدمہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

وقد تتبعت بحمده تعالیٰ اقواله و اقوال اصحابه لما الفت کتاب "ادلة المذاهب" فلم اجد قولا من اقواله او اقوال اتباعه الا وهو مستند الیٰ آیة اوحدیث او اثر او الیٰ مفهوم ذالك او حدیث ضعیف کثرت طرقه او الی قیاس صحیح علی اصل صحیح ○

(میزان الکبریٰ ص:60ص،مطبوعہ مطبعہ ازہریہ بمصر طبعہ ثالثہ سن 1344ھ 1925م)

فرماتے ہیں: جب میں نے اپنی کتاب مستطاب "ادلة المذاهب" تالیف کی تو میں نے بحمدہ تعالیٰ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال اور آپ کے اصحاب کے اقوال کی تلاش کی۔ تو میں نے امام صاحب کے اقوال میں کوئی قول یا آپ کے متبعین کے اقوال میں سے کوئی قول ایسا نہیں پایا جو قرآن معظم کی آیت یا حدیث یا اثر صحابہ یا اس کے مفہوم یا حدیث ضعیف جو بطرق کثیرہ وارد ہوئی ہو اس کی طرف مستند نہ ہو۔ یا قیاس صحیح جو اصل صحیح پر ہے مستند نہ ہو۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے ثابت ہوا کہ امام صاحب اور آپ کے متبعین کے جملہ اقوال قرآن و سنت یا اثر وحدیث ضعیف یا قیاس صحیح جس کا اصل صحیح ہے کہ طرف منسوب ہیں۔ علامہ سعیدی صاحب زید مجدہ ان اقوال کو جو قرآن و سنت اور قیاس صحیح سے ثابت ہیں ان کو نظریات سے تعبیر فرما رہے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان نظریات کو مفروضات کہہ رہے ہیں۔ جس کا معنی یہ ہے حضرات فقہاء کرام کے جملہ اقوال وہ نظریات ہیں جو محض من گھڑت اور خیالی کہانیاں ہیں۔

ویسے بھی اگر آپ لوگ سعیدی صاحب زید مجدہ کی تفسیر تبیان القرآن کی مطالعہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ یہ دعوت دے رہے ہیں۔ تقلید شخص کی کوئی ضرورت نہیں آپ ائمہ مذاہب میں سے جس مذہب کے مطابق عمل کرنا چاہیں عام اجازت ہے۔ آپ مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بھی مقلد ہوسکتے ہیں۔ مذہب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قلاوہ بھی گلے میں

ڈال سکتے ہیں۔ مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ میں بھی سیر فرما سکتے ہیں۔ اور مذہب امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کو بھی زینت عمل بنا سکتے ہیں۔ جسے "تتبع الرخص فی المذاهب" کا نام دیا جاتا ہے۔ یعنی آپ ہر مذہب میں سیر کر سکتے ہیں۔

کیونکہ علامہ سعیدی صاحب نے مذاہب ائمہ تو بیان فرمایا لیکن ان میں سے کسی مذہب کو ترجیح نہیں دی۔ چنانچہ پڑھنے والا تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے کہ میں کس مسئلہ پر عمل کروں۔ اگر موصوف کسی مذہب کو ترجیح دے دیتے۔ یا اس کا تعین فرما دیتے۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے ہماری دلیل یہ ہے تو اس سے کم از کم احناف کو فائدہ ہوتا۔ لیکن اس کے برعکس حضرت علامہ سعیدی صاحب زید مجدہ نے کسی مذہب پر عمل کرنے کی توثیق نہیں فرمائی۔ جیسا کہ آپ نے اس آیۂ کریمہ "یرید الله بکم الیسر" کے ماتحت تفسیر بالرای کرتے ہوئے مفقودہ شوہر کے متعلق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجحان فرمایا ہے۔ اس کے متعلق مکمل دلائل اس آیت مبارکہ کے ضمن میں ملاحظہ فرمائیں۔

پھر حضرت علامہ سعیدی صاحب زید مجدہ کے اس قول کو کہ فقہاء قدیم کے نظریات محض مفروضات پر مبنی ہیں اور ان کے کئی نظریات غلط ثابت ہوئے، سے ثابت ہوتا ہے جناب کا دست فیض غیر مقلدین پر بھی ہے۔

کیونکہ وہ بھی امام صاحب کے احکام فقہ کو قصہ اور کہانی بھی قرار دیتے ہیں اور رسائل فقہیہ کو وہ بھی مفروضات ہی کہتے ہیں۔

ابوالقاسم بناری نومسلم نے اپنی کتاب رذیل "الجرح علی ابی حنیفة" مطبوعہ سعید المطابع بنارس 1330ھ میں لکھا ہے۔

او یعنی ابوحنیفہ قرآن وحدیث نہ خواندہ بود و او علم تاریخ و تفسیر مطلقا نمیدانست و او مانند شیخ چلی خیالات داشت۔ الخ

(منقول از اصول اربعہ، ص: 113)

یعنی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ قرآن وحدیث پڑھے ہوئے نہیں تھے اور وہ علم تاریخ اور تفسیر مطلقاً نہیں جانتے تھے۔ اور وہ شیخ چلی کی مانند خیالات رکھتے تھے اور ان کی فقہ بے علمی تھی۔ آپ اس عبارت کو بغور پڑھیں اور بار بار پڑھیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے خیالات شیخ چلی کی مثل تھے "العیاذ الله من ذالك" اگر آپ کی طبع نازک پر گراں نہ گزرے تو شیخ چلی کے خیالات مفروضات ہی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ان دونوں میں مماثلت ہے۔

جب غیر مقلدین بھی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے احکام شرعیہ مستنبطہ از قرآن وسنت کو خیالات شیخ چلی کہیں۔ اور ہم بھی امام صاحب کی ادلہ شرعیہ کو نظریات قرار دیں جو کہ محض مفروضات (خیالی کہانیاں) ہیں تو پھر ہم میں اور ان میں کونسا فرق باقی رہ گیا۔

یہی نہیں بلکہ عبدالجلیل مسامروی نے اپنی کتاب "بوے غسلین" مطبوعہ سن 1319ھ میں بھی اپنے مقتدیان حقد مین و متاخرین سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے فقہ کے متعلق بھی یہی اظہار کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ محض مفروضات پر

مبنی ہے۔

خدارا انصاف کریں کہ حضرت علامہ سعیدی صاحب زید مجدہ نے جملہ فقہاء کرام کے اقوال کو نظریات سے تعبیر فرما کر پھر نظریات بھی وہ جو محض مفروضات ہیں ہم اہل سنت و جماعت احناف پر کیسا احسان فرمایا ہے۔ وہ بھی یہ کہہ سکتے ہیں ہمیں مطعون کیوں کرتے ہو آپ کے مقتدر عالم دین نے بھی تو یہی نقل کیا ہے۔ اس کا جواب کیا ہے۔

اگر جناب محترم سعیدی صاحب زید مجدہ فقہاء کرام کے اس مفروضہ (یعنی دماغ اور معدہ کے درمیان کوئی راستہ نہیں ہے) کو کسی اچھے اور مستحسن لفظ میں ادا فرما دیتے تو کیا اچھا ہوتا۔ اگر آپ کی تحقیق انیق سے یہ بات ثابت ہے تو آپ یہ بھی کہہ سکتے تھے یہ ان کا حسن ظن تھا یا اس قسم کا کوئی جملہ ارشاد فرما دیتے تو آپ کے ان مستعمل الفاظ میں جو اسلاف کی تحقیر کی بو آرہی ہے اس سے بری الذمہ قرار پاتے۔

جناب والا نے ائمہ فقہاء کرام کی فراست جو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نور سے دیکھتے ہیں یعنی ان حضرات گرامی کے نور بصیرت سے جو شمع روشن ہوئی اور اس کے پرتو سے شرق و غرب، شمال و جنوب تک سب مسلمان مستفید و مستفیض ہوئے اور قیامت تک ہوتے رہیں گے (شمع سے میری مراد ائمہ احناف کے قرآن وسنت اور قیاس صحیح سے مستخرجہ مسائل شرعیہ ہیں جن کی طرف قطب ربانی امام شعرانی نے بھی اشارہ فرمایا) اس شمع کے مفروضہ قرار دینا خلاف عقل و نقل ہے۔ اور اس سے غیر مقلدین کی دلالت نظر آتی ہے جو کہ ہم اہلسنت کے لیے نہایت ہی نقصان دہ اور فقہاء کرام کے اقوال کی تردید کا باعث بنے گی۔

میرے نزدیک تو فقہ حدیث ہے۔ جس نے فقہ کا انکار کیا اس نے حدیث کا انکار کیا۔ اور جس نے فقہ کے مسائل کو نظریاتی اور مفروضات قرار دیا اس نے حدیث کو بھی نظریات قرار دیا جو کہ محض مفروضات ہیں۔ بندۂ ناچیز اس کی دلیل میں چند حوالہ جات نقل کرتے ہیں جس سے آپ کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ فقہ بھی حدیث ہی ہے۔

فقہ بھی حدیث ہے:

علامہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مشکوٰۃ کی شرح ''اشعة اللمعات'' کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

بدانکہ حدیث در اصطلاح محدثین قول و فعل و تقریر رسول خدا گویند صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ و معنی تقریر آنست کہ مثلاً شخصے در حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کارے کرد یا سخنے گفت وے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بر آن مطلع شد۔ واز آن نہی نکرد و انکار نمود و سکوت ورزید۔ و نزد بعضے قول و فعل و تقریر صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین نیز حدیث گویند۔ الخ

یعنی محدثین کرام کی اصطلاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں۔ اور تقریر کا معنی یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور کوئی کام کیا یا کوئی بات کہی اور آپ اس پر مطلع ہوئے اور

آپ نے اس شخص کو نہ منع کیا اور نہ ہی انکار فرمایا اور سکوت اختیار فرمایا۔ اور اس کو مقرر رکھا اس کو تقریر کہتے ہیں۔ اور بعض کے نزدیک صحابہ کرام اور تابعین عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قول، فعل اور تقریر کو بھی حدیث کہتے ہیں۔ اور جو حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک منتہی ہو اس کو حدیث مرفوع سے تعبیر کرتے ہیں۔ چنانکہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کام کیا۔ یا یہ بات فرمائی۔ یا آپ نے تقریر میں فرمایا۔ یا کہتے ہیں حضرت ابن عباس سے مرفوع آیا ہے۔ یا کہتے ہیں اس حدیث کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رفع کیا ہے۔ اور جو حدیث صحابہ کرام تک منتہی ہو اس کو موقوف کہتے۔ جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ کام کیا۔ یہ بات کہی یا تقریر کیا۔ یا حضرت ابن عباس سے موقوفاً آیا ہے یا حضرت ابن عباس کے ساتھ موقوف ہے۔ اور وہ حدیث جو تابعین تک منتہی ہے اس کو مقطوع کہتے ہیں اور مشہور یہ ہے کہ موقوف اور مقطوع کو اثر کہتے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے آثار میں اسی طرح آیا ہے۔ اور بعض اثر کو بھی حدیث مرفوع پر اطلاق کرتے ہیں جیسے ادعیہ ماثورہ ودعائے ماثور میں یہ آیا ہے۔

اسی طرح صدیق حسن بھوپالی نے حطہ کے صفحہ 24 میں جمہور محدثین سے حدیث کی یہی تعریف کی ہے۔ میر سید شریف نے ترمذی شریف کے مقدمہ میں بھی یہی لکھا ہے۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ تابعین کے قول، فعل اور تقریر کو بھی حدیث کہتے ہیں تو بالاتفاق علماء حضرات امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تابعین میں سے ہیں۔ جیسا کہ حافظ مزی نے تہذیب الکمال، حافظ عسقلانی نے تہذیب التہذیب، امام ذھبی نے المیز ان پھر الکاشف، اور خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں لکھا ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے صحابہ کرام کو دیکھا ہے۔ اور صاحب تنسیق النظام نے امام صاحب نے جن صحابہ کرام کو دیکھا ہے ان کی تعداد بمعہ اسماء صحابہ کرام چوبیس 24 تک تحریر کی ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رویت صحابہ میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔ اختلاف صرف صحابہ کرام سے امام صاحب کی روایت میں ہے۔ میں نے اپنی کتاب ''امام اعظم اور علم حدیث'' میں اس پر نہایت مدلل باحوالہ گفتگو کی ہے۔ اس میں امام صاحب کی رویت صحابہ اور آپ کی صحابہ کرام سے روایت کے متعلق ملاحظہ فرمائیں۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تابعی ہیں اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ ہر تابعی کا قول فعل، تقریر حدیث ہے تو اب نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول، فعل، تقریر بھی حدیث ہے۔ اس تقریر سے روز روشن کی طرح عیاں اور ظاہر ہو گیا کہ امام صاحب کی فقہ بھی حدیث ہے۔

روایت حدیث:

حضور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شریعت اخذ کرنے کے دو طریقے ہیں۔

ایک بطور ظاہر (یعنی اسناد کے ساتھ) جس میں نقل کی ضرورت ہے۔ متواتر ہو یا غیر متواتر۔

دوسرا بطریق ولایت:

اس طرح کہ صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام کو کوئی کام کرتے دیکھا یا کوئی حکم فرماتے ہوئے سنا تو صحابہ کرام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول یا فعل سے حکم وجوب یا ندب سمجھ کر اس حکم سے لوگوں کو خبردار کیا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس حکم کا انتساب نہیں کیا۔ یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقریر سے صحابی نے جو مسئلہ سمجھا اسے اپنے شاگردوں کے سامنے بلا انتساب بیان کر دیا۔ جیسے عام لوگوں میں دستور ہے کہ عالم سے مسئلہ پوچھتے ہیں تو عالم مسئلہ کا جواب دے دیتا ہے۔ اور جو حکم ہوتا ہے بتا دیتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص عالم دین سے سوال کرتا ہے کہ مذی یا بول سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں۔ تو عالم دین اس کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ کوئی حدیث پڑھ کر نہیں سناتا۔ تو جس حدیث میں بول یا منی نکلنے سے وضو ٹوٹ جانا آتا ہے۔ یہ فتویٰ اسی کی روایت ہے لیکن بطریق ظاہر نہیں۔ بلکہ بطریق دلالت ہے۔

حضرت علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ میں اسی طرح نقل کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

اعلم ان تلقی الامة منه علی وجهین احدهما تلقی الظاهر ولا بد ان یکون بنقل اما متواتر او غیر متواتر○

وثانیهما التلقی دلالة وهی ان یری الصحابة رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم یقول او یفعل فاستنبطوا من ذالك حكما من الوجوب وغيره فاخبر وا بذالك الحكم○

(حجۃ اللہ، ص:104)

حضرت العلامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس نقل کا ترجمہ وہی ہے جو روایت حدیث کے ماتحت مذکور ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہے حضرات علماء کرام از صحابہ و تابعین روایت حدیث سے جھجکتے اور ڈرتے تھے۔ اس کا سبب کوئی بھی ہو بہر حال یہ لوگ روایت سے ڈرتے تھے اور جنہوں نے بکثرت روایت کیا انہوں نے بھی اس پر خوف ظاہر کیا۔

چنانچہ جو لوگ احادیث مبارکہ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت کرنے سے ڈرتے تھے اس جماعت کا طریقہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وافعال سے جو کچھ وہ سمجھتے تھے اس پر اطمینان کر لیتے اور اس کو شاگردوں کے سامنے بلا انتساب بیان کرتے۔ یہی سلسلہ بالآخر فقہ کے نام سے موسوم ہوا۔ اور یہ طریقہ (یعنی طریق دلالت پہلے طریقہ (یعنی بطور ظاہر اسناد کے ساتھ) سے مضبوط اور محکم تھا۔ اس کے راوی کے لیے ضروری ہے کہ وہ فہم وفراست سے وافر حصہ رکھتا ہو۔ اور ہر ایک حکم کی اصلیت کو سمجھتا ہو۔ اس لیے اس طریق کے مبلغین کی تعداد بہت کم ہے۔ صحابہ کرام میں بھی

بہت کم رہی۔ حضرات صحابہ کرام سے چند ممتاز رہے۔ جیسے حضرت عمر فاروق، ابن مسعود، علی المرتضیٰ، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم بہت مشہور تھے۔ تابعین میں سے مکہ مکرمہ میں عطاء بن ابی رباح، مدینہ منورہ میں فقہاء سبعہ، کوفہ میں ابراہیم نخعی، بصرہ میں حسن بصری، یہ سب لوگ بلا انتساب مسئلہ بتادیا کرتے تھے اور ان کے یہ سلسلے ان کے تلامذہ میں رہے اور وہ اس پر عامل رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک رفع نہیں کرتے تھے اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ فقہ بھی دراصل حدیث ہے۔

امام اعظم کی مرویات:

اس تقریر سے معلوم ہوگیا کہ سیدنا ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ مسند حدیثوں کو کیوں کم روایت کرتے تھے۔ اور فتاویٰ مسائل کی کیوں کثرت تھی۔ جب حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے دادا استاد (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) روایت حدیث سے کانپتے تھے تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کیوں احتیاط نہ کرتے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے تو سنت خلفاء پر عمل کیا اور کبار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روش پر رہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ کثیر الروایت شخص دنیا میں نہیں ہوا۔ امام صاحب کی مرویات آج فقہ حنفی کی صورت میں تمام عالم کے سامنے ہیں۔ یہ تحقیق انیق فقیہ اعظم مولانا ابویوسف محمد شریف محدث کوٹلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تھی۔ آپ کی اس تحقیق کی تائید میں حضرات علماء کرام کے چند اقوال پیش خدمت ہیں۔

ابوالمؤید امام موفق بن احمد مکی متوفی 484ھ اپنی کتاب الموفق میں حضرت عبداللہ بن مبارک سے روایت نقل کرتے ہیں:

عن سدید بن نصر سمعت بن المبارك يقول لا تقولوا رأى ابى حنيفة ولكن قولوا تفسير الحديث○ (الموفق، جلد دوئم، ص:51)

سوید بن نصر سے روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن مبارک کو کہتے ہوئے سنا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی رائے نہ کہو۔ بلکہ یہ کہو کہ یہ حدیث کی تفسیر ہے۔

صاحب خیرات الحسان اور عقود الجمان حضرت عبداللہ بن مبارک سے روایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وعنه قول ابى حنيفة عندنا اذا لم نجد أثراً كا الاثر عن رسول الله صلى الله عليه وسلم○

(الخیرات الحسان، ص:75، عقود الجمان، ص:189)

حضرت عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: جب ہم اثر (حدیث) نہ پائیں تو ہمارے نزدیک حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اثر (حدیث) کی مثل ہے۔

خطیب بغدادی وغیرہم نے حسن بن سلیمان سے ایک روایت کی ہے:

عن محمد بن حفص عن الحسن بن سليمان انه قال فى تفسير الحديث "لاتقوم الساعة حتى يظهر العلم" قال هو علم ابى حنيفة وتفسيره الآثار○

(تاریخ بغداد، جلد13، ص:336، الموفق، جلد دوئم، ص:148، اخبار ابوحنیفہ واصحابہ للصیمری، ص:9)

محمد بن حفص نے حسن بن سلیمان سے روایت کیا کہ انہوں نے اس حدیث مبارک ''قیامت قائم نہ ہوگی حتی کہ علم ظاہر ہوجائے گا'' کی تفسیر کے متعلق فرمایا۔ اس علم سے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا علم مراد ہے اور اس کی تفسیر آثار ہیں۔

صاحب موفق اور مناقب کردری نے یزید بن ہارون سے روایت کیا:

عن شبة بن هشام ابن لبيد بن ابی لبيد قال كنا عند يزيد بن هارون فقال المغيرة ۝ الخ

(الموفق، جلد دوئم، ص: 48، مناقب کردری، جلد اول، ص: 101)

لبید بن ابی لبید نے کہا کہ یزید بن ہارون کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو یزید بن ہارون نے کہا مغیرہ نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا کہ انہوں نے اس طرح کہا۔ ایک شخص نے کھڑے ہوکر عرض کیا اے شیخ۔ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث بیان کرو اور ان کو چھوڑو۔ یزید بن ہارون نے کہا اے جاہل یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کی تفسیر ہیں۔ اور تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کو کیا کرے گا جب کہ تو اس کا معنی اور تفسیر نہیں سمجھتا۔

یزید بن ہارون نے کہا تمہارا ارادہ صرف سماع حدیث اور جمع حدیث ہے۔ اگر تمہارا ارادہ حصول علم ہے تو تم حدیث کے معنی اور تفسیر طلب کرو۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتب اور ان کے اقوال کو دیکھو وہ تمہیں حدیث کی تفسیر بیان کریں گے۔

حضرت علماء کرام کے بیان سے کالشمس الاظہر ظاہر وعیاں ہوگیا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے اقوال ''آثار'' اور احادیث کی تفسیر ہیں۔

جب آپ لوگوں کو معلوم ہوگیا کہ فقہ بھی دراصل حدیث ہے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی و مسائل احادیث ہیں تو نتیجہ یہ نکلا مسائل فقہ احادیث ہیں اور جو شخص فقہی مسائل کا انکار کرتا ہے وہ درحقیقت حدیث کا انکار کرتا ہے۔ اور جس شخص نے مسائل فقہ کو ایسے نظریات قرار دیا جو کہ مفروضات پر مبنی ہیں اس نے گویا کہ احادیث کو نظریات شمار کیا جو کہ مفروضات پر مبنی ہیں۔

چنانچہ اس پورے کلام کا ماحاصل یہ ہے کہ حضرت علامہ سعیدی صاحب زید مجدہ نے قدیم فقہاء کرام کے مسائل کو نظریات سے تعبیر کرتے ہوئے انہیں محض مفروضات قرار دیا ہے جو کہ احادیث کو مفروضات سے تعبیر کرنے کے مترادف ہے۔ سعیدی صاحب زید مجدہ کو فقہی مسائل کے متعلق فقہاء کرام کے اقوال کو ایسے الفاظ استعمال کرنے سے اجتناب کرنا چاہئے۔ جس سے فقہ حنفی کی اصل روح مجروح ہوتی ہو۔ اور اسلاف پر طعن وتشنیع کا سبب بنتے ہوں۔

ٹیکہ لگوانے سے روزہ کا ٹوٹنا اور سعیدی صاحب کا استدلال:

حضرت علامہ سعیدی صاحب دامت فیوضہ نے فرمایا۔ لہٰذا منہ کے ذریعہ دوا کھانے سے جو فائدہ مطلوب ہوتا ہے وہ

انجکشن کے ذریعہ دوا خون میں پہنچانے سے بہ طریق اتم واکمل ہو جاتا ہے۔ اس لیے جس طرح منہ کے ذریعہ کھانے سے روزہ ٹوٹتا ہے اسی طرح دوا کا انجکشن لگوانے سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس میں صرف قضاء ہے کفارہ نہیں۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز صورۃً اور معنیً دونوں طرح مفطر ہو اس سے قضاء اور کفارہ دونوں لازم آتے ہیں۔ اور جو صرف ''صورۃً'' یا صرف ''معنیً'' مفطر ہو اس سے صرف قضاء ہے کفارہ نہیں۔ اور دوا یا گلوکوز کا انجکشن لگوانا صرف ''معنیً'' مفطر ہے ''صورۃً'' مفطر نہیں۔

سعیدی صاحب زید مجدہ نے جو یہ فرمایا انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے جو کہ ''معنیً'' مفطر ہے۔ ''صورۃً'' مفطر نہیں۔ اور جب تک کوئی چیز معنیً اور صورۃً۔ دونوں طرح مفطر نہ ہو اس پر صرف روزہ کی قضاء ہے کفارہ نہیں۔

سب سے پہلے تو ہمیں یہ معلوم کرنا ہوگا کہ ''معنیً'' اور ''صورۃً'' مفطر کی تعریف کیا ہے۔ پھر اس کے بعد معلوم ہوگا کہ دوا کا انجکشن لگوانا کس طرح ''معنیً'' مفطر ہے۔

صورۃً مفطر کی تعریف:

صاحب ھدایہ لکھتے ہیں:

(ومن ابتلع الحصاة والحديد افطر) لوجود صورة الفطر۰ (ولا كفارة عليه) لعدم المعنى۰

جس نے کنکری یا لوہا نگل لیا وہ روزہ افطار کر دے۔ اس لیے کہ یہاں صورت فطر پایا گیا ہے۔ (یعنی یہ صورۃً مفطر ہے) اور اس پر کفارہ نہیں۔ اس لیے کہ یہ معنیً مفطر نہیں۔

اس کے ماتحت ابن ہمام فرماتے ہیں:

وكل ما لا يتغذى به ولا يتداوى به عادة كا الحجر والتراب كذالك لا تجب فيه الكفارة۰

ہر وہ چیز جو بطور غذا اور نہ ہی بطور دوا عادۃً کھائی جائے جیسے پتھر اور مٹی وغیرہ (اسی طرح ہے جیسے معنیً مفطر ہے) اس میں کفارہ نہیں۔ یعنی جو چیزیں عادۃً نہیں کھائی جاتیں اور نہ ہی بطور دوا ان کا استعمال کیا جاتا ہے۔ ان چیزوں کے نگلنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس پر صرف روزہ کی قضاء ہے کفارہ نہیں۔ اس کو ''صورۃً'' مفطر کہتے ہیں۔ (فتح القدیر، جلد دوئم، ص 260)

صاحب ھدایہ کا قول ''عدم المعنیٰ'' یعنی فطر کا معنیٰ۔ اور وہ ہر اس چیز کا جوف تک پہنچانا ہے جس میں بدن کی منفعت ہو خواہ وہ چیز ہو جو بطور غذا کھائی جائے۔ یا وہ بطور دوا کھائی جائے۔ اس کو ''معنیٰ مفطر'' کہتے ہیں۔ یعنی کسی دوا یا غذا کا کھانا جس سے بدن کی صلاح ومنفعت ہو اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس پر صرف قضاء ہے کفارہ نہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ففى الاكل الفطر صورة وهو الابتلاع ۰ والمعنى كونه مما يصلح به البدن من غذاء او دواء۰ (ردالمحتار، جلد دوئم، ص 117)

یعنی کھانے میں صورۃ فطر ہے اور وہ نگلنا ہے۔ اور معنیٰ اس چیز کا بطور غذا یا دوا کھانا جس سے بدن کی صلاح اور منفعت ہو۔

اگر کسی شخص نے عمداً کوئی چیز دانتوں سے چبا کر نگلی تو اس پر قضاء اور کفارہ دونوں لازم ہیں۔ کیونکہ اس شخص نے ایسی چیز کو چبا کر نگلا ہے جس میں بدن کی منفعت ہے اور یہ "صورۃ اور معنیٰ" دونوں طرح مفطر ہیں۔ صورۃ اور معنیٰ مفطر کی مختصر تعریف کے بعد یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ جو چیز معنیٰ مفطر ہے۔ کیا اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کو منہ کے ذریعہ سے کھایا جائے۔ یا نہیں۔

چنانچہ صاحب مجمع الانھر نے اس قول کہ (دوا جوف بطن یا جوف دماغ تک پہنچی) کے ماتحت لکھا ہے:

"قالا لا يفطر لأنه لم يصل من المنفذ الاصلى"

(مجمع الانھر، جلد اول، ص:241)

صاحبین امام ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ نے فرمایا: وہ روزہ افطار نہ کرے اس لیے کہ وہ منفذ اصلی (جیسے منہ وغیرہ) سے جوف تک نہیں پہنچی۔

ابن العابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

وذكر فى البدائع انها تجب بايصال ما يقصد به التغذى او التداوى الى جوفه من الفم بخلاف غيره ٥

صاحب بدائع نے ذکر کیا ہے کہ جو چیز قصداً غذا یا دوا منہ کے ذریعہ سے جوف تک پہنچتی ہے وہ کفارہ کو واجب کرتی ہے۔

اگر بلا قصد ہو جیسے کوئی عذر وغیرہ تو اس سے صرف قضاء ہے کفارہ نہیں۔ اس سے بھی معلوم ہوا معنیٰ مفطر وہ ہے جو منفذ اصل یعنی منہ کے ذریعہ سے کھائی جائے۔ لیکن انجکشن کا ذریعہ تو منفذ اصل نہیں وہ مسل بانس کے ذریعہ سے خون تک دوا پہنچاتا ہے۔ جو کہ معنیٰ مفطر کے متضاد ہے۔

علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری نے شرح نقایہ میں لکھا ہے:

او ابتلع حصاة و كذا ما فى معناه مما لا يتغذى به و لا يتداوى كا الحديد لو جود صورة الفطر وهو الادخال من الفم الى الجوف ٥

(شرح النقایہ، جلد اول، ص:415)

یا کسی نے کنکری نگل لی اور اسی طرح جو اس کے معنیٰ میں ہے (جیسے لوہا وغیرہ) جو چیز نہ تو بطور غذا کھائی جاتی ہے اور نہ ہی بطور دوا۔ جیسے لوہا، بوجہ صورۃ فطر پائے جانے کے (یعنی یہ صورۃ مفطر ہے معنیٰ نہیں) اور وہ بدن یعنی منہ کے

داخل کرنا ہے جو جوف تک پہنچے۔ یہاں بھی اگر صورۃ مفطر ہے تو منہ کے ذریعہ کھانے سے ہے اور اسی طرح صاحبین کے نزدیک معنیٰ مفطر میں بھی منہ کے ذریعہ سے کھانا شرط ہے۔

مولانا جلال الدین خوارزمی نے کفایہ علی الھدایہ میں اس کو نہایت وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:

وذكر في الايضاح مايصل الى الجوف من المخارق المعتادة فانه يفطر سواء كان من الفم او من الحقنة وما وصل الى الحوف او الى الدماغ من غير المخارق المعتادة نحو ان يصل من جراحة فانه يفطر عند ابى حنيفة رحمة الله وقالا يفطر لان الصوم هو الامساك والامساك انما يقع عن المخارق العادة وما ليس بمعتاد لايعد امساكاً وابوحنيفه رحمة الله يعتبر الوصول٥

(فتح القدیر، جلد دوئم، ص:266)

صاحب ایضاح نے ذکر کیا کہ جو چیز منافذ (راستوں) معتادہ سے پیٹ تک پہنچے۔ وہ روزہ کو توڑ دیتی ہے خواہ بذریعہ منہ پہنچے یا بذریعہ نیچہ وغیرہ اور جو چیز جوف یا دماغ تک منافذ معتادہ کے غیر راستہ سے پہنچے مثلاً زخم کے ذریعہ سے وہ چیز امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک روزہ کو توڑ دیتی ہے۔ اور صاحبین فرماتے ہیں: اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا اس لیے کہ ''صوم'' کا معنی ہے رکنا، باز رہنا اور یہ صرف منافذ معتادہ سے ہی واقع ہو سکتا ہے اور جو معتاد نہیں اس کو امساک شمار نہیں کیا جاتا۔ اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک معتبر چیز کا پیٹ تک پہنچنا ہے۔

اس عبارت سے ثابت ہوا جو چیز منفذ اصلی (یعنی منہ وغیرہ) کے ذریعہ سے جوف یا دماغ تک پہنچتی ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس چیز کا پیٹ میں پہنچنا معتبر ہے۔

چنانچہ اس کلام کا ماحصل یہ ہے کہ ''صورۃ مفطر'' کی تعریف میں ہر اس چیز کا منہ کے ذریعہ سے نگلنا ضروری ہے جو چیز عادۃً کھائی نہیں جاتی یا وہ دوا جو عادۃً نہیں کھائی جاتی۔ لیکن ''معنیٰ مفطر'' کی تعریف میں اختلاف ہے۔ صاحبین حضرت امام ابو یوسف اور محمد رحمہما اللہ کے نزدیک جو چیز جوف یا دماغ تک پہنچے وہ ان منافذ (راستوں) سے پہنچے جن سے عادۃً کھایا جاتا ہے جیسے منہ وغیرہ۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اگر کوئی چیز جوف یا دماغ تک ان منافذ (راستوں) سے پہنچے جن سے عادۃً خورد و نوش نہیں ہوتا (جیسے زخم وغیرہ کے منفذ سے) تو وہ روزہ افطار کرے اس پر قضاء ہے۔ اور صاحبین کا موقف یہ ہے کہ ''صوم'' لغت میں امساک (کھانے پینے سے باز رہنا) کا نام ہے۔ اور امساک صرف ان منافذ معتادہ سے ہی واقع ہوتا ہے اور جو عادۃً ایسا نہیں اس کو امساک شمار نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ حضرت علامہ سعیدی صاحب نے مطلقاً انجکشن کو ''معنیٰ مفطر'' قرار دیا ہے جس سے صرف قضاء ہے کفارہ نہیں۔ اور صاحبین کی تعریف سے تو انجکشن خارج ہے اس لیے کہ اس کا استعمال منافذ

معتادہ سے نہیں۔ لہٰذا انجکشن معنی مفطر کی تعریف سے خارج ہوگیا۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تعریف کے مطابق انجکشن لگوانا اس وقت ''معنی مفطر'' میں آئے گا جب اس کو کسی پر قیاس کیا جائے گا۔ جیسا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جو دوا جوف کے گہرے زخم میں رکھی جائے اور اس کا اثر پیٹ تک پہنچے تو باعتبار وصول الی الجوف اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس پر قضاء ہے کفارہ نہیں۔

چنانچہ اس بندہ ناچیز کی یہ رائے ہے فتویٰ نہیں جس سے اختلاف نہیں ہوسکتا۔ اور رائے سے اختلاف ہوسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے میری رائے غلط ہو۔

وہ رائے یہ ہے جیسا کہ صاحب حدایہ نے لکھا ہے:

''قالا لا یفطر لعدم التیقن بالوصول لانضمام المنفذ مرۃ'' واتساعہ اخریٰ''

صاحبین نے فرمایا: پیٹ یا دماغ کے گہرے زخم پر دوا لگانے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ بخلاف امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے۔ صاحبین کہتے ہیں دوا کا پیٹ یا دماغ تک پہنچنا یہ یقینی نہیں۔ اس لیے کہ کبھی زخم کا منفذ (راستہ) باہم مل جاتا ہے۔ اور کبھی راستہ کھل جاتا ہے۔

صاحب حدایہ نے پیٹ کے گہرے زخم کو حکماً منفذ قرار دیا ہے اور یہ منفذ اصلی نہیں۔ اسی طرح اگر انجکشن لگوانے کو جہاں انجکشن لگایا جاتا ہے مسل یا نس وغیرہ اس جگہ کو حکماً منفذ قرار دیا جائے جیسے کہ پیٹ تک پہنچنے والے زخم کو منفذ کہا گیا ہے اور امام صاحب کے نزدیک اس منفذ (راستہ) سے جو دوا پیٹ یا دماغ تک پہنچے اس کا روزہ فاسد ہوگیا اس پر قضاء ہے کفارہ نہیں۔

لہٰذا میرے نزدیک تو انجکشن لگوانا اس اعتبار سے ''معنی'' مفطر ہے اور جو چیز صرف ''معنی'' مفطر ہے۔ اس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اس پر صرف روزہ کی قضاء ہے کفارہ نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

٥

اللہ عزوجل کا فرمان

شھر رمضان الذی انزل فیه القرآن ھدی للناس وبینت من الھدیٰ والفرقان○فمن شھد منکم الشھر فلیصمه ومن کان مریضاً او علیٰ سفر فعدۃ من ایام اخر○ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ولتکملوا العدۃ ولتکبروا اللہ علیٰ ماھداکم ولعلکم تشکرون○

(سورۃ بقرہ، آیت:185)

رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا لوگوں کے لیے ہدایت اور رہنمائی اور فیصلہ کی روشن باتیں تو تم میں سے جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے۔ اور جو بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں اللہ تعالیٰ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔ اور اس لیے کہ تم گنتی پوری کرو اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی بولو اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت کی اور کہیں تم حق گزار ہو۔ (کنزالایمان)

کیا بلا اضافت شہر رمضان کہنا جائز:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک باب قائم کیا وہ یہ ہے:

باب ھل یقال رمضان او شھر رمضان "وقال" ومن رأی کله واسع ○ وقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "من صام رمضان" وقال "لا تقدموا رمضان" ○ (فتح الباری، جلد 4، ص:112، دار الفکر بیروت)

کیا جائز ہے کہ رمضان (بلا اضافت شہر) کہا جائے یا (بالاضافت) شہر رمضان کہا جائے۔ اور بعض نے ان دونوں کو جائز سمجھا۔ اور

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جس نے رمضان کا روزہ رکھا۔" اور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "رمضان سے آگے روزہ نہ رکھو۔"

گویا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان دو احادیث معلقات سے یہ باور کرایا ہے کہ "رمضان" بلا اضافت شہر کہنا جائز ہے۔

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام بخاری نے اس ترجمہ کے ساتھ ایک ضعیف حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے جس کو ابو معشر نجیح مدنی نے سعید مقبری سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا۔

لا تقولوا رمضان فان رمضان اسم من اسماء الله○ ولکن قولوا شهر رمضان○

(فتح الباری، جلد 4، ص 113، الکامل فی الضعفاء لابن عدی، جلد 7، حدیث نمبر 2517، کنز العمال، حدیث 23743، تفسیر در منثور، جلد اول، ص 183)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صرف ''رمضان'' نہ کہو کیونکہ رمضان اللہ عزوجل کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ لیکن ''شہر رمضان'' کہو۔

اور ابن عدی نے ابو معشر کو ضعیف کہا ہے۔

اور اس کے متعلق نسائی نے بھی ترجمۃ الباب قائم کیا ہے۔

باب الرخصة فی ان یقال لشهر رمضان، رمضان○

یعنی اس میں رخصت ہے کہ شہر رمضان کو (بلا اضافت شہر) رمضان کہا جائے۔

پھر امام نسائی نے حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع حدیث بیان کی:

''لا یقولن احدکم صمت رمضان ولا قمته''

(نسائی شریف، ص: 297، حدیث: 2111، دار السلام للنشر والتوزیع ریاض)

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں: شہر کے ساتھ رمضان کو مقید کرنا اس اعتبار سے ہے کہ قرآن پاک میں یہ اس طرح وارد ہوا ہے ''شهر رمضان الذی'' ہے چنانچہ لوگوں نے اس سے تمسک کیا کہ رمضان کو بلا اضافت شہر نہ بولا جائے۔

پھر فرماتے ہیں: یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ لفظ شہر کا احادیث میں حذف راویوں کے تصرف میں سے ہو۔ گویا کہ یہ ایک بھید ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حکم کو بالجزم بیان نہیں کیا۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

فالذی اختاره المحققون والبخاری منهم○ الخ

اور جو محققین کا اختیار ہے اور امام بخاری بھی ان میں سے ہیں کہ بلا اضافت شہر، رمضان کہنا مکروہ نہیں ہے کہ یہ کہا جائے رمضان آیا، ہم نے رمضان کے روزے نہیں رکھے۔ اور امام مجاہد اور عطاء، رمضان کو بلا اضافت شہر مکروہ سمجھتے ہیں کہ صرف ''رمضان'' میں کہا جائے اور وہ دونوں اس طرح کہتے تھے جس طرح قرآن میں آیا ہے:

''شهر رمضان الذی''۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''توضیح'' میں ہے کہ یہاں ایک تیسرا قول بھی ہے اور ہمارے اکثر اصحاب کا یہی قول ہے۔ وہ یہ کہ اگر یہاں کوئی قرینہ ہو جو رمضان کو شہر کی طرف پھیر دے تو کوئی کراہت نہیں۔ ورنہ صرف ''رمضان'' کہنا مکروہ ہے۔ جیسے کہا جائے: **''جاء رمضان، دخل رمضان، حضر رمضان''**۔

(عمدۃ القاری، جلد 10، ص: 265، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

ابوالعباس شہاب الدین احمد قسطلانی فرماتے ہیں:

ھل یقول ای ھل یجوز للانسان ان یقول "رمضان" بدون الشھر او یقال شھر رمضان ومن رای کلہ واسعا ای جائزاً بالاضافۃ وبغیرھا الخ (ارشاد الساری، جلد 4، ص:508، دار الفکر بیروت)

کیا کوئی کہے۔ یعنی کسی انسان کے لیے جائز ہے کہ بغیر لفظ شہر کے رمضان کہے۔ یا کہا جائے "شہر رمضان" اور جس نے ان دونوں کو جائز سمجھا یعنی اضافت کے ساتھ "شہر رمضان" اور بغیر اضافت کے "رمضان" اور اس ماہ مقدس کے رمضان کے علاوہ بھی کئی نام ہیں۔ امام طالقانی نے اپنی کتاب "حظائر القدس" میں اس کے ساتھ 60 نام ذکر کئے ہیں۔

ان میں سے "**شھر اللہ – شھر الآلاء – شھر القرآن – شھر النجاۃ**" یعنی اللہ کا مہینہ، نعمتوں کا مہینہ، قرآن کا مہینہ، اور نجات کا مہینہ وغیرہ۔

اور اکثرین کا قول یہی ہے کہ بغیر شہر کے رمضان کہنا مکروہ ہے۔

ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی فرماتے ہیں:

الثانیۃ: واختلف ھل یقال "رمضان" دون ان یضاف الی شھر فکرہ ذالک مجاھد وقال یقال کما قال اللہ تعالی وفی الخبر لا تقولوا رمضان بل انسبوہ کمانسبہ اللہ فی القرآن فقال "شھر رمضان" (جامع الاحکام القرآن، مجلد اول، جز دوئم، ص:195)

دوئم: علماء کا اختلاف ہے کیا لفظ شہر کی طرف رمضان کی نسبت کرنے کے بغیر رمضان کہا جائے یا نہیں۔ تو امام مجاہد بن جبر نے اس کو مکروہ سمجھتا ہے۔ اور کہا: اس طرح کہا جائے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے۔ اور خبر میں ہے۔ رمضان نہ کہو بلکہ اس کو شہر کی طرف منسوب کرو جیسا کہ اللہ تعالی نے قرآن میں اس کو شہر کی طرف منسوب کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: "شہر رمضان" اور امام مجاہد فرماتے تھے مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ رمضان اللہ تعالی کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

اور اسی طرح امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا ہے۔

رمضان کا معنی:

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

دوسرا مسئلہ: علماء کرام نے رمضان کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔ امام مجاہد بن جبر فرماتے ہیں رمضان اللہ تعالی کا نام ہے۔ اور قائل کے قول کا معنی یہ ہے کہ **شھر اللہ** ۔ یعنی رمضان اللہ کا مہینہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے، آپ نے فرمایا: یہ نہ کہو رمضان آیا۔ رمضان گیا لیکن یوں کہو شہر رمضان آیا۔ شہر رمضان گیا۔ کیونکہ رمضان اللہ تعالی کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

دوسرا قول: رمضان مہینہ کا نام ہے جیسا کہ رجب اور شعبان مہینہ کا نام ہے۔ پھر حضرات علماء کرام نے لفظ "رمضان" کے اشتقاق میں اختلاف کیا۔

اول: خلیل سے منقول ہے کہ یہ "رمضاء" سے مشتق ہے۔ اور رمضاء اس بارش کو کہتے ہیں جو موسم خریف سے پہلے آتی ہے۔ اور سطح زمین کو غبار سے پاک وصاف کر دیتی ہے۔ تو اس کا معنی یہ ہوا کہ جیسے یہ بارش زمین کی سطح کو دھوڈالتی اور پاک کر دیتی دے اسی طرح ماہ رمضان کا بھی اس امت کے گناہوں کو دھوڈالتا ہے اور ان کے دلوں کو پاک کر دیتا ہے۔

دوئم: یہ رمض سے ماخوذ ہے اور یہ سخت گرمی کی وجہ سے پتھر کا گرم ہونا ہے اور اس کا اسم "رمضاء" ہے۔ اور اس مہینہ کا نام رمضان اس لیے رکھا گیا کہ اس مہینے میں روزہ داروں پر بھوک اور پیاس کی شدت بھی تیز دھوپ کی طرح سخت ہوتی ہے۔ یا اس مہینے کا رمضان نام اس لیے رکھا گیا کہ جس طرح تیز دھوپ میں بدن جلتا ہے اسی طرح یہ مہینہ گناہوں کو جلا دیتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے آپ نے فرمایا: اس مہینے کا نام رمضان اس لیے رکھا گیا کہ یہ مہینہ "رمضان" اللہ عزوجل کے بندوں کے گناہ جلا دیتا ہے۔

سوئم: اگر علماء کرام کا یہ قول صحیح ہے کہ رمضان اللہ تعالیٰ کا اسم ہے۔ اور اس مہینہ کو بھی اس نام سے رکھا گیا۔ تو معنی یہ ہوئے کہ گناہ اللہ عزوجل کی رحمت کے پہلو کے متلاشی ہو کر جل جاتے ہیں۔ اور یہ مہینہ رمضان بھی اسی طرح ہے کہ گناہ بھی اس کے برکت کے پہلو میں جل جاتے ہیں۔

صاحب جامع احکام القرآن علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

رمضان ٥ "من رمض الصائم یرمض" سے ماخوذ ہے جبکہ روزہ کے شدت پیاس کی وجہ سے پیٹ میں حرارت پیدا ہوتی ہے۔ اور رمضاء (ممدوده) کا معنی سخت گرمی ہے۔ اور بعض نے کہا اس مہینے کا نام رمضان اس لیے رکھا گیا ہے کہ اعمال صالحہ کے سبب یہ بھی گناہوں کو جلا دیتا ہے۔ اور یہ "ارماض" سے ماخوذ ہے جس کا معنی جلانا ہے۔ اور بعض کے نزدیک دل اس مہینے میں امر آخرت کے متعلق موعظت وفکر آخرت حرارت اس طرح حاصل کرتے ہیں جس طرح ریت اور پتھر سورج کی سخت گرمی سے حرارت پاتے ہیں۔ (جامع احکام القرآن، مجلد اول، جز دوئم، ص: 195، تفسیر کبیر ج 5، ص: 83)

لغت قدیمہ میں مہینوں کے نام:

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں لغت قدیمہ میں مہینوں کے جو نام تھے وہ نقل کیے ہیں۔ لکھتے ہیں:

محرم الحرام کو مؤتمر، صفر کو ناجر، ربیع الاول کو خوان، ربیع الآخر کو بصان، جمادی الاوّل کو ربی، جمادی الآخر کو حنین، رجب کو اصم، شعبان کو عاذل، رمضان کو ناتق، شوال کو علی،

ذوالقعدہ کو ورنہ اور ذوالحجہ کو برک کہتے تھے۔

(عمدۃ القاری، جلد 10، ص: 265-266، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

ماہ رمضان میں نزول قرآن کی مناسبت:

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ''انزل فیہ القرآن''یعنی ماہ رمضان میں قرآن نازل ہوا۔ جب اللہ عزوجل نے ماہ رمضان کو عبادت روزہ سے خاص فرمایا تو اس تخصیص کی یہ علت بیان فرمائی کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ربوبیت کی اعظم آیات کے ساتھ اس کو خاص فرمایا۔ اور وہ یہ کہ اس مہینہ میں قرآن نازل فرمایا۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ بات بھی بعید از نقل و عقل نہیں کہ اللہ عزوجل نے عبودیت کی عظیم آیات کے ایک نوع سے اس کو خاص فرمایا اور وہ روزہ ہے۔ اس سے یہ متحقق ہوتا ہے کہ انوار الٰہیہ ہمیشہ متجلی و منکشف رہتے ہیں۔ جن پر اخفاء اور احتجاب ممتنع ہے۔ ہاں البتہ ارواح بشریہ میں ان انوار کے ظہور سے حجابات بشریہ مانع ہیں۔ اور حجابات بشریہ کے زائل کرنے کا سب سے قوی سبب روزہ ہے۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ ارباب مکاشفات کا کشف کے حصول کے لیے روزہ سب سے قوی ذریعہ ہے۔ اسی لیے نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر بنی آدم کے دلوں میں شیطان نہ گھومتے تو وہ آسمانوں کی نشانیوں کو دیکھ لیتے۔ تو اس سے ثابت ہوا روزہ اور نزول قرآن کے درمیان ایک عظیم مناسبت ہے۔ چنانچہ جب یہ ماہ مکرم رمضان شریف نزول قرآن کے ساتھ مختص ہوا تو واجب ہوا کہ یہ مہینہ روزہ کے ساتھ بھی مختص ہو۔ امام رازی فرماتے ہیں: اس قیام میں بہت زیادہ اسرار و رموز ہیں اور جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا یہاں یہی قدر کافی ہے۔ (تفسیر کبیر، جلد 5، ص: 84)

انزل فیہ القرآن کا ایک اور معنی:

امام رازی فرماتے ہیں:

''القول الثانی'' فی تفسیر قولہ ''انزل فیہ القرآن'' قال سفیان ابن عیینۃ ○ انزل فیہ القرآن ○ معناہ انزل فی فضلہ القرآن ○ الخ (تفسیر کبیر، جز 5، ص: 85)

دوسرا قول: اللہ تعالیٰ کے فرمان: ''انزل فی القرآن'' کی تفسیر میں۔ امام سفیان بن عیینہ نے کہا ''انزل فیہ القرآن'' اس کا معنی ہے کہ ماہ رمضان کے فضل و بزرگی میں قرآن نازل ہوا۔ اور حسین بن فضل کا یہی مختار ہے۔ ''ومثلہ ان یقال'' صدیق میں فلاں آیت نازل ہوئی۔ اور اس سے مراد لیتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضل میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

ابن انباری کا قول یہ ہے کہ مخلوق پر وجوب صوم میں قرآن نازل ہوا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے اللہ نے زکوۃ میں یہ نازل فرمایا تو اس سے مراد اس کا وجوب ہے۔ اور اللہ عزوجل نے شراب کے متعلق یہ نازل فرمایا اس سے مراد اس کی تحریم ہے۔

ابوحیان اندلسی غرناطی نے لکھا ہے:

"قیل انزل فی فرضیة صومه القرآن وفی شانه القرآن"

(تفسیر البحر المحیط، جلد دوئم، ص:39، مطبوعہ دار احیاء التراث عربی)

بعض نے کہا ماہ رمضان المبارک کے روزہ کی فرضیت میں قرآن نازل ہوا۔

اور اس کی شان میں قرآن نازل ہوا۔ جیسا کہ تو کہے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں قرآن نازل ہوا۔ معنی یہ ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں قرآن نازل ہوا۔ اور یہ مجاہد اور ضحاک کا قول ہے۔ اور حضرت سفیان بن عیینہ نے کہا ماہ رمضان کے فضل میں قرآن نازل ہوا اور جو ماہ رمضان کے روزہ کی شان وغیرہ میں قرآن نازل ہوا وہ یہ ہے "یایها الذین امنوا کتب علیکم الصیام"۔

قرآن کب نازل ہوا:

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

قال البغوی روی مقسم عن ابن عباس رضی الله عنهما انه سئل عن قوله تعالیٰ: "شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن" وقوله: "انا انزلناه فی لیلة القدر وقوله "انا انزلنه فی لیلة مبركة" الخ (تفسیر مظهری، جلد اوّل، ص:194، مطبوعه مکتبه رشدیه کوئٹه)

امام بغوی نے کہا مقسم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت ابن عباس سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: "مہینہ رمضان کا وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا" اللہ تعالیٰ کا فرمان: "ہم نے قرآن مبارک رات میں نازل فرمایا۔

کی تفسیر کے متعلق سوال کیا گیا۔ کیا قرآن پاک ان سب مہینوں میں نازل ہوا اور اللہ عزوجل نے فرمایا: "وقرانا فرقنه" سورہ بنی اسرائیل، آیت:106 "اور قرآن ہم نے جدا جدا کر کے اتارا۔ تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآن ایک ہی دفعہ لوح محفوظ سے لیلۃ القدر کی رات میں بیت العزت پہلے آسمان میں نازل فرمایا۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بیس 20 سال، 23 سال کی روایت بھی ہے، میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل فرمایا۔ اور اللہ عزوجل کے اس فرمان: "بمواقع النجوم" سے یہی مراد ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا کہ صحف ابراہیم ماہ رمضان کی تیسری رات میں نازل ہوئے۔ اور بعض روایت میں آیا ہے کہ صحف ابراہیم ماہ رمضان کی پہلی رات میں نازل ہوئے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت ماہ رمضان کی چھٹی رات میں نازل ہوئی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل ماہ رمضان کی تیرھویں رات میں نازل ہوئی اور حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور ماہ رمضان کی اٹھارویں رات میں نازل ہوئی۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر

قرآن پاک چوبیسویں 24 رات میں نازل ہوا۔ امام احمد اور طبرانی نے واثلہ بن اسقع سے روایت کیا۔ صحف ابراہیم ماہ رمضان کی پہلی رات میں نازل ہوئے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات ماہ رمضان کی چھٹی رات میں نازل ہوئی۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل ماہ رمضان کی تیرھویں 13 رات میں نازل ہوئی۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن چوبیسویں 24 رات میں نازل ہوا۔

(مسند احمد، جلد 4، ص: 224، مطبوعہ ادارہ احیاالسنہ گوجرانوالہ) (معجم کبیر للطبرانی، جلد 22، ص: 75، حدیث: 185، دار احیاء التراث عربی)

اور ابوحیان اندلسی غرناطی نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل ماہ رمضان کی اٹھارویں 18 رات میں نازل ہوئی۔ نقل کیا ہے فرماتے ہیں: دونوں روایتوں میں جمع اس طرح ہے کہ روایت واثلہ بن اسقع میں ابتدائے نزول کی خبر دی گئی اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں اس کے انتہائے نزول کی خبر دی گئی۔

صاحب جامع الاحکام القرآن فرماتے ہیں:

الثامنة: قوله تعالیٰ "الذی انزل فیه القرآن"۔ الخ

آٹھواں مسئلہ: اللہ تعالیٰ کا فرمان: "ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا"۔ یہ اس بات پر نص ہے کہ قرآن ماہ رمضان میں نازل ہوا۔ اور یہ اللہ عزوجل کے فرمان: "حٰم ۔ والکتاب المبین○انا انزلناه فی لیلة مبارکة" سورۃ دخان آیت: 3 کی مبین ہے کہ "لیلة مبارکة" سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ اور اللہ عزوجل کا فرمان: "انا انزلناه فی لیلة القدر" اس آیت مبارکہ میں یہ دلیل ہے کہ لیلۃ القدر صرف رمضان شریف میں ہی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے مہینہ میں نہیں ہوتی۔ اور اس میں کوئی خلاف نہیں ہے کہ قرآن معظم سب کا سب لیلۃ القدر کی رات میں لوح محفوظ سے نازل کیا گیا اور اس کو پہلے آسمان میں بیت العزت میں رکھا گیا۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام اوامر ونواہی اور اسباب میں ایک ایک یا دو دو آیت لے کر نازل ہوتے رہے تا آنکہ بیس 20 سال میں یہ قرآن پاک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ایک ہی دفعہ سارا قرآن پاک لوح محفوظ سے آسمان دنیا میں نازل ہوا۔ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام اوقات مختلفہ میں ایک ایک اور دو دو آیات لے کر نازل ہوتے رہے حتیٰ کہ اکیس 21 سال میں یہ قرآن پاک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پورا نازل ہوا۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت میں بھی بیس 20 سال ہے۔

(جامع الاحکام القرآن للقرطبی، مجلد اول، جزء دوم، ص: 199)

قرآن کا معنیٰ:

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

المسئلة الثانية: القرآن اسم لما بين الدفتين من كلام الله واختلفوا فی اشتقاقه○ الخ

(تفسیر کبیر، ج 2، ص: 86)

دوسرا مسئلہ: قرآن جو دو تختیوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کا نام ہے اور علماء کرام کا اس کے اشتقاق میں اختلاف ہے۔ واحدی نے بسیط میں محمد بن عبداللہ بن حکم سے روایت کیا کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے قرآن اسم ہے۔ مہموز نہیں۔ اور نہ ہی یہ ''قرأت'' سے ماخوذ ہے۔ لیکن یہ اللہ عزوجل کی کتاب کا نام ہے جیسے تورات اور انجیل اللہ تعالیٰ کی کتابوں کے نام ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''قرأت'' مہموز ہے اور قرآن مہموز نہیں ہے جیسا کہ کہتے ہیں ''واذا قرأت القران'' امام واحدی نے کہا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی کتاب کا نام ہے۔ شبہ پڑتا ہے کہ امام شافعی اس طرف گئے ہیں کہ قرآن غیر مشتق ہے۔

اور امام شافعی کے علاوہ دیگر ائمہ کرام اس طرف گئے ہیں کہ قرآن مشتق ہے۔ اور اس قول کے کہنے والے، ان میں سے بعض اس کا اشتقاق مہموز نہیں سمجھتے اور بعض اس کا اشتقاق مہموز سمجھتے ہیں۔

اور جو لوگ لفظ قرآن کے اشتقاق کو مہموز نہیں جانتے ان کے نزدیک قرآن کا اشتقاق دو ہیں:

اول: یہ ''قرنت الشیٔ بالشیٔ'' سے ماخوذ ہے یعنی جب تو ان میں ایک کو دوسرے کے ساتھ ملائے تو کہتے ایک چیز دوسری چیز کے ساتھ مل گئی۔ اور یہ ''قرن'' سے مشتق ہے اور قرآن اسم ہے جو کہ غیر مہموز ہے۔ تو قرآن کو قرآن اس لیے کہا جاتا ہے کہ یا تو اس میں سورتیں، آیات، حروف، ان کے بعض، بعض سے ملے ہوئے ہیں۔ یا اس لیے کہ اس میں حکم اور شرائع ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔

دوئم: فراء نے کہا میرا خیال ہے قرآن، قرائن سے ماخوذ ہے۔ اور یہ اس لیے کہ آیات ایک دوسرے کی مصدق ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''ولو کان من عند غیر اللہ لوجد وافیہ اختلافا کثیرا'' اور یہ قرآئن ہیں۔

اور جو لوگ کہتے ہیں کہ اس کا اشتقاق مہموز ہے ان کے نزدیک یہ قرأت سے مصدر ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے ''قرأت القرآن'' میں نے قرآن پڑھا۔ اور قرآن مصدر ہے جیسے رجحان، نقصان، خسران اور غفران مصدر ہیں۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: ان قرآن الفجر کان مشھودًا'' اس میں یہ اصل ہے کہ قرآن مصدر ہے۔ مصدر بمعنی مفعول ہے۔ جیسے شراب کو مشروب اور کتاب کو مکتوب کہتے ہیں۔ تو عرف میں یہ نام مشہور ہو گیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا یہ نام بنا لیا گیا۔

زجاج اور ابو عبیدہ نے کہا: قرآن ''قرء'' سے ماخوذ ہے۔ جس کا معنی ہے جمع کرنا۔ اور قرآن کا نام اس لیے قرآن رکھا گیا وہ سورتوں کا جامع ہے اور ان کو ایک دوسرے کے ساتھ ملاتا ہے۔

ابو عبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ''القرآن'' کلام اللہ کا نام ہے۔ اور یہ بمعنی ''مقروء'' ہے یعنی مصدر بمعنی مفعول۔ جیسے شروب کو شراب اور مکتوب کو کتاب کہا جاتا ہے۔ اور اس بناء پر یہ ''قرء یقرء قراۃ رقرانا'' کا مصدر ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سمندر میں شیطان مقید ہیں جن کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے باندھا ہوا ہے۔ قریب ہے کہ وہ نکلیں اور لوگوں پر قرآن پڑھیں۔ تو اس حدیث میں قرآن بمعنی قرأت ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمانا: ''وقرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشهوداً'' (سورۃ بنی اسرائیل، آیت: 78) اور صبح کا قرآن بے شک صبح کے قرآن میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس آیہ کریمہ میں بھی ''قرآن الفجر'' سے قرأت فجر مراد ہے۔ اور عرب کی عادت کے مطابق قرآن کا مقروء نام رکھنا ایسے ہے جیسے اسم مصدر کے ساتھ مفعول کا نام رکھنا ہے۔ پھر قرآن کا استعمال مشہور ہو گیا اور اس کے ساتھ عرف شرعی بھی مل گیا۔ تو پھر قرآن اللہ تعالیٰ کے کلام کا اسم بن گیا۔ حتیٰ کہ جب کہا جائے قرآن غیر مخلوق ہے تو اس سے مراد ''مقروء'' پڑھا ہوا ہے۔ نہ کہ قرآن کی قرأت مراد ہے۔ اس سے ثابت ہوا قرآن مصدر ہے اور بمعنی ''مقروء'' ہے یعنی پڑھا ہوا۔ جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: ''فاذا قراناہُ فاتبع قرانہ'' (سورۃ قیامہ، آیت 8) تو جب ہم پڑھ چکیں اس وقت اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو۔

کیا قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق:

اہل سنت و جماعت کے نزدیک قرآن غیر مخلوق ہے۔ اور جو یہ عقیدہ رکھے کہ قرآن مخلوق ہے وہ کافر ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ عزوجل کے فرمان: ''قرآناً عربیاً غیر ذی عوج'' (سورۃ زمر، آیت: 28، عربی زبان کا قرآن جس میں اصلاً کجی نہیں۔

کے ماتحت لکھا ہے:

1- آجری نے شریعہ میں۔ ابن مردویہ اور بیہقی نے ''الاسماء والصفات'' میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ''قرآناً عربیاً غیر ذی عوج'' کی تفسیر کے متعلق روایت کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''غیر ذی عوج'' کا معنی ہے غیر مخلوق۔ یعنی قرآن غیر مخلوق ہے۔

2- دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان: ''قرآناً عربیاً غیر ذی عوج'' کے متعلق بیان فرمایا کہ ''غیر ذی عوج'' سے مراد غیر مخلوق ہے۔ یعنی قرآن غیر مخلوق ہے۔

3- ابن شاہین ''سنّہ'' میں حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا۔ آپ نے فرمایا: قرآن کلام اللہ ہے اور غیر مخلوق ہے۔

4- بیہقی اور ابن عدی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، انہوں نے کہا قرآن اللہ کا کلام اور غیر مخلوق

ہے۔

5- بیہقی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا انہوں نے فرمایا: قرآن اللہ کا کلام ہے۔

6- بیہقی نے حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، انہوں نے کہا ستر 70 سال سے میں نے اپنے مشائخ جن میں عمرو بن دینار بھی ہیں کو پایا ہے وہ یہی کہتے ہیں قرآن کلام اللہ ہے۔ اور غیر مخلوق ہے۔

7- بیہقی نے جعفر بن محمد سے انہوں نے اپنے باپ سے تخریج کیا۔ انہوں نے کہا حضرت علی بن حسین سے قرآن کے متعلق سوال کیا گیا آپ نے فرمایا: وہ نہ ہی خالق اور نہ ہی مخلوق اور وہ خالق کا کلام ہے۔

8- بیہقی نے قیس بن ربیع سے تخریج کیا۔ انہوں نے کہا میں نے جعفر بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے قرآن کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: اللہ کا کلام ہے۔ میں نے کہا مخلوق ہے فرمایا نہیں۔ میں ے عرض کیا آپ کا اس کے متعلق کیا خیال ہے جو یہ کہتا ہے کہ قرآن مخلوق ہے۔ آپ نے فرمایا: اسے قتل کیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔

(تفسیر در منثور، ج 5، ص:326، مطبوعہ آیۃ اللہ العظمی مرعش نجفی تہران)

9- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ قرآن اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ جس نے اس کے سوا کہا (یعنی وہ مخلوق ہے) اس نے کفر کیا۔

(موضوعات کبیر ملا علی قاری، ص:86، مطبوعہ میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب آرام جانع کراچی)

10- امام سخاوی نے مقاصد حسنہ میں یہ حدیث نقل کی ہے یعنی قرآن اللہ کا کلام ہے۔ جس نے اس کے علاوہ کچھ کہا اس نے کفر کیا۔ امام سخاوی لکھتے ہیں دیلمی نے ابو ہاشم عبداللہ بن ابی سفیان شعرانی سے انہوں نے ربیع بن سلیمان سے حدیث روایت کی ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بشر مریسی کے غلاموں میں سے ایک غلام حفص سے مناظرہ کیا۔ اس نے اپنے بعض کلام میں کہا اللہ کا کلام قرآن مخلوق ہے۔ تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تو نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث بیان کی۔

11- ہم سے عبدالرزاق نے ان سے معمر نے ان سے زہری نے ان سے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے مرفوعاً روایت کیا۔ قرآن اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے اور جس نے کہا وہ مخلوق ہے اس کو قتل کرو کیونکہ وہ کافر ہے۔

12- امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ''وحدثنا ابن عیینہ'' ہم سے ابن عیینہ نے بیان کیا۔ انہوں نے زہری اور سعید بن میتب دونوں سے انہوں نے رافع بن خدیج، حذیفہ بن یمان اور عمران بن حصین تینوں سے روایت کیا۔ ان تینوں صحابہ کرام نے فرمایا: ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک آیت پڑھتے ہوئے سنا پھر فرمایا: جس نے اس کے علاوہ کچھ کہا (یعنی یہ آیت نہیں ہے وغیرہ) اس نے کفر کیا۔

(مقاصد حسنہ للسخاوی، ص:486، مطبوعہ دار الکتاب عربی بیروت)

نبہان شیخ زادہ شارح قصیدہ بردہ نے لکھا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: قرآن کلام اللہ۔ غیر مخلوق ہے۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں نے حضرت ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے چھ 6 ماہ اس کے متعلق مناظر کیا۔ بالآخر میری اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی رائے اس بات پر متفق ہوگئی کہ جس نے کہا قرآن مخلوق ہے وہ کافر ہوگیا۔ "**نعوذ باللہ من ذلک**"۔

(حاشیہ شرح خرپوتی، ص:152، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی) (التمہید فی علم الکلام والتوحید، ص:90)

علامہ عبدالشکور سیالمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قال اهل السنة والجماعة القرآن كلام الله تعالىٰ غير مخلوق ومن قال بانه مخلوق فهو كافر بالله تعالىٰ ○ (التمهيد في علم الكلام والتوحيد، ص:91)

اہل سنت وجماعت کا قول ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے غیر مخلوق ہے اور جس نے کہا وہ مخلوق ہے وہ اللہ عزوجل کے ساتھ کفر کرنے والا ہے۔ اگر اس کے متعلق مکمل تفصیل دیکھنا مطلوب ہو تو اصل کتاب کا مطالعہ فرمائیں آپ کو وہاں مکمل تفصیل بمع عقائد مذاہب بمتعلقہ قرآن حاصل ہوگی۔

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ الباری نے اپنی کتاب موضوعات کبیر میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرمایا۔ صنعانی نے کہا یہ حدیث موضوع ہے اور امام سخاوی نے لکھا ہے یہ حدیث جملہ طرق کے اعتبار سے باطل ہے۔ اور محدث ابن جوزی نے "موضوعات" میں اس کو نقل کیا ہے۔

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ الباری نے جس حدیث کو موضوع اور اس کے جملہ طرق کو باطل کہا وہ حدیث یہ ہے جس میں "**فمن قال بغير هذا فقد كفر**" کا اضافہ ہے۔ یعنی جس نے اس کے علاوہ کوئی اور بات کہی (یعنی قرآن مخلوق ہے) وہ کافر ہے۔ یہی بات امام سخاوی نے بھی کہی۔ یعنی حدیث مرفوع سے یہ الفاظ ثابت نہیں۔ اور جو مرفوع حدیث سے ثابت ہیں وہ صرف یہ الفاظ ہیں: "**القرآن كلام الله غير مخلوق**"۔

اس کے باوجود دونوں حضرات کا کہنا ہے کہ اس مرفوع حدیث سے ہی ان کا کفر ثابت ہے۔ اور اس کے متعلق امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت عمدہ بحث فرمائی۔ اور علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ الباری نے اپنی کتاب مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں (جو شخص قرآن کو مخلوق کہے وہ کافر ہے) پر عمدہ دلائل پیش کیے۔ پہلے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ الباری کی تحقیق سماعت فرمائیں:

عن عبدالله بن عمرو ان رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم **قال الصيام والقرآن يشفعان للعبد سيقول الصيام اى رب انى منعته الطعام والشهوات بالنهار فشفعنى فيه ○ ويقول القران منعته النوم بالليل فشفعنى فيه فيشفعان ○ (رواه البيهقى فى شعب الايمان)**

(شعب الایمان، جلد دوئم، ص:346، حدیث 1994، دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: روزے اور قرآن بندہ کی قیامت کے دن شفاعت کریں گے۔

روزہ عرض کرے گا اے میرے پروردگار! میں نے اس کو دن میں کھانے اور شہوات سے روکا اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ قرآن کہے گا میں نے اس کو رات کے وقت سونے سے روکا اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ چنانچہ ان دونوں کی شفاعت کو قبول کیا جائے گا۔

علامہ ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ الباری اس حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں: ''ویقول القرآن ''اور قرآن عرض کرے گا۔ جب قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق تھا تو یہ نہیں کہا ''اے رب'' یعنی اے میرے رب۔

علامہ ملاعلی قاری فرماتے ہیں: یہاں ابن حجر نے فاحش خطا کی ہے کہ ''اے رب'' مقدر کیا ہے۔ کیونکہ یہ اہل سنت کے مذہب کے مخالف ہے۔ اور یہ بھی نہ کہا جائے کہ قرآن سے ''مقروء'' کا ارادہ کیا ہے۔ یعنی مصدر بمعنی مفعول کا ارادہ کیا ہے جو کہ غیر مخلوق ہے۔ ہم کہتے ہیں یہ تقدیر بھی صحیح نہیں جو کہ گمراہی کی موہم ہے اور تفسیر کی محتاج ہے۔

شافعیہ سے بعض محققین نے کہا اگر تو کہے کہ کیا جائز ہے کہ یہ کہا جائے قرآن مخلوق ہے اور اس سے مراد کلام لفظی لی جائے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ اس میں ایہام ہے جو کہ کفر کی طرف لے جانے والا ہے۔ اگرچہ باعتبار اس کے یہ معنی صحیح ہے۔ جیسا کہ ''جبار ''اصل میں طویل اور لمبی کھجور کو کہتے۔ اور یہ ممنوع ہے کہ یہ کہا جائے ''جبار'' مخلوق ہے۔ اور مراد کھجور کا درخت لے کیونکہ اس میں ایہام ہے جو کہ مودی الی الکفر ہے۔ واللہ اعلم۔

علامہ ملاعلی قاری فرماتے ہیں: میں نے ابن حجر کی کلام میں جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے دیکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو کہتے ہوئے سنا ''یا رب القران ''اے قرآن کے رب! حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: چھوڑ، رہنے دے۔ کیا تو نہیں جانتا کہ قرآن اس سے ہے۔ یعنی اس کی وہ صفت قدیمہ ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ علامہ ملاعلی قاری فرماتے ہیں: میرے مدعیٰ میں یہ صریح ہے کہ قرآن اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ اور اس کا مربوبیت کے ساتھ وصف بیان کرنا جو کہ حدوث کا متقاضی ہے۔ اور اس کی ذات سے منفصل ہے جائز نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

علامہ ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ الباری کی اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ جس حدیث کو انہوں نے موضوع لکھا ہے اور امام سخاوی نے اس حدیث کے جملہ طرق کو باطل کہا یہ حدیث وہ ہے جس میں ''فمن قال غیر ھذا فقد کفر ''کا اضافہ ہے اس کو موضوع کہا ہے نہ کہ حدیث ابو درداء رضی اللہ عنہ جیسا کہ درمنثور کے حوالہ سے گزر چکی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قرآن اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے۔ اس کو ابن شاہین نے ''سنہ ''میں روایت کیا۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ علامہ ملاعلی قاری رحمۃ اللہ علیہ الباری کا وہی عقیدہ ہے جو اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ جس نے قرآن کو مخلوق کہا وہ کافر ہے۔ جیسا کہ علامہ ملاعلی

نے اس کو نہایت مدلل اور واضح بیان فرمایا ہے۔

اس کے بعد جب یہ ثابت و معلوم ہو گیا کہ علامہ ملا علی قاری اور امام سخاوی نے جس حدیث کو موضوع اور اس حدیث کے جملہ طرق کو باطل قرار دیا یہ حدیث وہ ہے جس میں اضافہ ہے اور اصل حدیث کو انہوں نے موضوع و باطل نہیں کہا۔

آپ دیکھیں امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے بعد امام بیہقی کی ''الاسماء والصفات'' کے حوالہ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی موضوع حدیث ''القرآن کلام اللہ غیر مخلوق'' کو روایت کیا پھر فرمایا یہ حدیث حضرت معاذ بن جبل، ابن مسعود اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مرفوعاً مروی ہے۔

اس کے بعد لکھتے ہیں قرآن کا کلام اللہ ہونا اور غیر مخلوق ہونے کا معنی ان ادلہ میں پایا جاتا ہے جو اس کے غیر مخلوق ہونے کے لیے کافی ہے۔ اور اس طرح صحابہ کرام اور تابعین سے بھی امام بیہقی نے یہ روایت کیا۔

اس کے بعد لکھتے ہیں اوائل امت اس عقیدہ پر رہی انہوں نے اس میں اختلاف نہیں کیا۔ پھر امام بیہقی نے جعفر بن محمد صادق سے نقل کیا کہ جو شخص یہ کہے قرآن مخلوق ہے اس کو قتل کیا جائے اور اس کی توبہ قبول نہ کی جائے۔ اور اسی طرح امام ابن مذمین اور مالک سے مروی ہے کہ وہ کافر ہے۔ اور امام مالک نے یہ اضافہ کیا کہ اس کو قتل کرو۔ اور ابن مہدی وغیرہ سے بھی یہی مروی ہے کہ اس کو توبہ کی دعوت دی جائے اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کی گردن اڑادی جائے (یعنی قتل کیا جائے) اور امام بخاری نے بھی ''فی خلق افعال العباد'' میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اخبار متواترہ مروی ہیں کہ قرآن کلام اللہ ہے۔ اور مہاجرین وانصار اور تابعین میں سے کسی کا بھی اس میں خلاف نہیں ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہر زمانہ میں ہم تک قرآن وسنت کو پہنچایا۔ اور زمانہ مالک، ثوری، حماد، اور دیگر فقہاء امصار تک اہل علم کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں تھا اور علماء حرمین، عراقین، شام، مصر اور خراسان کو ہم نے اس عقیدہ پر پایا ہے۔

آخر میں امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم نے ''جزء الفیل'' میں ابوبکر یحییٰ بن ابی طالب سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا جس نے یہ گمان کیا کہ قرآن مخلوق ہے وہ کافر ہے۔ اور جس نے یہ گمان کیا کہ ایمان مخلوق ہے وہ مبتدع ہے۔ اور قرآن معظم ہر جہت سے غیر مخلوق ہے۔ اور عمرو بن دینار نے کہا ستر 70 سال کی مدت گزر چکی میں نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے پایا اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز مخلوق ہے سوائے قرآن کے کہ وہ اس سے ہے اور اسی کی طرف رجوع کرے گا۔

تو اس تمام کلام کا ماحاصل یہ ہے کہ امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور کی مخالفت نہیں کی بلکہ صرف حدیث کے ایک اضافہ کے متعلق فرمایا کہ یہ موضوع ہے اور اس کے سارے طرق باطل ہیں۔ یعنی یہ اضافہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ بلکہ آپ کا یہ فرمان کہ قرآن کلام اللہ غیر مخلوق ہے میں کافی ہے کہ جس نے اس کو مخلوق کہا وہ کافر ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اہل سنت وجماعت کا عقیدہ یہی ہے کہ قرآن کلام اللہ غیر مخلوق ہے اور جس نے یہ کہا کہ قرآن مخلوق ہے وہ کافر ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ (مقاصد حسنہ للسخاوی، ص: 487، رقم حدیث: 767، مطبوعہ دار الکتاب عربی بیروت)

سیدی عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

کلام قدیم ہے۔ جب اس کے حروف حادثہ کو زائل کر دیا جائے تو پھر اس کے معانی، قدیمہ باقی رہ جائیں گے۔ اور یہ کہ معنی قدیم میں ترتیب و تبعیض نہیں ہے۔ اور اللہ عزوجل نے جس کی بصیرت کھول دی اور اس نے معنی قدیم کی طرف دیکھا تو اس نے اس کو اس حال میں پایا کہ اس کی کوئی نہایت نہیں۔ پھر حروف کی طرف دیکھتے ہیں تو وہ ان کو صورت کے مشابہ نظر آتا ہے۔ جس میں معنی قدیم مستور ہے۔ اور جب صورت زائل ہوئی تو دیکھا کہ اس کی نہایت نہیں ہے۔ اور وہ قرآن کا باطن ہے۔ اور جب صورت کی طرف دیکھا تو اس کو دو تختیوں کے درمیان محصور پایا اور وہ قرآن کا ظاہر ہے۔ اور جب وہ قرأت قرآن کے لیے خاموش ہوا تو دیکھا کہ معانیِ قدیمہ الفاظ کے سایہ میں جاری ہیں۔ اور اس پر یہ مخفی نہیں رہ جاتا جیسا کہ حاسۂ بصر کے ساتھ اس پر محسوسات مخفی نہیں رہتے۔ (یعنی صاحب بصیرت پھر ان معانیِ قدیمہ کو دیکھتا ہے جیسے حاسۂ بصر کے ساتھ محسوسات کو دیکھا جاتا ہے۔) (الابریز شریف، ص:59، مطبوعہ مصطفیٰ البابی حلبی مصر)

آخر میں مفتی مکہ عمر بن احمد خرپوتی رحمۃ اللہ علیہ کا حسین کلام جو آپ نے قصیدۂ بردہ کی شرح میں اس شعر ؎

"آیات حق من الرحمن محدثة　　　قديمة صفة الموصوف باالقدم"

کے ماتحت ارقام پیش خدمت ہے۔

قرآن مکرمہ کی آیات رحمٰن کی طرف سے حق ہیں۔ ایک اعتبار سے وہ محدث ہیں اور ایک اعتبار سے وہ قدیم ہیں کیونکہ موصوف کی صفت بھی قدیم ہی ہوتی ہے۔

علامہ خرپوتی فرماتے ہیں: ناظم فاهم کا لفظ "قدیمۃ" خبر کے بعد خبر ہے یعنی آیات محدثہ، قدیمہ ہیں۔ یہ نہ کہا جائے کیا یہ اجتماع نقیضین ہے۔ فرماتے ہیں ہم کہتے ہیں حادث وہ الفاظ قرآن ہیں۔ اور قدیم اس کا معنی ہے۔ اس لیے کہ کلام دو ہیں۔ کلام نفسی اور کلام لفظی۔ جیسا کہ اخطل نے کہا ؎

ان الكلام لفى الفؤاد وانما　　　جعل اللسان على الفواد دليلا

کلام تو وہ ہے جو دل میں ہے اور زبان کو تو صرف دل پر دلیل بنایا گیا ہے۔

اور کلام لفظی حادث ہے اور کلام نفسی جو اللہ عزوجل کی ذات کے ساتھ قائم ہے قدیم ہے۔ اور اللہ عزوجل کے کلام میں سات مذاہب ہیں۔

(اوّل) مذہب اشاعرہ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی دو قسمیں ہیں۔ ایک لفظی جو مصاحف میں مکتوب ہے اور یہ حادث ہے۔ دوئم کلام نفسی جو قدیم ہے اور اس کے ذات کے ساتھ قائم ہے نہ وہ حرف ہے اور نہ ہی آواز بلکہ وہ صرف معنی ہے۔ اور اشاعرہ کے مذہب اس معنی کا سننا ہے جو کلام نفسی ہے۔

(ثانی) مذہب ابو منصور ماتریدی۔ وہ بھی مثل مذہب اشاعرہ ہی ہے کہ کلام کی قسمیں ہیں اوّل کلام لفظی جو کہ مصاحف میں

مکتوب ہے اور وہ حادث ہے۔ دوئم کلام نفسی جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے قدیم ہے وہ نہ حرف ہے اور نہ ہی آواز بلکہ وہ معنی ہے۔ اور پہلے مذہب اور اس مذہب میں فرق صرف یہ ہے کہ مذہب ابو منصور ماتریدی میں اس معنی کا سننا جائز نہیں جو کہ کلام نفسی ہے اصلاً۔ بلکہ جو مسموع ہے وہ کلام لفظی ہے ''کذافی النھایہ''۔

(ثالث) بعض متاخرین کا مذہب اور وہ صاحب مواقف ہیں۔ ان کا مذہب یہ ہے کہ کلام دو قسم پر ہے لفظی جو کہ مصاحف میں مکتوب ہے سینوں میں محفوظ ہے اور وہ حادث ہے۔ اور کلام نفسی قدیم ہے اور وہ عبارت ہے لفظ اور معنی سے لیکن بلا ترتیب۔

(رابعہ) مذہب جلال الدین دوانی کا کہ کلام کی دو قسمیں ہیں لفظی جو مصاحف اور سینوں کے ساتھ قائم ہے اور وہ حادث ہے۔ اور کلام نفسی وہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے قدیم ہے اور وہ ترتیب علمی کے ساتھ عبارت ہے لفظ اور معنی سے۔

(خامس) حنابلہ کا مذہب وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا کلام حقیقت میں ایک ہی ہے جو قدیم ہے اور حروف و اصوات سے مرکب ہے۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے کہا اور یہ تفریط کی کہ قرآن پاک کی جلد اور غلاف بھی قدیم ہے اور وہ کلام نفسی کا انکار کرتے ہیں۔

(سادس) مذہب معتزلہ: وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ایک ہی ہے جو حروف و اصوات سے مرکب ہے اور حادث ہے لیکن وہ کلام خدا تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم نہیں بلکہ غیر کے ساتھ قائم ہے۔ جیسے لوح، جبرائیل کا دل، نبی، شجرۂ حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہم۔

(سابع) مذہب کرامیہ۔ وہ یہ کہ کلام ایک ہی ہے جو حروف و اصوات سے مرکب سے حادث ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔

چنانچہ تین گروہ کلام نفس کا انکار کرتے ہیں اور اس کی تفصیل ان کتابوں میں دیکھ سکتے ہیں۔ بدایہ، تمہید فی التوحید، بحر الکلام، ابانہ، کفایہ اور احکام وغیرہا۔ یہاں صرف جملہ سات مذاہب کا ذکر کیا ہے اور ان کی تفصیل مذکورہ بالا کتب میں ملاحظہ فرمائیں۔

اور امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول ''محدثۃ'' میں حنابلہ کا رد ہے۔
اور ''قدیمۃ'' کے قول سے کرامیہ کا رد ہے۔ اور ''قدیمۃ'' کے ساتھ ''صفۃ الموصوف بالقدم'' میں معتزلہ کا رد ہے۔

علامہ خرپوتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ناظم کا یہ قول ''صفۃ الموصوف'' خبر بعد از خبر ہے۔ اور وہ معنی میں آیات کی علت ہے۔ یعنی اس کے معانی قدیمہ ہیں۔ چنانچہ ممکن ہے یہاں قیاس کا مرتب ہونا بایں طور کہ کہا جائے ''آیات'' یعنی ان کے معانی قدیمہ کیونکہ وہ ''موصوف بالقدم'' کی صفت ہیں۔ اور ہر وہ چیز جس کی یہ شان ہو وہ قدیم ہے۔ لہٰذا مطلوب کا نتیجہ

ظاہر ہے۔(واللہ اعلم بالصواب عقیدۃ الشہدہ للخربوتی ،ص:152-153)

قرآن اور قاری قرآن کی فضیلت:

قرآن معظم اور قاری قرآن کی فضیلت میں چند احادیث مبارکہ پیش خدمت ہیں:

(۱) عن اسید بن حضیر قال بینما هو یقرء من اللیل سورة البقرة وفرسه مربوطة عنده اذ جالت الفرس فسکت فسکت فقرأ فجالت الفرس فسکت فسکت الفرس ثم قرأ فجالت الفرس فانصرف وکان ابنه یحیٰ قریباً منها فأشفق ان تصیبه فلما اجتره رفع راسه الی السماء حتی مایراها فلما اصبح حدث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال اقرا یا ابن حضیر ٥ اقرا یا ابن حضیر قال فاشفقت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تطا یحیٰ وکان منها قریبًا فرفعت راسی الی السماء فاذا مثل الظلّه فیها امثال المصابیح فخرجت حتی لا اراها قال وتدری ما ذاك قال لا قال تلك الملئكة دنت لصوتك ولو قرأت لا صبحت ینظر الناس الیها لا تتواری منهم٥

(بخاری شریف کتاب فضائل القرآن ،حدیث نمبر5018،مسلم شریف بمعہ نووی فضائل القرآن ،جلد اول ،ص:269،شعب الایمان ،جلد دوئم ،ص:339،مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ،مستدرک للحاکم ،جلد دوئم ،ص:254،حدیث:2077)

اسید بن حضیر سے روایت ہے کہ وہ ایک دفعہ رات کے وقت سورۂ بقرہ کی تلاوت کر رہے تھے اور ان کا گھوڑا ان کے پاس بندھا ہوا تھا اچانک گھوڑے نے اچھلنا کودنا شروع کر دیا وہ خاموش ہو گئے۔ تو گھوڑا بھی ٹھہر گیا۔ پھر انہوں نے تلاوت شروع کی تو گھوڑا پھر بدکنے لگا۔ پھر پڑھنے سے رک گئے۔ اس وقت ان کا بیٹا یحییٰ گھوڑے کے قریب تھا وہ ڈرے کے گھوڑا اس کے بیٹے کو روند نہ ڈالے جب انہوں نے اپنے بیٹے کو کھینچ لیا اور اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا (سائبان کی مثل کوئی چیز جس میں مثل چراغ کے کوئی روشنی سی دیکھی) حتیٰ کہ وہ ان کو دکھائی نہ دیا۔ جب صبح ہوئی تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے انہیں فرمایا: اے حضیر کے بیٹے! تجھے قرآن کی تلاوت کرتے رہنا چاہئے تھا۔ اے حضیر کے بیٹے! تجھے قرآن کی تلاوت کرتے رہنا چاہئے تھا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ڈر گیا کہیں وہ میرے بیٹے یحییٰ کو روند نہ ڈالے۔ اور وہ گھوڑے کے بالکل قریب تھا۔ میں نے اپنا سر اٹھایا اور اپنے بیٹے یحییٰ کی طرف گیا پھر میں نے اپنا سر اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں ایک چھوٹے سائبان میں کوئی چیز ہے۔ جس میں چراغ ہے۔ میں باہر نکلا (قاضی عیاض نے کہا درست یہ ہے "فعرجت بالعین" یعنی آنکھ اٹھا کر دیکھا) تو میں نے اس کو نہ دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تجھے معلوم ہے یہ کیا تھا۔ اسید بن حضیر نے عرض کیا معلوم نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ

فرشتے تھے جو تمہاری آواز کے قریب آتے تھے اگر تم مسلسل تلاوت کرتے رہتے تو صبح کے وقت لوگ انہیں دیکھتے اوران سے چھپے نہ رہتے۔

(2) عن عبدالعزيز رفيع قال دخلت انا وشدادبن معقل على بن عباس رضى الله تعالىٰ عنه ٥ فقال له شداد بن معقل اترك النبى صلى الله عليه و آله وسلم من شئ قال ماترك الامابين الدفتين قال ودخلنا على محمد بن الحنفية فسالناه فقال ماترك الامابين دفتين ٥

(بخاری شریف، حدیث 5019)

عبدالعزیز بن رفیع سے روایت ہے انہوں نے کہا میں اور شداد بن معقل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس گئے تو شداد بن معقل نے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی چیز (سوائے قرآن) کے چھوڑی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواباً فرمایا آپ نے صرف وہی چھوڑا ہے جو قرآن معظم کی دوجلدوں کے درمیان ہے۔ عبدالعزیز بن رفیع نے کہا پھر ہم محمد بن حنفیہ کے پاس گئے اوران سے دریافت کیا تو انہوں نے جواباً فرمایا آپ نے صرف وہی چھوڑا ہے جوکہ قرآن پاک کی دوجلدوں کے درمیان ہے۔

(3) عن ابى موسىٰ الاشعرى عن النبى صلى الله عليه وآله وسلم قال مثل الذى يقرأ القرأن كالاترجة طعمها طيب وريحها طيب ٥ والذين لا يقرؤون القرأن كا التمرة طعمها طيب ولاريح لها ومثل الفاجر الذى يقرا القرأن كمثل الريحانة ريحها طيب وطعمها مر ٥ ومثل الفاجر الذى لا يقرا القرآن كمثل الحنظلة طعمها مرولاريح لها ٥

(بخاری شریف، حدیث 5020، مسلم شریف بمعہ نووی، جلد اول، ص:269، شعب الایمان، جلد دوئم، ص:337، حدیث 1973، مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 10، ص:529، حدیث 10221)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا۔ آپ نے فرمایا: اس مومن کی مثال جو قرآن مقدس کی تلاوت کرتا ہے سنگترہ جیسی ہے جس کا مزہ بھی اچھا ہے اور خوشبو بھی اچھی۔ اور اس مؤمن کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا کھجور جیسی ہے جس کا مزہ بہت اچھا ہے اور اس کی خوشبو نہیں۔ اور اس فاجر کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے پھول جیسی ہے جس کی خوشبو بہت اچھی اور مزا کڑوہ ہے۔ اور اس فاجر کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا۔ تمہ جیسی ہے جس کا مزا کڑوہ ہے اور اس کی خوشبو نہیں۔

(4) عن عبدالله بن دينار قال سمعت ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما عن النبى صلى الله عليه وآله وسلم قال انما اجلكم فى اجل من خلامن الامم كما بين صلوة العصر ومغرب الشمس ومثلكم ومثل اليهود والنصارى كمثل رجل استعمل عما لا فقال من يعمل لى الىٰ نصف النهار على

قیراط فعملت الیھود ○ فقال من یعمل لی من نصف النھار الی العصر علی قیراط فعملت النصاری ○ ثم انتم تعملون من العصر الی المغرب بقیر الحین قیراطین ○ قالوا نحن اکثر عملاً واقل عطاء قال ھل ظلمتکم من حقکم قالوا لا قال فذاك فضلی اوتیه من شئت ○

(بخاری شریف، حدیث:5021)

عبداللہ بن دینار سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے سنا۔ آپ نے فرمایا: تمہاری عمر تم سے پہلے گزرنے والی امتوں کی عمر کی نسبت وہ ہے جو نماز عصر اور غروب آفتاب کے درمیان کام کرے۔ تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال اس شخص جیسی ہے جو اجرت پر مزدور رکھے اور کہے کون ہے جو نصف دن تک ایک ایک قیراط پر میرا کام کرے تو یہودیوں نے کام کیا۔ پھر اس شخص نے کہا کون ہے جو دوپہر سے لے کر عصر تک ایک ایک قیراط پر کام کرے تو نصاریٰ نے کام کیا پھر تم نے عصر سے غروب آفتاب کے درمیان تک دو دو قیراط پر کام کیا۔ یہود و نصاریٰ نے کہا ہمارا کام زیادہ اور مزدوری کم۔ اس شخص نے کہا کیا میں نے تمہیں تمہاری مزدوری سے کم دیا ہے۔ انہوں نے کہا نہیں۔ تو اس شخص نے کہا یہ میرا فضل ہے جسے چاہوں عطا کروں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو اس ترجمۃ الباب کے ماتحت لائے ہیں۔ تمام کلام پر قرآن کی فضیلت۔ حافظ عسقلانی فرماتے: اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اس حدیث میں اس امت کی دوسری امتوں پر فضیلت و بزرگی کا ثبوت ہے۔ اور اس امت کا دیگر امتوں پر فضیلت اس کتاب کی فضیلت سے ثابت ہے جس کتاب پر ہمیں عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اس سے ثابت ہوا کلام اللہ کی تلاوت کرنے کا ثواب بھی دیگر کتب سماویہ کی تلاوت کرنے سے بہت زیادہ ہے اس لیے قرآن مقدس کو تمام کتب پر فضیلت ہے۔

(5) عن ابی ھریرہ رضی اللہ تعالی عنه ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لا حسد الافی اثنین رجل علمه اللہ القرآن وھو یتلوہ آناء اللیل و آناء النھار فسمعه جارله فقال لیتنی اوتیت مثل ما اوتی فلان فعملت مایعمل ورجلاً آتاہ اللہ مالاً فھو یھلکه فی الحق فقال رجل لیتنی اوتیت مثل ما اوتی فلان فعملت مثل مایعمل ○

(مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 10، ص:557، حدیث:10330-10333، بخاری شریف، حدیث:5026، شعب الایمان، جلد دوئم، ص:337، حدیث 1972 بیہقی نے یہ حدیث یزید بن اخنس سے روایت کی ہے۔)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حسد صرف دو شخصوں

میں جائز ہے ایک وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا اور وہ اسے رات، دن تلاوت کرتا رہتا ہے۔ اس کا ہمسایہ سن کر کہتا ہے کاش مجھے بھی قرآن کا وہ علم دیا جاتا جو فلاں کو دیا گیا ہے۔ اور میں بھی اس طرح عمل کرتا جیسا کہ وہ عمل کرتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹاتا ہے تو دوسرا شخص کہتا ہے کاش مجھے بھی فلاں کی مثل دیا جاتا اور میں بھی وہی عمل کرتا جو وہ کرتا ہے۔ (یعنی اللہ کی راہ میں سب کا سب مال خرچ کر دیتا)۔

(6) ان عبداللہ بن غمر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول ο لا حسد الا علی اثنین رجل آتاہ اللہ الکتاب وقام بہ آناء اللیل ورجل اعطاہ اللہ المال فھو یتصدق بہ آناء اللیل والنھار ο

(بخاری شریف، حدیث: 5025، مسلم شریف بمعہ نووی، جلد اوّل، ص: 272، شعب الایمان، جلد دوئم، ص: 337، حدیث: 1971، مصنف عبدالرزاق، جلد سوئم، ص: 360، حدیث: 5974)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔ حسد صرف دو ہی شخصوں پر ہے۔ ایک وہ شخص جس کو اللہ عزوجل نے قرآن عطا فرمایا وہ رات بھر اس کی تلاوت میں مشغول رہتا ہے۔ (اور اس پر عمل کرتا ہے) دوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا وہ دن رات محتاجوں پر صدقہ کرتا رہتا ہے۔

(7) عن عثمان رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال خیر کم من تعلم القرآن وعلمہ قال واقرأ ابو عبدالرحمٰن فی امرۃ عثمان حتی کان الحجاج قال وذاک الذی اقعد فی مقعدی ھذا ο

(ترمذی شریف، حدیث: 2907، بخاری شریف، حدیث: 5027، شعب الایمان، جلد دوئم، ص: 324، حدیث: 1932)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا۔ آپ نے فرمایا: تم میں سے بہتر وہ شخص ہے جو خود قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔ سعد بن عبیدہ نے کہا ابو عبدالرحمٰن نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی امارت میں لوگوں کو قرآن پڑھایا حتیٰ کہ حجاج بن یوسف عراق کا امیر منتخب ہوا۔ ابو عبدالرحمٰن نے کہا افضلیت قرآن میں یہ وہ مرفوع حدیث ہے۔ جس نے مجھے اسی جگہ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دینے کے لیے بٹھایا ہے۔

(8) عن عثمان بن عفان قال قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان افضلکم من تعلم القرآن وعلمہ ο

(ترمذی شریف، حدیث: 2908، بخاری شریف، حدیث: 5028، شعب الایمان، جلد دوئم، ص: 324، حدیث: 1931)

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے افضل وہ شخص ہے جو قرآن پاک سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔

(9) عن انس رضی اللہ عنہ قال ٥ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ان للہ اھلین من الناس ٥ قالوا من ھم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم قال اھل القرآن اھل اللہ وخاصتہ ٥ (مسند احمد، جلد سوئم، ص:127، دارمی، جلد دوئم، ص:433، متدرک للحاکم، جلد دوئم، ص:259، حدیث:2090)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لوگوں میں سے اللہ عزوجل کے اہل ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ کون ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صاحب قرآن اللہ عزوجل کے اہل اور اس کے خاص ہیں۔

(10) عن عبداللہ بن بریدۃ عن ابیہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم یجیئ یوم القیمۃ القرآن کالرجل الشاب فیقول لصاحبہ انا الذی اسھرت لیلک واظمات نھارک ٥ (مستدرک للحاکم، جلد دوئم، ص:258، حدیث:2087)

عبداللہ بن بریدہ نے اپنے باپ بریدہ بن حصیب اسلمی سے روایت کیا انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن قرآن معظم ایک نوجوان آدمی کی صورت میں آئے گا اور اپنے صاحب (پڑھنے والے) سے کہے گا میں وہی ہوں جس نے تیری رات کو بیدار رکھا (یعنی رات میں تجھے سونے نہیں دیا) اور میں نے تیرے دن کو پیاسا رکھا (یعنی دن کو کھانے پینے نہیں دیا)۔ امام حاکم نے طویل حدیث کا ایک حصہ نقل فرمایا ہے اور یہ طویل حدیث ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں تخریج کی ہے اور وہ حدیث یہ ہے۔

حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ نے کہا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھا تو میں نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا۔ قیامت کے دن جب اس کی قبر شق ہوگی تو قرآن اپنے صاحب سے نوجوان مرد کی صورت میں ملاقات کرے گا۔ جس کا رنگ بھوک کی وجہ سے زرد پڑا ہوگا۔ وہ اپنے صاحب سے کہے گا کیا تو مجھے پہچانتا ہے۔ وہ شخص کہے گا میں تجھے نہیں پہچانتا۔ وہ نوجوان آدمی صاحب قرآن سے کہے گا میں قرآن تیرا وہ ساتھی ہوں جس نے دن کو تجھے بھوکا رکھا اور رات کو تجھے سونے نہیں دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو صاحب قرآن کے دائیں ہاتھ میں ملک اور بائیں ہاتھ میں خلد دیا جائے گا۔ اور اس کے سر تاج وقار رکھا جائے گا۔ اور اس کے والدین کو دو حلے پہنائے جائیں گے۔ جن دو حلوں کے اہل دنیا قائم مقام نہیں ہوسکتے۔ والدین کہیں گے ہمیں کس لیے یہ حلے پہنائے گئے ہیں۔ ان سے کہا جائے گا تیرے بیٹے کے قرآن پڑھنے کی وجہ سے۔ پھر اس کو کہا جائے گا قرآن کی تلاوت کر اور جنت کے درجوں میں بلند ہوتا جا۔ اور جب تک وہ

تلاوت کرتا رہے گا۔ وہ ہمیشہ جنت کے درجات میں بلند ہوتا جائے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 10، ص: 493، مطبوعہ ادارۃ القرآن دار العلوم الاسلامیہ اشرف منزل کراچی، مصنف عبدالرزاق، جلد سوئم، ص: 374، حدیث: 6014، مطبوعہ منشورات مجلس علمی)

(11) عن ابی بردۃ عن ابی موسیٰ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قال تعاھدوا القرآن فوالذی نفسی بیدہ لھو اشد تفصیا من اللابل فی عقلھا٥

(بخاری شریف، حدیث: 5034، متدرک حاکم، جلد دوئم، ص: 254، حدیث: 2076، شعب الایمان، جلد دوئم، ص: 333، حدیث: 1961)

ابو بردہ (عامر) نے اپنے باپ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کیا آپ نے فرمایا: قرآن مقدس ہمیشہ پڑھتے رہو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ قرآن پاک سینوں سے بندھے ہوئے اونٹوں سے جلدی نکلنے والا ہے۔

اس حدیث کی وضاحت اس سے قبل حدیث جو کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے سے ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: قرآن مقدس کی تلاوت کرنے والے کی مثال اونٹ والے کی سی ہے جس نے اپنے اونٹ کو باندھ کر رکھا ہوا ہے اگر اس کی دیکھ بھال کرتا رہے گا تو اونٹ کو روکے رکھے گا۔ اور اگر اس کو کھول دے گا تو وہ بھاگ جائے گا۔ اس کی توضیح بھی دوسری حدیث سے ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: یہ نہایت بری بات ہے کہ کوئی یہ کہے کہ میں فلاں، فلاں آیت بھول گیا ہوں اور قرآن مقدس کی حفظ کرو کیونکہ وہ لوگوں کے سینوں سے تیزی سے نکل جانے والا ہے بہ نسبت جانوروں کے۔

ان تمام احادیث کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن پاک کی حفاظت کرو اس کو متواتر اور لگاتار ہمیشہ پڑھتے رہو اگر تم نے اس کی حفاظت نہ کی تو یہ تمہارے سینوں سے نکل جائے گا۔ جیسا کہ بندھے ہوئے اونٹ کی حفاظت نہ کرو گے تو وہ بھاگ جائے گا۔ اور قرآن مقدس بہ نسبت جانوروں کے بہت جلد سینوں سے نکل جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن پاک کی تلاوت پر ہمیشگی کرو۔ اس کو چھوڑو نہیں۔

(12) عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ قال ٥ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یجیء القرآن یوم القیمۃ فیقول ٥ یا رب حلہ ٥ فیلبس تاج الکرامۃ ثم یقول یا رب زدہ فیلبس حلۃ الکرامۃ ثم یقول یا رب ارض عنہ فیرضی عنہ فیقال لہ اقرا وارق ویزاد بکل آیۃ حسنۃ٥

(متدرک للحاکم، جلد دوئم، ص: 252، حدیث: 2073، تفسیر قرطبی، ص: 9، جلد اول، شعب الایمان، جلد دوئم، ص: 347، حدیث: 1996)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: قیامت

کے دن قرآن آئے گا اور عرض کرے گا اے میرے رب! میرے پڑھنے والے کو مکان عزت وشرف میں نازل فرما۔ تو اسے تاج کرامت پہنایا جائے گا۔ قرآن عرض کرے گا اے اللہ! اور زیادہ عطا فرما تو اس کو کرامت کا حلہ پہنایا جائے گا۔ قرآن عرض کرے گا، اے اللہ! تو اس سے راضی ہو جا اور اللہ عزوجل اس سے راضی ہو جائے گا۔ پھر اسے کہا جائے گا قرآن کی تلاوت کر اور درجات جنت یا مراتب قرب کی طرف ترقی کر اور ہر آیت کے بدلے اسے نیکی عطا کی جائے گی۔

(13) عن علی رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم من قرأ القرآن واستظہرہ وحفظہ ادخلہ الجنۃ وشفعہ فی عشرہ من اھل بیتہ کل قد وجبت لہ النار ۝

(مسند احمد، جلد اوّل، ص:152، تفسیر قرطبی، جلد اوّل، ص:10، شعب الایمان، جلد دوئم، ص:329، حدیث:1947)

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے قرآن پاک حفظ کیا اور اس کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ اور اس کے اہل خانہ میں سے ان دس افراد کی شفاعت قبول فرمائے گا جن پر جہنم واجب ہو چکی ہوگی۔

(14) عن علی رضی اللہ عنہ انہ قال ۝ قال النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ما من شفیع افضل عند اللہ من القرآن لانبی ولا ملک ۝ (تفسیر البحر المحیط، جلد اوّل، ص:12)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک قرآن سے بڑھ کر کوئی بھی شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا۔ نہ ہی کوئی نبی اور نہ ہی کوئی فرشتہ۔

(15) عن ابی امامۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اقرأ القرآن ولا یغرنکم ھذہ المعارف المعلقۃ فان اللہ لایعذب قلباً وعیٰ القرآن ۝ (فتح الباری، جلد 9، ص:79)

حضرت ابوامامہ (باہلی) رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: قرآن حکیم کی تلاوت کرو۔ اور تجھے یہ گھروں میں لٹکے ہوئے قرآن پاک ہرگز دھوکہ نہ دیں۔ بے شک اللہ عزوجل وہ دل جس میں قرآن کو محفوظ کیا اس دل کو کبھی عذاب نہیں دے گا۔

(16) عن معاذ بن انس رضی اللہ عنہ قال ۝ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم من قرأ القرآن فاکملہ وعمل بما فیہ البس والداہ تاجا یوم القیمۃ ضوءہ احسن من ضوء الشمس ۝

(مسند احمد، جلد 4، ص:77، شعب الایمان، جلد دوئم، ص:329، حدیث 1948)

حضرت معاذ بن انس جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جس نے قرآن پاک مکمل یاد کر لیا اور اس پر عمل کیا اس کے والدین کو قیامت کے دن تاج پہنایا جائے گا جس کی

روشنی سورج کی روشنی سے حسین وخوبصورت ہوگی۔

(17) عن عبدالرحمٰن بن سابط رضی الله عنه قال ٥قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم البیت الذی یقرافیه القرآن یکثر خیره ویوسع علی اهله ویحضره الملئکة ویهجره الشیاطین وان الذی لا یقرا فیه یضیق علی اهله ویقل خیره ویهجوه ملائکة ویحضره الشیاطین ٥ان البیت الذی یقرا فیه القرآن ویثور فیه یضیئ لاهل السماء کما یضیئ نجم السماء ان اهل السماء لیتواء ون البیت الذی یقرأ فیه القرآن ویصلی فیه کما یترای اهل الدنیا الکوکب الذی فی السماء٥

(مصنف عبدالرزاق، جلد سوئم، ص:369، مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 10، ص:487)

عبدالرحمٰن بن سابط رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جس گھر میں قرآن پڑھا جائے قرآن کی برکت سے اس گھر میں خیر وبرکت کی زیادتی ہوتی ہے۔ اوراس کے گھر والوں کا رزق فراخ ہوتا ہے۔ فرشتے اس گھر میں نازل ہوتے ہیں اور شیاطین اس گھر کو خیر باد کہہ جاتے ہیں۔ اور جس گھر میں قرآن پاک کی تلاوت نہ ہو اس کے گھر میں خیر وبرکت کی قلت اور رزق تنگ ہو جاتا ہے اور فرشتے اس گھر کو چھوڑ دیتے ہیں اور شیاطین ڈیرہ ڈال لیتے ہیں۔ بیشک جس گھر میں قرآن کی تلاوت کی جائے اور اس کے معانی پر تدبر وتفکر کیا جائے وہ گھر تلاوت قرآن کی وجہ سے آسمان والوں کو روشن کرتا ہے۔ جیسا کہ ستارہ آسمان کو روشن کرتا ہے۔ اور آسمان والے اس گھر کو دیکھتے ہیں جس میں قرآن کی تلاوت ہو یا نماز پڑھی جائے جیسا کہ دنیا والے آسمان پر ستارہ کو دیکھتے ہیں۔

(18) عن محمد بن کعب من قرأ القرآن فکانما رای النبی صلی الله علیه وآله وسلم ثم قرأ من بلغ انکم لتشهدون ان مع الله الهة اخری٥ (مصنف ابن ابی شیبة، جلد 10، ص:468)

محمد بن کعب قرظی سے روایت ہے کہ جس نے قرآن پاک کی تلاوت کی گویا کہ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دیدار کیا پھر یہ آیت مبارکہ تلاوت کی۔ اور جن جن کو پہنچے تو کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور خدا نہیں۔ (سورۃ انعام، آیت:19)

(19) وذکر فی المقامات انه اتی رجل الی النبی صلی الله علیه وآله وسلم فقال یا رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ماجزاء من علم ولده القرآن فقال علیه الصلوٰة والسلام القرآن کلام الله لا منتهی له لا اعلم حتی یا تینی جبریل فلما اتاه مسئله عنه قال لا اعلم حتی سال رب العزة فنزل جبرائیل فقال یا محمد صلی الله علیه وآله وسلم ان الله یقرء ك السلام

فیقول جزاه من علم ولده القرآن انه یعطی بکل حرف مدینة فی الجنة من الذهب فیها الف قصر○وفی کل قصر الف بیت○ (عصیدة الشهدہ شرح قصیدہ بردہ للخربوتی، ص:163)

صاحب مقامات نے ذکر کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو شخص اپنی اولاد کو قرآن مقدس کی تعلیم دے اس کی جزا کیا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس کی کوئی انتہا نہیں۔ مجھے معلوم نہیں جبرائیل علیہ السلام کو آنے دو جب حضرت، جبرائیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے متعلق سوال کیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بھی یہی جواب دیا۔ اور عرض کیا میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں پھر حضرت جبرائیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا اللہ عزوجل آپ پر سلام پڑھتا ہے اور فرماتا ہے جو شخص اپنے بچے کو قرآن پڑھائے اس کی جزا یہ ہے اللہ تعالیٰ ہر حرف کے عوض اس کو جنت میں سونے کا ایک شہر عطا فرمائے گا۔ جس میں ہزار محل ہوں گے اور ہر محل میں ایک ہزار گھر۔

(20) عن معاذ بن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من قرأ القرآن فی سبیل اللہ کتب یوم القیمة مع النبین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئك رفیقاً○

(مسند احمد، جلد 4، ص:74)

حضرت معاذ بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ (یعنی جہاد میں) یا خدا تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے لیے قرآن پاک کی تلاوت کی وہ شخص قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں، شھداء اور صالحین کے ساتھ لکھا جائے گا۔ اور یہ لوگ بہت اچھے ہیں ساتھی ہونے کے حوالے سے۔

(21) عن علی رضی اللہ عنہ قال حملة القرآن فی ظل اللہ یوم لاظل الاظلہ

(الاتقان فی علوم القرآن، جزدوئم، ص:152)

حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا حامل قرآن (یعنی حافظ قرآن) قیامت کے دن جبکہ کوئی سایہ نہ ہوگا خداوند عالم کے سایہ میں ہوگا۔

(22) وروی یزید بن ابی حبیب عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من قرأ القرآن واستظھرہ خفف اللہ عن والدیہ العذاب وان کانا کافرین○

(عینی شرح بخاری، جلد 20، ص:47، تنبیہ الغافلین، ص:152)

یزید بن ابی حبیب نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا۔ جس شخص نے قرآن پاک آنکھوں سے دیکھ

کر پڑھا اور اس کو یاد کیا اللہ تعالیٰ اس کے والدین سے عذاب میں تخفیف فرمائے گا اگر چہ وہ کافر ہوں گے۔

(23) ورد البخاری وغیرہ من قرأ القرآن ثم مات قبل ان یستظهرہ اتاہ ملک یعلمہ فی قبرہ ویلقی اللہ وقد استظهرہ

(مرقاۃ شرح مشکوۃ، جلد 4، ص:354، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان، کنز العمال، حدیث:2449، مطبوعہ دار التراث العربی، الحبائک فی الملئک، ص:146)

علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری فرماتے ہیں۔ بخاری وغیرہ نے روایت کیا جس نے قرآن پاک پڑھا اور اس کے حفظ کرنے سے قبل یا اس کو مکمل کرنے سے پہلے وہ فوت ہو گیا۔ قبر میں اس کے پاس فرشتہ آئے گا اور اس کو قرآن پاک سکھائے گا۔ قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ اس نے قرآن پاک مکمل یاد کر لیا ہوگا۔

(24) عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الماهر بالقرآن مع السفرة الکرام البررة والذی یقرأ القرآن ویتتعتع فیه وهو علیه شاق له اجران ۰

(مسلم شریف، جلد اوّل، ص:269، شعب الایمان، جلد دوئم، ص:338، حدیث:1975)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا قرآن کا ماہر (حاذق کامل الحفظ بوجہ اس کے حفظ واتقان کے کھرا ہونے اس پر قرآن کی قرات مشکل نہ ہو) مطیعین باعث عزت لکھنے والے فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔ اور جو قرآن کی تلاوت کرتا ہے اور ضعف حفظ کی وجہ سے اس کو تلاوت میں تردد ہے اور قرآن کا پڑھنا اس پر باعث مشقت ہے اس کے لیے دو اجر ہیں۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ماہر قرآن کا فرشتوں کے ساتھ ہونا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قیامت کے دن اس کے لیے منازل ہوں اور ان منازل میں وہ کاتبین فرشتوں کے ساتھ ہو کیونکہ کتاب اللہ اٹھانے کی وجہ سے وہ بھی ان فرشتوں کے ساتھ متصف ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراد یہ ہو کہ ماہر قرآن نے بھی فرشتوں جیسا عمل کیا ہو یا وہ ان کی راہ پر چل رہا ہو۔

(نووی بمعہ مسلم، جلد اوّل، ص:269)

(25) عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنهما ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال الصیام والقران یشفعان للعبد یقول الصیام ای رب منعتهُ الطعام والشهوات بالنهار فشفعنی فیه ویقول القرآن منعته النوم باللیل فشفعنی فیه فیشفعان ۰

(شعب الایمان، جلد دوئم، ص:346، حدیث:1994، مستدرک للحاکم، جلد دوئم، ص:255، حدیث:2080)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: روزہ اور قرآن قیامت کے دن آدمی کی شفاعت کریں گے۔ روزہ کہے گا اے میرے پروردگار! میں نے اس کو دن میں کھانے اور

شہوات سے منع کیا اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ قرآن مقدس عرض کرے گا میں نے اس کو رات کی نیند سے روکا اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ چنانچہ ان دونوں کی شفاعت کو قبول کر لیا جائے گا۔

(26) عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم القرآن شافع مشفع و ماحل مصدق ٥ فمن جعلہ امامہ قادہ الی الجنۃ ومن جعلہ خلفہ ساقہ الی النار ٥

(شعب الایمان، جلد دوم، ص: 351، حدیث: 2010، صحیح ابن حبان، جلد اول، ص: 167، رقم حدیث: 124)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قرآن مقدس جس کی شفاعت طلب کرے اس کے حق میں اس کی شفاعت قبول کی جائے گیا اور قرآن مقدس کے جس کے متعلق کوشش کرے گا کہ اس نے مجھے نہیں پڑھا قرآن کی تصدیق کر دی جائے گی۔ جس نے قرآن کو آگے کیا (یعنی اس کی تلاوت کی) قرآن اس کو کھینچ کر جنت کی طرف لے جائے گا۔ اور جس نے قرآن کو پیچھے کیا۔ (یعنی اس کو پس پشت ڈالا اس کی تلاوت نہ کی) قرآن اس کو کھینچ کر جہنم لے جائے گا۔

(27) روی خالد بن بشیر عن حسین بن علی عن النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انہ قال من قرأ القرآن فی الصلوٰۃ وھو قائم فلہ بکل حرف مائۃ حسنۃ ومن قرأ القرآن فی الصلاۃ قاعداً کتب اللہ لہ بکل حرف خمسین حسنۃ ومن قرأ القرآن فی غیر الصلوٰۃ فلہ بکل حرف عشر حسنات ومن استمع الی شئ من کتاب اللہ وھو یرید الا جر کتب لہ بکل حرف حسنۃ ومن قرأ القرآن حتی یختمہ کانت لہ عند اللہ دعوۃ مستجابۃ اما معجلۃ و اما موجلہ ٥

(تنبیہ الغافلین، ص: 152)

خالد بن بشیر نے حضرت حسین بن علی سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا۔ نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے نماز میں قرآن مقدس کی تلاوت کی درآنحالیکہ وہ کھڑا ہے اس کے لیے ہر حرف کے عوض ایک سو نیکی ہے۔ اور جس نے نماز میں بیٹھے ہوئے قرآن حکیم پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر حرف کے عوض پچاس نیکیاں لکھ دے گا۔ اور جس نے نماز کے علاوہ قرآن پاک کی تلاوت کی اس کے لیے ہر حرف کے بدلہ میں دس نیکیاں ہیں۔ اور جس نے کان لگا کر کچھ قرآن سنا اور وہ اجر وثواب کا ارادہ رکھتا تھا اس کے لیے ہر حرف کے عوض ایک نیکی۔ اور جس نے قرآن پاک پڑھا حتیٰ کہ اس کو ختم کیا اس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں دعا مستجاب ہے یا وہ دعا جلدی قبول ہوگی یا کچھ دیر بعد۔

(28) عن زرارۃ بن اوفی عن ابن عباس ان رجلا قال یا رسول اللہ ای الاعمال افضل قال الحال المرتحل قالوا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وما الحال المرتحل ٥ قال الذی

یقرا من اول القرآن الی آخرہ ومن آخرہ الی اولہ○ (شعب الایمان، جلد دوئم، ص:367 حدیث 2069)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعمال میں سے کون سا عمل افضل ہے۔ آپ نے فرمایا: ''الحال المرتحل'' صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''الحال المرتحل'' کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: جو شخص اول قرآن سے آخر تک پڑھے اور آخر سے اول تک پڑھے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ قرآن پاک ختم کرے تو کچھ پارہ اوّل سے بھی پڑھ لے یہی ''الحال المرتحل'' کا مفہوم ہے۔

علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: قرآن کے ادب میں سے ہے کہ قرآن پاک پڑھنے والا جب قرآن مقدس کو ختم کرے تو وہ اپنے اہل وعیال واولاد کو جمع کرے اور قرآن پاک ختم کرنے کے وقت دن کا اوّل یا رات کا اوّل کا ارادہ کرے یعنی ان دونوں وقتوں میں سے جس وقت چاہے قرآن ختم کرے اس کے بعد چند احادیث جن کا مضمون ایک ہی ہے وہ نقل کرتا ہوں اللہ عزوجل بوسیلہ سید الانبیاء ہمیں قرآن پاک تلاوت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ثابت بنانی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جب حضرت انس رضی اللہ عنہ قرآن پاک ختم کرتے تو اپنے اہل وعیال کو جمع کر کے دعا فرماتے۔

امام بیہقی نے فرمایا: یہ موقوف حدیث ہی صحیح ہے۔ اور جو قتادہ سے دوسری وجہ سے حضرت انس سے مرفوع حدیث مروی ہے وہ کچھ بھی نہیں۔

مرفوع حدیث یہ ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب قرآن پاک ختم فرماتے تو اپنے اہل وعیال کو جمع فرماتے۔

امام بیہقی فرماتے ہیں: اس رفع میں وہم ہے اور اس کی اسناد میں مجاھیل ہیں۔ اور روایت وہ صحیح ہے جو ابن مبارک نے سحر بن کدام سے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت کی ہے۔

شعبہ بن حجاج حکم بن عتیبہ سے روایت کرتے ہیں کہ مجاہد بن جبر اور عبدہ بن ابی لبابہ دونوں نے کہا ہم تمہاری طرف پیغام بھیج رہے ہیں کہ قرآن پاک ختم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں (لہٰذا تم بھی ختم قرآن میں شریک ہو جاؤ) حکم بن عتیبہ کہا کرتے تھے کہ ختم قرآن کے وقت دعا مستجاب ہوتی ہے۔ اور جب وہ ختم قرآن سے فارغ ہوئے تو انہوں نے چند دعائیں مانگیں۔

یحییٰ بن یمان نے سفیان ثوری سے انہوں نے حبیب بن ابی عمرہ سے روایت کیا۔ حبیب بن ابی عمرہ نے کہا جب آدمی قرآن پاک ختم کرتا ہے تو فرشتہ ان کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ لیتا ہے۔

بشر بن موسیٰ نے کہا مجھے عمر بن عبد العزیز نے کہا میں نے یہ حدیث احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے حضور پیش کی تو حضرت احمد بن حنبل نے فرمایا شاید کہ یہ حدیث حضرت سفیان ثوری کی طرف سے ہے۔ تو احمد بن حنبل نے ایک فقیہ کے لفظ حدیث کو مستحسن قرار دیا۔

یہ احادیث شعب الایمان میں صفحہ 268 سے 269 تک اور حدیث نمبر 2070 سے 2074 تک ہے۔

(29) **فصل فی استجلاب التکبیر عند الختم ٥ الخ**

قال اللہ عزوجل وقرآناً فرقناہ علی الناس علی مکث ونزلناہُ تنزیلاًo (سورۂ بنی اسرائیل، آیت 106)

اور قرآن ہم نے جدا جدا کر کے اتارا کہ تم اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ اور ہم نے اسے بتدریج رہ رہ کر اتارا۔

اس کے بعد اللہ عزوجل نے قرآن کے ساتھ ترک ایمان پر کفار کو زجر و توبیخ فرمائی اور علماء کرام کی اللہ عزوجل سے ڈرنے کے ساتھ مدح فرمائی۔ پھر اس کے بعد فرمایا:

''قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن'' تم فرماؤ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر۔ اور اس آیت کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ جب تم قرآن پاک کی تلاوت کر چکو تو دعا مانگو۔

اور ''لا تجهر بصلاتك'' کا معنی ہے قرآت قرآن کے ساتھ آواز بلند نہ کرو جب کہ تو اپنی نماز سے فارغ ہو جائے تو اپنی دعا کرو۔

پھر اللہ عزوجل نے فرمایا: **''وقل الحمد للہ الذی لم یتخذ ولداً ولم یکن لہ شریک فی الملک ولم یکن لہ ولی من الذل وکبرہ تکبیرا''**

اور یوں کہو سب خوبیاں اللہ تعالیٰ کو جس نے اپنے لیے بچہ اختیار نہ فرمایا اور بادشاہی میں کوئی اس کا شریک نہیں اور کمزوری سے کوئی اس کا حمایتی نہیں اور اس کی بڑائی بولنے کو تکبیر کہو۔

چنانچہ اللہ عزوجل نے جیسے حمد کا حکم دیا ایسے ہی تکبیر کا حکم دیا اور تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ حمد مستحب ہے۔ تو واجب ہوا کہ تکبیر بھی واجب ہو۔

اور اس لیے بھی کہ قرآت قرآن بھی عبادت ہے جو متفرقہ معدودہ ارباض کی طرف منقسم ہے۔ گویا کہ قرآت قرآن ماہ رمضان کے روزہ کی مثل ہے جب ماہ رمضان کے روزے ختم ہوں تو اللہ تعالیٰ نے خدا کی بڑائی بیان کرنے کا حکم دیا جیسا کہ اس نے ہدایت عطا فرمائی۔ اور اس پر قیاس کرتے ہوئے قاری جب سورتوں کی گنتی پوری کرے تو تکبیر کہے۔

ابو عبد اللہ حلیمی نے فرمایا:

تکبیر کے معنی پر جواب نکل آیا اور وہ یہ کہ وہ سورۂ ضحیٰ میں تکبیر کے ساتھ شروع کرے اور ہر سورت شروع کرنے کے وقت تکبیر کہے۔ اور جب اس نے سورۂ ناس پڑھ لی تو تکبیر ختم ہو گئی۔

امام بیہقی نے فرمایا: اس میں اصل یہ ہے:

اس مسئلہ کا اصل بیان کرنے سے قبل جو علامہ بیہقی اور ابو عبداللہ حلیمی نے فرمایا اس کی توضیح پیش خدمت ہے۔ امام بیہقی نے سورۂ بنی اسرائیل آخری چند آیات سے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن جب ختم ہو تو تکبیر کہنی چاہئے اور یہ تکبیر پڑھنا مستحب ہے۔ فرماتے ہیں قرآن مقدس کی سورتیں بھی ماہ رمضان کے روزوں کی مثل ہیں اور جس طرح رمضان کی عدت پوری ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے تکبیر کہنے کا حکم دیا ہے اسی طرح جب رمضان المبارک میں قاری قرآن پاک ختم کرتا ہے تو اس وقت بھی تکبیر کہنی چاہئے۔ اور حافظ قرآن رمضان میں سورۂ ضحیٰ تک پڑھ کر قرآن کو ختم کرتا ہے اور پھر آخری چند سورتیں پڑھتا ہے لہٰذا جب وہ سورۂ ضحیٰ سے آخر تک کوئی صورت بھی پڑھے تو جب وہ سورۂ کو ختم کرے تھوڑا سا توقف کر کے تکبیر کہے پھر تھوڑا سا توقف کر کے دوسری سورت پڑھے حتیٰ کہ جب وہ آخری سورت سورۂ ناس پڑھے تو اس کے بعد تکبیر پر اس کا اختتام کرے۔ اور یہ تکبیر کہنا مستحب ہے۔ جس کی اصل کی طرف امام بیہقی اشارہ فرمایا۔ اور اس میں اصل یہ ہے۔

عن احمد بن محمد بن القاسم بن ابی ابزة یقول سمعت عکرمة بن سلیمان مولٰی بنی شیبة یقول ٥ قرأت علی اسماعیل بن عبدالله المکی فلما بلغت الضحی قال لی کبر حتی تختم فانی قرأت علی عبدالله بن کثیر فامرنی بذٰلك ٥قال قرأت علی مجاهد فامرنی بذٰلك وقال انه قرا علی ابن عباس فامره بذٰلك فاخبر ابن عباس انه قرأ علی ابی بن کعب فامره بذٰلك٥

(شعب الایمان، جلد دوئم، ص: 370، حدیث: 2077)

احمد بن محمد بن قاسم بن ابی ابزہ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے عکرمہ بن سلیمان آزاد کردہ غلام بنی شیبہ کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے اسماعیل بن عبداللہ مکی کے پاس قرآن پاک پڑھا جب میں سورۂ ضحیٰ تک پہنچا تو انہوں نے مجھے کہا تکبیر پڑھو۔ حتیٰ کہ تم قرآن پاک ختم کرو۔ کیونکہ میں نے عبداللہ بن کثیر کے پاس قرآن پڑھا تو انہوں نے بھی مجھے یہی حکم دیا۔ انہوں نے کہا میں نے امام مجاہد کے پاس قرآن پڑھا تو انہوں نے بھی مجھے یہی حکم دیا۔ مجاہد بن جبر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس قرآن شریف پڑھا تو انہوں نے بھی یہی حکم دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ انہوں نے حضرت ابی بن کعب کے پاس قرآن پاک پڑھا تو انہوں نے بھی یہی حکم دیا۔

دوسری روایت یہ ہے:

ابن ابی ابزہ نے عکرمہ بن سلیمان سے روایت کیا انہوں نے کہا میں نے اسماعیل بن عبداللہ بن قسطنطین کے پاس قرآن پڑھا تو جب میں سورۂ ضحیٰ تک پہنچا تو فرمایا ہر سورت کے خاتمہ پر تکبیر پڑھو۔ حتیٰ کہ اسی طریقہ سے قرآن ختم کرو۔ وہ کہتے ہیں

میں نے شبل بن عباد اور عبداللہ بن کثیر کے پاس قرآن پڑھا تو ان دونوں نے مجھے یہی حکم دیا۔ اور مجھے عبداللہ بن کثیر نے خبر دی کہ انہوں نے مجاہد کے پاس قرآن پڑھا تو انہوں نے اس کو یہی حکم دیا۔ اور اس کو مجاہد نے خبر دی کہ اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس قرآن پڑھا تو انہوں نے اس کو یہی حکم دیا۔ اور ان کو حضرت ابن عباس نے خبر دی کہ اس نے حضرت ابی بن کعب کے سامنے قرآن پڑھا تو انہوں نے بھی اس کو یہی حکم دیا۔ انہوں نے خبر دی کہ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور قرآن پاک پڑھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو یہی حکم دیا۔ امام بیہقی فرماتے ہیں اگر محمد بن یونس کدیمی نے اس روایت کو یاد رکھا ہے تو پہلی روایت جو کہ ابن خزیمہ سے ہے اس کی تصحیح ہے۔ اور اسماعیل نے شبل بن عباد اور عبداللہ بن کثیر دونوں سے سنا ہے ہاں اس روایت میں اور ابن خزیمہ کی روایت میں فرق ہے۔ یہ روایت موصول ہے اور ابن خزیمہ کی موقوف اور ابن خزیمہ کی روایت ہی مسند معروف ہے۔

تیسری روایت:

جو کہ حافظ ابو عبداللہ کے طریق سے ہے۔

ابن ابی ابزہ نے کہا میں نے عکرمہ بن سلیمان کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے اسماعیل بن عبداللہ بن قسطنطین کے سامنے قرآن پڑھا جب میں سورۂ ضحیٰ تک پہنچا تو مجھے فرمایا۔ ہر سورت کے اختتام پر تکبیر کہو۔ حتیٰ کہ تو قرآن کو ختم کرے۔ کیونکہ میں نے عبداللہ بن کثیر کے پاس قرآن پڑھا تو جب میں سورۂ ضحیٰ تک پہنچا تو مجھے فرمایا قرآن کے ختم تک اسی طرح پڑھو۔ وہ کہتے ہیں مجھے عبداللہ بن کثیر نے خبر دی کہ انہوں نے مجاہد کے سامنے قرآن پڑھا انہوں نے یہی حکم دیا۔ اس کو مجاہد نے خبر دی کہ حضرت ابن عباس نے ان کو یہی حکم دیا ہے۔ ان کو ابن عباس نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت ابی بن کعب کے سامنے قرآن پڑھا تو انہوں نے بھی یہ یہی حکم دیا۔ اور ان کو ابی بن کعب نے خبر دی کہ اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قرآن پڑھا تو آپ نے بھی یہی حکم دیا۔

چوتھی روایت:

یہ روایت ابو نصر بن قتادہ کے طریق سے ہے قاسم بن ابی ابزہ مؤدب مسجد حرام نے کہا ہمیں عکرمہ بن سلیمان بن کثیر نے خبر دی۔ انہوں نے کہا میں نے اسماعیل بن عبداللہ کے پاس قرآن پڑھا۔ جب میں سورۂ ضحیٰ تک پہنچا تو فرمایا: ہر سورت کے اختتام پر تکبیر کہو۔ کیونکہ میں نے عبداللہ بن کثیر کے سامنے قرآن پڑھا تو انہوں نے بھی مجھے یہی حکم دیا۔ اور مجھے عبداللہ بن کثیر نے خبر دی کہ انہوں نے مجاہد کے پاس قرآن پڑھا تو انہوں نے یہی حکم دیا۔ اور مجھے مجاہد نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت ابن عباس کے سامنے قرآن پڑھا تو انہوں نے بھی یہی حکم دیا۔ اور مجھے حضرت ابن عباس نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت ابی بن کعب کے سامنے قرآن پڑھا تو انہوں نے یہی حکم دیا۔ اور اس نے خبر دی کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قرآن پڑھا تو آپ نے بھی حکم یہی دیا۔

پانچویں روایت:

ابن صاعد کے طریق سے بھی اس طرح مروی ہے۔

ابوعبداللہ حلیمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اواخر سورتوں میں تکبیر کہنے کی صفت یہ ہے کہ جب بھی سورۃ ختم کرے تھوڑا سا وقفہ کرے پھر کہے "اللہ اکبر" اور تھوڑا سا وقفہ کے بعد جو اس کے ساتھ متصل سورت ہے وہ پڑھے۔ حتیٰ کہ آخر قرآن تک اسی طرح کرے۔ پھر آخری سورت کے بعد "اللہ اکبر" کہے جیسا کہ اس نے سورۃ ضحیٰ کی ابتداء میں "اللہ اکبر" کہا تھا۔ پھر اس کے بعد حمد اور تصدیق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود شریف اور دعا کرے۔

(30) عن ابن مسعود رضی الله عنه عن رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم قال نزل الكتاب الاول من باب واحد علىٰ حرف واحد ونزل القرآن من سبعة ابواب على سبعة احرف ○ زاجرًا ○ آمرًا ○ حلالًا وحرامًا ○ محكمًا ومتشابها وامثالًا ○ فاحلوا حلاله ○ و حرموا حرامه ○ وافعلو اما امرتم به ○ وانتهوا عما نهيتم عنه ○ واعتبروا بامثاله واعملو ا بمحكمه ○ وآمنوا مبتشابهه ○ وقولو آمنا به كل من عند ربنا ○

(مستدرک للحاکم، جلد دوئم، ص:253، حدیث:2075، صحیح ابن حبان، جلد دوئم، ص:63، حدیث:742، معجم کبیر للطبرانی، جلد 9، ص:26، حدیث:8296)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پہلی کتابیں ایک ہی باب سے ایک ہی حرف پر نازل ہوئیں۔ اور قرآن مقدس سات دروازوں سے سات حروف پر نازل ہوا۔ یہ قرآن پاک زاجر بھی ہے اور آمر بھی۔ اس میں حلال بھی ہے اور حرام بھی۔ اس میں محکم بھی ہے اور متشابہ بھی۔ اور اس میں امثال بھی ہیں۔ قرآن میں جو حلال ہے اس کو حلال سمجھو۔ اور اس کے حرام کو حرام جانو۔ جس چیز کا تمہیں حکم دیا گیا ہے وہ کرو۔ اور جس سے تمہیں منع کیا گیا ہے اس سے باز آجاؤ۔ اور قرآن کی امثال سے عبرت حاصل کرو۔ قرآن کے محکم پر عمل کرو۔ اور اس کے متشابہ پر ایمان رکھو۔ اور کہو ہم اس کے ساتھ ایمان لائے ہر چیز ہمارے رب کی طرف سے ہے۔

(31) عن سعيد بن ابی سعيد عن ابی شريح الخزاعی ○ قال ○ خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فقال اليس تشهدون ان لا اله الا الله وانی رسول الله قلنا نعم اوبلى قال ○ فان هذا لقران سبب طرفه بيد الله تعالىٰ وطرفه بايديكم فتمسكوا به فانكم لن تضلوا ولن تهلكوا بعده ابدًا ○

(مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 10، ص:481، شعب الایمان، جلد دوئم، ص:327-328، حدیث:1942، صحیح ابن حبان، جلد اول، حدیث:122)

حضرت ابوشریح خزاعی سے روایت ہے، انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم یہ گواہی نہیں دیتے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے دست بستہ عرض کیا، جی ہاں! یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم یہ گواہی دیتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ قرآن ایک رسی ہے۔ جس کا ایک سرا اللہ عزوجل کے دست قدرت میں ہے اور اس کا دوسرا سرا تمہارے ہاتھوں میں تم اس کو مضبوطی سے پکڑو۔ اس کے بعد تم کبھی بھی گمراہ اور ہلاک نہ ہوگے۔

(32) عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال عرضت علی اجور امتی حتی القذاة یخرجھا الانسان من المسجد ۝ دعرضت علیٰ ذنوب امتی فلم ارذنباً اکبر من آیة او سورة اوتیتھا الرجل فنسیھا ۝

(شعب الایمان، جلد دوئم، ص:334، حدیث:1966، مصنف عبدالرزاق، جلد سوئم، ص:361، حدیث:5977، ترمذی شریف حدیث:2916، ابوداؤد شریف، حدیث:461)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر میری امت کے اجور (ثواب) پیش کیے گئے۔ حتیٰ کہ اس گندگی کا ثواب جو انسان مسجد سے نکالتا ہے (اس سے مراد مسجد میں جھاڑو دینا ہے) اور مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کیے گئے۔ چنانچہ میں نے اس سے کوئی گناہ بڑا نہیں دیکھا جس شخص کو قرآن پاک کی ایک آیت یا ایک سورۃ دی گئی۔ اور وہ اس کو بھول گیا۔

(33) عن ابی الاحوض قال: قال ابن مسعود رضی اللہ عنہ ان ھذا القرآن مادبة اللہ فمن استطاع ان یتعلم منه شیئاً فلیفعل فان اصفر البیوت من الخیر البیت الذی لیس فیه من کتاب اللہ تعالیٰ شیئ وان البیت الذی لیس فیه من کتاب اللہ شیئ خرب، کخراب البیت الذی لا عامر له وان الشیطان یخرج من البیت یسمع بسورة البقرة تقرأُ فیه ۝

(مصنف عبدالرزاق، جلد سوئم، ص:369، حدیث:5998، مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 10، ص:486)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا دسترخواں ہے تم میں سے جو شخص اس کو سیکھنے کی طاقت رکھتا وہ سیکھے۔ اور خیر سے خالی گھروں میں سب سے زیادہ خالی گھر وہ ہے۔ جس میں کتاب اللہ میں سے کچھ چیز نہیں ہے۔ (یعنی اس گھر میں قرآن کی تلاوت نہیں ہوتی) اور وہ ایسا ویران گھر ہے جس کا کوئی آباد کرنے والا نہیں ہے اور شیطان اس گھر سے نکلتا ہے جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے اور شیطان اس کو سنتا ہو۔

(34) عن ابی اسحاق عن مرة عن عبداللہ قال من ارادالعلم فلیقراہ القرآن فان فیه علم

الاولین و الآخرین۝

(مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 10،ص:485، شعب الایمان،جلد دوئم،ص:332،حدیث:1960)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔انہوں نے فرمایا: جوشخص علم حاصل کرنا چاہے۔وہ قرآن پاک پڑھے۔کیونکہ اس میں اولین وآخرین کا علم ہے۔

اور امام بیہقی نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ اس حدیث کو شعبہ نے ابی اسحاق سے روایت کیا اور اس میں یہ ہے۔

"فلیثور القرآن فان فیہ علم الاولین والآخرین"

یعنی جوشخص قرآن مقدس کے معانی میں کھود کرید کرنا چاہئے یا اس کے معانی میں بحث کرنا چاہے تو بلاشبہ اس میں اولین وآخرین کا علم ہے۔

(35) عن عبداللہ بن عمرو۝ قال من قراء القرآن فکانما استدرجت النبوۃ بین جنبیھا الا انہ لا یوحی الیہ۝

(مستدرک للحاکم، جلد دوئم،ص:252،حدیث:2072،مصنف ابن ابی شیبۃ، جلد 10،ص:467)

اس حدیث کو ابن ابی شیبہ نے "مصنف" میں موقوفاً روایت کیا ہے اور امام اکم نے "مستدرک" میں اس کو موصولاً روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جوشخص قرآن مقدس کی تلاوت کرتا ہے تو اس کے دو پہلو کے درمیان نبوت درج ہو جاتی ہے مگر اس کی طرف وحی نہیں کی جاتی۔

امام حاکم نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے:

لا ینبغی لصاحب القرآن ان یجد مع من جد ولا یجھل مع من جھل وفی جوفہ کلام اللہ تعالیٰ۝

یعنی صاحب قرآن کو نہیں چاہئے کہ وہ سختی کرنے والوں کے ساتھ سختی اور جاہلوں کے ساتھ جاہل ہو کیونکہ اس کے سینے میں قرآن ہے۔

امام حاکم فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے لیکن شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی۔

علامہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے ضمن میں فرماتے ہیں:

ولکن یعفو ویصفح۝ (تنبیہ الغافلین،ص:152)

لیکن صاحب قرآن کو معاف اور درگزر کرنا چاہئے۔

(36) عن سلیمان بن یسار عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہ بعث قوماً وامر علیھم

اصغرهم فذكروا ذلك ٥ فقال انه اكثر كم قرآنا وانما صاحب القرآن كجراب فيه مسك ان فتحته او فتح فاح ريحه وان ادكى ادكى على طيب ٥

(مصنف عبد الرزاق، جلد سوئم، ص:376، حدیث:6018)

سلیمان بن یسار نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا اور ان پر ان میں سے سب سے چھوٹے کو امیر بنایا۔ لوگوں نے اس کے متعلق باتیں کیں۔ تو آپ نے فرمایا: تم میں سے ان کے پاس قرآن زیادہ ہے۔ اور صاحب قرآن اس چمڑے کی تھیلی کے مثل ہے جس میں کستوری ہو۔ اگر تو اس کو کھولے یا اسے کھولا جائے تو اس کی خوشبو پھیلے اور اس کے منہ کو بند کیا گیا تو خوشبو پر بند کیا گیا۔
یعنی وہ تھیلی کھلے تو خوشبو بکھیرے اور جب بند ہو تو اس کے اندر خوشبو ہی ہو۔ اس طرح صاحب قرآن ہے۔

(37) عن ابان عن انس او عن الحسن قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم من استمع الى آية من كتاب الله كانت له حسنة مضاعفة ومن تعلم آية من كتاب الله كانت له نوراً يوم القيمة ٥ (مصنف عبد الرزاق، جلد سوئم، ص:373، حدیث:6011، شعب الایمان، جلد دوئم، ص:341، حدیث:1981)

ابان نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً یا حضرت حسن بصری سے مرسلاً روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے کان لگا کر کتاب اللہ کی ایک آیت مبارکہ سنی اس کے لیے دس گنا نیکی ہوگی۔ (یعنی دس نیکیاں) اور جس نے کتاب اللہ کی ایک آیت سیکھی وہ آیت قیامت کے دن اس کے لیے نور ہوگی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس نے کان لگا کر (یعنی اطمینان سے خلوص کے ساتھ) کتاب اللہ کی ایک آیت سنی یہ آیت قیامت کے دن اس کے لیے نور ہوگی۔ اور امام بیہقی نے شعب الایمان میں بحوالہ مذکور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث تخریج کی ہے۔
مجاہد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے قرآن معظم کی ایک آیت مبارکہ کی تلاوت کی۔ یہ آیت قیامت کے دن اس کے لیے نور ہوگی۔ اور جس نے کان لگا کر قرآن کی ایک آیت سنی یہ آیت اس کے لیے دس گنا نیکی ہوگی۔

(38) عن سعد بن عبادة ان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال ٥ ما من رجل تعلم القرآن ثم نسيه الالقى الله عزوجل يوم القيمة وهو اجذم ٥

(شعب الایمان، جلد دوئم، ص:336، حدیث:1969، مسند احمد، جلد 5، ص:323)

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے بھی قرآن سیکھا پھر اس کو بھلا دیا۔ وہ قیامت کے دن اللہ عزوجل سے اس حال میں ملاقات کرے گا کہ وہ کوڑھ والا

ہوگا۔

(39) عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ان هذا القلوب تصدأ كما يصدأ الحديد او اصابه الماء قيل يا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وما جلاء ها○ قال كثرة ذكر الموت وتلاوة القرآن○

(شعب الایمان، جلد دوئم، ص: 353، حدیث: 2014، تاریخ بغداد، جلد 11، ص: 86، ترجمہ: 5766)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ دل بھی زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسا کہ جب لوہا کو پانی پہنچے تو وہ زنگ آلود ہو جاتا ہے۔ عرض کیا گیا، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ان کا صیقل کرنا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: کثرت ذکر موت اور تلاوت قرآن پاک۔

یہ لفظ امام ابوالطیب سہل بن محمد بن سلیمان کی حدیث کے ہیں۔

اور ابوطاہر فقیہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "**قلنا يا رسول الله وما جلاء ها قال تلاوة القرآن**"

ہم نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کا صیقل کرنا کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قرآن کی تلاوت کرنا۔ اور خطیب بغدادی نے اسی طرح روایت کیا ہے۔

(40) عن[1] ام الدرداء قالت دخلت على العائشة فقلت مافضل من قراء القرآن على ممن لم يقراء ممن دخل الجنة فقالت عائشة ان عدد درج الجنة على عدد آى القرآن ○ فليس احد ممن دخل الجنة افضل ممن قرء القرآن○

(مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 10، ص: 466-467، شعب الایمان، جلد دوئم، ص: 347، حدیث: 1998)

ام درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئی تو ان سے عرض کیا۔ جس نے قرآن پڑھا اس کا فضل جس نے قرآن نہیں پڑھا اُس پر کیا ہے۔ اس شخص سے جو جنت میں داخل ہوگا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: جنت کے درجوں کا عدد قرآن پاک کی آیات کے عدد کے برابر ہے۔ اور جو بھی جنت میں داخل ہوگا وہ اس سے افضل نہیں ہے جس نے قرآن پاک پڑھا ہوگا۔ یعنی قرآن پڑھنے والا جو جنت میں جائے گا وہ تمام جنتیوں سے افضل ہوگا۔

(41) عن قيس بن سكن قال قال عبدالله تعلموا القرآن فانه يكتب بكل حرف منه عشر حسنات ويكفر به عشر سيئات اما انى لا اقول "آلم" حرف ولكن اقول الف عشر ○ لام

[1] اُم درداء سے روایت ہے فرماتی ہیں: میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا جنتیوں میں قرآن پڑھنے والے کو قرآن نہ پڑھنے والے پر کیا فضیلت حاصل ہے تو آپ نے فرمایا: جنت کے درجات کی تعداد قرآن کریم کی آیتوں کی تعداد کے برابر ہے جنتیوں میں اس شخص سے افضل کوئی نہیں جس نے قرآن کریم کی تلاوت کی۔

عشر، میم عشر ٥ (مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 10، ص: 461، تفسیر در منثور، جز اول، ص: 22)

قیس بن سکن سے روایت ہے انہوں نے کہا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قرآن سیکھو۔ کیونکہ اس کے ہر حرف کے عوض دس نیکیاں لکھی جائیں گی اور دس برائیاں معاف ہوں گی۔ البتہ میں نہیں کہتا کہ ''آلٓمٓ'' ایک حرف ہے۔ بلکہ الف کی دس نیکیاں، لام کی دس نیکیاں، میم کی دس نیکیاں یعنی ''آلـــمٓ'' کے عوض تیس 30 نیکیاں ہیں۔

دوسری روایت:

محمد بن کعب نے عوف بن مالک اشجعی سے روایت کی، انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے قرآن پاک کا ایک حرف پڑھا اللہ تعالیٰ اس کے لیے نیکی لکھے گا۔ میں نہیں کہتا ''الـــم ٥ ذالک الکتاب'' لیکن یہ الف لام میم سے حروف قطعات ہیں۔

تیسری روایت:

ابوالاحوض نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ آپ نے فرمایا: قرآن سیکھو اور اس کی تلاوت کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی تلاوت پر ہر حرف کے بدلہ دس نیکیاں عطا فرمائے گا۔ میں نہیں کہتا کہ ''الم'' ایک حرف ہے لیکن الف، لام، میم تین حروف ہیں۔

چوتھی روایت:

علقمہ یا اسود نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ آپ نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لیے قرآن پاک پڑھا۔ اس کو ہر حرف کے عوض دس نیکیاں ملتی ہیں۔ اور دس گناہ معاف ہوتے ہیں۔ (معجم کبیر للطبرانی، جلد 9، مطبوعہ دار احیاء التراث عربی، احادیث نمبر: 8646 تا 8647، 8648، 8649)

بندۂ ناچیز نے ''الاربعین فی فضیلۃ القرآن والقاری القرآن'' یعنی قرآن اور قاری قرآن کی فضیلت میں چالیس احادیث نقل کی ہیں۔ اس امید پر کہ کل قیامت کے دن میرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے شفیع ہوں گے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے:

عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماحد العلم الذی اذا بلغه الرجل کان فقیها ٥ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من حفظ علی امتی اربعین حدیثاً فی امر دینها بعثه اللہ فقیها وکنت له یوم القیمة شافعا وشهیدا ٥

(مشکوٰۃ شریف، فصل ثالث کتاب العلم، شعب الایمان، جلد دوئم، ص: 270، حدیث: 1726، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ)

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا علم کی وہ کونسی حد ہے جب بندہ اس حد تک پہنچے تو وہ فقیہہ ہو جائے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے چالیس احادیث یاد کیں اور میری امت تک پہنچائیں اور وہ چالیس احادیث ان کے امر دین سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو فقیہہ اٹھائے گا۔ اور میں قیامت کے دن اس کے گناہوں کی شفاعت کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اس کی گواہی دینے والا ہوگا۔ چنانچہ اس حدیث مبارک کے حکم کے مطابق علماء کبار سلف وخلف نے الاربعین تصنیف فرمائیں۔ حضرت علامہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ علماء نے فرمایا: مراد اور مقصود امت تک چالیس احادیث پہچانا ہے اگر چہ وہ احادیث یاد نہ ہوں اور ان کے معانی کو نہ سمجھتا ہو۔

دوسری حدیث:

عن ابی ھریرة رضی اللہ عنه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وآلہ وسلم من حفظ علی امتی اربعین حدیثا فیما ینفعھم من امر دینھم بعثه اللہ یوم القیمة من العلماء وفضل العالم علی العابد سبعین درجة اللہ اعلم لما بین کل درجتین○ (شعب الایمان، جلد دوئم، ص:270، حدیث:1725)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے چالیس احادیث یاد کیں اور میری امت تک پہنچائیں۔ جو امر دین میں ان کے لیے نافع ہوں۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو علماء سے اٹھائے گا۔ اور عابد پر عالم کا فضل ستر درجہ ہے۔ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ دو درجوں کے درمیان کتنی مسافت ہے۔

تیسری حدیث:

عن ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وآلہ وسلم من حفظ علی امتی اربعین حدیثاً ینفعھم اللہ عزوجل بھا○ قیل له ادخل من ای ابواب الجنة شئت○

(حلیۃ الاولیاء، جلد 4، ص:189، مطبوعہ دار الفکر، تاریخ الکبیر للبخاری، جلد سوئم، ص:141)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے چالیس احادیث یاد کیں اور میری امت تک پہنچائیں جس کے سبب اللہ تعالیٰ لوگوں کو نفع عطا فرمائے، اس سے کہا جائے گا جنت کے دروازوں میں سے جس دروازہ سے تو چاہے جنت میں داخل ہو۔

واللہ الھادی الی سبیل الارشاد واللہ تعالٰی

اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم

قوله تعالیٰ: فمن شهد منكم الشهر فليصمه ومن كان مريضاً او علىٰ سفر فعدة من ايام اخر ٥

توتم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے اور جو بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں۔

یہ آیت مبارکہ کا رویت ہلال سے تعلق ہے یعنی آدمی نے چاند دیکھ کر ماہ رمضان کا مہینہ پالیا اس پر واجب ہے کہ وہ روزہ رکھے اگر کوئی عذر شرعی مانع نہ ہو اور اگر عذر شرعی مانع ہو جیسے مریض یا مسافر۔ یا حیض اور حاملہ و مرضعہ وغیرہا تو وہ اتنے روزے (جو بوجہ عذر رہ گئے ہیں) اور دنوں میں رکھے۔

چاند دیکھنے کے متعلق تفصیلاً مسائل۔ اس سے قبل مسائل روزہ کے ماتحت بحوالہ فتاویٰ قاضی خان بیان ہو چکے وہاں یہ مسائل دیکھیں۔ یہاں صرف دو مسائل کا ذکر بہت ضروری ہے۔ ایک دن کے وقت چاند دیکھنا اور دوسرا اختلاف مطالع۔ لہٰذا یہاں یہ دونوں مسائل ذرا وضاحت سے پیش خدمت ہیں۔

دن کے وقت چاند دیکھنے کے مسائل:

علامہ ابن العابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متعلق نہایت وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ اس طویل وضاحت کا اختصار پیش خدمت ہے۔

قوله "اى درالمختار" (و رؤيته بالنهار لليلة الآتية مطلقا) اے فسواء روی قبل الزوال او بعده٥ الخ (ردالمحتار، جلد دوئم، ص: 103-104 ، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

درمختار کا یہ قول۔ دن کے وقت چاند دیکھنا مطلقاً یہ آئندہ رات کا چاند ہے اور درمختار کا یہ قول "**على المذهب**" یعنی یہ قول امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کا ہے۔ بدائع میں ہے یہ دن ان دونوں کے نزدیک ماہ رمضان کا نہیں ہوگا۔ امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر چاند دن کے وقت بعد از زوال دیکھا تو اسی طرح ہے کہ یہ دن ماہ رمضان کا نہیں بلکہ یہ چاند آئندہ رات کا ہے۔ اور اگر اس نے زوال سے قبل چاند دیکھا تو یہ رات ماضیہ کا چاند ہے اور امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک یہ دن ماہ رمضان کا ہے۔ اور ماہ شوال کے چاند کا اختلاف بھی اسی اختلاف پر مبنی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک یہ چاند آئندہ رات کا ہے مطلقاً لہٰذا وہ دن ماہ رمضان کا ہوگا۔ اور امام ابویوسف کے نزدیک اگر یہ چاند بعد از زوال دیکھا گیا تو یہ چاند گزشتہ رات کا ہے اور امام ابویوسف کے نزدیک یہ دن عید کا ہے یعنی ماہ شوال کی پہلی تاریخ۔

اور امام ابوحنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک اصل یہ ہے۔ کہ دن کے وقت چاند دیکھنا معتبر نہیں ہے بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کے مطابق کہ "چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ افطار کرو" غروب شمس کے بعد چاند دیکھنے کا اعتبار ہے۔ اور جو امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: نص کے مخالف ہے۔ اور اس اختلاف کا حاصل یہ ہے۔

مثلاً جب جمعۃ المبارک کے دن زوال سے قبل چاند دیکھا گیا تو امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ آئندہ رات کا

چاند ہے۔اس کا معنی یہ ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک معتبر یہ ہے کہ جمعہ کی رات کو چاند افق میں پایا گیا اور پھر غائب ہو گیا پھر وہ چاند جمعہ کے دن قبل از زوال ظاہر ہوا۔ چنانچہ اس کا اس چاند کا دن میں ظاہر ہونا دوسری رات میں ابتدائے شہر کے ظاہر ہونے کے حکم میں ہے۔ کیونکہ اگر اس سے پہلے رات نہ ہوتی تو دن میں اس کا دیکھنا ممکن نہ ہوتا۔ اس لیے کہ قبل از زوال وہی چاند دیکھا جا سکتا ہے جو دو راتوں کا ہو اور اس چاند کے گزشتہ رات کے ہونے میں کوئی منافات نہیں۔ اور نہ ہی اس کے دو راتوں کے ہونے میں کوئی منافات ہے اس لیے کہ دن دوسری رات کے قائم مقام ہے۔ اور جب یہ چاند گزشتہ رات کا ہوا تو مذکور جمعہ کا دن ماہ رمضان کا پہلا دن ہوگا اور اس دن کا روزہ واجب ہے۔ اور اگر جمعہ کا مذکور دن ماہ رمضان کا تھا تو اس دن روزہ افطار کرنا واجب ہے کیونکہ وہ یکم شوال ہے۔ اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک وہ چاند آئندہ رات کا ہے مطلقاً۔ کیونکہ ان کے نزدیک اعتبار سورج غروب ہونے کے بعد چاند دیکھنے کا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ آخر میں فرماتے ہیں: اس کی عبارت یہ ہے:

وصرحت ائمة المذاهب الاربعة بان الصحيح انه لا عبرة برؤية الهلال نهارًا انما المعتبر رويته ليلاً وانه لا عبرة بقول المنجمين ٥ حوالہ مذکور

ائمہ مذاہب اربعہ نے تصریح فرمائی ہے کہ صحیح یہ ہے کہ دن کے وقت چاند دیکھنے کا کوئی اعتبار نہیں۔ صرف معتبر رات کے غروب آفتاب کے بعد چاند دیکھنا ہے۔ اور ستارہ شناس کے قول کا بھی اعتبار نہیں۔

اعتراض:

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ امام ابوحنیفہ سے ایک روایت میں ہے کہ اگر دن کے وقت چاند دیکھے اگر وہ چاند سورج کے آگے ہے تو وہ گزشتہ رات کا چاند ہے۔ اور اگر وہ سورج کے پیچھے ہے تو وہ آئندہ رات کا چاند ہے۔

جیسا کہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

وعن ابى حنيفه رحمه الله فى رواية ان كان مجراه امام الشمس فهو لليلة المستقبلة٥

(فتاویٰ قاضی خان مجلد اولین، ص:95، مطبوعہ حافظ کتب خانہ کوئٹہ)

چنانچہ جب دن کے وقت چاند سورج کے آگے دیکھا تو وہ گزشتہ رات کا چاند ہوگا۔ لہٰذا وہ دن ماہ رمضان کا ہوگا یا ماہ شوال کا۔

اور امام صاحب کا یہ قول اپنے قول کے خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک دن کے وقت چاند دیکھنے کا مطلقاً اعتبار نہیں ہے۔

جواب:

صاحب فتاویٰ قاضی خان نے اس سے قبل جو نقل فرمایا وہ یہ ہے۔

اذا راى الهلال نهاراً قبل الزوال او بعده لايصام به ولا يفطر وهى معنى الليلة المستقبلة ٥

حوالہ مذکور

جن لوگوں نے دن کے وقت زوال سے پہلے یا زوال کے بعد چاند دیکھا تو یہ گزشتہ رات کا چاند ہے۔ نہ اس چاند کے دیکھنے پر روزہ رکھا جائے اور نہ ہی اس کے دیکھنے پر روزہ افطار کیا جائے۔

چنانچہ صاحب فتاویٰ قاضی خان کا یہ قول اظہر ہے کیونکہ انہوں نے کتاب کے خطبہ میں لکھا ہے۔

فیما کثرت فیه الاقاویل من المتاخرین اختصرت علی قول او قولین وقدمت ماهو الاظهر۰

جس فرع کی اصل میں متاخرین میں سے بکثرت اقوال ہیں میں نے ان میں سے ایک یا دو قول پر اختصار کیا ہے۔ اور جو قول اظہر ہے اس کو میں نے پہلے بیان کیا ہے۔ چنانچہ دن کے وقت مطلقاً چاند دیکھنے سے امام صاحب کے اظہر قول کے مطابق وہ آئندہ رات کا چاند ہے۔ اور فتاویٰ قاضی خان کا یہ پہلا قول ہے اور یہی اظہر ہے۔ چنانچہ امام صاحب سے دوسری روایت معتبر نہیں ہے۔ لہذا امام کا قول اپنے قول کے مخالف نہیں۔

اختلاف مطالع کا بیان:

مطالع، مطلع کی جمع ہے۔ چاند کے طلوع ہونے کی جگہ۔

درمختار کا قول: **"واختلاف المطالع" ورؤیته نهاراً قبل الزوال اوبعد الزوال "غیر معتبر" علی ظاهر المذهب: وعلیه اکثر المشائخ وعلیه الفتوی**

(درمختار علی ردالمختار، جلد دوئم، ص: 104-105)

اور اختلاف مطالع۔ اور چاند کا دن میں دیکھنا خواہ قبل از زوال ہو یا بعد از زوال "غیر معتبر ہے" ظاہر مذہب پر۔ اکثر مشائخ کرام اسی پر ہیں اور اس پر فتویٰ ہے۔

علامہ اوزجندی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ قاضی خان میں فرماتے ہیں:

ولا عبرة لاختلاف المطالع فی ظاهر الروایة وکذا ذکر شمس الائمة الحلوانی رحمه وقال بعضهم یعتبر اختلاف المطالع۰

(فتاویٰ قاضی خاں، مجلد اولین، ص: 95 مطبوعہ حافظ کتب خانہ کوئٹہ)

ظاہر روایت میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں اور اسی طرح شمس الائمہ حلوائی نے بھی ذکر کیا ہے۔ اور بعض کے نزدیک اختلاف مطالع معتبر ہے۔

وقوله "علی ظاهر المذهب" اعلم ان نفس اختلاف المطالع لا نزاع فیه بمعنی۰ الخ

(ردالمختار، جلد دوئم، ص: 105)

نفس اختلاف مطالع میں اس معنی کے اعتبار سے کوئی نزاع (جھگڑا) نہیں کہ کبھی دو شہروں کے درمیان **بعد** (دوری

زیادہ فیصلہ) ہوتی ہے۔فلاں رات کو ان دوشہروں میں سے ایک شہر میں چاند نظر آ گیا اور دوسرے شہر میں چاند نظر نہ آیا۔اور اس پر مطالع سورج بھی ہیں۔اس لیے کہ سورج کی شعاع سے چاند کا انفصال (جدا ہونا) جہات کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہے۔

حتی کہ جب مشرق کی طرف سورج زائل ہوتا ہے تو اس سے لازم نہیں آتا کہ مغرب میں بھی سورج زائل ہوا ہوگا۔اور اسی طرح طلوع فجر اور غروب شمس ہے۔کچھ لوگوں پر فجر طلوع ہوتی ہے اور دوسرے کے لیے سورج کا طلوع ہونا اور بعض کے لیے سورج غروب ہوتا ہے اور دوسرے کے لیے نصف رات ہوتی ہے اور **قدر بعد** (یعنی اختلاف مطالع کی حد) جس میں مطالع مختلف ہیں وہ ایک مہینہ سے زیادہ کی مسافت ہے۔جیسا کہ قہستانی نے الجواہر سے نقل کیا ہے اور یہ مسافت حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ پر اعتبار کرتے ہوئے ہے کیونکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی صبح وشام کی سیر ایک اقلیم سے دوسرے اقلیم تک ایک ماہ کی راہ تھی جو وہ ہوا کے دوش پر سیر فرماتے تھے۔

اور اس استدلال میں جو کچھ بھی ہے کسی پر مخفی نہیں۔اور شرح منہاج للرملی میں ہے تاج تبریزی نے متنبہ کیا کہ اختلاف مطالع کی مسافت چوبیس فراسخ (جو کہ تقریباً ایک سو کلومیٹر بنتے ہیں) سے کم میں ممکن نہیں۔

اور اختلاف مطالع میں صرف اس معنی کے اعتبار سے خلاف ہے۔کیا ہر قوم پر اس کا مطلع ہی معتبر ہے اور دوسرے کے مطلع پر کسی کو عمل کرنا لازم نہیں ہے یا اختلاف مطالع معتبر نہیں۔بلکہ جس نے پہلے چاند دیکھا اس پر عمل کرنا واجب ہے۔حتیٰ کہ اگر جمعہ کی رات مشرق میں چاند دیکھا گیا اور مغرب میں ہفتہ کی شام۔تو اہل مغرب پر جو اہل مشرق نے چاند دیکھا اس پر عمل واجب ہے۔

بعض نے پہلے قول کو ترجیح دی زیلعی اور صاحب فیض کا اس پر اعتماد ہے اور شافعیہ کے نزدیک یہی صحیح ہے۔کیونکہ وہ لوگ جو ان کے پاس شہادت وغیرہ ہے حدیث کے مخاطب ہیں۔جیسا کہ اوقات نماز میں۔

اور ظاہر روایت میں اختلاف مطالع معتبر نہیں ہے یہی ہمارے احناف کے نزدیک معتبر ہے۔کیونکہ حدیث میں خطاب مطلق چاند دیکھنے کے عموم کے متعلق ہے یعنی "**صوموا الرویته وافطر والرؤیته**" چاند کے دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر ہی روزہ افطار کرو۔

بخلاف اوقات صلوٰۃ کے:

اقول: راقم الحروف کہتا ہے یہ اس وقت ہے جب چاند کا دیکھنا ثابت ہو مثلاً ہمارے گجرات میں چاند نظر نہیں آیا۔لاہور میں چاند نظر آ گیا اور چاند دیکھنے کی شرعی شہادت بھی مل گئی۔تو اہل گجرات کے لیے اہل لاہور کی شہادت رویت معتبر ہے اور اس پر عمل واجب ہے اور جس جگہ رمضان کا چاند نظر آتا ہی نہیں۔اس جگہ کو صلوٰۃ عشاء پر حمل کرنا درست نہیں ہے۔

صاحب ردالمحتار کے اس قول بخلاف اوقات صلوٰۃ کی توضیح:

منیہ کی شرح غنیۃ المستملی (کبیری) شیخ ابراہیم حلبی متوفی 956ھ پانچویں شرط نماز وقت کے ماتحت ارقام فرماتے ہیں:

فائدہ: اعلم ان الوقت کما ھو شرط لا داء الصلوٰۃ فھو سبب لوجوبھا فلا تجب بدونہ الخ

(غنیۃ المستملی ص: 228، مطبوعہ مطبع مجتبائی، دہلی، ماہ اکتوبر 1898ء)

فرماتے ہیں: جان لو۔ وقت جیسا کہ ادائے نماز کے لیے شرط ہے ایسا ہی وہ نماز کے وجوب کے لیے میتب بھی ہے۔ اور نماز سبب کے بغیر واجب نہیں۔ اور من جملہ اس مسئلہ پر جو علماء نے بناء فرمائی وہ یہ ہے کہ صدر برہان الائمہ کے زمانہ میں ایک فتویٰ آیا کہ ہم اپنے شہر میں نماز عشاء کا وقت نہیں پاتے کیا ہم پر نماز عشاء واجب ہے۔ تو فتویٰ لکھا گیا کہ تم پر نماز عشاء واجب نہیں ہے۔ اور ظہیر الدین مرغینانی نے بھی اس پر فتویٰ دیا ہے۔ اور یہی فتویٰ شہر بلغار میں بھی پیش آیا کہ سال کے سب سے چھوٹے دنوں میں شفق کے غائب ہونے سے پہلے فجر طلوع ہو جاتی ہے اور یہ فتویٰ شمس الائمہ حلوائی کے پاس آیا۔ آپ نے فتویٰ دیا کہ نماز عشاء کی قضاء واجب ہے۔ پھر یہ فتویٰ خوارزم میں شیخ کبیر سیف السنہ بقالی رحمۃ اللہ علیہ کے پیش ہوا تو آپ نے نماز عشاء کے عدم وجوب پر فتویٰ دیا۔ چنانچہ شمس الائمہ حلوائی کو اس فتویٰ کی خبر پہنچی تو انہوں نے ایک آدمی بھیجا کہ وہ جامع مسجد خوارزم میں عام لوگوں کے سامنے ان سے سوال کرے۔ (اور سوال یہ تھا)

تم اس شخص کے حق میں کیا فرماتے ہو جس نے نمازوں میں سے ایک نماز ساقط کر دی کیا وہ کافر ہو جائے گا؟ جب سائل نے شیخ سیف اللہ بقالی سے جامع مسجد خوارزم میں عام لوگوں کے سامنے یہ سوال پوچھا تو شیخ صاحب نے کیا ہی خوب جواب ارشاد فرمایا۔ آپ نے فرمایا: تم اس شخص کے متعلق کیا کہتے ہو جس کے دونوں ہاتھ کہنیوں تک کاٹ دیئے گئے ہوں۔ یا دونوں پاؤں ٹخنوں تک قطع کر دیئے گئے ہوں وضو کے فرائض کتنے ہیں۔ سائل نے کہا: تین فرائض کیونکہ چوتھا فرض محل نہ ہونے کی وجہ سے فوت ہو گیا۔ تو شیخ سیف اللہ بقالی نے جواباً فرمایا: پانچویں نماز بھی اسی طرح ہے۔ جب شمس الائمہ حلوائی کو شیخ سیف اللہ بقالی کا جواب پہنچا تو انہوں نے اس جواب کو مستحسن قرار دیا اور اس مسئلہ میں ان کی موافقت فرمائی۔ اسی طرح نجم الزاہری نے شرح قدوری میں اس کا ذکر کیا یہی قول شیخ حافظ الدین نسفی رحمۃ اللہ علیہ کا مختار ہے۔

اور رویت ہلال میں علامہ ابن عابدین کا یہ قول کہ زیلعی اور صاحب فیض نے اختلاف مطالع کے بغیر معتمد و غیر معتبر ہونے کو صحیح قرار دیا اور اس قول کے صحت کے ضمن میں انہوں نے نماز عشاء کا حوالہ پیش کیا۔ جس کے جواب میں علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا بخلاف اوقات نماز (یعنی عشاء کی نماز) کے۔

یعنی علامہ ابن عابدین شامی نے نماز عشاء جو سبب نہ پائے کی وجہ سے ساقط ہو گئی پر امام زیلعی وغیرہ کے قیاس کو خلاف قیاس قرار دیا ہے۔ لیکن میں (راقم الحروف) کہتا ہوں اختلاف مطالع میں یہ شرط ہے کہ چاند نظر آئے۔ اور جہاں روزہ کا سبب

ہی نہ پایا جاتا ہو جیسے قطبین جہاں چھ ماہ رات اور چھ ماہ دن ہوتا ہے وہاں روزہ ساقط ہے۔ کیونکہ روزہ کا سبب ہے روزہ کے وقت کا پایا جانا اور وہ رمضان المبارک کا مہینہ ہے۔ جہاں رمضان کا چاند طلوع ہی نہیں ہوتا ان پر روزہ رکھنا کیسے فرض ہوگا۔ لہٰذا عدم سبب کی وجہ سے ان پر واجب ساقط ہوگیا۔ جس طرح عدم سبب وقت عشاء کے پائے جانے سے نماز عشاء کا وجوب ساقط ہوگیا۔ اور وہاں گھنٹوں کی تعداد کا تعین کر کے روزہ رکھنے کو بہتر قرار دینا بذات خود بہتر کے خلاف ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

رویت ہلال کا اعلان:

جیسا کہ ہمارے بعض حضرات علماء کرام نے لکھا ہے: ٹیلی ویژن یا ریڈیو پر جو چاند کے دیکھنے کا اعلان ہوتا ہے صحیح ہے۔ لیکن اس کی صحت میں کوئی دلیل پیش نہیں کی۔

صاحب فتاویٰ قاضی خان فرماتے ہیں:

اذاشهد شاهدان عند قاض لم پر اهل بلدة على ان القاضى بلد كذا شهد عنده شاهدان برؤية الهلال فى ليلة كذا وقضى القاضى بشها دتهما جاز هذا القاضى ان يقضى بشهادتهما لان قضاء القاضى حجة○ (فتاویٰ قاضی خان مجلد اولین، ص:95)

جب دو گواہوں نے قاضی کے پاس گواہی دی کہ شہر والوں کو چاند نظر نہیں آیا۔ ہاں فلاں شہر کے قاضی کے پاس دو گواہوں نے یہ شہادت دی ہے کہ انہوں نے فلاں رات چاند دیکھا ہے اور قاضی نے ان دونوں کی شہادت پر فیصلہ کر دیا تو اس قاضی کے لیے بھی فیصلہ کرنا جائز ہے۔ کیونکہ قاضی کا فیصلہ بھی حجت ہے۔

اب جبکہ ہمارے ہاں قاضی کا تقرر ہی نہیں۔ محض سرحد کے چند اشخاص کے قول پر فیصلہ دے دینا یہ شرعی فیصلہ نہیں ہے۔ اور یہ فیصلہ بھی اس وقت ہے جب موسم ابر آلود ہو۔ جبکہ موسم صاف وشفاف ہو اور آسمان پر رتی بھر بھی بادل نہ ہو تو ایک جم غفیر کی شہادت معتبر ہے۔ جس کی تعداد میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پچاس افراد اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں ہر جانب سے متواتر خبر۔ اور ایک روایت میں اہل محلّہ کی شہادت۔ جو سینکڑوں میں نہیں بلکہ ہزاروں میں ہے۔ چنانچہ آپ خود اندازہ کریں کہ مطلع صاف ہونے کے باوجود صرف چند اشخاص مجہولہ کی خبر کو شہادت بنا کر پیش کرنا اور اس فیصلہ پر ایک شرعی فیصلہ کر دینا مستحسن اقدام نہیں۔

صاحب فتاویٰ قاضی خان نے لکھا ہے۔ ایک شہر والوں نے ماہ رمضان کا چاند دیکھ کر ماہ رمضان کے انتیس 29 روزے رکھے۔ تو ایک جماعت نے انتیسویں 29 روزہ شہادت دی کہ فلاں شہر والوں نے تم سے پہلے ایک دن فلاں رات کو چاند دیکھا اور انہوں نے روزہ رکھ لیا۔ اور آج ماہ رمضان کا تیسواں 30 دن ہے۔ چنانچہ انہوں نے اس رات کو چاند دیکھا در آنحالیکہ آسمان بالکل صاف وشفاف تھا اور انہیں چاند نظر نہ آیا۔ علامہ اوزجندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان کے لیے کل کا روزہ افطار

کرنا جائز نہیں اور نہ ہی وہ اس رات کی تراویح کو ترک کریں۔ اس لیے کہ اس جماعت نے رؤیت ہلال کی شہادت نہیں دی اور نہ ہی انہوں نے ان لوگوں کی شہادت پر شہادت۔ انہوں نے صرف دوسروں کے چاند دیکھنے کی حکایت کی ہے۔

(فتاویٰ قاضی خان مجلد اولین، ص: 95، مطبوعہ حافظ کتب خانہ کوئٹہ)

فتاویٰ قاضی خان کی اس عبارت کو غور سے پڑھیں اور ہمارے ہاں رویت ہلال کا سسٹم بھی دیکھیں ان شاء اللہ آپ خود فیصلہ کریں گے کہ یہ اعلان محض حکایت ہے رویت شہادت نہیں۔ جس پر روزہ افطار کرنا اور صبح نماز عید ادا کرنا صحیح اور درست نہیں۔ میں اس موضوع پر فتاویٰ قاضی خان کے اس قول پر کچھ زیادہ بیان نہیں کرنا چاہتا۔

ہاں اگر شہادت از روئے شریعت درست ہو تو اس پر عمل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

علماء مفسرین کرام اس آیت مبارکہ ''فمن شهد منكم الشهر فليصمه'' کے ماتحت لکھتے ہیں۔ جس نے مہینہ کو پایا وہ تندرست، مقیم حیض ونفاس سے پاک ہے وہ چاہیے کہ ضرور روزہ رکھے۔

مریض اور مسافر کے متعلق اس سے قبل بیان گزر چکا ہے۔ اب حیض ونفاس والی عورت کے متعلق سماعت فرمائیں۔

چنانچہ حیض ونفاس والی عورت کے لیے روزہ نہ رکھنا اور اس کی قضاء کرنا نقل مستفیض سے ثابت ہے۔

(۱) عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه قال خرج رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فی اضحی اوفطر الی المصلی فمر علی النساء فقال یا معشر النساء تصدقن فافی ارتیکن اکثر اهل النار فقلن وبما یا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال تکثرن اللعن وتکفرن العشیر مارایت من ناقصات عقل و دین اذهب للب الرجل الحازم من احد اهن قلن وما نقصان دیننا وعقلنا یا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم قال الیس شهادة المرأة مثل نصف شهادة الرجل ○ قلن بلٰی قال ذٰلك من نقصان عقلها الیس اذا حاضت لم تصل ولم تصم قلنا بلٰی قالذالك من نقصان دینها○

(بخاری شریف، کتاب الحیض، حدیث: 304، مسلم شریف کتاب الایمان، جلد اول، ص: 60)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے دن عیدگاہ کی طرف نکلے۔ تو عورتوں کی ایک جماعت پر آپ کا گزر ہوا۔ آپ نے فرمایا: اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کرو۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے دکھایا کہ تم بکثرت جہنم میں ہو۔ عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا سبب کیا ہے۔ فرمایا: تم لعن طعن زیادہ کرتی ہو اور اپنے خاوندوں کی ناشکری کرتی ہو۔ میں نے کسی کو بھی تم سے عقل اور دین میں ناقص اور دانا آدمی کی عقل خالص کو لے جانے والا نہیں دیکھا۔ (یعنی تم ان کو بھی اپنے گناہ میں شریک بنا لیتی ہو) عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے دین اور عقل کا نقصان کیا ہے۔ آپ

نے فرمایا: کیا عورت کی گواہی مرد کی گواہی کے نصف نہیں ہے۔ انہوں نے کہا جی ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ نے فرمایا: یہی ان کے عقل کا نقصان ہے (فرمایا) کیا جب عورت حائضہ ہوتی ہے تو وہ نماز بھی نہیں پڑھتی اور روزہ بھی نہیں رکھتی۔ انہوں نے عرض کیا جی ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا: یہ ہی ان کے دین کا نقصان ہے۔

(2) عن معاذة العدوية ۝ قالت سالت العائشة قلت مابا لحائض تقضى الصوم ولا تنضى الصلوٰة ۝ فقالت احرورية انت ۝ قلت لست بحر دوية ولكنى اسال قالت كان يصيبنا فنؤ مر بقضاء الصوم ولا نومر بقضاء الصلوٰة ۝

(مسلم شریف بمعہ نووی، جلد اوّل، ص:153، مسند ابوعوانہ، جلد اوّل حدیث:724، سنن ابن ماجہ، ص:89، حدیث:631، سنن ابی دواود، ص:47-48، حدیث:262-263، سنن نسائی، ص:320، حدیث:2320، جامع الترمذی، ص:36، حدیث:130)

حضرت معاذہ عدویہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا تو میں نے عرض کیا حائضہ عورت کا کیا حال ہے وہ روزہ تو قضاء کرتی ہے اور نماز قضاء نہیں کرتی۔ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: کیا تم حروریہ (خوارجیہ) بن گئی ہو۔ معاذہ عدویہ کہتی ہیں۔ میں نے عرض کیا اے ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں خوارجیہ نہیں ہوں۔ لیکن میں صرف اس کے متعلق دریافت کرنا چاہتی ہوں۔ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: ہمیں (مراد ازواج نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں) بھی یہ بیماری لاحق ہوتی تو ہمیں روزہ کے قضاء کرنے کا حکم دیا جاتا۔ اور نماز کو نہ قضاء کرنے کا حکم دیا جاتا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں:

حروریہ۔ یہ حروراء کی طرف منسوب ہے۔ اور حروراء کوفہ کے قریب ایک گاؤں کا نام ہے۔ سمعانی نے فرمایا: یہ ایک جگہ کا نام ہے جو کوفہ سے دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ خوارج کا پہلا اجتماع اس جگہ ہوا تھا۔ تو ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول کا معنی یہ ہے کہ خوارج میں سے ایک گروہ حائضہ عورت کے ایام حیض کے دوران رہ جانے والی نمازوں کی قضاء کرنے کو واجب سمجھتا ہے۔ اور یہ اجماع مسلمین کے خلاف ہے۔ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے معاذہ عدویہ کے قول سے یہ بات سمجھیں اور یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: حروریہ کا طریقہ بہت برا طریقہ ہے۔ (یعنی حائضہ عورت کا نمازوں کو قضاء کرنا)۔

(نووی بمعہ مسلم، جلد اوّل، کتاب الحیض، ص:153

(3) عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت كنا نحيض عند رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ثم نطهر فيا مرنا لقضاء الصيام ولا يامرنا بقضاء الصلوٰة ۝ (جامع ترمذی، ص:197، حدیث:787)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت حائضہ ہوتی پھر ہم حیض سے پاک ہوتیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں روزہ قضاء کرنے کا حکم دیتے۔ اور نماز قضاء کرنے کا حکم نہیں دیتے تھے۔

(4) امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک باب قائم کیا۔ وہ یہ ہے:

حیض والی عورت روزہ اور نماز چھوڑ دے۔

ابوالزناد (عبداللہ بن ذکوان قرشی) نے کہا سنن اور امور شریعت کے اسباب اور طریقے اکثر عقل وقیاس کے خلاف ہیں اور مسلمانوں کو ان کی اتباع کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں اور ان امور شریعت میں سے ایک یہ ہے کہ حیض والی عورت روزے قضاء کرے لیکن نماز قضاء نہ کرے۔ (اور ابن بطال نے کہا یہ قول ابوالزناد کا نہیں بلکہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا قول ہے)۔

(بخاری شریف، کتاب الصیام، باب: 41)

ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا حیض ونفاس والی عورت پر روزہ نہیں ہے بلکہ ایام حیض کے عدد کے برابر ایام گزرنے کے بعد روزوں کی قضاء کرے چنانچہ حائضہ عورت پر صرف قضاء ہے کفارہ نہیں اور یہ بھی مریض کے معنی میں ہے جیسا کہ قرآن سے ثابت ہے کہ مریض اور مسافر پر صرف قضاء ہے فدیہ نہیں۔ اس طرح حائضہ عورت پر صرف روزوں کی قضاء ہے فدیہ نہیں۔

اس کے بعد ہمارے نزدیک حاملہ عورت جس کو اپنی جان یا بچہ کی جان کا خطرہ ہو یا مرضعہ۔ دودھ پلانے والی عورت جس کو بوجہ روزہ اپنی جان یا بچہ کی ہلاکت کا خوف ہو تو وہ دونوں (یعنی حاملہ اور مرضعہ) روزہ نہ رکھیں بلکہ رمضان کے بعد جو روزے رہ گئے ان کو قضاء کریں۔ ان پر بھی صرف قضاء ہے کفارہ نہیں۔ اور بالاتفاق علماء مفسرین ومحدثین حاملہ اور مرضعہ عورت مریض کے حکم میں ہے۔ ان کے متعلق جو احادیث میں آیا ہے وہ سماعت فرمائیں:

(۱) عن انس بن مالك رجل من بنى عبدالله بن كعب قال اغارت علينا خيل رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فأتيت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فوجدته يتغدىٰ ٥ فقال "ادن فكل فقلت انى صائم فقال ادن احدثك عن الصوم او الصيام٥ان الله تعالىٰ وضع عن المسافر الصوم واشطر الصلوٰة وعن الحامل والمرضع الصوم او الصيام٥

(جامع ترمذی، ص: 181، حدیث: 715، سنن ابی داؤد، ص: 349، حدیث: 2408، سنن ابن ماجہ، ص: 238، حدیث: 1667، سنن نسائی، ص: 320، حدیث: 2317، مسند احمد، جلد 4، ص: 347، جلد 5، ص: 29، سنن الکبریٰ للبیہقی، جلد سوئم، ص: 154، درمنثور، جلد اول، ص: 190، شرح معانی الآثار للطحاوی، جلد اول، ص: 423)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اولاد عبداللہ بن کعب سے ایک شخص (حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خادم ہیں وہ انصاری، بخاری، خزامی ہیں) نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کے سواروں نے غنیمت کا مال لوٹا۔ (اور وہ اس سے قبل مسلمان ہو گئے تھے) تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے آپ کو پایا کہ آپ صبح کا ناشتہ فرما رہے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے فرمایا: قریب ہو جاؤ اور کھانا کھاؤ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں روزہ سے ہوں۔ تو آپ نے فرمایا: قریب ہو جاؤ میں تجھے روزہ کے متعلق کچھ بیان کروں۔ میں آپ کے قریب ہوا تو آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل نے مسافر سے روزہ اور (چار رکعات والی نمازوں میں سے) آدھی نماز ساقط کر دی ہے۔ حاملہ اور مرضعہ عورت سے بھی روزہ ساقط فرمایا۔

مبارکپوری نے تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی میں لکھا ہے۔ ابو عیسیٰ ترمذی نے فرمایا: بعض اہل علم نے کہا حاملہ، مرضعہ دونوں روزہ افطار کریں اور قضاء کریں اور فدیہ بھی دیں۔ سفیان، مالک، شافعی اور امام احمد کا یہی قول ہے۔ مبارکپوری لکھتے ہیں وہ روزہ قضاء اس لیے کریں کہ وہ مریض کے حکم میں ہیں۔ اور فدیہ اس واسطے دیں کہ بعض صحابہ کرام کے آثار سے یہ ثابت ہے۔ اور اہل علم کے خیال میں ان پر صرف قضاء ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا: فمن کان منکم مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر" اہل علم فرماتے: اگر ان کو بچہ کی ہلاکت کا خوف ہو تو یہ بھی امراض میں سے ایک مرض ہے۔ اور امام اوزاعی اور کوفیوں نے کہا ان پر صرف قضاء ہے فدیہ نہیں۔ اور لوگوں نے کہا حاملہ اور مرضعہ روزہ افطار کریں اور قضاء کریں ان پر فدیہ نہیں اصل میں ان کی دلیل بھی یہ آیہ مبارکہ ہے۔

یعنی مریض نے روزہ افطار کیا تو اس پر صرف قضاء ہی ہے جتنے روزے اس نے بوجہ عذر ترک کئے اور اس پر فدیہ نہیں۔ حاملہ اور مرضعہ کو بھی مریض کا حکم دیا گیا ہے تو ان پر بھی صرف قضاء ہی ہے فدیہ نہیں۔ اور اس کی حدیث الباب شاھد ہے۔

حضرت علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی "مصفیٰ" میں اسحاق کا قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

والظاهر عندی انهما فی حکم المریض فیلزم علیهما القضاء۝

(فقط تحفۃ الاحوذی، جلد سوئم، ص:275، باب 21، حدیث:715، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں: اور ظاہر ہے کہ میرے نزدیک وہ دونوں مریض کے حکم میں ہیں چنانچہ ان دونوں پر صرف قضاء ہی ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

واعلم انهم اجمعوا علی ان الشیخ الحرم اذا افطر فعلیه الفدیة واما الحامل والمرضع اذا افطرتا فهل علیهما الفدیة۝ الخ

(تفسیر کبیر، جز5، ص:79، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ طہران)

تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ بہت بوڑھا آدمی جب اس نے روزہ افطار کیا تو اس پر فدیہ ہے۔ اور حامل و مرضع

جب روزہ افطار کریں کیا ان پر فدیہ ہے یا نہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ان پر فدیہ ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان پر فدیہ واجب نہیں ہے۔ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کی حجت یہ آیۂ مبارکہ ''وعلی الذین یطیقون'' ہے جو کہ حامل اور مرضعہ کو شامل ہے۔ جیسے بوڑھے شخص پر فدیہ واجب ہے اسی طرح حاملہ اور مرضعہ عورت پر بھی فدیہ واجب ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کے درمیان فرق کیا ہے اور فرمایا بوڑھا آدمی اس پر روزہ کی قضاء واجب نہیں۔ تو ضروری ہوا کہ اس پر فدیہ واجب ہو اور حامل اور مرضع تو ان پر قضاء واجب ہے اگر ان پر فدیہ کو بھی واجب کریں تو یہ دو بدلوں کے درمیان جمع ہوگا اور یہ جائز نہیں۔ اس لیے کہ قضاء بھی روزہ کا بدل ہے اور فدیہ بھی روزہ کا بدل ہے۔ لہٰذا ایک وقت میں دو بدل جمع کرنا جائز نہیں۔

علامہ مرغینانی صاحب ھدایہ نے امام شافعی کا بچہ کو بوڑھے شخص پر قیاس کرنے کے متعلق فرمایا ہے۔

حاملہ اور دودھ پلانے والی کو جب اپنی جان یا اپنے بچوں کی ہلاکت کا خوف ہو تو وہ روزہ افطار کریں اور روزہ قضاء کریں۔ ''اور یہ دفع خرج کے لیے ہے'' اور ان پر کفارہ نہیں۔ کیونکہ ان کا افطار کرنا عذر کی وجہ سے ہے۔

امام شافعی اس کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں اگر بچہ کی ہلاکت وغیرہ کا خوف ہو تو وہ بچہ کو بوڑھے آدمی پر قیاس کرتے ہیں۔ ہمارے دلیل یہ ہے کہ شیخ فانی میں فدیہ کا وجوب خلاف قیاس ہے۔ اور یہاں ''یعنی حامل اور مرضع کا'' روزہ رکھنا بچہ کے سبب سے ہے اور بچہ بوڑھے آدمی کے حکم میں نہیں۔ کیونکہ بہت بوڑھا شخص روزہ کے واجب ہونے کے بعد عاجز ہو گیا اور بچہ پر اصلاً روزہ واجب نہیں ہے۔ اس لیے یہ قیاس صحیح نہیں۔

(فتح القدیر، جلد دوئم، ص: 267، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

چنانچہ احادیث مبارکہ کا ظاہر اور محققین علماء کرام کا قول اس بات پر دلیل ہے کہ احناف کے نزدیک حاملہ اور مرضعہ عورت پر جب وہ اپنی جان یا بچہ کی ہلاکت کی وجہ سے روزہ افطار کریں تو ان پر صرف روزہ کی قضاء ہے فدیہ نہیں اور یہی قول صحیح اور معتمد ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

میت کی طرف سے روزہ رکھنا جائز ہے یا نہیں

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وبهده الآية يثبت ان المسافر والمريض اذا صح واقام فعليه قضاء الصيام عدد ما درك من الايام صحيحا- مقيما- طاهرا بعد رمضان ٥ الخ

(تفسیر مظہری، جلد اوّل، ص:196، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اس آیت ''ومن کان مریضا اوعلی سفر فعدۃ من ایام اخر'' سے ثابت ہوتا ہے مریض جب صحیح ہوگیا۔ اور مسافر جب مقیم ہوگیا تو ماہ رمضان کے بعد ان روزوں کی قضاء واجب ہے جن دنوں کا عدد جو اس نے رمضان کے بعد صحیح، مقیم اور طاہر ہونے کی حیثیت سے پایا۔

مثلاً: جس کے ماہ رمضان المبارک کے دس روزے فوت ہوگئے اور مریض کا صحت کے بعد اور مسافر کا مقیم ہونے کے بعد رمضان شریف کے بعد صرف دو دن پائے پھر وہ فوت ہوگیا۔ تو اس پر دو دنوں کی قضاء ہی واجب ہے۔ اب حضرات علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ جس نے ماہ رمضان کے بعد دوسرے دنوں کی گنتی پائی اور اس نے ماہ رمضان کے فوت شدہ روزوں کی قضاء نہ کی حتیٰ کہ وہ مرگیا کیا وارث پر فدیہ واجب ہے یا قضاء۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک وارث پر کوئی چیز واجب نہیں۔ ہاں اگر مرنے والا فدیہ کی وصیت کرے۔ تو اس صورت میں صرف میت کے ثلث مال میں وصیت کا نفاذ ہوگا۔ اس سے زیادہ پر نہیں۔ ہاں اگر وارث اپنی رضا اور خوشنودی سے اس سے زیادہ دے دی۔ اور یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جس پر روزہ نذر یا روزہ کفارہ تھا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قدیم قول میں میت کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے خواہ وہ روزے رمضان کے ہوں یا نذر کے۔ اور امام شافعی کے جدید قول میں ان دونوں میں (یعنی روزہ رمضان یا نذر) ولی قریب پر صرف فدیہ ہی واجب ہے۔ اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ماہ رمضان کے روزوں کے بدلہ میں اس کا ولی فدیہ دے اور نذر روزوں میں میت کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھے۔ اور انہوں نے ولی پر میت کی طرف سے وجوب روزہ پر ان احادیث سے دلیل اخذ کی ہے۔

(ا) عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان امی ماتت وعلیھا صوم شھرًا فاقضیہ عنھا قال نعم

قال فدين الله احق ان يقضى ٥

(بخاری شریف ،حدیث:1953، مسلم شریف بمعہ نووی ،جلداوّل ،ص:362)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا ایک شخص بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری ماں (عائشہ یا غانیہ) فوت ہوگئی اور اس کے ذمہ ایک ماہ کے روزے ہیں۔ کیا میں اپنی ماں کی طرف سے روزوں کی قضاء کروں۔ آپ نے فرمایا: ہاں لائق اور مناسب ہے کہ اللہ کا قرض پورا کیا جائے۔

(2) عن عائشة رضى الله عنها ان رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم قال من مات وعليه صيام صام عنه وليه ٥

(بخاری شریف ،حدیث:1952، مسلم شریف ،جلداوّل ،ص:362)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مرگیا حالانکہ اس پر روزے واجب ہیں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزے رکھے۔

(3) عن عبد الله بن بريدة عن ابيه ٥ قال جاء ت امرأة الى النبى صلى الله عليه و آله وسلم فقالت يا رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم كان على امى صوم شهر فاصوم عنها قال نعم ٥

(مسند احمد ،جلد 5 ،ص:167 ،مطبوعہ ادارہ احیاء السنہ گوجرانوالہ)

بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا ایک عورت بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری ماں کے ذمہ ایک ماہ کے روزے ہیں کیا میں اس کی طرف سے روزے رکھوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں۔

(4) عن ابن عباس رضى الله عنهما ركبت امرأة البحر فنذرت ان تصوم شهراً فماتت قبل ان تصوم فأتت اختها النبى صلى الله عليه و آله وسلم فذكرت ذالك له فأمرها ان تصوم عنها ٥

(نسائی شریف ،ص:535 ،مطبوعہ دار السلام للنشر والتوزیع ریاض)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا ایک عورت سمندر میں کشتی پر سوار ہوئی۔ تو نذر مانی (اگر اللہ عزوجل نے اس کو نجات دی) تو وہ ایک مہینہ کے روزے رکھے گی۔ چنانچہ وہ روزے رکھنے سے قبل فوت ہوگئی۔ تو اس کی ہمشیرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور آپ سے اپنی بہن کا سارا معاملہ بیان کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی طرف سے روزے رکھنے کا حکم دیا۔

(5) عن ابن عباس رضى الله عنهما ان سعد بن عبادة استفتى رسول الله صلى الله عليه و آله

وسلم فی نذر کان علی امه توفیت قبل ان تقضیه فقال اقضه عنها۰ (نسائی شریف،ص:535)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نذر کے متعلق فتویٰ طلب کیا کہ اس کی ماں نے نذر مانی تھی اور وہ اس نذر کے پورا کرنے سے پہلے فوت ہوگئی۔ کیا میں اس کی طرف سے نذر پوری کروں۔ آپ نے فرمایا: اس کی طرف سے نذر پوری کرو۔

یہ احادیث مبارکہ ان میں سے کچھ روزہ نذر کے متعلق صریح ہیں ور کچھ مطلق ہیں ان میں روزہ رمضان یا روزہ نذر کا ذکر نہیں۔

اور امام احمد کے نزدیک جن احادیث میں روزہ نذر کا ذکر ہے ان کے مطابق روزہ نذر کی قضاء واجب ہے اور جن احادیث میں روزہ نذر کا ذکر نہیں مطلق روزہ کا ذکر ہے وہ امام احمد کے نزدیک صیام نذر پر محمول ہیں۔ لیکن مطلق کو نذر پر حمل کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی بلکہ تمام احادیث صحیحہ مطلقاً میت کی طرف سے ولی پر روزہ رکھنے کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں۔ خواہ روزہ رمضان کا ہو یا روزہ نذر کا۔ چنانچہ ان احادیث کی اتباع ضروری ہے۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ ان احادیث مبارکہ میں کوئی چیز ایسی نہیں جو وارث پر وجوب صوم پر دلالت کرتی ہوں۔ لہٰذا یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے خلاف حجت نہیں۔ اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کے خلاف کیسے حجت ہوں حالانکہ اللہ عزوجل نے فرمایا: ''ولاتزر وازرۃ وزر اُخریٰ'' اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ (سورۂ فاطر، آیت 18) تو اس آیت مبارکہ کی رو سے میت کی طرف سے ترک روزہ کا عذاب وارث کو کیونکر دیا جائے گا۔

اور ہماری دلیل یہ احادیث مبارکہ ہیں:

(1) عن مالک انه بلغه ان عبداللہ بن عمر (رضی اللہ تعالٰی عنه) کان یسأل هل یصوم احد عن احد او یصلی احد عن احد فیقول لایصوم احد عن احد ولا یصلی احد عن احد۰

(موطا بمعہ شرح زرقانی، جلد دوئم، ص:185 مطبوعہ دارالفکر)

حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا جاتا کیا کوئی دوسرے کی طرف روزہ رکھ سکتا ہے یا دوسرے کی طرف سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ تو آپ جواب میں فرماتے کوئی دوسرے کی طرف نہ روزہ رکھے اور نہ ہی دوسرے کی طرف سے نماز پڑھے۔

(2) عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال لا یصلی احد عن احد ولا یصوم احد عن احد ولکن یطعم عنه مکان کل یوم مد من حنطة۰

(جوہر النقی فی ذیل سنن الکبریٰ بحوالہ سنن نسائی، جلد 4، ص: 257، مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا: کوئی دوسرے کی طرف سے نماز نہ پڑھے۔ اور نہ

ہی کوئی دوسرے کی طرف سے روزہ رکھے۔ بلکہ ہر دن کے عوض میت کی طرف سے ایک کلو گندم فدیہ دے۔

(3) عن عائشة رضی اللہ تعالٰی عنها انها قالت لا تصوموا عن موتاکم واطعموا عنهم٥

(سنن الکبریٰ للبیہقی، جلد 4، ص: 257، مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت ہے۔ آپ نے فرمایا: اپنے مردوں کی طرف سے رزوہ نہ رکھو بلکہ ان کی طرف سے فدیہ دو۔

یہ آثار مبارکہ (جو کہ فتاویٰ ہیں) مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مؤید ہیں کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک میت کی طرف سے روزہ نہ رکھا جائے اور نہ ہی فدیہ دیا جائے۔ ہاں اگر میت نے فدیہ کی وصیت کی ہو تو پھر میت کے مال کے تہائی حصہ سے فدیہ ادا کیا جائے۔

سیدی محمد زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے اثر عبداللہ بن عمر کے ماتحت ارقام فرمایا:

لانهما من الاعمال البدنية اجماعًا فی الصلوٰة ولو تطوعاً عن حی او میت وفی الصوم عن الحی خلاف حکاه ابن عبدالبر وعیاض وغیرهما٥ واما الصوم عن المیت فکذالك عند الجمهور ومنهم مالك وابو حنیفة والشافعی فی الجدید واحمد دذهبت طائفة من السلف واحمد فی روایة والشافعی فی القدیم الٰی انه یستحب لوارثه ان یصوم عنه٥ الخ

(زرقانی علی المؤطا، جلد دوئم، ص: 186، مطبوعہ دار الفکر)

امام زرقانی فرماتے ہیں: یہ دونوں (یعنی نماز اور روزہ) اعمال بدنیہ سے ہیں اور نماز اگرچہ نفلی ہو اجماعاً کوئی کسی زندہ یا مردہ کی طرف سے ادا نہیں کر سکتا ہے۔ اور زندہ کی طرف سے روزہ میں اختلاف ہے جس کی ابن عبدالبر اور قاضی وغیرہما نے حکایت کی۔ البتہ میت کی طرف سے بھی روزہ رکھنا اس طرح ہے (یعنی نہیں رکھنا چاہئے) اور جمہور کے نزدیک بھی اسی طرح ہے۔ اور ان میں سے امام مالک وابوحنیفہ، امام شافعی جدید میں اور امام احمد رحمہم اللہ ہیں اور سلف میں سے ایک گروہ۔ امام احمد ایک روایت میں اور امام شافعی قدیم میں اس طرف گئے ہیں کہ وارث کے لیے میت کی طرف سے روزہ رکھنا مستحب ہے۔ اور میت وارث کے روزہ رکھنے کی وجہ سے بری الذمہ ہو جائے گی۔ اور اس کو امام نووی نے ترجیح دی ہے۔

جمہور کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کوئی دوسرے کی طرف سے روزہ نہ رکھے۔ (رواہ النسائی) اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا نے فرمایا: میت کی طرف سے روزہ نہ رکھو۔ (رواہ للبیہقی) بلکہ ان کی طرف سے فدیہ دو۔ اور امام بیہقی نے ہی اپنی کتاب ''سنن الکبریٰ'' میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے روایت کیا کہ آپ سے ایک عورت کے متعلق سوال کیا گیا جو وفات پا چکی تھی اور اس

پر روزے تھے۔ (کیا اس کی طرف سے روزے رکھے جائیں یا نہیں) تو ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: اس کی طرف سے صرف فدیہ ہی دیا جائے۔

امام زرقانی فرماتے ہیں: جب حضرت ابن عباس اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دیا۔ یہ دلالت کرتا ہے کہ ان کا عمل روایت کے خلاف تھا۔ اس لیے صحابی کا اپنی روایت کے خلاف فتویٰ ناسخ کی روایت کے قائم مقام ہے۔ اور حکم منسوخ دلالت کرتا ہے کہ اعتبار سے خارج ہے۔ اور استذکار میں ہے صحابی اپنی روایت کے مخالف اس وقت فتویٰ دیتا ہے جب اس کو روایت کا منسوخ ہونا یقینی ہو۔ اور روزہ کا اصل پر قیاس ہے۔ جس پر تمام کا اجماع ہے نماز دوسرے کی طرف سے ادا نہیں کی جاسکتی۔ اسی طرح دوسرے کی طرف سے روزہ بھی نہیں رکھ سکتا۔

چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث غریب ہے اور موقوف صحیح ہے اور اثر ابن عمر رضی اللہ عنہما ''لا یصوم احد عن احد'' کو حافظ کبیر ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام متوفی 211ھ نے اپنی کتاب ''مصنف'' میں بھی تخریج کیا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق، جلد 9، کتب الوصایا، ص: 61، حدیث: 16346، منشورات مجلس علمی)

خود امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث ابن عباس اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مرفوعاً نقل کرنے کے بعد فرمایا۔

(وقد رأیت) بعض اصحابنا یضعف حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بماروی عن ابن عباس موقوفاً ○ (سنن الکبریٰ، جلد دونم، ص: 257)

فرماتے ہیں: میں نے دیکھا ہے کہ ہمارے بعض اصحاب (یعنی شافعیہ) حدیث حضرت ابن عباس جو کہ مرفوع ہے اسے ضعیف قرار دیتے بمقابلہ اثر ابن عباس کے جو کہ موقوف ہے۔ وہ یہ ہے:

عن یزید بن زریع عن حجاج الاحوال عن ایوب بن موسیٰ عن عطاء (ابن رباح) عن ابن عباس انه قال لا یصوم احد عن احد ویطعم عنه ○ (سنن الکبریٰ للنسائی)

حضرت عطاء بن ابی رباح نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ انہوں نے فرمایا: کوئی شخص دوسرے کی طرف سے روزہ نہ رکھے اور وہ صرف اس کی طرف سے فدیہ دے۔

پھر فرماتے ہیں: میں نے بعض شافعیہ کو دیکھا کہ وہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مرفوع حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ اور ان سے موقوف حدیث کو صحیح کہتے ہیں۔ اور موقوف حدیث یہ ہے:

''لا تصوموا عن موتاکم واطعموا عنهم''

یعنی میت کی طرف سے روزہ نہ رکھو اور ان کی طرف سے فدیہ دو۔

صاحب جوہر النقی علامہ علاء الدین بن علی بن عثمان ماردینی المشہور با بن ترکمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قد صح عنهما قال النسائی فی سننه ٥ انا محمد بن عبدالاعلی ثنا یزید بن زریع ثنا حجاج الاحوال ثناء ایوب بن موسٰی عن عطاء ابن ابی رباح عن ابن عباس قال لا یصلی احد عن احد ولا یصوم احد عن احد ٥ الخ

یعنی حضرت ابن عباس نے فرمایا: کوئی شخص کسی دوسرے کی طرف سے نہ نماز پڑھے اور نہ ہی روزہ رکھے۔ لیکن وہ ہر دن کے عوض اس کی طرف سے فدیہ دے۔

علامہ ماردینی فرماتے ہیں: اس حدیث کی مسند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔ سوائے محمد بن عبدالاعلی کے اور یہ مسلم کی شرط پر صحیح ہیں۔

اور ابو جعفر امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ عمرہ بنت عبدالرحمن سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا میں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے عرض کیا۔ میری ماں فوت ہوگئی ہے اور اس پر ماہ رمضان کے روزے ہیں کیا یہ درست ہے کہ میں اس کی طرف سے روزے رکھوں۔ ام المومنین نے فرمایا: نہیں۔ لیکن تو اس کی طرف سے ہر دن کے عوض مساکین پر صدقہ کر یہ تمہارے روزہ رکھنے سے بہتر ہے۔ اور اس حدیث کی بھی سند صحیح ہے۔ ابن جریر نے ''التمھید'' میں ایوب سے انہوں نے نافع سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ انہوں نے فرمایا: کوئی کسی دوسرے کی طرف سے نماز نہ پڑھے۔ اور اسی طرح کسی کی طرف سے روزہ بھی نہ رکھے اس لیے کہ یہ دونوں بدنی عبادت ہیں۔

(جاہر النقی فی ذیل سنن الکبریٰ، جلد 4، ص: 257)

چنانچہ احادیث صحیح سے ثابت ہوا کہ کوئی شخص دوسرے کی طرف سے نہ نماز پڑھ سکتا ہے اور نہ ہی روزہ رکھ سکتا ہے۔ خواہ یہ عبادت زندہ کی طرف سے ہو یا میت کی طرف سے اور یہی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے جو کہ تمام مذاہب میں سے احوط، اوسط اور اکثر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قولہ تعالیٰ: یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ولتکملوا العدۃ ولتکبر واللہ علیٰ ماھداکم ولعلکم تشکرون ٥

اللہ تعالیٰ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی بولو اس پر کہ اس نے تجھے ہدایت دی اور کہیں تم حق گزار ہو۔

قضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ تم پر آسانی چاہتا ہے یعنی روزہ کے افطار کو مباح کرنے سے اور مرض اور سفر میں قضاء کرنے سے۔ اور اللہ تعالیٰ تم پر دشواری نہیں چاہتا۔

یہ آیت کریمہ اس پر دلالت کرتی ہے کہ مریض اور مسافر کے لیے روزہ افطار کرنے میں رخصت یسر کی وجہ سے ہے۔ حتیٰ

کہ اگر مریض اور مسافر روزہ رکھے تو بالاجماع جائز ہے۔ (تفسیر مظہری، جلد دوئم، ص: 198)

امام رازی فرماتے ہیں:

مسئلہ ثانی:

معتزلہ نے اس آیت مبارکہ سے استدلال کیا ہے کہ تکلیف مالایطاق غیر واقع ہے۔ معتزلہ نے کہا جب اللہ عزوجل ان کے ساتھ جو آسانی ہے وہ چاہتا ہے نہ کہ جو دشوار ہے پھر وہ کس طرح ایمان وغیرہ میں ان کو اس چیز کی تکلیف دے گا جس پر وہ قادر نہیں ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں عسر اور یسر عموم کا فائدہ نہیں دے رہے اس لیے کہ اصول فقہ میں یہ ثابت اور محقق ہے کہ لفظ مفرد جس پر الف، لام آجائے وہ عموم کا فائدہ نہیں دیتا۔ اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر ہم معہود سابق کی طرف پھیر دیں گے۔

یعنی مریض اور مسافر کے لیے روزہ افطار کرنے میں ان کے لیے آسانی ہے دشواری نہیں۔ (تفسیر کبیر، جز5، ص: 91)

اور محمد بن احمد انصاری قرطبی فرماتے ہیں:

مجاہد اور ضحاک نے کہا ''یسر'' سفر میں روزہ افطار کرنا ہے اور ''عسر'' سفر میں روزہ رکھنا ہے۔ اور یسر سہولت سے ہے اور اس سے ہے کہ غنی کو یسار کہتے ہیں اور اللہ عزوجل کا فرمان ''ولا یرید بکم العسر'' یہ ''یرید اللہ بکم الیسر'' کے معنی میں ہے اور تکرار تاکید کے لیے ہے۔ (تفسیر قرطبی، مجلد اوّل، جز دوئم، ص: 201)

''ولتکملوا العدۃ'' اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ ماہ رمضان سے جو روزے رہ گئے ہیں دوسرے دنوں میں ماہ رمضان کے اس عدد کو پورا کرو۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ ماہ رمضان کی گنتی پوری کرو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جب تک چاند نہ دیکھ لو روزہ نہ رکھو اور جب تک چاند نہ دیکھ لو روزہ افطار نہ کرو۔ اگر تم پر موسم ابر آلود ہو تو تیس دن کی گنتی پوری کرو۔

یا اس آیت کریمہ کا معنی نحوی ترکیب کے مطابق یہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے اور یہ کہ گنتی پوری کرو اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی بڑائی بولو اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ (تفسیر مظہری، جلد اوّل، ص: 108)

امام رازی فرماتے ہیں:

وجہ ثانی:

اور یہ زجاج کا قول ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ مقیم وصحیح پر جو تکلیف گزر چکی اور مریض اور مسافر کے لیے رخصت ہے اور وہ اکمال عدت ہے اس لیے کہ باوجود طاقت وقدرت کے اس عدۃ کا پورا کرنا سہل وآسان ہو گیا۔ اور باوجود مرض اور سفر میں رخصت کے بطور قضاء اس کی گنتی پوری کرنا سہل اور آسان ہو گیا۔

دوسرا مسئلہ:

اللہ تعالیٰ نے "ولتکملوا العدۃ" اور "ولتکملوا الشھر" نہیں فرمایا: اس لیے کہ جب یہ کہا "ولتکملوا العدۃ" تو اس میں ماہ رمضان کے دنوں کی گنتی اور ایام قضاء کے دنوں کی گنتی بھی شامل و داخل ہو گئی۔ اور اگر اللہ عزوجل یہ فرماتا: "ولتکملوا الشھر" تو یہ صرف ادا کے حکم پر دلالت کرتا اور اس میں حکم قضاء داخل نہ ہوتا۔ (تفسیر کبیر، ج5، ص:92)

"ولتکبروا اللہ علی ما ھداکم" امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں: اس میں دو وجہیں ہیں۔ اوّل: اس سے مراد ہے کہ لیلۃ الفطر (یعنی عید کی رات) تکبیر پڑھو۔ اور حضرت ابن عباس نے فرمایا: مسلمانوں پر واجب ہے جب وہ ہلال شوال دیکھیں تو تکبیر کہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں دونوں عیدوں میں تکبیر کے اظہار کو پسند کرتا ہوں۔ اور یہی قول امام مالک، احمد، اسحاق، ابو یوسف، اور امام محمد رحمہم اللہ کا ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: عید الفطر کی صبح آواز بلند تکبیر پڑھنا مکروہ ہے۔

امام صاحب کے نزدیک عید الفطر میں آہستہ آواز سے اور عید قربان میں باآواز بلند تکبیر پڑھنا سنت ہے۔ اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب آدمی مصلیٰ کے قریب پہنچ جائے تو وہ تکبیر ترک کر دے۔ (حوالہ مذکور)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ابن عباس نے فرمایا: یہ لیلۃ الفطر کی تکبیریں ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے سعید بن مسیب، عروہ اور ابو سلمہ سے روایت کیا کہ وہ عید رات کو تکبیریں کہتے اور باآواز بلند کہتے۔ اور بعض کے نزدیک عید فطر کے دن کی تکبیر میں مراد ہے۔

قاضی صاحب فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں یہ بھی ممکن ہے کہ تکبیر سے نماز عید مراد لی جائے۔ یا تکبیرات عید۔ تو اس وقت تکبیرات عید بھی واجب ہوں گی اور نماز عید بھی۔ اس لیے کہ نماز سے باہر تکبیر خواہ فطر کی رات میں ہو۔ یا عید فطر کے دن اجماعاً واجب نہیں ہیں۔ تو ہم اس کو تکبیرات نماز عید پر محمول کریں۔ یا نماز عید مراد لیں اور یہ "من تسمیۃ الکل باسم الجزء" کے قبیل سے ہے۔

سعیدی صاحب کا مذہب امام مالک کی طرف میلان:

محترم جناب غلام رسول سعیدی صاحب زید مجدہ نے اس آیت مبارکہ "یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر" کی تفسیر کے تحت اپنی تفسیر "تبیان القرآن" میں تفسیر بالرائی کرتے ہوئے فرمایا:

بعض مفتی فتویٰ دیتے وقت ڈھونڈ، ڈھونڈ کر لوگوں کو مشکل اور نا قابل عمل احکام بیان کرتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی عورت کا خاوند گم ہو جائے تو کہتے ہیں وہ نوے سال تک انتظار کرے۔ پھر عقد ثانی کرے۔ جس عورت کو اس کا خاوند کھانے، پینے کا خرچ دے نہ آباد کرے اور نہ اس کو طلاق دے تو کہتے ہیں کہ خاوند کی طلاق کے بغیر اس کی

نجات نہیں ہوسکتی۔ الخ (تبیان القرآن، جلد اول، ص: 721، مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

یہاں سعیدی صاحب نے احکام دین کو نا قابل عمل قرار دیکر احکام دین کا مذاق اڑایا ہے۔ حالانکہ یہ آپ کی تفسیر بالرائی ہے۔ حضرات علماء و مفسرین میں سے کسی نے بھی یہ تفسیر نہیں کی۔ بلکہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے تو فرمایا کہ جب لفظ مفرد پر الف، لام داخل ہوتا ہے تو وہ عموم کا فائدہ نہیں دیتا۔ اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے تو پھر ہم اس کو معہود سابق کی طرف پھیر دیں گے۔ یعنی "یسر وعسر" کا عموم تسلیم بھی کرلیا جائے تو ہم اس کو سابق حکم مسافر اور مریض کی طرف پھیر دیں گے۔

ایسی حرمت کے باوجود سعیدی صاحب نے تفسیر بالرائی کے ساتھ جو احکام دین کا مذاق اڑایا اور احکام دین کو نا قابل عمل قرار دیا یہ آپ جیسی مقتدر شخصیت کے لائق و مناسب نہ تھا ایسی تفسیر کرنے سے آپ کو اعراض کرنا چاہیے تھا۔ اب میں "راقم الحروف" صرف ایک مسئلہ پر آپ کے سامنے وضاحت پیش کر رہا ہوں اور یہ مسئلہ ہے مفقود شوہر کا۔ آپ اس مسئلہ کی تفصیل پڑھ کر خود ہی فیصلہ فرمائیں کیا یہ مذہب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے خلاف گہری سازش نہیں تو اور کیا ہے۔ اللہ عزوجل ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین۔

مسئلہ مفقود شوہر اور سعیدی صاحب:

سب سے پہلے وہ احادیث مبارکہ جو کہ مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مؤید ہیں۔ اور جناب محترم قبلہ سعیدی صاحب زید مجدہ کا جس کی طرف رجحان ومیلان ہے۔

(1) عن سعيد بن المسيب ان عمر بن الخطاب قال ايما امراة فقدت زوجها فلم تدر اين هو فانها تنتظر اربع سنين ثم تعتد اربعة اشهر وعشرًا ثم تحل ٥

(مؤطا امام مالک، جلد سوم، ص: 199، کتاب الطلاق، حدیث: 1251)

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس عورت کا خاوند گم ہو جائے اور اسے معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں ہے وہ عورت چار سال تک انتظار کرے۔ پھر وہ عورت چار ماہ اور دس دن عدت پوری کرے پھر وہ (دوسرے ازواج کے لیے) حلال ہے۔

(2) عن يحيى بن سعيد انه سمع ابن المسيب يقول قضى عمر بن الخطاب فى مرأة تفقد زوجها ولا تدرى ما الذى اهلكه انها تربص اربع سنين ثم تعتد عدة المتوفى عنها ٥ ثم تنكح ان بدالها ٥ (مصنف عبدالرزاق، جلد 7، ص: 88، حدیث: 12323)

یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت سعید بن مسیب کو کہتے ہوئے سنا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کے متعلق فیصلہ فرمایا جس کا خاوند گم ہو گیا تھا اور وہ عورت نہیں جانتی تھی کس نے اس کو ہلاک کیا ہے کہ وہ عورت، اس عورت کی عدت پوری کرے جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو۔ (یعنی چار ماہ اور دس دن) پھر وہ

نکاح کرے۔

(3) عن الزهری عن سعید بن المسیب ان عمر ابن الخطاب وعثمان بن عفان قالا فی امرأة المفقود تربص اربع سنین وتعتد اربعة اشهر وعشرًا○

سعید بن میتب سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس عورت کے متعلق فرمایا جس کا خاوند گم ہوگیا ہو۔ وہ چار سال انتظار کرے پھر چار ماہ دس دن عدت گزارے۔

(4) عن ابن ابی لیلی عن عمر بن الخطاب انه قال فی امرأة المفقو. تربص اربع سنین○

عبدالرحمن بن ابی لیلی نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت لیا کہ انہوں نے اس عورت کے متعلق جس کا خاوند گم ہوگیا ہو فرمایا۔ وہ چار سال انتظار کرے۔

(5) عن یحییٰ بن بعدة ان رجلا استهرته الجن علی عهد عمر فأتت امرأته عمر فامرها ان تربص اربع سنین ثم امر ولیله بعد اربع سنین ان یطلقها ثم امرها ان تعتد فاذا نقضت عدتها تزوجت○

ان تین احادیث کو مصنف ابن ابی شیبہ نے تخریج کیا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 4/6، ص: 237، مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

امام ابوحنیفہ، شافعی اور امام احمد کی ایک روایت کے مذہب کی مؤید احادیث:

(6) عن محمد بن شرجیل الهمدانی عن المغیرة بن شعبة قال○قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم امرأة المفقود○ امرأته حتی یاتیها الخبر○ (دار قطنی مجلد دوئم، جزء سوئم، ص: 217، حدیث: 3804)

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ عورت جس کا خاوند گم ہوگیا ہو۔ اس کی عورت اس کے خبر (یعنی موت کی خبر) آنے تک انتظار کرے۔ (اور یہ حدیث ضعیف ہے۔)

(7) عن المغیرة بن شعبة رضی الله عنه قال ○ قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم امرأة المفقود امرأته حتی یاتیها البیان○ (سنن الکبریٰ، جلد 7، ص: 448، مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مفقود کی عورت۔ اس کی عورت ہی ہے حتیٰ کہ اس کو خبر آئے۔

(8) عن عباد بن عبدالله الاسدی عن علی رضی الله عنه قال فی امرأة المفقود انها لا تتزوج○

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے اس عورت کے متعلق جس کا خاوند گم ہو گیا ہے فرمایا وہ دوسرا نکاح نہ کرے۔

(9) عن حفش قال ٥ قال علی رضی اللہ عنہ لیس الذی قال عمر رضی اللہ عنہ بشی یعنی فی امرأۃ المفقود ھی امرأۃ الغائب حتی یاتیھا یقین موتہ او طلاقھا٥

حفش (بن معتمر کنانی صاحب علی رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جو اس عورت کے متعلق فرمایا جس کا خاوند گم ہو گیا۔ کچھ بھی نہیں (یعنی چار سال) وہ غائب کی عورت ہی ہے کہ اس کو اس کی موت کا یقین ہو جائے یا اس کو طلاق آئے۔

(10) قال ،لشافعی ٥ وقال علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فی امرأۃ المفقود امرأۃ ابتلیت فلتصبر لا تنکح حتی یاتیھا یقین موتہ قال (وبھذا نقول)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس عورت جس کا خاوند گم ہو گیا ہو کے متعلق فرمایا یہ ایک مصیبت زدہ عورت ہے اس کو چاہیے کہ وہ صبر کرے اور جب تک اس عورت کو اپنے خاوند کی موت کا یقین نہ ہو (یعنی موت کی خبر آ جائے) وہ کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ (رواہ الشافعی، سنن الکبریٰ، جلد 7، ص: 444-446)

(11) عن الحکم عن علی رضی اللہ عنہ قال ٥ اذا فقدت زوجھا لم تزوج حتی یصل ان یموت ٥ (مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 2/4، ص: 236)

حکم بن عتیبہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا جب کسی عورت کا خاوند گم ہو جائے۔ اس کی موت کی خبر پہنچنے تک وہ نکاح نہ کرے۔

(12) عن ابی قلابۃ قال لیس لھا ان تزوج حتی تبین لھا موتہ٥

ابو قلابہ (عبداللہ بن زید جرمی) سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا جس عورت کا خاوند گم ہو گیا ہو وہ اس کی موت کے اظہار تک نکاح نہ کرے۔

(13) عن ابراھیم فی امرأۃ تفقد زوجھا ایاخذہ العدو ٥ قال تصبر فانما ھی امرأۃ یصیبھا ما اصحاب النساء حتی یجئ زوجھا او یبلغھا انہ مات٥

ابراہیم نخعی سے جس عورت کا خاوند گم ہو گیا ہو یا اس کو دشمن نے پکڑ لیا ہو کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: وہ عورت صبر کرے اس عورت کو وہی مصیبت لاحق ہوئی جو عورتوں کو پہنچتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کا خاوند آ جائے یا اس عورت کو خاوند کے مرنے کی خبر پہنچ جائے۔

(14) عن الشعبی قال ٥ لا تزوج امرأۃ المفقود حتی یرجع او یموت٥

امام شعبی سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: جس عورت کا خاوند گم ہو گیا ہے وہ عورت اس کے واپس لوٹنے یا مرنے تک نکاح نہ کرے۔

(15) عن عمرو بن هانی قال سئل جابر بن زید عن امرأة غاب زوجها عنها زماناً لا تعلم له بموت و لا حیاة ○ قال تربص حتی تعلم حتی هو حتی ام میت ○

عمرو بن ہانی سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت جابر بن زید سے اس عورت کے متعلق دریافت کیا جس کا خاوند ایک زمانہ گزر چکا کہ وہ اس سے غائب ہے۔ عورت کو معلوم نہیں کہ وہ زندہ ہے یا مر چکا۔ جابر بن زید نے فرمایا: جب تک اس عورت کو یہ معلوم نہ ہو جائے گا کہ وہ زندہ یا مردہ ہے وہ انتظار کرے۔

(16) ابو اسامه عن هشام عن محمد ○ قال لاتزوج امرأة المفقود حتی یاتیها یقین موت زوجها ○

ابو اسامہ (حماد بن اسامہ) نے ہشام (بن عروہ) سے انہوں نے محمد (بن مسلم بن شہاب زہری) سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا جس عورت کا خاوند گم ہو چکا ہے وہ عورت جس کا خاوند گم ہو گیا ہو وہ اپنے خاوند کی یقینی موت کی خبر آنے تک دوسرا نکاح نہ کرے۔

(17) عن شعبة ○ عن حکم و حماد فی امرأة المفقود ○ قالا ○ لا تزوج ابداً حتی یاتیها الخبر ○

یہ سات احادیث ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 2/4، ص: 236-237)

شعبہ (بن حجاج) نے حکم (بن عتیبہ) اور حماد (بن ابی سلیمان) سے مفقود شوہر کے متعلق روایت کیا۔ ان دونوں نے کہا کہ وہ عورت اپنے خاوند کی خبر موصول ہونے تک ہرگز نکاح نہ کرے۔

(18) عن الحکم بن عتیبة ان علیا رضی الله عنه قال فی امرأة المفقود ○ امرأة ابتلیت فلتصبر حتی یاتیها موت او طلاق ○

حکم بن عتیبہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مفقودہ خاوند کے متعلق فرمایا: یہ عورت مصیبت زدہ ہے۔ چاہئے کہ وہ صبر کرے یہاں تک کہ اس کو اپنے خاوند کی موت کی خبر آئے یا طلاق آئے۔

(19) عن ابن ابی لیلی عن الحکمان علیاً قال هی امرأة ابتلیت فلتصبر حتی یاتیها موت او طلاق ○

اس حدیث کا وہی ترجمہ ہے جو اس سے پہلی حدیث کا ہے۔

(20) عن ابن جریج قال بلغنی ان ابن مسعود وافق علیا علی انها تنتظرہ ابداً ٥

ابن جریج نے کہا مجھے خبر پہنچی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس بات پر موافقت کرلی ہے کہ وہ عورت اپنے خاوند کا اس کے مرنے تک انتظار کرے۔

(21) عن ابی حنیفة عن حماد عن ابراهیم ٥ قال ٥ هی امرأة ابتلیت فلتصبر حتی یاتیها موت او طلاق ٥

امام ابوحنیفہ نے حماد (بن ابی سلیمان) سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا۔ ابراہیم نخعی نے فرمایا: جس عورت کا خاوند گم ہوگیا ہو وہ ایک مصیبت زدہ عورت ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ صبر کرے حتیٰ کہ اس کو اپنے خاوند کے مرنے کی اطلاع آئے یا اس کو طلاق آئے۔

(22) عن الثوری عن مغیرہ عن ابراهیم ٥ قال ٥ تتربص حتی تعلم احی اومیت ٥

سفیان ثوری نے مغیرہ سے انہوں نے ابراہیم نخعی سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا مفقودۂ خاوند انتظار کرے یہاں تک کہ اس کو معلوم ہوجائے کہ وہ زندہ ہے مردہ۔

ان چھ 6 احادیث کو عبدالرزاق نے تخریج کیا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق، جلد 7، ص: 90، حدیث: 12330 تا 12335)

یہ ہیں وہ احادیث مبارکہ جن سے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ نے اور امام احمد نے ایک روایت میں یہ اخذ کیا ہے کہ جس عورت کا خاوند گم ہوجائے وہ عورت اپنے خاوند کی موت تک انتظار کرے۔

ان میں دو احادیث موضوع ہیں ورباقی سب آثار موقوفہ ومقطوعہ ہیں اور جن سے یہ اثر وارد ہوئے ان حضرات صحابہ وتابعین کے اسماء گرامی یہ ہیں:

حضرت علی وابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ابوقلابہ، ابراہیم نخعی، شعبی، جابر بن زید، محمد بن مسلم زہری، حکم بن عتیبہ، حماد بن ابی سلیمان۔

ان تمام صحابہ وتابعین سے یہ ثابت ہوا کہ جس کا خاوند گم ہوگیا ہو وہ عورت اپنے خاوند کی موت کی خبر تک انتظار کرے اور کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے۔

حضرات گرامی! ایک موضوع حدیث اور باقی سب آثار جو آپ نے ملاحظہ فرمائے حضرت علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کے بقول سب ناقابل عمل ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جائے کہ تمام احادیث مبارکہ ناقابل عمل ہیں۔

باقی رہا یہ کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ عورت چار سال انتظار کرے اس کے بعد وہ چار ماہ دس دن عدت پوری کرنے کے بعد جس سے چاہئے نکاح کرے۔

ابن ہمام ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

وذكر ان عمر رضى الله عنه الى قول على رضى الله عنه ذكره ابن ابى ليلى قال ثلاث قضيات رجع فيها عمر الى قول على رضى الله عنه منها قول فى امرأة المفقود ٥ (فتح القدیر، جلد5،ص:372)

یعنی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلی نے اس کو ذکر کیا ہے۔ عبدالرحمٰن بن ابی لیلی نے کہا تین قضیات ایسے ہیں جن میں انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ ان میں سے ایک وہ عورت جس کا خاوند گم ہو گیا وہ چار سال نہیں بلکہ اپنے خاوند کی موت کی خبر تک انتظار کرے۔

اسی طرح قدوری کی شرح جوہرہ نیرہ میں ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

وعمر رضى الله عنه رجع الى قو ل على رضى الله عنه ولو قضى فى امرأة المفقود على قول عمر لا ينفذ٥ لانه صح رجوعه الى قول على رضى الله عنه ٥

(جوہر نیرہ، حصہ دوئم، ص:44، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی)

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف رجوع فرما لیا تھا۔ اگر کسی قاضی نے مفقود شوہر کا فیصلہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول پر کیا اس حکم کو نافذ نہ کیا جائے کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف رجوع کرنا صحیح ہے۔

حنفی قاضی کا دوسرے مذہب کے مطابق فیصلہ کرنا کیا درست ہے یا نہیں۔ اس کے متعلق ان شاء اللہ العزیز مذکورہ بالا مسئلہ کے آخر میں کچھ عرض کیا جائے گا۔ اب اس مسئلہ کے متعلق حضرات فقہاء کرام کے اقوال پیش خدمت ہیں۔

شیخ محمد بن سلیمان المعروف بداماد آفندی رحمۃ اللہ علیہ ملتقی الابحر کی شرح مجمع الانہر میں فرماتے ہیں:

(واذا مضى من عمره) اى المفقود (ما) اى مدة (لايعيش اليه) اقرانه وهو ظاهر المذهب٥ الخ

(مجمع الانہر، جلد اول، ص:713، مطبوعہ ادارہ احیاء التراث عربی)

جب مفقود کی مدت عمر اس وقت تک گزر جائے کہ اس کے ہم عمر ساتھیوں میں سے کوئی باقی نہ رہ جائے۔ اور یہ ظاہر مذہب ہے۔ لیکن اس کے ساتھیوں کی موت کی مراد میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک تمام شہروں میں سے اس کے ساتھی باقی نہ رہیں تو مفقود کی موت کا فیصلہ کیا جائے۔ اور بعض کے نزدیک مفقود کے شہر میں سے اس کے ساتھی جب فوت ہو جائیں تو مفقود کی موت متعین ہو گی۔ یہی قول صحیح ارفق ہے۔ اور شیخ الاسلام نے فرمایا: یہی قول احوط واقیس ہے۔

اور بعض نے کہا مفقود کی وقت ولادت سے نوے سال شمار کئے جائیں پھر اس کی موت کا فیصلہ کر دیا جائے۔ اس کے ساتھ صاحب کنز وغیرہ نے جزم فرمایا کیونکہ ہمارے زمانہ میں نوے سال کے بعد زندہ رہنا بہت کم ہے۔ اور نادر کا اعتبار نہیں اور اس پر فتویٰ ہے۔ کما فی الکافی والذخیرہ اور بعض کے نزدیک۔ ایک سو بیس سال۔ امام ابوحنیفہ سے مروی ہے کہ تیس 30 سال، بعض کے نزدیک ساٹھ 60 سال، بعض کے نزدیک ستر 70 سال اور بعض کے نزدیک اسی 80 سال اور قہستانی میں ہے کہ اس پر فتویٰ ہے۔

مجمع الانہر کے حاشیہ پر در المنتقی فی شرح الملتقی میں علامہ حصکفی صاحب درمختار میں فرماتے ہیں:

واذا مضی من عمرہ (تسعون سنة) وھو المفتی بہ○ الخ (در المنتقی، جلد اوّل، ص:713)

جب مفقود کی عمر کے نوے سال گزر جائیں تو اس کی موت کا حکم دیا جائے اور یہ مفتی بہ قول ہے۔ اور فتاویٰ تاتارخانیہ میں تہذیب کے حوالہ سے اسی 80 سال ہے اور اس پر فتویٰ ہے۔ اور اسی طرح قہستانی نے مضمرات کے حوالہ سے بھی نقل کیا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک تیس 30 سال بھی ہے اور یہ ہمارے نزدیک اس کی کم مدت ہے۔

امام حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مفقود کے متعلق ہمارے نزدیک بارہ 12 اقوال ہیں۔ ان میں سے ارجح قول۔ مفقود کے ساتھیوں کی موت ہے اور یہی ظاہر مذہب ہے۔

شیخ طاہر بن احمد بن عبد الرشید بخاری متوفی 542ھ۔ خلاصۃ الفتاویٰ میں فرماتے ہیں: صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے یہ مشہور اور معتمد کتاب ہے۔

قال رضی اللہ عنہ وفی الاصل ان المفقود یعتبر حیاً فی حق نفسہ حتی لا یقسم مالہ بین ورثتہ○ ولا تتزوج امراتہ○

اصل میں مفقود اپنے نفس کے حق میں زندہ اعتبار کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ اس کے مال کو اس کے وارثوں کے درمیان تقسیم نہ کیا جائے اور نہ ہی مفقود کی بیوی کسی دوسرے سے نکاح کرے۔

اس کے بعد مفقود کی موت کے متعلق لکھتے ہیں:

ذالک یعرف بموت اقرانہ ولو بقی واحد لایحکم عبدتہ ولارفق ان یعتبر موت اقرانہ فی بلدہ لا فی الدنیا ولامام ابوبکر محمد بن الفضل والامام ابوبکر محمد بن حامد رحمھما اللہ قدراہ بتسعین سنة قال الصدر الشھید رح وعلیہ الفتویٰ○ ولامام السرخی یعتبر موت الاقران نبعد معنی ھدہ المدة یعتب میتاً فی مالہ یوم تحت المدة○

(خلاصۃ الفتاویٰ، جلد دوئم، ص:588، مطبوعہ مطبع حمیدیہ سلیم پریس لاہور)

اور مفقود کی موت اس کے ہم عمر ساتھیوں کی موت کے ساتھ معروف ہوگی۔ اور اگر اس کے ہم عمر ساتھیوں میں سے ایک بھی باقی رہ گیا تو مفقود کی موت کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ اور ارفق یہ ہے مفقود کے اس کے شہر کے ہم عمر ساتھیوں کی موت معتبر ہے۔ نہ کے دنیا میں اس کے ساتھیوں کی موت۔ امام ابوبکر محمد بن فضل اور امام ابوبکر محمد بن حامد رحمہما اللہ دونوں نے اس کا اندازہ نوے 90 سال لگایا ہے۔ صدر الشہید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اسی پر فتویٰ ہے۔ اور امام سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کے ساتھیوں کی موت کو معتبر قرار دیا ہے۔ جب یہ مدگزر گئی تو اس کی موت معتبر ہے۔

سامعین گرامی! یہی وہ قول ہے جس کے متعلق علامہ سعیدی صاحب دامت فیوضہ القدسیہ نے فرمایا یہ نا قابل عمل ہے اور شریعت مطہرہ کا مذاق اڑایا۔ اللہ عزوجل ہدایت کی توفیق عطا فرمائے۔

امام شمس الدین محمد خراسانی قہستانی متوفی 962ھ جامع الرموز میں فرماتے ہیں:

(ألى تسعين سنة) من وقت ولادته كما قال محمد بن فضل ومحمد بن حامد وعليه الفتوى) ○ (جامع الرموز، جلد دوئم، ص: 391، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ، گنبد قاموس، ایران)

یعنی مفقود کی وقت ولادت سے نوے 90 سال تک انتظار کیا جائے اور نوے سال کے بعد اس کی موت کا حکم دیا جائے۔ محمد بن فضل اور محمد بن حامد نے فرمایا اسی پر فتویٰ ہے۔ پھر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں:

وقال مالك والاوزاعى الى اربع سنين ○ فلو افتى به فى موضع الضرورة ينبغى ان لا باس به على ما اظن ○

امام مالک اور اوزاعی رحمہما اللہ کے نزدیک چار سال تک انتظار کیا جائے اس کے بعد۔ مفقود کی بیوی چار ماہ دس دن عدت طلاق پوری کرنے کے بعد جس سے چاہے نکاح کرے۔ امام قہستانی فرماتے ہیں: اگر موضع ضرورت میں امام مالک کے قول پر کسی نے فتویٰ دیا تو میرے ظن کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے۔ اور موضع ضرورت کی تفصیل انشاء اللہ عنقریب صاحب ردالمحتار سے نقل کی جائے گی۔

فقیہ عصر، وحید دھر، محرر مذہب نعمانی، ابوحنیفہ ثانی شیخ زین الدین المشہور با بن نجیم۔ بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں فرماتے ہیں:

(وحكم بموته بعد تسعين) لانه الغاية فى زماننا والحيوة بعده نادر فلا عبرة للنادر ○ وقد وقع الاختلاف فى هذه واختلف الترجيح فظاهر الرواية وهو المذهب ○ الخ

(بحر الرائق، مجلد سوئم، ج:5، ص:165، مطبوعہ ایم ایم سعید کمپنی کراچی)

نوے سال کے بعد مفقود کی موت کا حکم دیا جائے۔ کیونکہ ہمارے زمانہ میں یہ انتہائی عمر ہے۔ اور اس کے بعد

حیات نادر ہے۔ چنانچہ نادر معتبر نہیں۔ مدت عمر میں بھی اختلاف واقع ہوا ہے۔ اور ترجیح میں بھی اختلاف ہے۔ چنانچہ مرجع قول ظاہر روایت ہے اور یہی ظاہر مذہب ہے۔ اور ظاہر مذہب میں اس کی موت کو اس کے ہم عمر ساتھیوں کی موت کے ساتھ مقدر کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ نوادر میں سے ہے کہ اپنے ساتھیوں کی موت کے بعد کوئی انسان زندہ رہے۔ اور جب تک مفقود کا ایک بھی ہم عمر ساتھی باقی ہے اس کی موت کا حکم نہ دیا جائے۔ اور ہم عمر ساتھیوں سے مراد اس کے شہر کے ہم عمر ساتھی مراد ہیں۔ اور یہی صحیح ہے۔ اور صاحب کنز نے اس کی تقدیر نوے 90 سال کے ساتھ کی ہے۔ اور یہی ارفق ہے (کمافی الھدایہ) اور ذخیرہ میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے ایک روایت میں اس کی تقدیر سو 100 سال ہے اور یہی ابوبکر محمد بن حامد کا اختیار ہے۔ اور امام حسن کی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں ایک سو بیس 120 سال ہے۔ اور قدوری کا یہی مختار ہے۔ اور متاخرین نے اس کی تقدیر ساٹھ 60 سال کی ہے۔ اور محقق ابن ہمام کے نزدیک ستر 70 سال ہے۔

علامہ ابن العابدین نے بحرالرائق کے حاشیہ پر (منحۃ الخالق علی بحرالرائق) میں نقل فرمایا:

(قوله والحاصل الخ) هذا الحاصل ذكره في الفتح○ وبيانه ان اختلافهم في تقديره بتسعين اوبمائة○ وبمائة وعشرين مبني على اختلاف الرأى في الغالب في طول العمر○ الخ

(منحۃ الخالق علی بحرالرائق، مجلد سوئم، ج7، ص:165)

مصنف کا قول الحاصل۔ اور اس حاصل کو فتح میں اس طرح ذکر کیا ہے۔ اس کا بیان یہ ہے۔ کبرائے ائمہ فقہاء کا مفقود کے ہم عمر ساتھیوں کی موت کی تقدیر نوے 90 یا ایک سو 100 یا ایک سو بیس 120 سال کا اختلاف طول عمر کے اعتبار سے ان کی غالب رائے کے اختلاف پر مبنی ہے۔ بعض کی غالب رائے میں ان کی طول عمر نوے سال ہے اور یہ ان کی زندگی کی انتہاء ہے۔ اور بعض کی غالب رائے میں اس کی تقدیر ایک سو 100 سال ہے۔ اور بعض نے اس کی تقدیر ایک سو بیس 120 سال لگائی ہے۔

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں۔ یہ تقدیر ظاہر روایت کی تفسیر ہے اور مراد مفقود کے ہم عمر ساتھیوں کی موت ہے۔ یعنی مفقود کے ہم عمر ساتھیوں کی تلاش مشکل ہے۔ چنانچہ ان کی اغلب رائے میں اس سے زیادہ ان کا زندہ رہنا بھی دشوار ہے اور اس اغلب رائے کے مطابق انہوں نے اس کی تقدیر نوے 90 سال بیان کی ہے کہ یہ ان کی انتہائے عمر ہے۔

شیخ امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف با بن ہمام متوفی 861ھ فتح القدیر شرح ھدایہ میں لکھتے ہیں:

(ولارفق) بالناس (ان يقدر بتسعين) وعندى الاحسن سبعون لقوله صلى الله عليه وآله وسلم اعمار امتى مابين الستين الى السبعين مكانت المنتهى غالبا○ (فتح القدیر، جلد5، ص:374، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ نے ھدایہ میں فرمایا: لوگوں کے ساتھ ارفق یہ ہے کہ نوے 90 سال تک اس کی عمر کا اندازہ لگایا جائے کیونکہ اس کے بعد اغلب رائے میں حیات مشکل ہے۔ اور یہ ظاہر روایت کی تقدیر بھی ہو سکتی ہے۔ یعنی مفقود کے ہم عمر ساتھیوں کا نوے سال تک زندہ رہنا یہ حیات کی اس زمانہ میں انتہا ہے۔ اور نوے سال کے بعد اس کی موت کا حکم دیا جائے۔ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں میرے نزدیک احسن یہ ہے کہ مفقود کی عمر کا ولادت کے وقت سے ستر 70 سال اندازہ لگایا جائے۔ کیونکہ نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے میری امت کی عمریں ساٹھ 60 اور ستر 70 کے درمیان ہوں گی۔ چنانچہ ستر 70 سال غالباً عمر کی انتہاء ہے۔

الحجۃ الحافظ علی بن محمد سلطان قاری حنفی مکی، شرح النقایہ میں فرماتے ہیں:

(الی تسعین سنۃ) من یوم ولد علی المفتی بہ○ لان الغالب فی زماننا عدم الحیاۃ الی تسعین الا نادرًا والنادر ولاعبرۃ بہ○ الخ (شرح النقایہ، جلد دوئم، ص: 292، مطبوعہ ایم ایم سعید کمپنی کراچی)

مصنف نقایہ کا قول ہے کہ جس عورت کا خاوند گم ہو گیا وہ نوے 90 سال تک انتظار کرے۔ علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ الباری فرماتے ہیں مفتی بہ قول پر جس دن مفقود پیدا ہوا ہے اس دن سے نوے سال تک وہ انتظار کرے اس لیے ہمارے زمانہ میں غالباً بہت کم ہے کہ نوے سال تک کوئی زندہ رہتا ہے۔ اور نادر کا اعتبار نہیں۔ اعتبار کثرت کا ہے۔ اور امام مالک کے نزدیک وہ صرف چار سال انتظار کرے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس عورت کا خاوند گم ہو گیا ہو وہ چار سال تک انتظار کرے۔ ہم کہتے ہیں عورت کا چار سال تک انتظار کرنا یہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ابتداء میں قول تھا پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف رجوع فرمالیا تھا کہ جس عورت کا خاوند گم ہو جائے وہ ایک مصیبت زدہ عورت ہے اسے چاہئے کہ وہ صبر کرے حتیٰ کہ اسے کوئی خبر آئے یا طلاق آئے۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(قولہ خلا فالمالک) فان عندہ تعتد زوجۃ المفقود عدۃ الوفاۃ بعد معنی اربع سنین○ الخ

صاحب درمختار کا یہ قول۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا اس میں اختلاف ہے۔ یعنی ہمارے نزدیک مفقودہ شوہر موت تک اپنے خاوند کا انتظار کرے۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ عورت صرف چار سال تک انتظار کرے اس کے بعد وہ عورت چار ماہ دس دن عدت وفات پوری کرے پھر وہ جس سے چاہے نکاح کرے۔ (کما فی شرح ابن الشحنہ) اس کے بعد لکھتے ہیں۔

لیکن اس نے ناظم پر اعتراض کیا ہے کہ حنفی کو اس کی کوئی حاجت نہیں۔ اس لیے کہ یہ ہمارے مذہب کے خلاف ہے چنانچہ اس کا حذف اولیٰ ہے۔ صاحب درالمنتقی نے لکھا ہے کہ قہستانی کے قول کے مطابق یہ اولیٰ نہیں ہے۔ اگر حنفی

نے موضع ضرورت میں اس کے مطابق (یعنی چار سال کے بعد وہ نکاح کر سکتی) فتویٰ دیا تو میرے خیال کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے۔ اور صاحب بزازیہ نے کہا ہمارے زمانہ میں قول امام مالک پر فتویٰ ہے۔ اور امام زہری نے کہا ہمارے بعض اصحاب اس پر ضرورت کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں۔

لیکن صاحب (نھر وغیرہ) نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ مذہب غیر پر فتویٰ دینا درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ امام مالک کے مذہب کے مطابق فیصلہ کرنے سے مذہب مالکی کی طرف جانے کے مترادف ہے اور ان کے مذہب کو تسلیم کرنا ہے اور ابن دھبان بھی اپنی منظومہ میں اسی طرف گئے ہیں۔ اور موضع ضرورت سے مراد ہے کہ جب ضرورت پائی جائے تو امام مالک کے مذہب پر فیصلہ کرنا درست ہے۔ اور موضع ضرورت یہ ہے کہ وہاں کوئی مالکی قاضی نہ ہو تو پھر مذہب امام مالک کے مقلد کا فیصلہ ان کے مذہب کے مطابق کیا جائے۔

کیا حنفی قاضی کو دوسرے مذہب کے مطابق فیصلہ کرنا چاہئے یا نہیں

صاحب ھدایہ امام مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگر قاضی نے کسی حکم میں اپنی رائے کے خلاف اپنے مذہب کو بھولتے ہوئے فیصلہ کیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسے نافذ کیا جائے اور اگر قاضی نے یہ کام عمداً (جان بوجھ) کر کیا تو اس میں امام اعظم رضی اللہ عنہ سے دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت کے مطابق اس فیصلہ کو نافذ کیا جائے اور دوسری روایت میں ہے نہ نافذ کیا جائے اور صاحبین امام محمد و ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں خواہ عمداً ہو یا خطأ اس قاضی کے فیصلہ کو نافذ نہ کیا جائے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

اس ضمن میں شیخ ابن ہمام فرماتے ہیں:

والوجه فی هذالزمان ان یفتی بقولهما لان التارك بمذهبه عمداً لا یفعله الا لهوی باطل لا لقصد الجمیل وهد اکله فی القاضی المجتهد فاما المقلد فانما ولاه لیحکم بمذهب ابی حنیفة رضی الله عنه فلا یملك المخالفة فیکون معزولاً لنسبة الی ذالك الحکم○

(الحکام فتح القدری، جلد 6، ص: 397، فتاویٰ عالمگیری، جلد سوئم، ص: 109، رد المختار، جلد 4، ص: 372، ایضاً، جلد 4، ص: 499)

اور وجہ اس زمانہ میں یہ ہے کہ صاحبین امام محمد و ابو یوسف رحمہما اللہ کے قول پر فتویٰ دیا جائے۔ اس لیے کہ اپنے مذہب کا عمداً ترک کرنے والا سوائے خواہش باطل کے نہیں کرتا۔ اس کا مذہب کے خلاف حکم دینا کسی اچھے یا حسن ارادہ کی وجہ سے نہیں۔ یہ حکم تو قاضی مجتہد کے واسطے ہے لیکن مقلد کو اس لیے ولایت حکم بنایا گیا ہے کہ وہ مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرے اور مقلد اپنے مذہب کی مخالفت کا مالک نہیں۔ اگر اس نے

اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کیا تو اس حکم کی نسبت سے وہ معزول ہو جائے گا۔

علامہ ابن العابدین رحمۃ اللہ علیہ ردالمحتار شرح درمختار میں شیخ ابن ہمام کا یہ قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قال فی الشرنبلالية عن البرهان وهذا صريح الحق الذى يعض عليه بالنواجذ ٥

(ردالمحتار، جلد 4، ص 372)

علامہ حسن شرنبلالی نے برہان سے نقل کیا کہ یہ صریح حق ہے جس پر مضبوطی سے قائم رہنا چاہئے۔

یعنی صریح حق یہ ہے کہ مقلد کو اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ نہیں کرنا چاہئے۔

صاحب خلاصۃ الفتاویٰ علامہ شیخ طاہر بن احمد بن عبدالرشید بخاری متوفی 542ء لکھتے ہیں:

والمجتهد اذا نسى مذهبه وقضى على خلاف مذهبه نفذ قضاء ه عند ابى حنيفة وعند ابى يوسف انه لا ينفذ ولا رواية عن محمد رحمه الله وقال بعضهم الخلاف فى انه هل يجوزله ان ياخذ بقول غيره عندهما لا ياخذ وعند محمد ياخذ ٥

(خلاصۃ الفتاویٰ، جلد دوئم، ص: 181، مطبوعہ مطبع حمیدیہ سٹیم پریس لاہور)

اور مجتہد نے جب بھول کر اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کیا تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس حکم کو نافذ کیا جائے گا۔ اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کے حکم کو نافذ نہ کیا جائے۔ اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے متعلق کوئی روایت نہیں۔ اور بعض کے نزدیک اس کا خلاف منقول ہے۔ کیا قاضی دوسرے مذہب کے قول پر فتویٰ دے۔ امام ابوحنیفہ وابویوسف رحمہما اللہ کے نزدیک اس پر عمل نہ کیا جائے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر عمل کیا جائے۔

تو اس سے ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی دوسرے مذہب پر فتویٰ دینا جائز نہیں ہے۔ اور اگر عمداً کسی قاضی نے ایسا کیا تو پھر بالاتفاق اس حکم کو نافذ نہ کیا جائے گا۔

امام شمس الدین محمد خراسانی قہستانی متوفی 962 جامع الرموز میں فرماتے ہیں:

(والقضاة على خلاف مذهبه) اى اجتهاده او اعتقاده ٥ (فاسيا) غير ذاكر مذهبه لا ينفذ عندهما وعليه الفتوىٰ ٥ الخ (جامع الرموز، مجلد دوئم، جز سوئم، ص: 409)

قاضی کا اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کرنا یعنی قاضی کا اجتہاد ہو یا اس کا اعتقاد بھول کر یعنی قاضی کو اپنا مذہب یاد نہیں۔ صاحبین امام ابویوسف اور محمد رحمہما اللہ کے نزدیک قاضی کے اس حکم کو نافذ نہ کیا جائے۔ اور اس پر فتویٰ ہے۔

یا قاضی نے جان بوجھ کر اپنے مذہب کے خلاف حکم دیا تو یہ جائز نہیں بلکہ صاحبین کے نزدیک اس کو دور کر دیا جائے

اور اس پر فتویٰ ہے۔

اس اختلاف کے بعد امام قہستانی فرماتے ہیں:

وذکر ابوبکر الرازی انه لو قضی بخلاف مذهبه مع العلم لم یجز فی قولهم۰

ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر قاضی نے علم ہونے کے باوجود اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کیا تو ان سب کے نزدیک یہ جائز نہیں۔

چنانچہ کبار علمائے فقہاء کے اقوال سے ثابت ہوا قاضی کا دوسرے مذہب پر عمداً فیصلہ کرنا مردود ہے۔ تو مفتی کے لیے جو کہ مقلد ہے ایسا فتویٰ دینا بالکل جائز نہیں۔ لہٰذا جس عورت کا خاوند گم ہو گیا ہو۔ اس کے متعلق امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دینا جائز نہیں ہے۔

جب امام مالک کے قول پر فتویٰ کبار فقہاء کرام کے نزدیک جائز نہیں تو پھر کونسا فتویٰ ہے جو بمطابق ''یسر'' ہو جس کی طرف حضرت علامہ مولانا غلام رسول سعیدی صاحب زید مجدہ نے اشارہ فرمایا۔

اور امام ابن عابدین نے جو لکھا ہے کہ مذہب امام مالک پر فیصلہ درست ہے۔ انہوں نے اس کی وضاحت بھی فرمادی ہے کہ موضع ضرورت یہ ہے کہ اگر کہیں مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قاضی نہ ہو اور مقلد امام مالک قاضی حنفی کے پاس جائے تو ایسی صورت میں اس مقلد امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ بمطابق مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کرنا چاہئے۔ نہ کہ مطلق حنفی قاضی کو اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کرنا چاہئے۔

اگر اس بات کو بھی تسلیم کر لیا جائے جیسا کہ علامہ ابن عابدین نے فرمایا ہے تو پھر فیصلہ اکثر کی بناء پر معتمد ہوگا۔ جیسا کہ صاحب خلاصۃ الفتاویٰ نے لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

ویجب ان یعلم محل الاجتهاد فی الاقضیة وفیها ایضاً اصحابنا رحمهم الله لم یقبور اخلاف مالك والشافعی رحمهما الله وانما اعتبردا قول الجمهور واعتبر واقول الصحابة۰ الخ

اور قاضی کے لیے واجب ہے کہ وہ اقضیہ (فیصلوں) میں محل اجتہاد کو جانتا ہو۔ اور فیصلوں میں یہ بھی ہے کہ ہمارے اصحاب (احناف) رحمہم اللہ امام مالک اور شافعی رحمہما اللہ کے خلاف کو معتبر نہیں سمجھتے وہ تو صرف قول جمہور کو معتبر سمجھتے ہیں۔ اور قول صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کا اعتبار کرتے ہیں۔ جامع صغیر کتاب السیر میں اس طرح مذکور ہے۔

پھر اس کے بعد فرماتے ہیں:

فتاویٰ صغریٰ میں ہے سلف کے درمیان جو اختلاف ہوا ہے وہ ایسے ہی ہے جیسے صحابہ کرام کے درمیان مسائل میں اختلاف تھا۔

چنانچہ آپ اس مسئلہ پر غور فرمائیں کہ جس عورت کا خاوند گم ہو گیا ہو اس کے متعلق اکثرین کا کیا حکم ہے

دیانتداری سے فیصلہ کریں گے تو اس کے متعلق یہی "مفتی بہ ○ وعلیہ الفتویٰ" حکم ہے کہ وہ نوے سال انتظار کرے۔ اور اکثر صحابہ کرام اور اکثر فقہاء عظام، بالخصوص امام ابوحنیفہ، احمد اور شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بھی یہ مذہب ہے۔ صرف اس مسئلہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ تنہا ہیں جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلہ اور قول کو بنیاد بناتے ہوئے فرماتے ہیں جس عورت کا خاوند گم ہو جائے وہ صرف چار سال انتظار کرے۔ لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اس سے رجوع بھی ثابت ہے جیسا کہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ نے فرمایا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سے رجوع فرمایا تھا۔ اب جمہور کا یہ حکم ہے کہ وہ عورت اپنے خاوند کی موت کی خبر یا اس کے طلاق بھیجنے تک انتظار کرے اور اس کی موت کی تقدیر مفتی بہ قول کے مطابق پیدا ہونے کے دن سے نوے سال تک ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔

لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ سعیدی صاحب دامت برکاتہم القدسیہ جیسی مقتدر شخصیت کے قلم سے ایسی کوئی بات منصۂ قرطاس پر آئے جو کہ جمہور کے خلاف ہو۔ بلکہ جمہور کے قول کو ناقابل عمل قرار دیا ہو۔ آپ کو ایسے مسائل میں کچھ احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ نہ کہ اپنے اجتہاد سے اس پر فتویٰ دینا چاہئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قولہ تعالیٰ: واذا سالك عبادی عنی فانی قریب ○ اجیب دعوۃ الداع اذادعان فلیستجیبولی والیؤمنوا بی لعلھم یرشدون ○

اور اے میرے محبوب! جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے تو انہیں چاہئے میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں کہ کہیں راہ پائیں۔ (کنزالایمان)

ماقبل آیت سے ربط:

امام فخر رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اس آیہ مبارکہ کی پہلی آیت مقدسہ سے کیفیت اتصال کی وجوہ۔

(1) جب اللہ عزوجل نے روزہ فرض اور اس کے احکام کے واجب ہونے کے بعد فرمایا: "**ولتکبروا اللہ علیٰ ماھداکم ولعلکم تشکرون**" تو اللہ تعالیٰ نے بندے کو تکبیر کہنے کا حکم دیا جو کہ وہ ذکر ہے۔ اور اللہ عزوجل نے اس کے شکر کرنے کا حکم دیا۔ تو اللہ عزوجل نے واضح کر دیا کہ وہ اپنے لطف ورحمت کی وجہ سے اپنے بندے کے قریب ہے۔ اور جو میرے بندے نے میرا ذکر اور شکر کیا اس پر وہ مطلع ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل اس کی ندا کو سنتا ہے اور اس کی دعا کو قبول کرتا ہے اور اس کی امید ہے کہ اس کو ناامید نہیں فرمائے گا۔

(2) اللہ عزوجل نے اولاً تکبیر کا حکم دیا پھر اس کو دعا کرنے کی ترغیب دی۔ یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ دعا سے پہلے اس کا ذکر جمیل ضروری ہے کیا تو نہیں دیکھتا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے جب دعا کرنے کا ارادہ فرمایا تو پہلے اپنے رب کی حمد وثناء بیان فرمائی "**الذی خلقنی فھو یھدین (الیٰ قولہ) والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم**

الدین" (سورۃ شعراء، آیت: 77 تا 82)

وہ جس نے پیدا کیا وہ مجھے راہ دے گا۔ اور وہ جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوں وہی مجھے شفا دیتا ہے۔ وہ مجھے وفات دے گا پھر مجھے زندہ کرے گا اور وہ جس کی مجھے آس لگی ہے کہ میری خطائیں قیامت کے دن بخشے گا۔

یہ سب کی سب اللہ عزوجل کی حمد وثناء ہے اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا فرمائی: "رب ھب لی حکما والحقنی بالصالحین" (سورۃ شعراء، آیت: 83) اے میرے رب مجھے حکم عطا فرما اور مجھے ان سے ملادے جو تیرے قرب خاص کے سزاوار ہیں۔

چنانچہ یہاں بھی اسی طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تکبیر (اللہ عزوجل کی ثناء) کا حکم دیا پھر اس کے بعد دعا کو شروع فرمایا۔

(3) اللہ تعالیٰ نے جب ان پر (مومنوں) روزے فرض فرمائے جیسے کہ ان سے پہلے لوگوں پر فرض تھے۔ اور یہ روزہ اس طرح فرض تھا کہ جب وہ سو جاتے تو ان پر (یعنی روزہ داروں پر) کھانا، پینا، اور جماع کرنا حرام ہو جاتا اور بعض لوگوں پر یہ دشوار گزرا حتیٰ کہ انہوں نے اس تکلیف میں اللہ عزوجل کی نافرمانی کی۔ پھر وہ پشیمان ہوئے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی توجہ کا سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو خبر دیتے ہوئے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی کہ ان کی توبہ قبول ہوگئی ہے۔ اور ان لوگوں کی دعا اور عاجزی کے سبب اللہ عزوجل نے اس تشدید (سونے کے بعد کھانا، پینا وغیرہ) کو منسوخ فرما دیا ہے۔

اس آیت مبارکہ کا شان نزول:

(1) کعب الاحبار سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب! کیا تو قریب ہے کہ میں تجھ سے سرگوشی کروں۔ یا دور ہے کہ میں تجھے ندا کروں۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام! جو میرا ذکر کرتا ہے میں اس کا جلیس ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا، اے میرے رب! ہم کبھی جنابت و غائط کی حالت میں ہوتے ہیں اور اس حالت میں ہم تیرا ذکر کرنے کو بہت برا سمجھتے ہیں۔ (یعنی اس حال میں ہم تیرا ذکر نہیں کرتے)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام میرا ہر حال میں ذکر کرو۔ جب معاملہ ایسا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس کے ذکر اور ہر حال میں اس کی طرف رجوع کرنے کی ترغیب دی تو اللہ عزوجل نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔

(2) ایک اعرابی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا ہمارا رب ہمارے قریب ہے کہ ہم اس سے سرگوشی کریں۔ یا ہم سے بعید ہے کہ ہم اس کو آواز بلند پکاریں۔ تو اللہ عزوجل نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی۔

(3) حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا ہم ایک سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ جب کسی بلند جگہ پر چڑھتے تو ہم ''اللہ اکبر'' کہتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! تکبیر کے ساتھ اپنے نفسوں پر نرمی کرو (اور جہر میں مبالغہ نہ کرو) کیونکہ تم بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے بلکہ تم سننے والے اور دیکھنے والے کو پکار رہے ہو۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور میں دل میں کہہ رہا تھا ''ولا حول ولا قوۃ الا باللہ'' آپ نے مجھے فرمایا: اے عبداللہ بن قیس (یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام ہے) کہو ''لا حول ولا قوۃ الا باللہ'' یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ (بخاری شریف کتاب الدعوات الحدیث: 1306)

(4) حضرت قتادہ وغیرہ سے روایت ہے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم اپنے رب کو کیسے پکاریں تو یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی۔

(5) حضرت عطاء وغیرہ نے کہا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا ہم کس ساعت (گھڑی) میں اللہ عزوجل کو پکاریں۔ تو یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی۔

(6) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ذکر کیا کہ اہل مدینہ کے یہودیوں نے کہا یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارا رب ہماری دعا کیسے سنتا ہے۔ تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

علامہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

یہودیوں نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارا رب ہماری دعا کیسے سنتا ہے حالانکہ آپ کہتے ہیں آسمان کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے اور ہر آسمان کی موٹائی بھی اس کی مثل ہے۔ تو یہ آیہ کریمہ نازل ہوئی۔ فرماتے ہیں: اللہ عزوجل کے کلام ''و اذا سالك عبادی'' میں اضافت تشریفی ہے یعنی سائل کو اللہ عزوجل نے اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے تو یہ چیز اس بات کے مانع ہے کہ سائل یہودی ہو۔

(تفسیر مظہری، جلد اوّل، ص: 200، تفسیر کبیر، ج: 5، ص: 94)

ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی انصاری فرماتے ہیں:

حضرت عطاء اور قتادہ نے کہا جب یہ آیت مبارکہ ''وقال ربکم ادعونی استجب لکم'' نازل ہوئی۔ (سورۃ غافر، آیت: 60) تو لوگوں نے عرض کیا کس ساعت میں ہم اپنے رب سے دعا کریں۔ تو یہ آیہ مبارکہ نازل ہوئی۔

(الجامع لاحکام القرآن، جزء دوئم، ص: 206)

دعا کا معنیٰ:

علامہ حسین بن محمد بن مفضل الملقب بالراغب اصفہانی ''المفردات فی غریب القرآن'' میں فرماتے ہیں:

دعا۔ ندا کی ہی مثل ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ ندا میں اسم کو نہیں ملایا جاتا جیسے کہا جائے "یا ۔ایا یا مثل اس کی کوئی حرف" اور دعا میں اسم کو ملایا جاتا ہے۔ جیسے "یافلان"۔ معنی یہ ہیں کہ ندا اسم سے مجرد ہوتی ہے اور دعا میں جس کو پکارا جائے اس کا نام ضروری ہے۔ اور دعا کا استعمال تسمیہ پر بھی ہوتا ہے۔ جیسے "دعوت ابنی زیدًا" میں نے اپنے بیٹے کا نام زید رکھا۔ اور دعا بمعنی استغاثہ بھی آیا ہے جیسے "قالوا ادع لنا ربك" یعنی اپنے رب سے سوال کرو۔ اور کبھی کبھی دعا بمعنی رفعت قدر بھی مستعمل ہوتی ہے جیسے اللہ عزوجل کا فرمان: "لیس له دعوة فی الدنیا ولا فی الآخر" (سورۃ غافر، آیت:42)

(مفردات، ص:169، مطبوعہ نور محمد "اصح المطابع" کارخانہ تجارت کتب آرام باغ فرید روڈ کراچی)

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب الدعوات میں لکھا ہے:

شیخ ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "شرح الاسماء الحسنی" میں فرمایا: لفظ دعا قرآن پاک میں کئی معانی میں آیا ہے۔

(1) دعا معنی عبادت:

اللہ عزوجل کا فرمان: ولا تدع من دون الله مالا ینفعك ولا یضرك ○ (سورۂ یونس، آیت:106)

اور اللہ تعالیٰ کے سوا اس کی بندگی نہ کر جو نہ تیرا بھلا کر سکے نہ برا۔

(2) دعا بمعنی استغاثہ:

اللہ تعالیٰ کا فرمان: "وادعو شهداء کم من دون الله ان کنتم صادقین" ○ (سورۂ بقرہ، آیت:23)

اور اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے سب حمایتیوں کو بلالو اگر تم سچے ہو۔

(3) دعا بمعنی سوال:

اللہ جل اسمہ کا فرمان: وقال ربکم الدعونی استجب لکم ○ (سورۂ غافر، آیت:60)

اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔

(4) دعا بمعنی قول:

واللہ تعالیٰ کا فرمان: دعواهم فیها سبحانك اللهم وتحیتهم فیها سلام ○ (سورۂ یونس، آیت:10)

ان کی دعا اس میں یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ تجھے پاکی اور ان کے ملتے وقت خوشی کا پہلا بول سلام ہے۔

(5) دعا بمعنی ندا:

اللہ جل ذکرہ کا فرمان: یوم یدعو کم فتستجیبون بحمده وتظنون ان لبثتم الا قلیلاً ○

(سورۂ اسراء، آیت:52)

جس دن وہ تمہیں بلائے گا تو تم اس کی حمد کرتے چلے آؤ گے اور سمجھو گے کہ نہ رہے تھے مگر تھوڑا۔

(6) دعا بمعنی ثناء:

اللہ تعالیٰ کا فرمان: قل ادعو اللہ او دعوا الرحمٰن۝ ایاما تدعوا فلہ الاسماء الحسنی۝

(سورۂ اسراء، آیت: 110)

تم فرماؤ۔ اللہ تعالیٰ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر جو کہہ کر پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں۔

دعا کی اہمیت وفضائل:

یہ آیت مبارکہ "وقال ربکم ادعونی استجب لکم" الخ۔

(سورۂ غافر، آیت: 60)

اس آیت مبارکہ کا ظاہر تفویض (سپرد کرنا) پر دعا کرنے کو ترجیح دیتا ہے۔ کیونکہ بعض علماء کرام کا یہ کہنا کہ دعا کا ترک کرنا اور قضاء کی اتباع کرنا افضل ہے۔

یعنی اپنا معاملہ اللہ عزوجل کے سپرد کر دینا اور اس کے حق میں جو لکھا گیا ہے اس کی اتباع کرنا اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے سے افضل ہے۔

انہوں نے اس آیت مبارکہ کے آخر: "ان الذین یستکبرون عن عبادتی" سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ یہاں دعا سے مراد عبادت ہے۔ اس کی دلیل حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔

عن نعمان بن بشیر قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یقول "الدعاء ھو العبادۃ" ثم قال۝ وقال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سید خلون جھنم داخرین"۝

(مستدرک للحاکم، جلد دوئم، ص: 159، ترمذی شریف، حدیث: 3247، 3372، مسند احمد، جلد 4، ص: 271، مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 10، ص: 200، المعجم الصغیر للطبرانی، جلد دوئم، ص: 97)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا۔ دعاء وہ عبادت ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔ اور تمہارے رب نے فرمایا: مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا بے شک جو میری عبادت سے اونچے کھنچتے (تکبر کرتے) ہیں عنقریب جہنم میں جائیں گے ذلیل ہو کر۔

اور ابو عیسیٰ ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

چنانچہ ان کے نزدیک دعاء بمعنی عبادت ہے اور دعا کرنے سے دعا کا ترک کرنا اور قضاء کی اتباع کرنا افضل ہے۔

جواب:

جمہور نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ دعا ایک اعظم عبادت ہے اور اس کی دلیل یہ ہے:

عن عبدالرحمٰن یعمر ان ناسًا من اهل نجد اتو رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم وهو بعرفة فسالوه فامر منادیا ینادی ○ الحج عرفة ○

(ترمذی شریف، حدیث:889، ابوداؤد شریف، حدیث:1949، ابن ماجہ، حدیث:3015، نسائی شریف، حدیث:3019، سنن الکبریٰ للبیہقی، جلد5، ص:152-173، صحیح ابن خزیمہ، حدیث:2822، مستدرک للحاکم، حدیث:1746)

عبدالرحمٰن بن یعمر دیلی سے روایت ہے کہ اہل نجد سے کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور آپ میدان عرفات میں تشریف فرما تھے۔ تو انہوں نے وقوف میدان عرفات کے متعلق آپ سے سوال کیا۔ تو آپ نے منادی کو ندا کرنے کے لیے حکم دیا کہ وہ ندا کرے عرفات میں وقوف حج ہے۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وقوف عرفات کو حج کا معظم اور اس کا رکن اکبر قرار دیا تو اس طرح اس حدیث مبارک ''**الدعاء هو العبادة**'' میں دعا عبادت کا معظم جز ہے لہٰذا اس معظم جز کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبادت فرمایا۔ اور اس کی مؤید وہ حدیث ہے جس کو ترمذی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً تخریج کیا۔

وہ حدیث یہ ہے۔

عن ابان بن صالح عن انس بن مالك رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه و آله وسلم قال "الدعاء مخ العبادة"

(ترمذی شریف، حدیث:3371، ترغیب، جلد دوئم، ص:482، کنز العمال، حدیث:3114)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دعا عبادت کا مغز ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دعا اعظم عبادت میں سے ہے اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کو عبادت سے تعبیر فرمایا ہے۔

چنانچہ اس آیت مبارکہ ''**ان الذین یستکبرون عن عبادتی**'' کا معنی یہ ہوا جو لوگ مجھ سے دعا کرنے دعا مانگنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب دوزخ میں داخل ہوں گے۔ ذلیل وخوار ہو کر۔

لہٰذا اس آیۂ کریم میں عبادت بمعنی دعا ہے کیونکہ دعا ایک اعظم عبادت ہے۔ اور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دعا میں ترغیب اور اس پر برانگیختہ کرنے کے متعلق آثار واحادیث وارد ہوئی ہیں۔

(1) عن سعید بن ابی الحسن عن ابی هریرة رضی الله عنه قال . قال رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم لیس شیئ اکرم علی الله من الدعاء○

(مستدرک للحاکم، حدیث:1844، "وقال ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ"، ترمذی شریف، حدیث:3370، ابن ماجہ شریف، حدیث:3829، صحیح ابن حبان حدیث:867، ادب المفرد للبخاری، حدیث:712)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جل ذکرہ کے نزدیک دعا سے کوئی چیز مکرم نہیں ہے۔

(2) عن قتادہ عن سعید بن ابی الحسن عن ابی ھریرہ رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله علیه و آلہٖ وسلم ○ قال اشرف العبادة الدعاء○ (ادب المفرد للبخاری، حدیث:713)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اشرف عبادت دعا کرنا ہے۔

(3) عن عطاء عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت سئل النبی صلی الله علیه و آلہٖ وسلم ای العبادة افضل○ قال دعاء المرء لنفسه○

(ادب المفرد للبخاری، حدیث:715، مستدرک للحاکم، حدیث:2036، مسند بزار حدیث:2149)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دریافت کیا گیا کونسی عبادت افضل ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: آدمی کا اپنے لیے دعا کرنا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی احادیث سے ثابت ہوا دعا افضل واشرف عبادت ہے۔ اس لیے اللہ عزوجل نے فرمایا: جو لوگ مجھ سے دعا کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب جہنم میں داخل ہوں گے ذلیل وخوار ہو کر۔

معلوم ہوا حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً حدیث کا معنی یہ ہے کہ دعا افضل عبادت ہے۔

(4) عن ابی ھریرة رضی الله عنه قال . قال رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم من لا یسئال الله یغضب علیه○

(ابن ماجہ شریف، حدیث:3827، ترمذی شریف، حدیث:3367، ادب المفرد للبخاری، حدیث:658، مسند احمد، جلد دوئم، ص:442، مستدرک للحاکم، حدیث:1849)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ جو اللہ عزوجل سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوتا ہے۔

طیبی نے کہا حدیث کا معنی یہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا وہ مبغوض ہے۔ اور جو مبغوض ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سوال کرنے کو پسند فرماتا ہے۔

(5) عن ابی الاحوص عن عبداللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سلو اللہ من فضلہ۝ فان اللہ عزوجل یحب ان یسال۝

(ترمذی شریف،حدیث:3571،معجم کبیر للطبرانی،حدیث:10088)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔انہوں نے کہارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل کا فضل مانگو۔اللہ عزوجل سوال کرنے کو پسند فرماتا ہے۔

(6) عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم الدعاء ینفع مما نزل و ممالم ینزل فعلیکم عباد اللہ بالدعاء۝

(مستدرک للحاکم،حدیث:1858،ترمذی شریف،:3548)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔انہوں نے کہارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو مصائب وبلیات نازل ہوئی ہیں یانہیں نازل ہوئیں،اس کے لیے دعانافع ہے۔اے اللہ کے بندو! دعا کولازم پکڑو۔

یعنی دعا کو کسی حالت میں بھی ترک نہ کرو کیونکہ دعانافع ہے۔حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے لیکن شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی۔

(7) عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت ۝قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان اللہ یحب الملمین فی الدعاء۝

(تفسیر درمنثور، جز5،ص:356، دارالفکر بیروت، جمع الجوامع للسیوطی حدیث:5208،مطبوعہ مجمع البحوث، الضعفاء فی الکامل للعدی، جلد 7، حدیث:2621،مطبوعہ دارالفکر بیروت)

ام المومنین حضرعائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔انہوں نے کہارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ جل ذکرہ دعا میں اصرار کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔چنانچہ ان تمام احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ دعا کرنا ایک عبادت ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ سے نہ سوال کرنے والوں پر اللہ عزوجل ناراض ہوتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ سوال کرنے کو پسند فرماتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا کرنے سے کوئی چیز بھی مکرم نہیں ہے۔اس لیے اس آیہ مبارکہ ''عن عبادتی '' سے مراد دعا ہے یعنی جولوگ مجھ سے دعا کرنے سے تکبر کرتے ہیں وہ عنقریب ذلیل ہوکر جہنم میں داخل ہوں گے۔

علامہ شیخ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس آیہ کریمہ میں ''عن عبادتی '' کو ظاہر پر حمل کرنا اولیٰ ہے۔اور وجہ ربط یہ ہے دعا عبادت سے بھی اخص ہے چنانچہ جس نے عبادت سے تکبر کیا اس نے دعا سے بھی تکبر کیا تو اس بناء پر وعید

صرف اس شخص کے حق میں ہے۔ جس نے تکبر کرتے ہوئے دعا کو ترک کیا۔ اور جس نے ایسا کیا اس نے کفر کیا۔

(فتح الباری، جلد 11، ص: 94-95، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا اور نماز کے بعد دعا کرنا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح بخاری شریف میں ایک باب قائم فرمایا:

23- باب رفع الایدی فی الدعاء:

وقال ابو موسیٰ الاشعری دعا النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ثم رفع یدیہ ورایت بیاض ابطیہ○

وقال ابن عمر رفع النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم یدیہ وقال اللھم انی ابرأ الیك مما صنع خالد○ (کتاب الدعوات باب 23)

باب: دعا میں ہاتھ اٹھانے کی مشروعیت کے بیان میں

حضرت ابوموسیٰ (عبداللہ بن قیس) اشعری رضی اللہ عنہ نے کہا ابو عامر حضرت ابوموسیٰ کے چچا کی شہادت کے وقت) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعا فرمائی اور اپنے دونوں ہاتھ مبارکہ کو بلند فرمایا۔ یعنی ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

یہ حدیث بخاری شریف غزوۂ اوطاس میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور فرمایا اے اللہ میں بیزار ہوں جو حضرت خالد بن ولید نے کیا۔

یہ حدیث کتاب الغزوات، غزوۂ ابن جذیمہ میں دیکھیں یہ غزوہ ''باب'' ''السریۃ التی قبل نجو'' کے بعد ہے۔

اس باب کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیث تخریج فرمائی۔ وہ یہ ہے:

عن یحی بن سعید وشریك سمعا انسا عن النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم رفع یدیہ حتی رأیت بیاض ابطیہ○ (بخاری شریف، کتاب الغزوات، حدیث: 6341)

یحییٰ بن سعید انصاری اور شریک بن ابی نمر دونوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کرتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ مبارکہ کو اٹھایا حتیٰ کہ میں نے آپ کے دونوں بغل شریف کی سفیدی دیکھی۔

یہ پوری حدیث کتاب الاستسقاء میں دیکھیں۔

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ حدیث جو انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور پہلی دونوں

احادیث معلقہ یہ اس شخص کے لیے رد ہے جو کہتا ہے سوائے استسقاء کے اصلاً دعا کے لیے ہاتھ نہیں اٹھانے چاہئے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الادب المفرد" میں ایک باب قائم کیاہے باب رفع الایدی فی الدعا: یعنی دعا میں دونوں ہاتھ اٹھانے کے بیان میں۔

امام بخاری نے اس کے ماتحت چند احادیث نقل فرمائیں:

(1) عن ابی نعیم ○ وهو وهب ○ قال رایت ابن عمر وابن الزبیر یدعوان یدیران بالراحقین علی الوجه○ (ادب المفرد، ص:159، حدیث:609، مکتبه اثریه سانگله هل)

ابونعیم سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں نے حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھا کہ وہ ہاتھ اٹھا کر دعا فرماتے پھر دونوں ہاتھ کے ہتھیلیوں کو اپنے منہ پر پھیرتے۔

(2) عن عکرمه عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها "زعم انه سمعه منها" انها رات النبی صلی الله علیه و آله وسلم یدعو رافعا یدیه یقول انما انا بشر○ الخ

(مسند ابویعلیٰ ،حدیث:4605،ادب المفرد،حدیث:610،مسلم شریف کتاب البر والصلۃ ،والآداب)

عکرمہ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہانے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے دونوں دست مبارک اٹھائے ہوئے دعا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اپنی دعا میں فرماتے: میں ایک بشر ہی ہوں۔ اے اللہ میرا مواخذہ نہ فرمانا۔ مومنین میں سے جس شخص کو بھی میں نے اذیت دی ہو یا کوئی برا بھلا کہا ہو تو اس کے متعلق میرا مواخذہ نہ فرمانا۔ (مصنف عبدالرزاق ،حدیث:3248)

(3) عن ابی هریره رضی الله عنه قال قدم الطفیل بن عمرو الدوسی علی رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم فقال یا رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم ان دوساً قد عصت وابت فادع الله علیها○ الخ (ادب المفرد،حدیث:611،بخاری شریف ،کتاب الجہاد، مسلم شریف کتاب فضائل صحابہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا طفیل بن عمرو دوسی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبیلہ دوس نے نافرمانی کی ہے اور انکار کر دیا ہے۔ آپ اللہ عزوجل سے ان کے لیے بددعا فرمائیں۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبلہ کی طرف رخ فرمایا اور اپنے دونوں ہاتھ مبارکہ کو بلند فرمایا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا لوگوں نے گمان کیا کہ آپ ان کے لیے بددعا فرمائیں گے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی۔ اے اللہ! دوس کو ہدایت عطا فرما اور ان کو میرے پاس حاضر فرما۔

(4) عن جابر بن عبداللہ ان الطفیل بن عمرو قال للنبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ھل لک فی حصن رمنحۃ؟ حصن دوس ○ قال فامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ○ الخ

(ادب المفرد حدیث: 614، مسلم شریف کتاب الایمان، مسند ابو یعلی حدیث: 2179)

حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ طفیل بن عمرو دوسی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیا دوس کے قلعوں میں سے ہتھیار یا مال غنیمت کی کوئی ضرورت ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انکار فرمادیا۔ جب اللہ عزوجل نے انصار کو کچھ اشیاء کا ذخیرہ عطا فرمایا۔ تو طفیل بن عمرو دوس نے ہجرت کی اور ان کے ساتھ ایک آدمی نے بھی ہجرت کی جو کہ ان کی قوم میں سے تھا۔ وہ آدمی بیمار ہوا اور اس کا دل تنگ ہوا۔ تو وہ ایک سینگ کی طرف لپکا اور اس کا چوڑا حصہ لیا اور اس سے اپنا گلا کاٹ دیا۔ اور وہ مرگیا۔ چنانچہ طفیل بن عمرو دوسی نے خواب میں اس کو دیکھا اور کہا تیرے ساتھ کیا ہوا ہے۔ اس نے جواب دیا اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کی وجہ سے بخش دیا ہے۔ عمرو دوسی نے کہا تیرے ہاتھوں کی کیا شان ہے (یعنی ان کا کیا حال ہے اس شخص نے کہا۔ کہا گیا کہ جو تیرے ہاتھوں نے فساد کیا اس کی ہم اصلاح نہیں کریں گے۔ جابر بن عبداللہ نے کہا۔ یہ قصہ طفیل بن عمرو نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور بیان کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے عرض کیا ''اللھم ولیدیہ فاغفر'' ورفع یدیہ۔ یعنی آپ نے اپنے دونوں دست مبارکہ کو بلند کیا اور عرض کیا اے میرے رب تو اس کے دونوں ہاتھوں کو بخش دے۔

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

(5) ابومعاویۃ عن ھشام بن عروۃ بھذاالاسناد وزاد ثم قال اما بعد فان الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ وزادایضاً ○ ثم رفع یدیہ فقال اللھم ھل بلغت ○

(مسلم شریف بمعہ نووی، جلد اول، ص: 296، اصح المطابع وکارخانہ کتب دہلی، 1349)

ابومعاویہ نے ہشام بن عروہ سے اسی اسناد کے ساتھ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا۔ اور یہ اضافہ کیا امابعد۔ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں۔ اور اس حدیث کسوف میں یہ بھی اضافہ کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعا کے لیے اپنے دونوں دست مبارک بلند فرمائے اور عرض کیا اے میرے مولا! کیا جس پر میں مامور ہوں اس کو میں نے لوگوں تک پہنچا دیا۔

(6) عن عبدالرحمٰن بن سمرۃ وکان من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (الی ان قال) قال فاتیتہ وھو قائم فی الصلوٰۃ رافع یدیہ فجعل یسبح ○ ویحمد ○ ویھلل ویکبر ویدعو حتی

حسرء نہاہ (مسلم شریف بمعہ نووی، جلد اوّل، ص: 299)

حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحاب میں سے تھے۔ (وہ کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات مبارکہ میں کسوف شمس ہوا تو میں دیکھنے کے لیے آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کے متعلق کیا کرتے ہیں) انہوں نے کہا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور آپ نماز میں کھڑے ہاتھ اٹھائے ہوئے۔ تسبیح، تمہید و تھلیل اور تکبیر پڑھ رہے تھے اور دعا فرما رہے تھے۔ حتیٰ کہ سورج روشن ہو گیا۔

اس حدیث کے ماتحت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اس حدیث مبارک میں ان لوگوں پر رد ہے جو کہتے ہیں نماز کے بعد دعا کے لیے ہاتھ نہ اٹھائے جائیں۔ تو اس حدیث مبارک سے ثابت ہوا کہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا چاہیے۔

(7) عن عبدالرحمٰن بن عبدالقاری ٥ قال سمعت عمر بن الخطاب صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم یقول ٥ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اذ انزل علیہ الوحی سمع عند وجھہ کدوی النحل فانزل علیہ یوما فمکثنا ساعۃ فسری عنہ فاستقبل القبلۃ ورفع یدیہ ٥ الخ

(ترمذی شریف تفسیر سورہ مومن، حدیث: 3173، المستدرک للحاکم، جلد دوئم، ص: 225، حدیث: 2004، مسند بزار حدیث: 301)

عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر وحی نازل ہوئی تو آپ کے پاس شہد کی مکھی جیسی بھنبھناہٹ سنی جاتی۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر وحی نازل کی گئی تو ہم آپ کے پاس تھوڑی دیر کے لیے ٹھہر گئے۔ جب وحی کا سلسلہ ختم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قبلہ کی طرف رخ فرمایا اور دعا کے لیے اپنے دونوں دست مبارک بلند فرمائے۔

یہ وہ احادیث تھیں جن کی طرف حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ فرمایا میں نے وہ احادیث بمع حوالہ نقل کیں ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں سوائے استسقاء کے دعا کے لیے ہاتھ نہیں اٹھانے چاہیے۔ یہ غلط ہے بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مطلقاً دعا کے لیے اپنے دست مبارک بلند فرمائے۔ اس لیے امام نووی نے بھی فرمایا کہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا صحیح و ثابت ہے۔ اور یہ احادیث ان لوگوں کا رد ہیں جو کہتے ہیں نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا نہیں کرنی چاہیے۔ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کے متعلق احادیث بے شمار ہیں جن میں سے کچھ آپ کی خدمت میں پیش کی ہیں اور کچھ احادیث دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے کے متعلق پیش کر رہا ہوں۔ اللہ عزوجل قبول فرمائے۔ آمین

(8) عن سلمان الفارسی عن النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم قال ان اللہ حی کریم یستحی

من عبده ان يبسط اليه يديه ثم يردهما خائبين ○

(مستدرک للحاکم، جلد دوئم، ص: 170، حدیث: 1874، ایضاً، ص: 226، حدیث: 2005، معجم کبیر للطبرانی، جلد 6، ص: 252، حدیث: 6130، صحیح ابن حبان، جلد دوئم، ص: 119، حدیث: 873، مصنف عبدالرزاق، جلد دوئم، ص: 251، حدیث: 3250، ترمذی شریف، حدیث: 3556، ابن ماجہ شریف، حدیث: 3865، ابوداؤد شریف، حدیث: 1488)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا۔ آپ نے فرمایا: اللہ عزوجل ہمیشہ زندہ رہنے والا کریم ہے وہ اپنے بندہ سے اس بات پر حیا فرماتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہاتھ پھیلائے پھر وہ ان کے دونوں ہاتھوں کو اجابت سے محروم وخالی واپس لوٹائے۔

یہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث تھی اور یہ حدیث آپ سے موقوفاً بھی مروی ہے۔

(9) عن سلمان الفارسی قال ان الله يستحي ان يبسط اليه عبده يديه يسأله بهما فيردهما خائبين ○ (مصنف ابن ابی شیبه، جلد 10، ص: 340، مستدرك للحاكم، حديث: 1873)

حضرت سلمان فارسی سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جل ذکرہ حیاء فرماتا ہے کہ اس کا بندہ اس کے حضور ہاتھ پھیلائے۔ اور ہاتھ پھیلانے کے سبب وہ اس سے خیر طلب کرے اور وہ اس کے دونوں ہاتھوں کو محروم وخالی واپس لوٹائے۔

(10) عن انس بن مالك رضی الله عنه قال ○ قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ان الله رحيم حيّ كريم يستحي من عبده ان يرفع اليه يديه ثم لايضع فيهما خيراً ○

(مصنف عبدالرزاق، حدیث: 3250، شرح السنہ للبغوی، حدیث: 1386، مستدرک للحاکم، حدیث: 1875)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ رحیم ہے ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے کریم ہے وہ اپنے بندہ سے حیاء کرتا ہے کہ اس کا بندہ اس کی طرف ہاتھ اٹھائے پھر وہ اس بندہ کے ہاتھوں میں خیر نہ رکھے۔

(11) عن ابن عباس رضی الله عنهما قال ○ قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم اذا سالتم الله فاسئلوه ببطون اكفكم ولا تسئلوه بظهورها وامسحوا بها وجوهكم ○

(مستدرک للحاکم، حدیث: 2011، معجم کبیر للطبرانی، حدیث: 10779، ابن ماجہ شریف، حدیث: 1181-3866)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب بھی تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو تم اپنی ہتھیلیوں کے باطن سے سوال کرو اور ہتھیلیوں کی پشت سے سوال نہ کرو۔ اور اپنے ہاتھوں کو اپنے منہ پر ملو۔ یعنی دعا کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں کو منہ پر پھیرو۔

(12) عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه قال ○ كان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم

اذارفع یدیہ ○ فی الدعاء لم یحطھما حتی یمسح بھما وجھہ ○

(مسند بزار، حدیث: 129، ترمذی شریف، حدیث: 3386، مستدرک للحاکم، حدیث: 2010)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دعا میں اپنے دونوں دست مبارک بلند فرماتے۔ تو ان کو نیچے نہ کرتے حتیٰ کہ ان دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرۂ اقدس پر مس فرماتے۔

(13) عن ابی قلابہ عن ابی محریز قال ○ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذا سألتم اللہ فاسئلوہ ببطون اکفکم ولا تسألوہ بظھورھا ○

(مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 10، ص 286، حدیث: 9455)

ابومحریز سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو اپنی ہتھیلیوں کے باطن سے سوال کرو۔ اپنی ہتھیلیوں کے پشت سے سوال نہ کرو۔

(14) عن معمر عن الزھری قال ○ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یرفع یدیہ عند صدرہ فی الدعاء ثم یمسح بھما وجھہ ○ عبدالرزاق وربما رأیت معمراً یفعلہ وأنا افعلہ

(مصنف عبدالرزاق، حدیث: 3234، 3256)

امام زہری سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا میں اپنے سینہ مبارک تک اپنے دونوں دست مبارک بلند فرماتے پھر ان دونوں کو اپنے چہرہ پرنور پر ملتے۔ عبدالرزاق نے کہا میں نے معمر بن راشد کو بہت دفعہ ایسے کرتے ہوئے دیکھا تو میں بھی ایسا ہی کرتا ہوں۔

(15) عن ابی بردۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعا علی رجلین فرفع یدیہ ○ (مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث: 9724)

حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو مردوں کے حق میں بددعا فرمائی۔ تو آپ نے اپنے دونوں دست مبارک بلند فرمائے۔

(16) عن شعبہ عن ثابت عن انس رضی اللہ عنہ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یرفع یدیہ فی الدعاء حتی یری بیاض ابطیہ ○

(صحیح ابن حبان، حدیث: 874، مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث: 9727)

ثابت بنانی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ دعا میں اپنے دونوں دست مبارک اٹھاتے۔ حتیٰ کہ آپ کے بغل شریف کی سفیدی دیکھی

جاتی۔

(17) عن عمر و بن دینار انه سمع طاووساً یقول ○ دعا النبی صلی الله علیه و آله وسلم علی قوم فرفع یدیه○فاشارلی عمرو فنصب یدیه○جداً فی السماء فجالت الناقة فامسکها باحدی یدیه و الاخری قائمة فی السماء○ (مصنف عبدالرزاق، حدیث:3233)

عمرو بن دینار سے روایت ہے کہ انہوں نے طاووس بن کیسان کو کہتے ہوئے سنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ لوگوں پر بددعا فرمائی تو آپ نے دونوں دست مبارکہ بلند فرمائے۔ ابن جریج فرماتے ہیں: حضرت عمرو بن دینار نے مجھے اشارہ فرمایا اور (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں دست مبارکہ اٹھانے کی کیفیت بیان کرتے ہوئے) اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف نہایت بلند اٹھائے۔ تو حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کی اونٹنی بھاگنے لگی تو انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ کے ساتھ اس کو روکا اور دوسرا ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے رکھا۔

(18) عن مالك بن یسار السکونی ثم العوفی ان رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم قال○ اذا سالتم الله فسلوه ببطون اکفکم ولا تسالوه بظهورها○ (ابوداؤد شریف، حدیث:1485)

حضرت مالک بن یسار سکونی عوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم اللہ عزوجل سے سوال کرو تو اپنی ہتھیلیوں کے باطن سے سوال کرو۔ اپنی ہتھیلیوں کے پشت سے سوال نہ کرو۔

(19) عن یحی بن سعید ان ابن عمر رضی الله عنهما کان یبسط یدیه مع العاص و ذکروا ان من مضی کانوایدعون ثم یردون ایدیهم علی وجوههم لیر دوالدعاء والبرکة قال عبدالرزاق رأیت انا معمراً یدعو بیدیه عند صدره ثم یرد یدیه فیمسح وجهه○

(مصنف عبدالرزاق، حدیث:3256)

یحیٰ بن سعید سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے مطیع بن اسود کے ساتھ اپنے دست دعا دراز فرماتے۔ اور انہوں نے ذکر کیا کہ جو لوگ ہم سے پہلے گزر گئے ہیں وہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے پھر اپنے ہاتھوں کو اپنے چہروں پر لوٹاتے۔ تاکہ وہ دعا اور برکت کو واپس چہروں کی طرف لوٹائیں۔ عبدالرزاق نے کہا میں نے معمر بن راشد کو دیکھا وہ اپنے سینہ کے برابر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے پھر وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو واپس لوٹاتے اور اپنے چہرہ پر پھیرتے۔

(20) عن ابی هریرة قال○ جاء رجل الی رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم فذکر دوساً فقال انهم .... فذکر رجالهم ونساء هم فرفع النبی صلی الله علیه و آله وسلم یدیه فقال

الرجل "انا لله وانا اليه راجعون" هلكت الدوس ورب الكعبة فرفع النبی صلی الله علیه وآله وسلم یدیه وقال اللهم اهد دوساً ٥ (صحیح ابن حبان، حدیث: 976)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور ایک شخص آیا اور قبیلہ دوس کا ذکر کیا اور کہا انہوں نے نافرمانی کرنا شروع کر دی اور قبیلہ دوس کے مردوں اور عورتوں کا ذکر کیا۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کے لیے اپنے دونوں دست مبارک بلند فرمائے۔ اس شخص نے کہا "انا لله وانا اليه راجعون" رب کعبہ کی قسم قبیلۂ دوس ہلاک ہو گیا۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کے لیے اپنے دونوں دست مبارک اٹھائے اور عرض کیا اے اللہ! دوس کو ہدایت عطا فرما۔

بحمده تعالیٰ: میں نے جو بیس 20 آثار و احادیث مبارکہ پیش کی ہیں ان سے روز روشن کی طرح ثابت و واضح ہے کہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھانے چاہیں کیونکہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھانا دعا کے آداب میں سے ہے۔

شمس الدین ابو الخیر محمد بن محمد بن محمد جزری دمشقی شافعی متوفی 833ھ اپنی کتاب مستطاب "الحصن والحصلین" میں فرماتے ہیں۔

آداب دعا میں سے ہے کہ دونوں ہاتھوں کا پھیلانا اور ان کو بلند کرنا اور دونوں ہاتھوں کا مونڈھوں تک اٹھانا سنت ہے۔

اور اسی صفحہ کے حاشیہ نمبر 2 پر ہے۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ دعا میں ہاتھ اٹھانا سنت ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرفات میں متضرع و مسکین کی طرح دونوں دست مبارک کو پھیلا کر دعا فرماتے تھے۔ (الحصن والحصین، ص: 22-23، مطبوعہ مطبع انوار محمد لکھنؤ، 1287ھ)

اربعين فيضيه فى الدعوات بعد الصلوٰة

نماز کے بعد دعا کرنے کا ثبوت:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک باب قائم کیا ہے۔

18- باب الدعاء بعد الصلوٰة ٥

یہ باب نماز کے بعد دعا کرنے کی مشروعیت کے بیان میں:

(1) عن ابی هريرة ٥ قالوا یا رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم قد ذهب اهل الدثور بالدرجات والنعيم المقيم ٥ قال كيف ذاك قال صلوا كما صلينا وجاهد وكما جاهدنا وانفقوا من فضول اموالهم ٥ وليست لنا اموال قال افلا اخبركم بأمر تدركون من كان قبلكم وتسبقون من جاء بعدكم ولايأتی احد بمثل ماجئتم به الامن جاء بمثله ٥ تسبحون فی دبر

کل صلوۃ عشراً وتحمدون عشراً وتکبرون عشراً ۔

(بخاری شریف، کتاب الدعوات، باب 18، حدیث 6329)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فقراء مہاجرین نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال دار لوگ درجات (جنت میں مراتب) اور نہ منقطع ہونے والی نعمتیں لے گئے۔ آپ نے فرمایا: وہ کس طرح؟ فقراء مہاجرین میں سے کسی نے عرض کیا وہ نمازیں پڑھتے ہیں جیسے ہم نمازیں پڑھتے ہیں۔ وہ جہاد کرتے ہیں جیسے ہم جہاد کرتے ہیں۔ اور وہ فاضل اموال میں سے خرچ کرتے ہیں اور ہمارے پاس مال نہیں (جو ہم خرچ کریں) آپ نے فرمایا: جب تم یہ کہتے ہو تو کیا تمہیں ایسے امر کی خبر نہ دوں جس کے باعث تم اس شخص کو پالو گے جو تم سے پہلے گزر چکا (یعنی اس امت سے پہلے جو گزر چکا اس کے خرچ کرنے کا ثواب پالو گے) اور جو مالدار تم سے بعد آئے گا اس پر تم سبقت لے جاؤ گے جو تمہاری مثل نہ کرسکے ہاں جو اس کی مثل کرسکے اس کی بات دوسری ہے تم ہر نماز کے بعد دس بار "سبحان اللہ" کہو۔ دس بار "الحمد للہ" کہو اور دس بار "اللہ اکبر" کہو۔

اور ابن عجلان کی سمی اور رجاء بن حیوۃ سے روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں 33 بار "سبحان اللہ" 33 بار "الحمد للہ" اور 34 بار "اللہ اکبر" آیا ہے۔

عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے رواۃ میں عدد مذکور میں زیادہ اور نقصان میں اختلاف آیا ہے تو اگر ان کے درمیان جمع ممکن ہوسکے تو بہتر ورنہ راجح قول پر عمل کیا جائے۔ اور اگر اس میں بھی وہ برابر ہوں تو زیادہ کی روایت مقدم ہے۔ چنانچہ جس روایت میں تسبیح، تحمید اور تکبیر کی تعداد زیادہ ہے وہ حدیث مقدم ہے لہٰذا اس پر امت کا عمل چلا آرہا ہے کہ وہ ہر نماز کے بعد 33 بار "سبحان اللہ"، 33 بار "الحمد للہ" اور 34 بار "اللہ اکبر" پڑھتے ہیں یہی صحیح اور درست ہے۔

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ علامہ ابن قیم نے "الھدیٰ النبوی" میں کہا ہے۔ نماز سے سلام کے بعد قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کرنا امام ہو خواہ منفرد یا مقتدی یہ اصلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت میں سے نہیں ہے۔ اور نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باسناد صحیح اور نہ ہی باسناد حسن کوئی حدیث مروی ہے۔ اور بعض نے ان میں سے دو نمازیں مخصوص کی ہیں۔ نماز فجر اور نماز عصر۔ اور نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے بعد قبلہ رخ ہو کر دعا فرمائی اور نہ ہی آپ کے بعد آپ کے خلفاء نے یہ کام کیا اور نہ ہی امت کو اس کی طرف رہنمائی فرمائی۔ اور یہ صرف استحسان ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء کے بعد سنت کے عوض اس دعا کو جس نے دیکھا بطور استحسان دیکھا ہے۔ اور عام دعائیں جو کہ نماز کے متعلقہ ہیں وہ صرف نماز میں ہی ادا کی جاتی ہیں اور نماز میں یہی ان کے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں جو علامہ ابن قیم نے اس کی مطلقاً نفی کی ہے یہ مردود ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: اے معاذ! بخدا میں تجھے محبوب سمجھتا ہوں۔ تم ہر نماز کے بعد اس دعا کو ترک نہ کرو اور وہ دعا یہ ہے۔

(2) اللهم اعنی علی ذکرك وشكرك وحسن عبادتك o

(صحیح ابن خزیمہ، جلد اول، حدیث: 751، مسند بزار، جلد 5، ص: 438، حدیث: 2075، ابوداؤد شریف، حدیث: 1522، نسائی شریف، حدیث: 1304، مستدرک للحاکم، جلد اول، ص: 561، حدیث: 1048، صحیح ابن حبان، جز سوئم، ص: 233، حدیث: 2017، ادب المفرد للبخاری، ص: 178، حدیث: 690، مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 10، ص: 427، حدیث: 9874)

اے اللہ اپنے ذکر، شکر اور اچھی عبادت پر میری مدد فرما۔

(3) عن مسلم بن ابی بکرة عن ابی بکرة قال o سمعت رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم یقول o اللهم انی اعوذبك من الكفر والفقر وعذاب القبر o وكان النبی صلی الله علیه وآله وسلم یدعوبهن دبر كل صلوٰة o

(مستدرک للحاکم، جلد اوّل، ص: 195، حدیث: 106، مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 10، ص: 190، حدیث: 9187، ترمذی شریف، حدیث: 3503، صحیح ابن حبان، جلد دوئم، ص: 183، حدیث: 1024، نسائی شریف، حدیث: 1348، مسند بزار، جلد 9، حدیث: 3675)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا۔ اے اللہ میں تجھ سے کفر، فقر اور عذاب قبر سے پناہ مانگتا ہوں۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نماز کے بعد ان کلمات سے دعا فرماتے تھے۔

(4) عن زید بن ارقم قال سمعت نبی الله صلی الله علیه وآله وسلم یقول o وقال سلیمان كان رسول الله یقول فی دبر صلوته اللهم ربنا ورب كل شیئ انا شهید انك انت الرب وحدك لا شریك لك o اللهم ربنا ورب كل شیئ انا شهید ان محمداً عبدك ورسولك o اللهم ربنا ورب كل شیئ انا شهید ان العباد كلهم اخوة o اللهم ربنا ورب كل شیئ اجعلنی مخلصاً لك واهلی فی كل ساعة فی الدنیا والآخرة o یا ذاالجلال والاكرام اسمع واستجب الله اكبر الاكبر o الله نور السموات ولارض الله اكبر الاكبر حسبی الله ونعم الوكیل الله اكبر الاكبر o

(ابوداؤد شریف، حدیث: 1508، عمل الیوم واللیلۃ للسنی، ص: 49، حدیث: 113، مکتبہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا۔ سلیمان بن داؤد کی روایت میں ہے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ دعا فرماتے تھے۔ اے اللہ! ہمارے ربّ اور ہر چیز کے رب! میں گواہ ہوں تو رب ہے وحدہ لاشریک

ہے اے اللہ! ہمارے ربّ اور ہر چیز کے رب! میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اے اللہ! ہمارے ربّ اور ہر چیز کے رب! میں گواہ ہوں کہ سب بندے باہم بھائی بھائی ہیں۔ اے اللہ! ہمارے ربّ اور ہر چیز کے رب! اے اللہ دنیا وآخرت میں ہر وقت مجھے اور میری اہل کو اپنا مخلص بنا۔ اے ذوالجلال والاکرام میری دعا کو سن اور قبول فرما۔ اللہ سب بڑوں سے بڑا ہے۔ اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔ اللہ سب بڑوں سے بڑا ہے۔ مجھے اللہ کافی ہے اور بہت اچھا ساز گار۔ اللہ سب بڑوں سے بڑا ہے۔

(5) موسى بن عقبة عن عطاء بن ابى مروان عن ابيه ○ ان كعباً حلف بالذى فلق البحر لموسىٰ انا نجد فى الكتاب ان داؤد عليه السلام كان اذا انصرف من الصلوٰة قال○ اللهم اصلح لى دينى الذى جعلته لى عصمة امرى○ واصلح لى دنيايى التى جعلت فيها معاشى○ اللهم انى آعوذبك برضاك من سخطك وبعفوك من نقمتك واعوذبك منك ○ اللهم لا مانع لما اعطيت ولا معطى لما منعت ولا ينفع ذالجد منك الجد وحدثنى كعب ان صهيباً حدثه ان رسول الله صلى الله عليه وآلہٖ وسلم كان يقولهن عند انصرافه من صلوته○

(صحیح ابن خزیمہ، جلد اول، حدیث: 745، صحیح ابن حبان، جز سوئم، ص: 238، حدیث: 2024، نسائی شریف، حدیث: 1347، عمل الیوم واللیلۃ للسنی، ص: 172، حدیث: 516، حلیۃ الاولیاء، جلد 6، ص: 46، مطبوعہ دار الفکر، مسند بزار، جلد 6، ص: 22، حدیث: 2092

کعب الاحبار نے اس ذات کی قسم کھا کر کہا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے سمندر کو پھاڑا۔ کہ ہم کتاب (تورات) میں پاتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت داؤد علیہ السلام جب نماز سے فارغ ہوتے تو یہ دعا فرماتے۔

(وہ دعا حدیث میں مذکور ہے) ابو مروان نے بیان کیا کہ مجھ سے کعب الاحبار نے بیان کیا کہ صہیب نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا فرماتے تھے۔

حافظ ابو نعیم نے اس حدیث کے آخر میں لکھا ہے کہ جیاد احادیث میں سے یہ ایک جید حدیث ہے۔

یہ وہ احادیث مبارکہ تھیں جن کی طرف حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا میں نے ان احادیث مبارکہ کی تخریج کر کے بمعہ حوالہ نقل کیں ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علامہ ابن قیم نے جو لکھا ہے کہ نماز کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے باسناد صحیح و حسن کوئی حدیث مروی نہیں۔ حافظ عسقلانی یہ احادیث مبارکہ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں اس معاملہ میں علامہ ابن قیم کا قول مردود ہے۔ پھر فرماتے ہیں اگر کوئی یہ کہے کہ "دبر کل صلوۃ" یعنی ہر نماز کے بعد سے مراد آخر نماز کے قریب ہے یعنی تشہد کے بعد۔ حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہر نماز کے بعد ذکر

کرنے کا حکم وارد ہوا ہے اور اجماعاً اس سے مراد سلام پھیرنے کے بعد دعا کرنا مراد ہے۔ اور یہ اسی طرح ہی ہے جب تک کہ اس کا مخالف ثابت نہ ہو۔ (فتح الباری شرح صحیح بخاری، جلد 11، ص:133)

ضروری نوٹ:

اس کے بعد جو احادیث مبارکہ نماز کے بعد دعا کرنے کے ثبوت میں پیش کر رہا ہوں ان میں جو دعا منقول ہوگی اس کا ترجمہ نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ ہر دعا کا ترجمہ کرنے سے کتاب کی ضخامت بڑھ جائے گی۔ ویسے بھی دعا وہی مقبول ہوتی ہے جو اصل ہو اور انہی الفاظ سے وہ دعا کی جائے۔ چنانچہ حضرات علماء کرام تو ان سے واقف ہیں اور جو لوگ عربی زبان میں کماحقہ نہیں پڑھ سکتے وہ اپنے علاقہ کے حضرات علماء کرام سے اس دعا کے متعلق رجوع کریں اور ان سے یہ دعا سیکھیں۔ واللہ الموفق للصواب۔

(6) عن المسیب بن رافع عن دراد مولی المغیرة بن شعبة ۞ قال کتب المغیرة الی معاویة بن ابی سفیان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان یقول فی دبر کل صلوٰة اذا سلم ۞
لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیئ قدیر ۞ اللھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذالجدمنک الجد ۞

(مسند بزار، جلد 11، ص:66، حدیث:4765، بخاری شریف، حدیث:6330، مسلم شریف بمعہ نووی، جلد اول، ص:218، صحیح ابن حبان، جز سوئم، ص:228، حدیث:2004، ابوداؤد شریف، حدیث:1505، عمل الیوم واللیلہ للسنی، ص:49، حدیث:114، مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 10، ص:231، حدیث:9309، مصنف عبدالرزاق، جلد دوئم، ص:244، حدیث:3224، صحیح ابن خزیمہ، جلد اول، ص:365، حدیث:742)

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام دراد نے کہا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کی طرف لکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نماز کے بعد جب سلام پھیرتے تو یہ دعا فرماتے: لا الٰہ الا اللہ ۞ الخ

(7) عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلی عن صھیب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان ایام خیبر یحرك شفتیہ بشیئ بعد صلوٰة الفجر فقیل لہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انك تحرك شفتیك ما کنت تفعلہ فما ھذالذی تقول ۞ قال اقول
"اللھم بك احاول وبك اقاتل وبك اصاول ۞

صہیب بن سنان رومی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر کے دنوں میں نماز فجر کے بعد کسی چیز کے ساتھ اپنے دونوں ہونٹ مبارکہ ہلا رہے تھے۔ آپ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ

اپنے دونوں ہونٹ مبارک ہلا رہے تھے آپ کیا کر رہے تھے۔ اور کیا کہہ رہے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں یہ دعا پڑھ رہا تھا:

"اللھم بك احاول وبك اقاتل وبك اصاول ٥"

(الممل الیوم واللیلۃ، ص:50، حدیث:116، صحیح ابن حبان، جزء سوئم، ص:238، حدیث:2025، مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 10، ص:351، حدیث:9634)

(8) عن ابی الزبیر قال کان عبداللہ بن الزبیر یھلل فی دبر الصلوٰۃ یقول ٥ لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریك له ٥ له الملك وله الحمد وھو علی کل شیئ قدیر ٥ لا الٰہ الا اللہ ولا نعبد الا ایاہ له النعمة وله الفضل وله الثناء الحسن ٥ لا الٰہ الا اللہ مخلصین له الدین ولو کرہ الکافرون ٥ ثم یقول ابن الزبیر کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یھلل بھن فی دبر الصلوٰۃ ٥

(مسند بزار، جلد 6، ص:190، حدیث:2231، نسائی شریف، حدیث:1341، مسلم شریف بمعہ نووی، جلد اول، ص:218، مصنف ابن شیبہ، جلد 10، ص:232، حدیث:9311، صحیح ابن خزیمہ، حدیث:741، صحیح ابن حبان، جز سوئم، ص:228، حدیث:2005، مسند ابویعلی، حدیث:6805)

ابوالزبیر مکی سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نماز کے بعد بآواز بلند یہ دعا پڑھتے تھے۔ دعا یہ ہے:

لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریك له ٥ الخ جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے پھر حضرت عبداللہ بن زبیر فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے بعد ان کلمات کو بآواز بلند پڑھتے۔

مسلم نے اس حدیث کو مرفوعاً موقوفاً دونوں طرح سے روایت کیا ہے اسی طرح ابن حیان نے بھی اس حدیث کو مرفوعاً اور موقوفاً روایت کیا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بآواز بلند یہ دعا فرماتے تھے۔ اور یہ نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنے کی نہایت قوی دلیل ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے بعد دعا فرماتے تھے جیسا کہ احادیث سے واضح اور ثابت ہے۔

(9) عن عبداللہ بن الحارث عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنھا ان النبی صلی اللہ علیه وآلہ وسلم کان اذا سلم وقال خالد کان یقول ھؤلاء الکلمات ٥

"اللھم انت السلام ومنك السلام تبارکت یا ذالجلال والاکرام"

(الممل الیوم واللیلۃ، ص:48، حدیث:108، صحیح ابن حبان جز سوئم، ص:226، حدیث:1998، ترمذی شریف، حدیث:298، ابن ماجہ شریف، حدیث:924، ابوداؤد شریف، حدیث:1512)

عبداللہ بن حارث نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب نماز سے سلام پھیرتے اور خالد الحذاء نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب نماز سے سلام پھیرتے تو یہ کلمات کہتے:

''اللّٰم انت السلام ومنک السلام'' ○ الخ

(10) عن موسٰی بن ابی عائشة، حدثنی مولٰی لام سلمة قال سمعت ام سلمة تقول ○ کان رسول اللہ صلی اللہ علیه و آلہٖ وسلم اذا صلی الصبح قال

''اللهم انی اسئلك علماً نافعاً وعملا متقبلا ورزقا طیباً'' ○

(مصنف عبدالرزاق، جلد دوئم، ص:234، حدیث:3191، ابن ماجہ شریف، حدیث:925، مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 10، ص:234، حدیث:9314، عمل الیوم واللیلة للسنی، ص:48، حدیث:109)

ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آزاد کردہ غلام نے کہا میں نے حضرت ام المؤمنین ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب صبح کی نماز ادا فرما لیتے تو یہ دعا فرماتے:

''اللهم انی اسئلك علماً نافعاً وعملا متقبلا ورزقا طیباً'' ○

اور عبدالرزاق نے اپنے ''مصنف'' میں ''اذا صلی الصبح'' کی جگہ یہ الفاظ روایت کئے ہیں۔ ''کان یقول دبر صلوٰة'' یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نماز کے بعد یہ دعا فرماتے تھے۔

(11) عن قیس بن ابی حازم ○ حدثنی معاذ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وآلہٖ وسلم یقول ○ من قال بعد الفجر ثلاث مرات وبعد العصر ثلاث مرات

''استغفر اللہ العظیم الذی لا الٰه الا هو الحی القیوم واتوب الیه'' کفرت عنه ذنوبه وان کانت مثل زبد البحر ○

(العمل الیوم و اللیله، ص:53، حدیث:136،6125، مصنف عبدالرزاق، جلد دوئم، ص:236، حدیث:3194، مصنف ابن ابی شیبہ جلد 10، ص:299، حدیث:9498)

قیس بن ابو حازم سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کہتے ہوئے '' جو شخص نماز فجر اور نماز عصر کے بعد تین، تین مرتبہ یہ دعا: ''استغفر اللہ العظیم '' الخ پڑھے یہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہے اگر چہ گناہ سمندر کی جھاگ کی مثل کیوں نہ ہوں۔

عبدالرزاق کے ''مصنف'' میں الفاظ یہ ہیں:

"كفر الله عن ذنوبه وان كان فر من الزحف"○
جو شخص یہ دعا پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ بنادے گا اگر چہ وہ لشکر اسلام سے بھاگ گیا ہو۔

(12) عن ابو اسماء الرجى قال حدثنى ثوبان ان رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم كان اذا انصرف من صلوته استغفر ثلاثا ثم يقول○
"اللهم انت السلام ومنك السلام تباركت يا ذالجلال والاكرام"○
حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تو تین دفعہ استغفار فرماتے۔ پھر اس کے بعد یہ دعا پڑھتے:
"اللهم انت السلام" الخ

(ابن ماجہ شریف، حدیث:928، ترمذی شریف، حدیث:300، ابوداؤد شریف، حدیث:1513)

(13) مصعب بن سعد اور عمر دین میمون ازدی دونوں نے کہا حضرت سعد بن ابی وقاص اپنے بیٹوں کو یہ کلمات اس طرح سکھاتے جیسے بچوں کو مکتب میں سبق سکھایا جاتا ہے۔ حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کہتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نماز کے بعد ان کلمات سے اللہ عزوجل سے پناہ طلب کرتے اور وہ کلمات یعنی دعا یہ ہے:
"اللهم انى اعوذبك من البخل واعوذبك من الجبن واعوذ بك من ان ارد الى ارذلى العمر واعوذبك من فتنة الدنيا واعوذبك من عذاب القبر"○

(صحیح ابن خزیمہ، جلد اول، ص:746، صحیح ابن حبان، جز سوم، ص:237، حدیث:2022)

(14) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے اور سلام پھیرتے تو یہ دعا فرماتے:
"اللهم افغرلى ما قدمت وما اخرت وما اعلنت وما سررت وما انت اعلم به منى انت المقدم وانت المؤخر لا اله الا انت" ○

(صحیح ابن خزیمہ، جلد اول، ص:366، حدیث:742، صحیح ابن حبان، جز سوئم، ص:237، حدیث:2023)

(15) عن ابى بكر بن ابى موسىٰ عن ابى موسىٰ انه كان يقول اذا فرغ من صلوته○

(مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 10، ص:229، حدیث:9304)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تو یہ مذکورہ دعا کرتے۔

(16) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو شخص ہر نماز کے بعد اور سونے سے پہلے تین بار یہ دعا پڑھے۔
"الله اكبر كبيرا عدد الشفع والوتر وكلمات الله التامات الطيبات المباركات" اور تین دفعہ:

"لا الہ الا اللہ" پڑھے گا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 10، ص:229، حدیث:9305، کنزالعمال، جلد دوئم، ص:408)

تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا یہ کلمات اس کے لیے قبر میں نور، پل پر نور، صراط پر نور ہوں گے۔ حتیٰ کہ یہ کلمات پڑھنے والوں کو جنت میں لے جائیں گے۔ یا یہ دعا پڑھنے والا جنت میں داخل ہوگا۔

(17) ابوالیقظان حصین بن یزید تغلبی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب نماز سے فارغ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

اللھم انی اسالك موجبات رحمتك وعزائم مغفرتك والغنيمة من كل برو السلامة من كل أثم ٥ اللھم انی اسالك الفوز بالجنة والجوار من النار اللھم لا تدع ذنباً الاغفرته ولا همًا الافرجته ولا حاجة الاقضيتها ٥ (مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 10، ص:332، حدیث: 9581، کنزالعمال، جلد دوئم، ص:109، مصنف ابن ابی شیبہ، جلد اوّل، ص:303)

(18) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوتے تو اپنے چہرۂ اقدس کو اپنے دائیں دست مبارک سے پونچھتے پھر یہ دعا فرماتے:

"اشهد ان لا اله الا الله، الرحمن الرحيم، اللھم اذهب عنی الهم والحزن" ٥ (العمل اليوم والليلة للسنی، ص:49، حدیث:111)

(19) قاسم نے حضرت ابوامامہ (صدی بن عجلان) سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا میں کسی نماز خواہ فرض ہو یا نفل نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب نہیں ہوا مگر آپ کو ان کلمات سے دعا کرتے ہوئے سنا۔ نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں زیادتی فرماتے اور نہ ہی کمی۔ وہ دعا یہ ہے:

اللھم اغفرلی ذنوبی وخطایای اللھم انعشنی واجبرنی واھدنی لصالح الاعمال ولاخلاق فانه لا يهدی لصالهما ولا يصرف سيها الا انت" ٥

(معجم کبیر للطبرانی، جلد 8، ص:200، حدیث:7811، ایضاً ص:227، حدیث:7893، ایضاً ص:251، حدیث:7982، عمل الیوم واللیلہ ص:50، حدیث:115، کنزالعمال، حدیث:3667)

(20) ابوہارون عبدی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تو یہ دعا فرماتے:

"سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمدلله رب العالمين" ٥

(مصنف ابن ابی شیبہ، جلد اوّل، ص:303، عمل الیوم واللیلہ لابن سنی ص:50-51، معجم کبیر للطبرانی، جلد 11، ص:95، حدیث:11221، مسند ابویعلی، حدیث:1119)

(21) ابو عمران نے جعد سے انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں فرض نماز پڑھائی تو ہمارے طرف متوجہ ہو کر یہ دعا فرمائی:

"اللھم انی اعوذبك من كل عمل یخزینی واعوذبك من كل صاحب یردینی واعوذبك من كل امل یلھینی واعوذبك من كل فقر ینسینی واعوذبك من كل غنی یطغینی"۔

(مجمع الزوائد، جلد 10، ص: 110، عمل الیوم واللیلۃ، ص: 51، حدیث: 119)

(22) داؤد بن ابراہیم ذھلی نے حضرت ابوامامہ صدی بن عجلان باھلی سے خبر دی کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہر فرض نماز کے بعد ایک دفعہ آیۃ الکرسی پڑھے۔ وہ شخص اس شخص کے قائم مقام ہوگا جس نے اللہ عزوجل کے انبیاء کرام علیہم التسلیمات کی طرف سے جہاد کیا حتیٰ کہ وہ شہید ہوگیا۔

(العمل الیوم واللیلۃ، ص: 52، حدیث: 122)

(23) محمد بن زیاد الھانی نے حضرت ابوامامہ باھلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنی ہر نماز کے بعد ایک دفعہ آیۃ الکرسی پڑھے اس کے اور دخول جنت کے درمیان صرف موت ہی حائل اور مانع ہوگی۔

(الترغیب والترہیب للمنذری، جلد دوئم، ص: 453، مطبوعہ المکتبۃ الصویہ بیروت، معجم کبیر للطبرانی، جلد 8، ص: 114، حدیث: 7532، مجمع الزوائد، جلد 10، حدیث: 102، عمل الیوم واللیلۃ، ص: 52)

(24) حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی۔ وہ دوسری نماز تک اللہ عزوجل کے ذمہ میں ہوگا۔

(معجم کبیر للطبرانی، جلد سوئم، ص: 84، حدیث: 2734، الترغیب والترہیب، جلد دوئم، ص: 453، مجمع الزوائد، جلد دوئم، ص: 148)

(25) یحییٰ بن حسان نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی نماز سے سلام پھیرتے تو اس دعا کے ساتھ دعا فرماتے:

"اللھم لاتحزنی یوم القیمة، ولا تحزنی یوم البأس، فأن من تحزنه یوم البأس فقد أخزیته"

(العمل الیوم واللیلۃ، ص: 53، معجم کبیر، جلد سوئم، ص: 19، حدیث: 2522، مجمع الزوائد، جلد 9، ص: 396، تفسیر در منثور، جلد 5، ص: 90)

(26) ابوالزہراء خادم انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص نماز سے فارغ ہونے کے بعد یہ دعا کرے:

"سبحان اللہ العظیم وبحمدہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم"

(الترغیب والترہیب، جلد دوئم، ص: 454، عمل الیوم واللیلۃ، ص: 54)

حضور نبی کریم رؤف الرحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص تین مرتبہ نماز کے بعد یہ دعا کرے اس کے بعد جب وہ

کھڑا ہوگا تو اس کے سب گناہ بخش دیئے گئے ہوں گے۔

(27) بشیر بن کعب نے شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص نماز سے فارغ ہو تو یہ دعا کرے۔ اس کو سید الاستغفار کہتے ہیں:

"اللهم انت خلقتني وأنا عبدك وأنا على عهدك ووعدك ما استطعت أعوذبك من شر ما صنعت أبوء بنعمتك على وأبوء بذنبي فاغفرلي انه لا يغفر الذنوب الا انت"

(مسند بزار، جلد 8، ص: 415، حدیث: 3488، عمل الیوم واللیلۃ افضل الاستغفار، حدیث: 6304، الادب المفرد للبخاری، ص: 161، حدیث: 620،617)

ان کے علاوہ بھی (سید الاستغفار) کو کئی محدثین کرام نے تخریج کیا ہے۔

نسائی نے "الاستعاذہ" کے ماتحت۔ امام احمد نے اپنی (مسند) میں ابن حبان نے اپنی صحیح میں جلد سوئم، ص: 212، حدیث: 932۔ طبرانی نے معجم کبیر، جلد 7، ص: 351، حدیث: 7173، میں۔ حاکم نے مستدرک کتاب التفسیر، جلد دوئم، ص: 458، میں اس حدیث کو تخریج کیا ہے۔

(28) حضرت ابو مالک اشجعی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہم صبح کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتے۔ کوئی مرد آتا اور کوئی عورت آتی۔ تو وہ کہتا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب میں نماز پڑھ لوں تو کیسے دعا کروں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ دعا کرو:

"اللهم اغفرلي وارحمني واهدني وعافني وارزقني"

(صحیح ابن خزیمہ، جلد اول، ص: 366، حدیث: 744، مسلم شریف بمع نووی، جلد اول، ص: 345)

ابن حزیمہ کی روایت میں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس دعا کے وسیلہ سے تیری دنیا اور آخرت جمع فرما دے گا۔ اور مسلم شریف کی روایت میں ہے:

"ويجمع اصابعه الا الابهام فأن هولاء تجمع لك دنياك وآخرتك"

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوائے انگوٹھا کے اپنی ساری انگلیاں مبارکہ کو اکٹھا فرمایا" اس کے بعد آپ نے فرمایا" یہ چار کلمات تیرے لیے تیری دنیا و آخرت کو جمع کر دیں گے۔

(29) علی بن زباح لخمی نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر نماز کے بعد معوذتین "قل اعوذ بربك الفلق اور قل اعوذ برب الناس" پڑھنے کا حکم دیا۔ (شعب الایمان، جلد دوئم، حدیث: 2565، عمل الیوم واللیلہ للسنی، ص: 51، حدیث: 122)

(30) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فاتحۃ الکتاب (سورۂ فاتحہ) آیۃ الکرسی اور سورۂ آل عمران کی دو آیتیں شهد الله انه لا اله الا هو، وقل اللهم مالك

الملك (الى قوله) ترزق من تشاء بغير حساب ۔آیت نمبر 18، 26، 27 یہ شفاعت کرنے والی ہیں۔ان کے اور اللہ عزوجل کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔ جب اللہ عزوجل نے ان کو نازل کرنے کا ارادہ فرمایا تو یہ آیات عرش عظیم کے ساتھ معلق ہو گئیں۔اور عرض کیا: اے رب تو ہمیں زمین کی طرف اتارے گا اور ان لوگوں کی طرف اتارے گا جو تیری نافرمانی کرتے ہیں۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: میں قسم کھاتا ہوں۔ میرے بندوں میں جو کوئی بھی ہر نماز کے بعد تمہیں پڑھے گا۔ میں اس کا ٹھکانا جنت بنادوں گا۔اس کو خطیرۃ القدس میں سکونت دوں گا۔اور اس کی طرف ہر روز ستر دفعہ نظر کرم کروں گا۔اور ہر دن اس کی ستر حاجتیں پوری کروں گا۔اور ادنیٰ حاجت مغفرت ہوگی میں اس کو ہر دشمن سے پناہ دوں گا۔اور اس سے اس کی مدد کروں گا۔اور اس شخص کو جنت میں داخل ہونے سے صرف موت ہی مانع ہوگی۔

(العمل الیوم واللیلۃ،ص:52،حدیث:124)

(31) مجاہد بن جبر سے روایت ہے۔انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ دعا فرماتے تھے:

"لا الـه الا الله . ولا نعبد الا ایاه له النعمة وله الفضل وله الثناء الحسن لا اله الا الله مخلصین له الدین ولو كره الكافرون"

(مسائل احمد بن حنبل لابی داود،ص:102،مطبوعہ مصر،عمل الیوم واللیلۃ لابن سنی،ص:54،حدیث:129،ابن خزیمہ،حدیث:740)

ابو رافع نے ابو الزبیر مکی سے انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی مثل روایت کیا ہے۔

(32) قاسم نے حضرت ابوامامہ ھدی بن عجلان باھلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہر فرض نماز کے بعد یہ دعا کرے:

"اللهم أعط محمداً الدرجة الوسيلة اللهم اجعل فى المصطفین صحبته ○ وفى العالمین درجته○ وفى المقربين ذكره" (کنز العمال،حدیث:3480،عمل الیوم واللیلۃ،ص:54،حدیث:131)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ہر نماز کے بعد یہ دعا کی مجھ پر اس شخص کی شفاعت کرنا واجب ولازم ہوگئی۔اور اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔

(33) ابو سلمہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر نماز کے بعد یہ دعا فرماتے:

"اللهم انی اعوذبك من عذاب النار وعذاب القبر ومن فتنة المحيا والممات ومن شر المسيح الدجال"

(مسند ابوعوانہ،جلد اول،ص:432، 433،حدیث:1645،مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت،صحیح ابن خزیمہ،جلد دوئم،ص:31،حدیث:851، 852،مسند بزار،جلد 11،حدیث:4893)

(34) عبداللہ بن جمیع حمیری حمصی نے تمیم بن اوس داری سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص صبح کی نماز کے بعد یہ دعا کرے:

"اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له الهاً واحدًا صمداً، لم تتخذ صاحبة ولا ولداًo ولم يكن له كفواً احدo كتب الله عزوجل اربعين الف حسنة"

(مسند احمد، جلد 4، ص: 110، مطبوعہ ادارہ احیاء السنہ، گوجرانوالہ، طبرانی فی الکبیر، جلد دوئم، ص: 57، حدیث: 1278، عمل الیوم واللیلہ، ص: 56، حدیث: 135)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص صبح کی نماز کے بعد یہ دعا کرے اللہ تعالیٰ اس کے نامہ اعمال میں چالیس ہزار نیکی لکھ دے گا۔

(35) ابواسحاق نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہر نماز کے بعد تین دفعہ استغفار کرے۔ اور استغفار کے الفاظ یہ ہیں:

"استغفر الله الذى لا اله الا هو الحى القيوم وأتوب اليه"

(العمل الیوم واللیلۃ، ص: 57، حدیث: 136)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس شخص کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ اگرچہ وہ شخص لشکر اسلام سے بھاگ آیا ہو۔

(36) شہر بن حوشب نے عبدالرحمن بن غنم سے انہوں نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص صبح کی نماز سے فارغ ہو کر دنیاوی کلام کرنے سے قبل یہ دعا:

"لا اله الا الله وحده لا شريك لهo له الملك وله الحمد وهو علىٰ كل شئ قدير"

دس (10) مرتبہ کہے۔ اس کے لیے ان کلمات کے پڑھنے کی وجہ سے دس نیکیاں ملیں گی۔ دس گناہ معاف ہوں گے۔ اور اس کے دس درجات بلند ہوں گے۔ اور یہ کلمات اس کے لیے زندگی کے دس سانس لینے کے برابر ہوں گے۔ اور یہ کلمات اس کے لیے شیطان اور مکروہ سے حفاظت کرنے والے ہوں گے۔ اور جس صبح کی نماز کے بعد اس نے یہ کلمات پڑھے اس دن سوائے شرک کے اس کا کوئی گناہ نہیں ہوگا۔ (یعنی اگر شرک کرے گا تو وہ قابل معافی نہیں باقی سب گناہ معاف ہوں گے) اور جس شخص نے یہ کلمات نماز عصر کے بعد کہے تو اس رات میں بھی وہی ملے گا جو اس کو دن میں ان کلمات پڑھنے کے سبب حاصل ہوا۔

(تحفۃ الاشراف للحافظ المزی، جلد 8، ص: 407، حدیث: 11338، معجم کبیر للطبرانی، جلد 20، ص: 65، حدیث: 119، مجمع الزوائد، جلد 10، ص: 109، عمل الیوم واللیلۃ للسنی، ص: 58، حدیث: 140، عمل الیوم واللیلۃ للنسائی، حدیث: 126)

(37) اسماء بنت واثلہ بن اسقع نے اپنے باپ واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا جس شخص نے فجر کی نماز کے بعد سورۂ اخلاص:

"قل هو الله احد○ الله الصمد○ لم يلد ولم يولد○ ولم يكن له كفواً احد○"

دنیاوی کلام کرنے سے پہلے سو(100) مرتبہ پڑھی۔ اللہ تعالیٰ اس کے ایک سال کے گناہ معاف فرمادے گا۔

(معجم کبیر للطبرانی، جلد 22، ص: 97، حدیث: 232، مجمع الزوائد، جلد 10، ص: 109، عمل الیوم واللیلۃ للسنی، ص: 59، حدیث: 143)

عمل الیوم واللیلۃ کے ذیل حاشیہ میں ہے۔ کہ حافظ ابن زنجویہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو مرفوعاً روایت کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے دوسو(200) مرتبہ سورۂ "قل هو الله احد" پڑھی اللہ تعالیٰ اس شخص کے دوسو سال کے گناہ معاف فرمادے گا۔ اس حدیث کو ان ربیع نے "غاية المطلوب" میں تخریج کیا ہے۔

(38) ابوغالب نے ابوامامہ (صدی بن عجلان) باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا جو شخص صبح کی نماز کے بعد یہ دعا:

"لا اله الا الله وحده لا شريك له ○ له الملك وله الحمد ○يحيي ويميت ○ وهو على كل شئ قدير"

اپنے پاؤں دوہرا کرنے، لپیٹنے، موڑنے سے قبل سو(100) مرتبہ کہے۔ وہ شخص باعتبار عمل اس دن زمین والوں میں سے افضل ہوگا۔ ہاں جس نے یہ دعا پڑھی۔ یا اس پر کچھ اضافہ کیا۔

(معجم کبیر، جلد 8، ص: 280، حدیث: 8075، عمل الیوم واللیلۃ للسنی، ص: 58، حدیث: 142، مجمع الزوائد، جلد 15، ص: 108)

(39) مسلمہ بن عبداللہ جہنی نے اپنے چچا ابومشجعہ بن ربعی جہنی سے انہوں نے ضحاک بن زمل جہنی سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز صبح ادا کر لیتے تو اپنے پاؤں مبارکہ کو دوھرا کر کے یہ دعا فرماتے:

"سبحان الله وبحمده واستغفر الله انه كان توابا سبعين مرة"

اس کے بعد فرماتے ستر(70)، سات سو(700) کے مقابلہ میں ہے اور اس شخص کے لیے خیر نہیں کہ ایک دن میں اس کے گناہ سات سو(700) سے زیادہ ہوں۔ یعنی جو آدمی یہ دعا ستر(70) بار پڑھے گا اس کے سات سو(700) گناہ معاف ہوں گے۔

(40) خصیف نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا۔ آپ نے فرمایا: جو شخص ہر نماز کے بعد ہاتھ پھیلا کر یہ دعا کرتا ہے:

"اللهم الهي واله ابراهيم واسحاق ويعقوب ○ اله جبريل وميكائيل واسرافيل عليهم السلام○ اسالك ان تستجب دعوتي فاني مضطر ○ وتعصمني في ديني فاني مبتلى ○ وتنالي

برحمتك فاني مذنب ○ وتنفي عنى الفقر فانى متمسكن"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ عزوجل کے ذمۂ کرم پر ہے کہ وہ اس کے دونوں ہاتھ کو مایوس اور خالی واپس نہ لوٹائے۔ (العمل الیوم واللیلۃ للسنی ص:58، حدیث:138)

بندۂ ناچیز نے نماز کے بعد دعا کرنے کے متعلق چالیس احادیث مبارکہ نقل کیں ہیں۔ میں (راقم الحروف) ان احادیث مقدسہ کو اپنے والد گرامی فیض من فیوض اللہ الباری حضرت علامہ مولانا فیض احمد رحمۃ اللہ علیہ الصمد الاحد کے نام منسوب کرتا ہوں اور ان کو:

"اربعين فيضيه فى الدعوات بعد الصلوٰة" کا نام دیتا ہوں۔

میں قارئین گرامی سے التماس کرتا ہوں کہ جب وہ یہ احادیث مبارکہ پڑھیں تو میرے والدین مرحومین کے لیے بخشش کی ضرور دعا فرمائیں۔ اور میں امید واثق رکھتا ہوں کہ یہ "اربعین فیضیہ" قیامت کے دن میرے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کا موجب بنیں گی۔ کیونکہ خود ہادی برحق، نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص چالیس احادیث لوگوں تک پہنچائے گا قیامت کے دن میں اس کا شفیع ہوں گا۔ اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ قیامت کے دن اپنی نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے میرے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کو بہرہ مند فرمائے۔ آمین۔

چنانچہ ان تمام احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا چاہئے کیونکہ ہاتھ اٹھانا دعا کا ادب ہے۔ امام ابوالقاسم سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "المستخلص" میں لکھا ہے آداب دعا دس (10) ہیں۔ ان میں سے دعا کا یہ ادب بھی ہے کہ دعا کرنے والا قبلہ رخ ہو اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کرے اور دونوں ہاتھوں کو اتنا بلند کرے کہ اس کے بغل کی سفیدی نظر آئے۔ جب بھی لفظ دعا بولا جائے گا تو ہاتھ اٹھانا ثابت ہوگا۔ کیونکہ یہ دعا کے ادب میں سے ہے۔ بعض جاہل لوگ کہتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا نہیں فرمائی۔ یہ جملہ شان نبوت کے لائق نہیں۔ کیونکہ حضور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مؤدب کائنات ہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ کی دعا مبارکہ ادب سے خالی ہو۔ اور یہ کہنا بھی صرف ان لوگوں کا ہے جو خود بے ادب ہیں۔ اس لیے میں نے کوشش کی ہے کہ وہ احادیث مبارکہ نقل کی جائیں جن میں یہ لفظ "نماز کے بعد دعا" ہوں۔ ورنہ ادعیہ ماثورہ تو بے حد وبے حساب ہیں ان کے لیے تو ایک دفتر درکار ہے۔ اللہ عزوجل مسنون دعا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

فرض اور سنت کے درمیان تاخیر مکروہ تنزیہی ہے:

الشیخ الامام کمال الدین محمد بن عبدالواحد المعروف بابن ہمام فتح القدیر شرح ہدایہ میں "باب النوافل" کے تحت لکھتے ہیں:

ثم هل الاولى وصل السنة التالية للفرض له اولا ○ وفى شرح الشهيد القيام الى السنة متصل بالفرض مسنون ○ وفى الشافى كان صلى الله عليه وآله وسلم اذا سلم يمكث قدر مايقول ○

اللهم انت السلام ○ الخ (فتح القدیر، جلد اول، ص: 383، 384، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

کیا سنت کا فرض کے ساتھ ملانا سنت ہے یا نہیں "فرماتے ہیں" شرح شہید میں ہے فرض کے ساتھ جو سنت متصل ہے اس کی طرف کھڑا ہونا مسنون ہے۔ اور شافی میں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرض نماز کے بعد صرف "اللھم انت السلام ومنك السلام تبارکت یا ذوالجلال والاکرام" کہنے کی دیر تک ٹھہرتے پھر سنت ادا فرماتے۔ حدیث نمبر 9 اور 12 دیکھیں۔

ابن ہمام فرماتے ہیں۔ بقالی سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اور شمس الائمہ حلوائی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ فرض اور سنت کے درمیان اوراد وغیرہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اور سنن ابوداؤد کی ابورمثہ سے ایک طویل حدیث نقل کی۔ جس میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی سے فرمایا کہ اہل کتاب اسی لیے ہلاک ہوئے کہ وہ اپنی نمازوں کے درمیان فصل نہیں کرتے تھے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نگاہ مبارک اٹھائی اور فرمایا: اے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ! اللہ عزوجل نے تمہیں درست راہ دکھائی ہے۔

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول "اللھم انت السلام" الخ۔ فرض اور سنت کے درمیان فصل ہی تو ہے۔ چنانچہ جو شخص اس سے زیادہ فصل کا دعویٰ کرتا ہے وہ اپنے دعویٰ کو نقل کرے۔

اور یہ جو دعائیں احادیث میں آئی ہیں:

(1) انه صلی اللہ علیه وآلہ وسلم کان یقول دبر کل صلوٰۃ لا اله الا اللہ وحدہ لا شریك له ○ له الملك وله الحمد وھو علی کل شئ قدیر ○ الخ

حدیث نمبر 6 دیکھو:

(2) اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان:

تسبحون وتکبرون وتحمدون دبر کل صلوٰۃ ثلاث وثلاثین ○ الخ

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فقراء مہاجرین سے فرمایا: ہر نماز کے بعد 33 بار "سبحان اللہ" 33 بار "الحمد للہ" اور 34 بار "اللہ اکبر" پڑھو۔ حدیث نمبر (1) دیکھو اور جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نماز کے بعد یہ دعا فرماتے تھے:

لا اله الا اللہ وحدہ لا شریك له ○ له الملك وله الحمد وھو علی کل شئ قدیر ○ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ ○ الخ (حدیث نمبر 8 دیکھو)

تو یہ سب دعائیں فرض کے ساتھ متصل پڑھنے کی مقتضی نہیں ہیں بلکہ سنت کے بعد پڑھنے کی متقاضی ہیں۔ اس لیے کہ سنت فرض کے توابع میں سے ہے اور جو چیز فرض کے توابع میں سے نہیں فرض کے بعد اس کے ساتھ مشغول ہونا صحیح نہیں ہے۔

لہذا فرض کے بعد۔ فرض کے بعد فرض سے متصل سنت پڑھنا ہی مسنون ہے۔ نہ کہ دیگر اوراد و وظائف وغیرہ کیونکہ یہ اوراد وغیرہ فرض کے توابع میں سے نہیں۔ دوئم یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنن وغیرہ اپنے گھر میں پڑھا کرتے تھے تو بلا ضرورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان دعاؤں کا سنت سے قبل پڑھنا غیر لازم ہے۔ بلکہ گھر میں سنتوں کے بعد ان ادعیہ ماثورہ کا ہونا جائز ہے۔ یا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کی نقل بواسطہ امہات المومنین پہنچی۔ یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز سننے سے۔ اور آپ کا حجرہ شریف مسجد نبوی کے بہت ہی قریب تھا۔ یا کسی صحابی نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ کر گھر تشریف لے جا رہے ہوں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا سنت سے قبل پڑھ رہے ہوں گے۔ تو اس صحابی نے آپ سے یہ دعا سن لی۔ یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی نماز پڑھ کر مصلی پر تشریف فرما ہوں گے کہ جس نماز کے بعد سنت نہیں جیسے فجر اور عصر۔ تو آپ نے یہ دعا پڑھی ہوگی اور صحابی نے سنی ہوگی۔ چنانچہ یہ سب عوامل اس پر دلیل ہیں کہ اوراد و وظائف وغیرہ سنت کے بعد کئے جائیں۔ اور فرض کے ساتھ متصل سنت ادا کی جائے۔ اس کے بعد ابن ہمام فرماتے ہیں:

الحاصل۔ یہ جو اوراد وغیرہ ہمارے زمانہ میں مساجد میں کئے جاتے ہیں جیسے آیۃ الکرسی کا پڑھنا۔ تسبیحات وغیرہ کا پڑھنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں ہے کہ آپ فرض اور سنت کے درمیان اتنی زیادہ مقدار فصل کرتے تھے۔ لہذا ان اوراد وغیرہ کی فرائض کی طرف نسبت بالتبع ہے۔ یعنی پہلے سنت ادا کی جائے پھر اوراد وغیرہ پڑھے جائیں۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرض اور سنت کے درمیان جو تاخیر وارد ہوئی ہے وہ صرف ''اللھم انت السلام ومنك السلام'' الخ تک ہے اس حدیث کو مسلم اور ترمذی نے حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا۔ چنانچہ مراد میں یہ صریح نص ہے اور اس نص کی اتباع واجب ہے۔

اس کے بعد علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شمس الائمہ حلوائی کے قول کے میرے نزدیک حکم اور ہے۔ جو ہمارے قول کے معارض نہیں۔ کیونکہ آپ نے فرمایا: ''لاباس به'' اس عبارت میں مشہور یہ ہے کہ یہ خلاف اولیٰ پر دلالت کرتا ہے۔ تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ سنت سے قبل اوراد وغیرہ نہ پڑھنا اولیٰ اور بہتر ہے۔ اور اگر کسی نے ایسا کیا تو کوئی حرج نہیں۔ تو اس قول نے فائدہ یہ دیا کہ ان اوراد وغیرہ کے کرنے سے سنت ساقط نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ اگر اس نے اوراد و وظائف وغیرہ کے بعد سنت پڑھی۔ تو سنت ادا ہو جائے گی۔ لیکن ''علی وجه السنة'' ادا نہیں ہوگی۔ مثلاً کسی شخص نے ظہر کی نماز پڑھ کر سنت پڑھنے سے پہلے یہ اوراد وغیرہ ادا کئے تو سنت ظہر تو ہو جائے گی لیکن طریقہ مسنونہ پر ادا نہیں ہوگی اس لیے کہ فرض کے ساتھ متصل سنت ادا کرنا مسنون ہے۔ اور جو یہ طریقہ مسنون ہے وہ ادا نہیں ہوگا۔ اور جب علماء یہ کہیں کہ اگر کسی نے فرض نماز کے بعد کلام کیا تو اس سے سنت ساقط نہیں ہوگی لیکن اس سنت کا ثواب کم ہو جائے گا۔ اس طرح اوراد وغیرہ کے بعد سنت پڑھنے سے سنت وقت تو ادا ہو جائے گی لیکن اس سنت کا ثواب کامل نہیں ملے گا۔ چنانچہ شمس الائمہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول ''لاباس به'' کا یہی مقصد ہے۔

اسی لیے علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے صاحب درمختار کے اس قول "لو تکلم بین السنۃ والفرض لایسقطھا ولکن ینقص ثوابھا " اگر کسی نے سنت اور فرض کے درمیان کلام کیا تو یہ کلام کرنا سنت کو ساقط نہیں کرتا۔ لیکن اس کے ثواب کو ناقص کر دیتا ہے۔

کے ماتحت لکھتے ہیں:

اس طرح اگر کسی نے اوراد کے پڑھنے کے سبب فرض اور سنت میں "اللھم انت السلام " الخ کے مقدار سے زیادہ تاخیر کی تو سنت ادا ہو جائے گی۔ لیکن وہ اپنے عمل مسنون پر ادا نہیں ہوگی۔ لہٰذا ایسا کرنے سے سنت کا ثواب کم ہو جائے گا۔ (ردالمحتار، جلد اوّل، ص: 503، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

شیخ ابراہیم حلبی غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی میں لکھتے ہیں:

فرض ادا کرنے کے بعد "اللھم انت السلام ومنك السلام تبارکت یا ذوالجلال والاکرام" کے قدر سے زیادہ سنت کی تاخیر مکروہ ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

اما ما روی من الاحادیث فی الاذکار عقیب الصلوٰۃ فلا دلالۃ فیھا علی الاتیان بھا عقیب الفرض قبل السنہ ٥ الخ (غنیۃ المستملی، ص: 331، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، 1898ء)

یعنی نماز کے بعد اذکار کے متعلق جو احادیث مروی ہیں۔ ان میں اس بات پر کوئی دلالت نہیں کہ یہ اذکار فرض کے بعد اور سنت سے قبل کیے جائیں۔ بلکہ ان اذکار کا کرنا سنت کے بعد پر محمول ہے۔ اور فرض اور اذکار کے درمیان سنت کا ہونا یہ "عقب الصلوٰۃ" یعنی نماز کے بعد کو مخلل نہیں ہے۔ اس لیے کہ سنت فرض کے لواحق، توابع اور مکملات سے ہے۔ اور سنت، فرض اور اذکار کے درمیان اجنبی فاصلہ نہیں ہے چنانچہ جو ذکر سنت کے بعد کیا جائے گا اس پر اس کا اطلاق ہوتا ہے کہ یہ ذکر نماز کے بعد ہوا ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ جو اذکار و اوراد وغیرہ سنت و نفل کے بعد کیے جائیں تو بولا جاتا ہے کہ ہم نے نماز کے بعد یہ ذکر یا ورد وغیرہ کیا ہے۔ اس لیے کہ نماز تب ہی مکمل ہوگی جب وہ فرض کے بعد سنت وغیرہ پڑھے گا۔ کیونکہ سنت وغیرہ نماز کے مکملات میں سے ہے۔

اس کے بعد شمس الائمہ حلوائی کے قول کے متعلق لکھتے ہیں کہ آپ کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ فرض کے بعد اوراد وغیرہ کرنا بلا کراہت سنت کی تاخیر صحیح ہے۔

فرماتے ہیں شمس الائمہ کا قول "لاباس بہ" خلاف اولیٰ پر دلالت کرتا ہے اور اولیٰ کا خلاف مکروہ میں سے کراہت تنزیہی کے قریب ہے۔

چنانچہ فرض کے بعد بوجہ اذکار وغیرہ سنت میں تاخیر مکروہ تنزیہی ہے۔ لہٰذا مکروہ تنزیہی سے اجتناب اولیٰ اور بہتر ہے۔

حضرت مولانا وصی احمد رحمۃ اللہ علیہ تعلیق المجلی شرح منیۃ المصلی میں فرماتے ہیں:

فرض ادا کرنے کے بعد سنت میں تاخیر مکروہ ہے "کذا فی الذخیرہ" اور لفظ محیط رضی الدین کے یہ ہیں۔ ہر وہ نماز جس کے بعد سنت ہے اس فرض کے پڑھنے کے بعد بیٹھنا مکروہ ہے بلکہ سنت کے ساتھ مشغول ہو اس لیے کہ فرض نماز کے بعد بیٹھنا مراد کو ترک کرنا ہے اور جو چیز مقصد و مراد نہیں اس کی طرف جانا ہے۔ اور اس لیے بھی نماز فرض کے بعد نہ بیٹھے کہ سنت اور فرض کے درمیان فاصلہ نہ آجائے۔

اور بدائع میں ہے اگر فرض نماز کے بعد سنت ہو تو اس کے لیے بیٹھ کر ٹھہرنا مکروہ ہے اور بیٹھنے کی کراہت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔

حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ جب وہ نماز سے فارغ ہوتے تو کھڑے ہو جاتے گویا کہ وہ گرم پتھر پر بیٹھے ہیں۔

اور اس لیے بھی نماز کے بعد ٹھہرنا اچھا نہیں کہ یہ مسجد میں داخل ہونے والے پر معاملہ کو مشتبہ کر دیتا ہے۔ اور شرح الشہید میں بھی اس کی صراحت ہے کہ فرض کے ساتھ متصل سنت کی طرف قیام مسنون ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تعلیق المجلی شرح منیۃ المصلی، ص: 336، حاشیہ نمبر 4، مطبوعہ مطبع یوسفی لکھنؤ، 1897ھ

شیخ ابراہیم حلبی نے منیۃ المصلی کی شرح غنیۃ المستملی میں جو لکھا ہے کہ سنت فرض نماز کے توابع، لواحق اور مکملات میں سے ہے اس کی تائید ایک حدیث مبارک ہے:

عن ابی هریرة و داؤد عن زرادة عن تمیم الداری عن النبی صلی اللہ علیه و آله وسلم قال اول ما یحاسب به العبد یوم القیمة الصلوٰة فأن کان اکملها کتبت له الکاملة فأن لم یکن اکملها قال للملئکة انظروا هل تجدون لعبدی من تطوع فاکملوا بها ما ضیع من فریضة٥

(مسند احمد، جلد 4، ص: 111، مطبوعہ ادارہ احیاء السنہ گوجرانوالہ، مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 14، ص: 133، حدیث: 17857، ادارۃ القرآن کراچی)

تمیم داری نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا۔ آپ نے فرمایا: قیامت کے دن بندے کا سب سے پہلے جس کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہوگی۔ اگر اس بندہ نے اس نماز کو کامل پڑھا ہوگا تو اس کے لیے کامل نماز لکھی جائے گی۔ اگر اس نے نماز کامل نہ پڑھی ہوگی تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا دیکھو کیا میرے بندے کے پاس کچھ نفل وغیرہ پاتے ہو۔ تو اس نفل وغیرہ کے سبب اس کے فرض سے جو ضائع ہو چکا ہے۔ میرے بندے کے فرض کو پورا کر دو۔

اس حدیث مبارک سے ثابت ہوا سنت و نفل وغیرہ یہ سب نماز کے مکملات میں سے ہیں۔ کیونکہ فرض نماز میں جو آداب وغیرہ کے لحاظ سے کمی رہ جاتی ہے وہ کمی سنت وغیرہ سے پوری ہو جاتی ہے۔ اس لیے لفظ نماز کا اطلاق پوری نماز پر ہوتا ہے۔ یعنی

جب تک وہ فرض کے بعد سنت وغیرہ نہیں پڑھتا۔ یہ کامل نماز نہیں ہوتی۔ اس لیے احادیث مبارکہ میں جو اذکار بعد از نماز یا بعد از نماز مکتوبہ کرنے کا حکم آیا ہے۔ وہ تمام نماز پڑھنے کے بعد ہے کیونکہ فرض کی تکمیل سنت سے ہوتی ہے۔ جب تک وہ سنت وغیرہ نہ پڑھے اس کا فرض کامل نہیں ہوگا۔ چنانچہ جتنے اذکار احادیث مبارکہ میں آئے ہیں ان کا محل پوری نماز کے بعد ہے۔

ننگے سر نماز پڑھنے کا حکم:

ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے اور ننگے سر نماز پڑھنا معمول بنالینا یہ مکروہ تحریمی ہے۔ شیخ ابراہیم حلبی فرماتے ہیں۔ ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ یعنی کسی نے اس حال میں نماز پڑھی کہ اس کا سر ننگا ہے سستی کرتے ہوئے ''کسل اور تکاسل'' کا معنی یہ ہے کہ کاہل ہونا، جس کام سے سستی نہ کرنا چاہئے اس میں سستی کرنا۔

اور سر کو ننگا رکھے سستی کی وجہ سے یا اس سبب سے کہ سر کا ڈھانپنا سر کے لیے بوجھ ہے۔ اور نماز میں سر کو ڈھانپنا اہم امر تصور نہیں کرتا اس لیے نماز کے لیے سر کو ڈھانپنا ترک کر دیتا ہے۔ اس کو علماء کرام ''تھاونا بالصلوٰۃ'' بولتے ہیں۔ اور جب کسی نے خشوع وخضوع کے لیے ایسا کیا یعنی ننگے سر نماز پڑھی تو کوئی حرج نہیں۔ اس لیے کہ نماز میں وہی مقصود اصلی ہے۔ علامہ ابراہیم حلبی فرماتے ہیں کہ صاحب منیہ کا یہ قول ''لاباس بہ'' یہ اس طرف اشارہ ہے کہ بہتر یہ ہے کہ ننگے سر نماز نہ پڑھے اس لیے کہ یہ خلاف اولیٰ ہے۔ اور اولیٰ کا خلاف مکروہ تنزیہی کے قریب ہے۔ بلکہ نمازی کو چاہئے کہ وہ دل سے خضوع وخشوع کرے۔ کیونکہ یہ دونوں افعال قلب سے ہیں۔ اور جس ننگے سر نماز پڑھنے کو خشوع وخضوع قرار دیا گیا ہے وہ کسی صاحب حال کے ہی متعلق ہوسکتا ہے جس نے کلیۃً غیر خدا سے اپنا تعلق ختم کرلیا ہو۔ اور وہ ہر وقت خدا کی طرف راغب ہو اگر ایسا شخص محض اس لیے ننگے سر نماز پڑھے کہ اس کی یہ حالت خشوع وخضوع کی متقاضی ہے تو اس شخص کے لیے ننگے سر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور ہم جیسے گنہگار جو نماز کے اسرار ورموز سے بے خبر نماز کے معانی ومفہوم کو نہ سمجھنے والے۔ کبھی نماز پڑھ لی اور اکثر اوقات نماز کو چھوڑ دیا۔ فیشنی لباس زیب تن کر کے فیشنی نماز پڑھنے والا اگر ننگے سر نماز پڑھے گا تو یہ نماز کے ساتھ بے ادبی ہوگی۔ اس لیے دور حاضر میں ننگے سر نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ ادب ہے کہ بندہ اللہ کے حضور سر پر عمامہ یا ٹوپی وغیرہ رکھ کر پیش ہو۔ (غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی، ص: 337)

صاحب درمختار علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(وصلوته حاسرا) اے کاشفا (راسه للتکاسل) ولاباس به للتذلل واما للاهانة بها فکفر۰

نمازی کا کاہلی اور سستی کرتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اور اگر اس نے خشوع وخضوع کے لیے ننگے سر نماز پڑھی تو کوئی حرج نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اس کا ننگے سر نماز پڑھنا خلاف اولیٰ ہے۔ اور اگر اس نے نماز کی اہانت وتحقیر کرتے ہوئے ننگے سر نماز پڑھی تو یہ کفر ہے۔

علامہ ابن العابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کے تحت لکھتے ہیں:

حلیہ میں ہے کہ اصل کسل عدم ارادہ کی وجہ سے عمل کا ترک کرنا ہے۔ یعنی جو شخص نماز پڑھنے کے لیے سر ڈھانپنے کا ارادہ ہی نہیں کرتا وہ بلا ارادہ ننگے سر نماز پڑھنے کو معمول بنالیتا ہے یہ کسل یعنی کاہلی کرنا ہے۔ اور اگر کسی عمل کو بوجہ عدم قدرت ترک کرے تو یہ عجز ہے۔ اور نماز کا استخفاف واستحقار کفر ہے۔

اور صاحب درمختار کا یہ قول ''لاباس به لتذلل'' یعنی خشوع وخضوع کے لیے ننگے سر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ یہ اس طرف اشارہ ہے کہ بہتر یہی ہے وہ ننگے سر نماز نہ پڑھے۔ اور وہ دل سے خضوع وخشوع کرے کیونکہ وہ دونوں افعال قلب سے ہیں۔ اور فتاویٰ عتابیہ میں نص ہے اگر اس نے کسی عذر کی بنا پر ننگے سر نماز پڑھی تو مکروہ نہیں۔ ورنہ مکروہ ہے۔

(ردالمحتار شرح درمختار، جلد اول، ص: 474، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اور حضرت علامہ وصی احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ملتقط میں ہے کہ اگر کسی نے خشوع وخضوع کے لیے بھی ننگے سر نماز پڑھی تو بھی مکروہ ہے۔ اور اس خشوع وخضوع کو ترجیح ہے جو دل کے ساتھ ہو اس کے باوجود کہ دل میں خشوع وخضوع ہو پھر بھی ننگے سر نماز پڑھنا نماز کی تعظیم نہیں ہے اور ہر وہ چیز جو افعال نماز یا افعال نماز پڑھنے والوں کے مناسب ولائق نہ ہو وہ مکروہ ہے۔ جبکہ ننگے سر نماز پڑھنا تعظیم نماز کے خلاف ہے تو نمازی کا یہ فعل نماز میں ضرور مکروہ ہوگا۔ (تعلیق المجلی، ص: 348، حاشیہ نمبر 5)

چنانچہ علماء کرام کی تصریحات سے ثابت ہوا ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اگر کوئی شخص ننگے سر نماز پڑھنے کی عادت بنالے تو یہ تعظیم نماز کے خلاف اور مکروہ تحریمی ہوگی۔ اس لیے بلا عذر ننگے سر نماز پڑھنے سے اجتناب کیا جائے اور سر کو ڈھانپ کر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا چاہئے ہمارے اس دور حاضر میں جو نوجوانوں کا معمول بن چکا ہے کہ مساجد میں ٹوپی وغیرہ بھی موجود ہوتی ہے لیکن وہ ننگے سر نماز پڑھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ننگے سر نماز پڑھنا ایک فیشن بن چکا ہے۔ جو سراسر تعظیم نماز کے خلاف ہے۔ اس فیشن کو ترک کرنا ہوگا۔ ورنہ یہ نماز جو کہ عبادت ہے ایک فیشن بن جائے گی جو بالکل گناہ ہے۔

اے اللہ کے بندو! کپڑا موجود ہوتے ہوئے بھی تم ننگے سر نماز پڑھتے ہو۔ اللہ عزوجل کی عبادت کی قدر کرو۔ اس کی تعظیم کرو۔ اس کو ادب سے ادا کرو۔ تاکہ رب ذوالجلال آپ لوگوں کو اس عبادت کا کامل ومکمل ثواب عطا فرمائے۔ جب تک ہم عبادت خداوندی کا ادب ملحوظ خاطر نہ رکھیں گے اس کے عظیم ثواب سے محروم ہی رہیں گے۔ اور جب تک ہم اس کو عبادت سمجھ کر ادا کرتے رہیں گے۔ ہم ایمانی حلاوت سے مستفید ہوتے رہیں گے۔ اگر ہم نے اسے ایک فیشن کے طور پر ادا کرنا شروع کر دیا تو اس عبادت خداوندی کی اصل روح ختم ہو جائے گی۔ اور یہ عبادت بے لذت باقی رہ جائے گی۔ اللہ عزوجل بوسیلہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سب کو نماز خشوع وخضوع اور اس کے جملہ آداب کے ملحوظ رکھتے ہوئے ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

دعا کی قبولیت کے اوقات واحوال:

ابو عبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی فرماتے ہیں۔ دعا کے لیے اوقات واحوال ہیں جن میں غالباً دعا قبول ہوتی ہے۔ اور وہ یہ ہیں:

سحری کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ جب روزہ افطار کا وقت ہو تو دعا قبول ہوتی ہے۔ آذان اور اقامت کے درمیان دعا قبول ہوتی ہے۔ بروز بدھ ظہر اور عصر کے درمیان بھی دعا کی قبولیت کا وقت ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد فتح میں تین دن دعا فرمائی۔ سوموار، منگل پھر تیسرے دن بروز بدھ ظہر اور عصر کی نماز کے درمیان آپ کی دعا قبول ہوئی۔ تو میں نے آپ کے چہرۂ اقدس میں خوشی کو پہچان لیا۔

اور وہ اوقات جن میں آدمی مضطر و مجبور ہوتا ہے اس وقت بھی دعا قبول ہوتی ہے۔

مرض اور سفر کی حالت میں بھی دعا قبول ہوتی ہے۔ اور بارش کے نزول کے وقت بھی قبولیت دعا کا وقت ہے اور جہاد میں جب آدمی صف میں کھڑا ہو اس وقت بھی دعا قبول ہوتی ہے۔

اجابت دعا کے مانع اسباب:

حرام خوری وغیرہ سے دعا قبول نہیں ہوتی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آدمی لمبا سفر کرتا ہے وہ پراگندہ بال و چہرہ ہوتا ہے۔ آسمان کی طرف ہاتھ پھیلا کر کہتا ہے اے میرے رب! درآنحالیکہ اس کا کھانا، پینا، لباس حرام ہوتا ہے تو پھر کیسے اس شخص کی دعا قبول کی جاتی ہے۔

اجابت دعا کے لیے دعا کرنے والے اور دعا اور جو چیز مانگی جائے، کے لیے کچھ شروط ہیں۔

دعا کرنے والے کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ اس بات کا عالم ہو کہ اس کی حاجت صرف اللہ تعالیٰ ہی پوری کرتا ہے۔ اور جملہ وسائط اس کے دست قدرت میں ہیں اور اس کی تسخیر کے ساتھ مسخر ہیں۔ اور یہ کہ وہ نیت صادقہ اور حضور قلب سے دعا کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی دعا قبول نہیں کرتا جس کا دل غافل ہو۔ اور دعا کرنے والا حرام کے کھانے سے اجتناب کرنے والا ہو۔ اور یہ کہ وہ دعا کرنے سے دلگیر نہ ہو۔

اور جو چیز مانگی جارہی ہے وہ ان امور میں سے ہو جس کا طلب کرنا شرعاً جائز ہو جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دعا گناہ اور قطع رحم کی نہ ہو تو دعا قبول ہوتی ہے۔ اور گناہ میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کے کرنے سے آدمی گنہگار ہوتا ہے اور رحم میں مسلمانوں کے تمام حقوق و مظالم داخل ہیں۔

سہل بن عبداللہ تستری رضی اللہ عنہ نے فرمایا دعا کی سات شروط ہیں۔

تضرع (عجز و انکساری) خوف، رجاء (امید)، دعا پر مداومت (یعنی مسلسل دعا کرتے رہنا) خشوع، عموم اور حلال کا

کیا تا۔

ابن عطاء نے کہا دعا کے لیے ارکان ہیں۔ پر ہیں۔ اسباب اور اوقات ہیں۔ اگر دعا ارکان کے موافق ہوگئی تو مضبوط وقوی۔ اگر کسی کی دعا پر کے موافق ہوگئی تو وہ آسمان میں پرواز کرے گا۔ اگر اوقات کے ساتھ موافت ہوگئی تو وہ کامیابی پا گیا۔ اگر اسباب کے موافق ہوگئی تو وہ نجات پا گیا۔

دعا کے ارکان، حضور قلب، رافت، استکانت اور خشوع ہیں۔ اور دعا کا پر صدق ہے۔ اور دعا کے اوقات سحری کے وقت ہیں۔ اور دعا کے اسباب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام کا نذرانہ پیش کرنا۔

بعض نے کہا دعا کی چار شرائط ہیں۔ (1) تنہائی میں قلب کی حفاظت کرنا۔ (2) مخلوق کے ساتھ زبان کی حفاظت کرنا، (3) جس کی طرف دیکھنا جائز نہیں اس کی طرف نظر کرنے سے آنکھ کی حفاظت کرنا۔ اور پیٹ کی حرام وغیرہ سے حفاظت کرنا۔

ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے کہا گیا۔ ہمارا کیا حال ہے کہ ہم دعا کرتے ہیں لیکن ہماری دعا کو قبول نہیں کیا جاتا۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس لیے کہ تم نے اللہ عزوجل کو پہچان لیا اور اس کی اطاعت نہیں کی۔ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچان لیا اور آپ کی سنت کی اتباع نہیں کی۔ تم نے آگ (جہنم) کو پہچانا اور اس سے راہ فرار اختیار نہیں کی۔ تم نے جنت کو پہچانا اور اس کو طلب نہیں کیا۔ تم نے قرآن کو پہچان لیا اور اس پر عمل نہیں کیا۔ تم نے اللہ عزوجل کی نعمتوں کو کھایا اور ان نعمتوں کا شکر ادا نہ کیا۔ تم نے شیطان کو پہچانا اور اس سے جنگ نہیں کی اور اس سے موافقت کی۔ تم نے موت کو پہچانا اور اس کی تیاری نہیں کی۔ تم نے اپنے ہاتھوں سے اموات کو دفن کیا اور عبرت حاصل نہیں کی۔ تم نے اپنے عیوب کو چھوڑا اور لوگوں کے عیوب ظاہر کرنے میں مشغول ہوگئے۔ جب ہمارا حال یہ ہے تو پھر ہماری دعا کیسے قبول ہو۔

(الجامع لاحکام القرآن، جز دوئم، ص: 208، 209)

دعا کے آداب:

محمد بن محمد بن محمد بن جزری شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''الحصن الحصین'' میں فرماتے ہیں:

آداب دعا کے کچھ رکن ہیں اور کچھ شرائط اور کچھ ان کے سوا مامورات (جیسے دعا کا عربی زبان میں کہنا) اور منہیات (یعنی مکروہات) وغیرہا ہیں یعنی جن کا ترک کرنا اولیٰ ہے۔

اور آداب دعا یہ ہیں:

(1) کھانے، (2) پینے، (3) لباس پہننے اور (4) کسب کرنے میں حرام سے اجتناب کرنا، (5) اللہ تعالیٰ کے حضور اخلاص سے دعا کرنا، (6) دعا کرنے سے قبل کوئی نیک عمل کرنا اور شدت وسختی کے وقت اس نیک عمل کا ذکر کرنا، (7) کپڑے اور بدن وغیرہ کا صاف ستھرا ہونا، (8) دعا کرنے سے قبل وضو کرنا، (9) اور دعا کرنے کے وقت قبلہ رخ ہونا، (10) پہلے نماز پڑھنا اور اس کے بعد دعا کرنا، (11) دو زانو بیٹھ کر دعا کرنا، (12) دعا کرنے سے پہلے اور بعد میں اللہ عزوجل کی ثناء کرنا،

(13) اسی طرح دعا سے اوّل اور آخر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور درودِ پاک کا نذرانہ عقیدت پیش کرنا، (14) دونوں ہاتھوں کو کشادہ رکھ کر دعا کرنا، (15) اور دعا کے وقت دونوں ہاتھوں کو بلند کرنا، (16) اور دونوں ہاتھوں کا مونڈھوں تک بلند کرنا، (17) تأدب (یعنی ظاہر و باطن اور قولاً، فعلاً ادب کا طلب کرنا، (18) خشوع۔ (شرنبلالی نے کہا۔ امام بغوی نے فرمایا: خشوع۔ خضوع کے قریب تر ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ خضوع کا تعلق بدن سے ہے اور خشوع کا بدن، آنکھ اور آواز سے بھی) اور (19) خضوع کے ساتھ اظہار ذلت و سکینی کرنا، (20) دعا کے وقت اپنی آنکھیں آسمان کی طرف نہ اٹھانا، (21) دعا کرتے وقت اللہ عزوجل کے اسماء حسنیٰ اور آپکی بلند صفات کے ساتھ اللہ تعالیٰ جل ذکرہ کے حضور سوال کرنا، (22) دعا کرتے وقت بالتکلف الفاظ بجع سے اجتناب کرنا، (23) اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے انبیاء کرام اور نیک بندوں کے توسل سے دعا کرنا، (24) آہستہ آواز سے دعا کرنا، (25) دعا کرتے وقت اپنے گناہوں کا اعتراف کرنا، (26) دعا کرتے وقت ان ادعیہ صحیحہ ماثورہ کا اختیار کرنا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باب دعا میں دوسری طرف جانے کی حاجت باقی نہیں رہنے دی۔ (27) اور ان دعاؤں میں جوامع دعاؤں کا اختیار کرنا (جامع دعا کا معنی یہ ہے کہ اس دعا کے الفاظ کم ہوں اور معنی کثیر ہوں جو امور دینیہ و دنیاوی اور احوال آخرت کو شامل ہو)، (28) اپنے آپ سے دعا کی ابتداء کرنا (ترمذی نے ابی بن کعب سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی کا ذکر کرتے تو اس کے لیے دعا فرماتے تو اپنی ذات سے اس دعا کو شروع فرماتے)، (29) پھر اپنے والدین اور مسلمان بھائیوں کے لیے دعا کرنا، (30) اگر امام ہے تو وہ اپنے آپ کو دعا کے لیے خاص نہ کرے بلکہ سب کے لیے دعا کرنا، (31) بلاشک کہ یہ دعا قبول ہوگی یا نہیں یقین کے ساتھ دعا کرنا، (32) رغبت کے ساتھ دعا کرنا، (33) پوری وسعت اور طاقت کو خرچ کرتے ہوئے دل سے دعا کرنا، (34) دعا میں بار بار تکرار کرنا، (35) کم از کم تین دفعہ دعا کا تکرار کرنا، (36) تمام حالات میں دعا میں اصرار و مبالغہ کرنا، (37) اور ایسی دعا نہ کرے جس کا تعلق گناہ سے ہو یا قطع رحمی سے، (38) جس امر سے وہ فارغ ہو چکا ہے اس امر کی دعا نہ کرے، (39) اور دعا میں حد سے تجاوز نہ کرے کہ وہ کسی محال چیز وغیرہ کی دعا کرے۔ (40) دعا میں وسعت اختیار کرے تنگی نہ کرے۔ (جیسا کہ ایک اعرابی نے دعا کی اے اللہ مجھ پر اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رحم فرما اور ہمارے ساتھ اور کسی پر رحم نہ فرما)، (41) اور دعا کرتے وقت اپنی پوری حاجات کا سوال کرنا، (42) دعا سے فراغت کے بعد دعا کرنے والا اور دعا سننے والا دونوں کا آمین کہنا، (43) دعا سے فارغ ہونے کے بعد اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے چہرہ پر مس کرنا، (44) جب دعا کے قبول ہونے میں دیر ہو تو جلدی کی طلب نہ کرنا نہ ہی یہ کہنا کہ میں نے دعا کی لیکن میری دعا قبول نہیں ہوئی۔

(الحصن والحصین، ص: 21 تا 26، مطبوعہ انوار محمدی لکھنؤ)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو آداب دعا نقل فرمائے ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ (45) دعا کرنے والا افضل اوقات کا قصد کرے جیسے سجدہ میں دعا کرنا۔ اور آذان کے وقت دعا کرنا یہ بھی آداب دعا میں سے ہے۔ (46) اور دعا کرنے

سے قبل توبہ کرنا۔ (فتح الباری، جلد 11، ص ۔۔، 14، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

سعیدی صاحب کا عقیدۂ نجدیت کی تائید کرنا:

حضرت علامہ مفتی غلام رسول سعیدی صاحب زید مجدہ نے اپنی تفسیر "تبیان القرآن" میں اس آیت مبارکہ "اذا سالك عبادی عنی فانی قریب" الخ کے ماتحت لکھا ہے۔

ہمارے زمانہ میں بعض جہلاء اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی بجائے اپنی حاجتوں کا سوال پیروں، فقیروں سے کرتے ہیں۔ اور قبروں اور آستانوں پر جا کر اپنی حاجات بیان کرتے ہیں۔ اور اولیاء اللہ کی نذر مانتے ہیں۔ حالانکہ ہر چیز کی دعا اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہئے۔ اور اسی کی نذر ماننی چاہئے۔ کیونکہ دعا اور نذر دونوں عبادت ہیں اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے۔ البتہ دعا میں انبیاء کرام اور اولیاء عظام کا وسیلہ پیش کرنا چاہئے۔ (تبیان القرآن، جلد اول، ص:725)

بندہ راقم الحروف، سعیدی صاحب کی اس عبارت پر اپنی طرف سے کوئی تبصرہ نہیں کرے گا۔ کیا آپ کی یہ عبارت جس میں مطلقاً دعا اور نذر کا ذکر ہے خلاف نقل ہے یا نہیں۔ اس ناچیز نے سعیدی صاحب کی اس عبارت کو چند جید علماء کرام کے ہاں تصویب کے لیے ارسال کیا، لیکن جواب علامہ سعیدی صاحب کے عقیدہ کے خلاف موصول ہوا۔ سعیدی صاحب کی یہ عبارت حضرت علامہ مفتی عبدالرزاق صاحب بھتر الوی حطاروی زید مجدہ کے ہاں پیش کی گئی جس کے جواب میں مفتی صاحب دامت فیوضہم العالیہ نے یہ جواب ارشاد فرمایا:

یہ دیوبندیوں، نجدیوں کی پرانی چال ہے۔ جس میں علامہ سعیدی صاحب نے نیا رنگ بھر دیا ہے۔ اس لیے یہ قابل فتویٰ نہیں۔

حضرت علامہ مفتی محمد اشرف صاحب سیالوی زید مجدہ نے یہ عبارت پڑھ کر یہی جواب ارشاد فرمایا کہ نجدیوں کا پرانا مسئلہ ہے۔ جس کو حضرت علامہ سعیدی صاحب نے دوبارہ زندہ کر دیا ہے۔ پھر آپ نے اس کے جواب میں قرآن مقدس کی ایک آیت مبارکہ اور دو احادیث مقدسہ بیان فرمائیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ علامہ سعیدی صاحب زید مجدہ نے جو مطلقاً نذر کو اولیاء کرام کے لیے ناجائز قرار دیا ہے، یہ غلط ہے بلکہ آپ کو نذر شرعی اور نذر لغوی میں کچھ فرق ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے تھا۔ لیکن آپ نے مطلقاً نذر ناجائز نقل فرما کر در حقیقت عقیدۂ نجدیت کی ترجمانی فرمائی ہے۔

میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ میں علامہ سعیدی صاحب کی اس عبارت پر تبصرہ نہیں کروں گا بلکہ چند دلائل پیش کروں گا جو بذات خود حضرت علامہ سعیدی صاحب زید مجدہ کی اس عبارت پر تبصرہ ہوں گے اور ان دلائل کے پڑھنے کے بعد سامعین خود فیصلہ فرمائیں گے کہ کیا جو علامہ سعیدی صاحب نے لکھا ہے وہ از روئے شریعت درست ہے یا نہیں۔ کیا یہ عبارت عقیدۂ نجدیت کی مؤید ہے یا نہیں۔ وھو الموفق للصواب

امام راغب اصفہانی ''المفردات'' میں فرماتے ہیں:

دعا ندا کی مثل ہے۔ دونوں میں یہ فرق ہے کہ ندا میں اسم کو نہیں ملایا جاتا جیسے کہا جائے یا ''ایا'' یا اس کی مثل کوئی حرف۔ اور دعا میں اسم کو ملایا جاتا ہے جیسے ''یا فلان'' اس کا معنی یہ ہوا کہ ندا کبھی اسم سے مجرد ہوتی ہے اور دعا میں جس کو پکارا جائے اس کا نام ضروری ہے۔ چنانچہ امام راغب اصفہانی کی تصریح سے ثابت ہوا دعا بھی در حقیقت ندا ہی ہے۔ پھر شیخ ابو القاسم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''شرح الاسماء الحسنیٰ'' میں فرمایا لفظ دعا قرآن پاک میں کئی معانی میں مستعمل ہوا ہے۔ ان میں ایک دعا بمعنی ندا اور دعا بمعنی استغاثہ بھی آیا ہے۔ آپ دعا کے معنی کو مد نظر رکھتے ہوئے دعا کے متعلق چند دلائل سماعت فرمائیں:

(1) شیخ علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین'' میں لکھتے ہیں:

حافظ ابو سعد سمعانی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا کہ نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دفن کرنے کے تین دن بعد ہمارے پاس ایک اعرابی آیا اور اس نے اپنے آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور پر ڈال دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قبر انور کی مٹی اپنی سر میں ڈال کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ نے جو کچھ کہا ہم نے آپ کے قول کو سنا۔ آپ نے اللہ عزوجل کی طرف سے محفوظ کیا اور ہم نے آپ کی طرف سے یاد کیا اور جو اللہ تعالیٰ سے آپ نے محفوظ فرمایا ان میں سے آپ پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی:

"ولو انهم اذظلموا انفسهم جاء وك فاستغفر والله واستغفر لهم الرسول لوجد والله توابا رحيما" (سورۂ نساء، آیت: 46)

''اور اگر وہ جب اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ تعالیٰ سے معافی چاہیں۔ اور رسول ان کی شفاعت کریں تو ضرور اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

اس اعرابی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اپنی جان پر ظلم کر کے آپ کے حضور حاضر ہوا ہوں میرے لیے مغفرت طلب فرمائیں۔ تو قبر انور سے آواز آئی تیرے گناہ معاف ہو گئے۔

اور محمد بن عبد اللہ عتبی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا اور اس کے آخر میں یہ اضافہ کیا اور کہا۔ میری آنکھیں غلبہ نیند سے بھر گئیں۔ تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آپ نے فرمایا: اے عتبی اعرابی سے ملو اور اس کو خوشخبری دو کہ اللہ عزوجل نے اس کے گناہ معاف کر دیے ہیں۔

(حجۃ اللہ العالمین، ص: 785، 786، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد)

(2) عن ثمامه بن عبدالله بن أنس عن أنس بن مالك أن عمر بن الخطاب رضى الله عنه كان اذا قحطوا أستسقى بالعباس بن عبدالمطلب فقال اللهم أنا كنا نتوسل اليك بنبينا فتسقينا وانا نتوسل اليك

بعم نبینا فاسقنا قال فیسقون ○ (بخاری شریف کتاب الاستسقاء)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب لوگ قحط سال میں مبتلا ہو جاتے تو حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے اور کہتے اے اللہ! تیری بارگاہ میں ہم اپنے نبی کا وسیلہ پیش کیا کرتے تھے تو ہم پر رحمت کی بارش برسادیا کرتا تھا اور اب ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا جان کا وسیلہ لے کر آئے ہیں ہم پر باران رحمت نازل فرما۔ فرماتے ہیں ان پر بارش برس پڑتی۔

(3) وروی ابو معاویه عن الاعمش عن ابی صالح عن مالك الدار قال اصاب الناس قحط فی زمن عمر فجاء رجل الی قبر النبی صلی الله علیه و آلہٖ وسلم فقال یا رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم استسق لامتك فانهم قد هلكوا قال فأتاه النبی صلی الله علیه و آلہٖ وسلم فی المنام وقال ائت عمر فمره أن یستسقی للناس فانهم سیسقون○

(الاستیعاب لابن عبدالبر علی الاصابہ، جلد دوئم، ص: 463، مطبوعہ دار احیاء التراث عربی، مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 12، ص: 32، حدیث: 12051، حجۃ اللہ علی العالمین، ص: 807، دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد 7، ص: 47)

علامہ یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ابن ابی شیبہ نے بسند صحیح مالک الدار سے روایت کیا اور مالک الدار حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے خازن تھے۔ انہوں نے کہا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں لوگ قحط سالی میں مبتلا ہو گئے تو ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر انور کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کے لیے باران رحمت طلب فرمائیے۔ اس لیے کہ وہ قحط سالی سے ہلاک ہو چکے ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خواب میں اس شخص کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اے خدا کے بندے! حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان کو حکم دو کہ وہ لوگوں کے لیے بارانِ رحمت طلب کریں ان پر ضرور رحمت کی بارش ہوگی۔

یہ ہیں دو احادیث اور ایک آیت مقدسہ جن کو حضرت العلامہ مفتی محمد اشرف سیالوی زید مجدہ نے بطور دلیل بیان فرمایا۔ اور ان سے استدلال فرمایا کہ سعیدی صاحب کی یہ عبارت غلط ہے:

(4) ابواسحاق سبیعی عن ابی سعید قال کنت أمشی مع ابن عمر فخدرت رجله فجلس فقال له رجل اذکر أحب الناس الیك فقال یا محمداه فقال فمشی○

(عمل الیوم واللیلہ لابن السنی، ص: 67، حدیث: 168، شفاء شریف، ج دوئم، ص: 18، مطبوعہ دار الکتب العربیۃ الکبریٰ مصر، الادب المفرد للبخاری، ص: 250، حدیث: 964)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث سفیان کے طریق سے ابواسحاق سے انہوں نے عبدالرحمٰن بن سعد آزاد کردہ غلام حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا:

"خدرت رجل ابن عمر فقال له رجل" الخ

ابوبکر بن سنی اس حدیث کو اسرائیل کے طریق سے ابواسحاق سے انہوں نے ھیثم بن حنش سے روایت کیا اور کہا:

"کنا عند عبداللہ بن عمر فخدرت رجله فقال له رجل" الخ

حضرت ابوسعید خدری، عبدالرحمٰن بن سعد اور ھیثم بن حنش یہ سب فرماتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا پاؤں سن ہو گیا تو آپ سے ایک شخص نے عرض کیا جس سے تم بہت زیادہ محبت کرتے ہو اس کو یاد کرو۔ تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے "یا محمداه" کہا تو آپ کا پاؤں صحیح ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بصورت ندا "یا محمداه" کہنا بھی ایک دعا ہے۔

(5) أبو زهير عن قرة بن قيس التميمي قال ○ لا انسیٰ قول زينب ابنة فاطمه حين موت باخيها الحسين صريعاً ○ وهي تقول ○ يا محمداه ○ يا محمداه صلى عليك ملائكة السماء هذا الحسين باالعراه مزمل بالدماه ○ مقطع الاعضاء يا محمداه ○ وبناتك سبايا ○ و ذريتك مقتلة ○ الخ

(تاریخ طبری، جلد 4، ص:348، مطبوعہ مطبع استقامہ قاہری 1358ھ، البدایہ والنہایہ، ج:8، ص:193، مطبوعہ مکتبۃ المعارف بیروت)

قرہ بن قیس تمیمی نے کہا زینب بنت فاطمہ کا وہ قول نہیں بھولوں گا جب وہ اپنے مقتول بھائی حضرت حسین بن علی سید الشہداء رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزر رہی تھیں اور یہ فریاد کر رہی تھیں:

یا محمداہ، یا محمداہ۔ آسمانوں کے فرشتے آپ پر صلوٰۃ بھیجیں یہ میرا بھائی حسین برہنہ تن اور خون میں لپٹے ہوئے پڑے ہیں۔ اور آپ کے اعضاء مقطوع ہیں۔ "یا محمداہ" آپ کی بیٹیاں قیدی ہو گئی ہیں۔ اور آپ کی اولاد کو شہید کر دیا گیا ہے۔

یہ ندیہ واستغاثہ کی صورت میں جو ندا ہے یہ بھی ایک دعا ہے۔

(6) علامہ یوسف نبہانی فرماتے ہیں:

ابن عابدین نے ثبت میں اپنے شیخ سید محمد شاکر عقاد سے انہوں نے شیخ احمد حلبی قاطن سے دمشق میں، انہوں نے مفتی دمشق علامہ حامد آفندی عمادی سے نقل کیا کہ ان کو دمشق کے بعض وزراء نے پکڑنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے یہ رات نہایت ہی مصیبت میں گزاری۔ رات کو خواب میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو آپ نے اس کو امن کی خوشخبری دی اور ان کو درود پاک کا ایک صیغہ سکھایا کہ جب وہ اس کو پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت کو دور کر دے گا۔ چنانچہ علامہ حامد آفندی عمادی بیدار ہوئے اور اس درود شریف کو پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برکت سے اس کی مصیبت کو دور فرمادیا۔ اور وہ درود شریف یہ ہے:

اللهم صل وسلم علی سیدنا محمد قد ضاقت حیلتی ادرکنی یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں: دمشق میں ایک فتنۂ عظیم برپا ہوا تو میں نے اس فتنہ کے دفع کے لیے اس درود شریف کو پڑھا۔ ابھی میں نے دوسو (200) دفعہ بھی نہیں پڑھا تھا کہ میرے پاس ایک آدمی خبر لایا کہ فتنہ ختم ہو گیا ہے۔

علامہ یوسف نبھانی فرماتے ہیں: اس فقیر نے بھی اس صیغہ کے ساتھ درود شریف پڑھ کر تجربہ کیا تو روز روشن کی طرح اس کا اثر ظاہر ہوا۔ (حجۃ اللہ علی العالمین، ص:818)

فرج کرب اور قضائے حاجت کے لیے بارگاہ نبوت میں ندا کرنا اور آپ کی برکت سے مصیبت کا دور ہونا اور حاجت کا پورا ہونا۔ یہ دفع مصیبت اور حل مشکل اور قضائے حاجت کے لیے بارگاہ نبوت میں دعا کرنا ہی تو ہے۔ جس دعا کو سعیدی صاحب ناجائز فرمارہے ہیں۔

(7) عن زید بن علی عن عتبہ بن غزوان عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قال أذا ضل احدکم شیأ أو أراد عونا وهو بارض لیس بها أنیس فلیقل یا عباد اللہ اعینونی یا عباد اللہ اعینونی فان للہ عباداً لا تراهم○ وقد جرب ذالك○

(معجم کبیر للطبرانی، جلد 17، ص: 117، 118، حدیث: 290، مسند بزار، جلد 11، حدیث: 4922، حصن حصین، ص: 127، مطبوعہ مطبع انوار محمدی لکھنؤ، شعب الایمان للبیہقی، جلد اول، ص: 183، حدیث: 167)

عتبہ بن غزوان نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کیا۔ آپ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کی کوئی چیز گم ہو جائے یا وہ مدد چاہتا ہو۔ اور وہ ایسی زمین میں ہو جہاں اس کا کوئی ساتھی نہ ہو تو وہ کہے اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں جو تمہیں نظر نہیں آتے (وہ تمہاری مدد کریں گے) امام طبرانی فرماتے ہیں اس کا کئی بار تجربہ کیا گیا۔

صاحب مجمع الزوائد، جلد 10، ص: 132، میں فرماتے ہیں اس حدیث کے رجال ثقہ ہیں۔

آپ دیکھیں مصیبت کے وقت طلب مدد کے لیے اللہ تعالیٰ کے بندوں سے دعا کرنا اور ان کو مدد کے لیے پکارنا جائز ہے۔ اور یہ وظیفہ خود سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بیان فرمارہے ہیں۔ اور امام طبرانی نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد فرمایا اس کا کئی بار تجربہ کیا گیا۔ اور یہ عمل صحیح ہے۔

(8) عن قتادة عن ابی بردة عن ابیه عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنه انه قال○ قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وآلہٖ وسلم اذا نفلتت دابة احدکم بار من فلاة فلیناد یا عباد اللہ احبسوه○ فان للہ عزوجل

في الارض حاضراً سيحبسه ٥

(عمل الیوم واللیلہ للسنی ،ص:170 ،حدیث:509 ،مصنف ابن ابی شیبہ ،جلد 10 ،ص:425 ،حدیث:9869)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کا چوپایہ (جانور) جنگلی زمین میں چھوٹ جائے تو وہ پکارے اے اللہ کے بندو! اس کو روکو۔ عزوجل کے بندے زمین میں حاضر ہیں۔ وہ اس کو روک لیں گے۔

اس حدیث مبارک میں بھی اللہ عزوجل کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمارہے ہیں اس مصیبت کے وقت تم اللہ تعالیٰ کے بندوں سے مدد مانگو۔ وہ تمہاری ضرور مدد کریں گے۔ یہ بھی دعا ہی ہے اور کیا ہے کہ وہ اللہ کے بندوں سے مدد مانگے، مدد طلب کرے اور دعا کا معنی بھی طلب کرنا ہے۔

(9) قرر الزيادي ان الانسان أذا ضاع له شيء و اراد أن يرده الله سبحانه عليه فليقف على مكان عال مستقبل القبلة ويقرء الفاتحة ويهدي ثوابها للنبي صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ثم يهدي ثواب ذالك سيدي احمد بن علوان ويقول يا سيدي احمد يا ابن علوان ان ترد علي ضالتي و الانزعتك من ديوان الاولياء فان الله تعالیٰ يرد على من قال ذالك ضالته ببركته ٥

(ردالمحتار، جلد سوئم، ص:355)

زیادی نے تقریر کی بے شک انسان کی کوئی چیز جب ضائع ہو جائے اور وہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی ضائع شدہ چیز اس پر لوٹا دے تو اسے چاہئے کہ قبلہ رُخ منہ کر کے اونچی جگہ پر کھڑا ہو اور سورۂ فاتحہ پڑھے اور اس کا ثواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ہدیہ کرے۔ پھر اس کا ثواب سیدی احمد بن علوان کے لیے ہدیہ کرے اور کہے یا سیدی! اے ابن علوان! اگر آپ نے میری گم شدہ چیز واپس نہ کی تو میں آپ کو دیوان اولیاء سے اتار دوں گا۔ تو بے شک اللہ تعالیٰ واپس کر دیتا ہے اس کہنے والے پر اس کی گم شدہ چیز کو۔ ان کی برکت سے۔

آپ دیکھیں کہ فقہاء کرام کے کلام میں ''یا سيدي احمد يا ابن علوان '' آیا ہے اور ''ان لم ترد علی ضالتی'' میں وہی مخاطب ہیں۔ تو ردضالہ کا فاعل حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ احمد بن علوان کی طرف اس کی اسناد مجاز عقلی ہے۔ اور اس میں جو دلیل ہے وہ خود قائل کا مومن وموحد ہونا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے بندوں سے ایسی دعا کرنا اور مدد طلب کرنا شرعاً جائز ہے۔ رہا یہ امر کہ مزارات اولیاء پر جا کر یا سیدی، یا ولی اللہ اقض حاجتی، اعنی وغیرہ الفاظ بولنے کو فقہاء کرام نے ناجائز قرار دیا ہے۔ جو لوگ ایسے الفاظ قبور اولیاء پر بولتے ہیں، وہ مشرک ہیں۔ بے شک فقہاء نے اس سے منع فرمایا ہے لیکن یہ فساد عقیدہ ان کو متصرف بالاستقلال سمجھنے کی بناء پر ہے ورنہ اس کے بغیر نذر اولیاء ممنوع نہیں۔ اور نہ ہی ان سے دعا کرنا ممنوع ہے۔ جیسا کہ اس سے قبل احادیث سے ثابت ہے۔

اس لیے صاحب ردالمحتار نے فرمایا:

(دعایا نذر وغیرہ) تقرب علی وجہ العبادہ ہو اس لیے کہ تقرب علی وجہ العبادہ ہی موجب کفر ہے۔ اور ایسا تقرب مسلمان کے حال سے بہت بعید ہے۔

جب کسی اللہ کے بندے سے دعا کرنا اور اس کی نذر دینا تقرب علی وجہ العبادہ نہیں اور نہ ہی کسی مسلمان کا ایسے تقرب کا خیال ہے وہ تو صرف اللہ کے بندے سمجھ کر ان سے دعا کرتے ہیں۔ ان کی نذر مانتے ہیں کہ فاعل حقیقی تو خدا ہے اور ان کی طرف دعا و نذر کی اسناد تو مجاز عقلی ہے۔ جس سے کسی کو انکار نہیں جس کی احادیث بھی مشاہد ہیں۔

انشاء اللہ اس مسئلہ پر مکمل بحث مسئلہ نذر پر آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔

چنانچہ میں نے جو احادیث مبارکہ اور اقوال فقہاء بطور دلیل عرض کیے ہیں جن سے غیر اللہ سے مدد طلب کرنا، قضائے حاجات کا سوال کرنا، اور ان سے استغاثہ کرنا، دعا کرنا، ثابت ہوتا ہے جو کہ اسناد مجاز عقلی ہے جس سے کسی کو انکار نہیں۔ چنانچہ مطلقاً ایسے الفاظ بولنا جیسے سعیدی صاحب کی عبارت سے عیاں ہے یہ عقیدہ نجدیت کی تائید نہیں تو اور کیا ہے۔

امام تقی الدین سبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام'' میں فرماتے ہیں۔

"الباب الثامن"

فی التوسل و استغاثة والتشفع بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٥

(شفاء السقام، ص:160، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

آٹھواں باب: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ توسل، استغاثہ اور شفاعت طلب کرنے کے بیان میں

فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ توسل واستغاثہ اور تشفع جائز اور مستحسن ہے۔ اور اس کا جائز اور حسن ہونا ہر صاحب دین معروفہ کے امور معلومہ میں سے ہے۔ جو فعل انبیاء کرام اور مرسلین اور سیر سلف صالحین وعلماء اور مسلمانوں میں سے عوام میں سے۔ اہل ادیان میں سے کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا اور نہ ہی کسی زمانہ میں اس کا انکار سنا گیا۔ حتی کہ ابن تیمیہ آیا اور اس نے اس کے متعلق کلام کیا۔

اقول:

علامہ تقی الدین بکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ میں کہتا ہوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے توسل ہر حال میں جائز ہے۔ آپ کی تخلیق سے پہلے اور آپ کی تخلیق کے بعد آپ کی دنیاوی حیات مبارکہ میں اور آپ کے وصال کے بعد مدت برزخ اور بعث کے بعد جنت اور میدان قیامت میں آپ سے توسل جائز ہے۔ اور توسل کی تین اقسام ہیں:

قسم اوّل:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ توسل کرنے کا معنی یہ ہے کہ طالب حاجت اللہ تعالیٰ کے حضور آپ کے صدقہ یا آپ کے علو مرتبہ ومنزلت کے ساتھ یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت کے لیے توسل پیش کرے۔ اور یہ تین احوال میں جائز ہے:

حالت اولیٰ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلقت سے قبل آپ سے توسل کرنا اس پر گزرے ہوئے انبیاء کرام علیہم السلام سے آثار دلالت کرتے ہیں۔ اور ہم صرف ان میں سے صرف ایک حدیث پر اقتصار کریں گے جس کا صحیح ہونا ظاہر ہے۔ اور وہ حدیث یہ ہے جس کو امام حاکم نے مستدرک میں روایت کیا۔

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال ٥ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لما

اعترف آدم علیہ السلام بالخطیئة قال یا رب اسالك بحق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لما غفرت لی ○ فقال اللہ یا آدم وکیف عرفت محمدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولم اخلقه قال یا رب لانك لما خلقتنی بیدك ونفخت فی من روحك رفعت راسی فرایت علی قوائم العرش مکتوباً لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ○ فعرفت انك لم تضف الی اسمك الا احب الخلق الیك فقال اللہ صدقت یا آدم ○ انه لاحب الخلق الی اذ سالتنی بحقه ○ فقد غفرت لك ولولا محمد ما خلقتك ○ فقال الحاکم هذا حدیث صحیح الاسناد ○

(مستدرک للحاکم، جلد سوئم، ص: 517، حدیث: 4286، دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد 5، ص: 489، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی خطاء کا اعتراف کرلیا تو عرض کیا اے میرے رب! میں تجھ سے بحق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوال کرتا ہوں، میری خطاء معاف فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم علیہ السلام! تم نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیسے پہچانا حالانکہ میں نے ابھی آپ کو پیدا نہیں کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے میرے رب! جب تو نے مجھ کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی۔ تو میں نے اپنا سر اٹھایا تو عرش کے ستونوں پر میں نے ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ مکتوب پایا تو میں نے جان لیا کہ تو نے اپنے اسم گرامی کے ساتھ اس نام کو ملایا ہے جس سے تجھے تمام مخلوق سے زیادہ محبت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! تو نے سچ کہا ہے کہ وہ (یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے تمام مخلوق سے محبوب ہیں۔ اے آدم علیہ السلام! تو نے ان کے حق کے توسل سے دعا کی ہے میں نے تیری خطاء معاف کردی۔ اے آدم علیہ السلام! اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہ ہوتے تو میں تجھے بھی پیدا نہ کرتا۔

تو یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خلقت سے قبل آپ سے توسل ہے اس کے بعد امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ حدیث غار جس میں اعمال صالح کے توسل سے دعا کی گئی۔ اور یہ حدیث احادیث صحیحہ مشہورہ میں سے ایک ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو کتاب الأدب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اور جب اعمال صالحہ کے ساتھ سوال کرنا جائز ہے حالانکہ یہ اعمال صالحہ مخلوقہ ہیں۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسل سے سوال کرنا اور دعا کرنا بدرجہ اولیٰ جائز اور صحیح ہے۔

حالت ثانیہ:

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ توسل کرنے کی قسم اوّل کی حالت ثانیہ اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کی خلقت کے بعد آپ کی حیات مبارکہ میں آپ کے ساتھ توسل کرنا۔ ابو عیسیٰ ترمذی نے اپنی ”جامع ترمذی“ میں حضرت

عثمان بن حنیف سے روایت کیا:

عن عثمان بن حنیف ان رجلا ضریر البصر اتی النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم فقال ادع اللہ ان یعافینی ○ قال ان شئت دعوت و أن شئت صبرت فھو خیرلك قال فادعه ○ قال فامره أن یتوضأ فیحسن وضوئه ویدعد بھذاالدعاء ○ اللھم انی اسئلك واتوجه الیك بنبیك محمد نبی الرحمة یا محمد أنی توجھت بك الی ربی فی حاجتی لیقضی لی اللھم شفعه فی○

(ترمذی شریف ،حدیث:3578،ابن ماجہ شریف ،حدیث:1385،مستدرک للحاکم ،جلد دوئم ،ص:203،حدیث:1952،صحیح ابن خزیمہ ،جلد دوئم ،ص:225،226،حدیث:1219،دلائل النبوۃ للبیہقی ،جلد6،ص:166)

ابوعیسیٰ ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن، صحیح غریب ہے۔ ابن ماجہ نے کہا، ابواسحاق نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ امام حاکم نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔

عثمان بن حنیف سے روایت ہے کہ ایک نابینا شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اللہ عزوجل سے دعا کیجئے وہ مجھے آرام عطا فرمائے۔ آپ نے فرمایا: اگر تو چاہتا ہے تو میں دعا کرتا ہوں۔ اگر تو چاہتا ہے تو صبر کر اور صبر کرنا تیرے لیے اچھا ہے۔ اس نے عرض کیا آپ دعا فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو حکم دیا کہ وہ اچھی طرح وضو کرے اور یہ دعا کرے۔

اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ اور تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو نبی رحمت ہیں کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میں آپ کے ذریعہ سے اپنی حاجت کے متعلق اپنے رب کے حضور متوجہ ہوتا ہوں تا کہ وہ میری حاجت پوری فرمائے۔ اے اللہ! میرے حق میں ان کی شفاعت کو قبول فرما۔

چنانچہ جب اس شخص نے بارگاہِ خداوندی میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وسیلۂ جلیلہ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی حاجت کو پورا کر دیا اور وہ شخص اس وقت بینا ہو گیا۔

حالت ثالثہ:

توسل کے قسم اوّل کی تیسری حالت یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات مبارکہ کے بعد آپ سے توسل کرنا۔

امام طبرانی نے (معجم کبیر) میں ترجمہ عثمان بن حنیف کے ماتحت لکھا ہے:

عن ابی امامه بن سھل بن حنیف عن عمه عثمان بن حنیف ان رجلا یختلف ابو عثمان بن عفان رضی اللہ عنه فی حاجة له فکان عثمن لا یلتفت الیه ولا ینظر فی حاجته فلقی ابن حنیف فشکا ذالك الیه ○ فقال له عثمان بن حنیف ایت المیضاة فتوضا ثم ایت المسجدفصل فیه رکعتین ثم قل○

اللھم انی اسئلک واتوجه الیک بنبینا محمد صلی اللہ علیه وآلہٖ وسلم نبی الرحمة یا محمد انی أتوجه الیک الٰی ربک فیقضی حاجتی وتذکر حاجتک۔ الخ

(معجم کبیر للطبرانی، جلد 9، ص: 30، 31، حدیث: 8311)

ابوامامہ بن سہل بن حنیف نے اپنے چچا عثمان بن حنیف سے روایت کیا کہ ایک شخص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے پاس اپنی حاجت لے کر جاتا تو آپ اس کی طرف متوجہ نہ ہوتے اور نہ ہی اس شخص کی حاجت کی طرف نظر فرماتے۔ وہ شخص عثمان بن حنیف سے ملا تو اس کے پاس یہ شکایت کی۔ حضرت عثمان بن حنیف نے اس شخص سے فرمایا: پانی کا برتن لاؤ اور وضو کرو۔ پھر مسجد میں چلے جاؤ اور مسجد میں دو رکعت نماز نفل ادا کرو۔ پھر یہ دعا کرو:

اللھم انی أسالک وأتوجه الیک بنبینا محمد صلی اللہ علیه وآلہٖ وسلم نبی الرحمة یا محمد صلی اللہ علیه وآلہٖ وسلم أنی أتوجه بک الٰی ربی فتقضی لی حاجتی"

اور مسجد میں آرام کرو اور میں بھی آپ کے ساتھ آرام کروں گا۔ اور تم اپنی حاجت اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرو۔ وہ آدمی چلا گیا اور جیسا کہ حضرت عثمان بن حنیف نے کہا اسی طرح کیا۔ پھر وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر آیا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دربان آیا اور اس کا ہاتھ پکڑا اور اس کو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو اپنی چٹائی پر اپنے پاس بٹھایا اس کے بعد فرمایا تمہاری کیا حاجت ہے تو اس شخص نے اپنی حاجت کو بیان کیا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس کی حاجت کو پورا کر دیا۔ آپ دیکھیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے حالانکہ آپ کا وصال مبارک ہو چکا ہے۔ اس شخص نے اپنی حاجت کا سوال کیا تو اللہ عزوجل نے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقہ سے اس کی حاجت کو پورا فرمایا۔

اس حدیث کو منذری نے بھی اپنی کتاب "الترغیب والترہیب" میں نقل کیا ہے۔ (الترغیب والترہیب للمنذری، جلد اوّل، ص: 473، مطبوعہ مکتبۃ العصریہ بیروت، دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد 6، ص: 167، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے توسل کی دوسری قسم:

اس توسل کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دعا کا طلب کرنا۔ اور آپ سے دعا طلب کرنے میں کچھ احوال ہیں۔

حالت اولیٰ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے آپ کی حیات مبارکہ میں دعا کا طلب کرنا اور یہ دعا کا آپ سے طلب کرنا متواتر ہے اور اس سے اخبار مملو ہیں جن کا حصر ممکن نہیں کہ مسلمان اپنی پریشانیوں مصائب وآلام میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے

حضور حاضر ہوتے اور جملہ مصائب و آلام میں جوان کو پہنچیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے استغاثہ کرتے۔

صحیحین میں ہے:

عن شریك بن عبدالله ابن ابی نمیر انه سمع انس بن مالك یذكر ان رجلاً دخل یوم الجمعة من باب كان وجاه المنبر ورسول الله صلی الله علیه و آلهٖ وسلم قائم یخطب فاستقبل رسول الله صلی الله علیه و آلهٖ وسلم قائماً فقال یا رسول الله صلی الله علیه و آلهٖ وسلم هلكت الاموال وانقطعت السبل فادع الله یغیثنا قال فرضع رسول الله صلی الله علیه و آلهٖ وسلم فقال اللهم اسقنا ○ اللهم اسقنا ○ اللهم اسقنا ○ الخ

(بخاری شریف، کتاب الاستسقاء، حدیث:1013، مسلم شریف بمع نووی، جلد اول، ص:293)

شریک بن عبداللہ بن ابی نمیر سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو ذکر کرتے ہوئے سنا۔ کہ ایک آدمی (کعب بن مرہ یا خارجہ بن حصن) جمعہ کے دن منبر شریف کے سامنے جو دروازہ تھا اس سے داخل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور وہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے کھڑا ہو کر عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اموال ہلاک ہو گئے راستے منقطع ہو گئے۔ آپ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں ہمارے لیے بارش کی دعا فرمائیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا۔ اے اللہ! ہم پر بارش برسا۔ اے اللہ! ہم پر بارش برسا۔ اے اللہ! ہم پر بارش برسا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ ہم کو آسمان پر کوئی بادل اور نہ ہی بادل کا ٹکڑا اور نہ ہی کوئی اور چیز دکھائی دے رہی تھی۔ اور نہ ہمارے اور سلع (مدینہ شریف کے متصل ایک مشہور پہاڑ) کے درمیان کوئی گھر اور چار دیواری تھی (جو بادل کے دیکھنے میں حجاب ہوں یعنی بادش پوشیدہ یا پہاڑوں کے پیچھے چھپا ہوا نہیں تھا بلکہ مفقود تھا) حضرت انس رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے اس سلع پہاڑ کے پیچھے سے ڈھال کی مثل تھوڑا سا بادل نمودار ہوا اور جب وہ (بادل کا ٹکڑا) آسمان کے درمیان آیا تو پھیل گیا۔ اور پھر وہ بادل برسا۔ اللہ کی قسم! ہم نے ایک ہفتہ سورج نہیں دیکھا۔ پھر وہی آدمی آئندہ جمعہ کو اس دروازہ سے داخل ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اس آدمی نے کھڑے ہو کر آپ کی طرف منہ کر کے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مال مویشی ہلاک ہو گئے اور راستے منقطع ہو گئے۔ آپ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعا فرمائیں کہ وہ بارش روک لے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ مبارک اٹھائے پھر عرض کیا اے اللہ! بارش ہمارے اردگرد (پہاڑوں وغیرہ) پر ہو گھروں پر نہ ہو۔ اے اللہ! ٹیلوں، پہاڑوں، چھوٹے ٹیلوں، ندیوں اور درختوں کے اگنے کی جگہ بارش ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا بارش ختم ہو گئی۔ اور ہم مسجد

سے اس حال میں نکلے کہ ہم دھوپ میں چل رہے تھے۔

شریک بن عبداللہ بن ابی نمیر نے کہا میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا (دوسرے جمعہ کو آنے والا) کیا وہی آدمی تھا (جس نے پہلے جمعہ کو بارش کے لیے عرض کیا تھا) یا کوئی اور آدمی تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا مجھے معلوم نہیں۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ، اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں اپنی اسناد کے ساتھ کافی احادیث لائے ہوئے ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے جب بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ نبوت میں اور جس نے بھی طلب بارش کے لیے دعا طلب کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہ خداوندی میں اپنے دونوں ہاتھ مبارک کو دعا کے لیے بلند فرمائے تو اللہ عزوجل نے رحمت کی بارش نازل فرمائی۔ (دلائل النبوۃ بیہقی، جلد 6، ص: 139 تا 148، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: توسل کے اس نوع میں احادیث وآثار اتنے زیادہ ہیں کہ جو شمار نہیں کیے جا سکتے اور اگر تو ان کی تلاش کرے تو، تو ان کو ہزاروں میں پائے گا۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کے قول کی نص ہے۔

"ولو أنهم أذظلموا أنفسهم جاؤوك فاستغفر والله واستغفر لهم الرسول" الخ۔

اور یہ آیت مبارکہ اس باب میں صریح ہے۔ اور اسی طرح جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نسبت ہے ان سے بھی اسی طرح توسل کرنا جائز اور مستحسن ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب سے بھی بارش طلب کرتے۔ اور کہتے اے اللہ! جب ہم قحط سالی میں مبتلا ہوتے تو ہم تیرے حضور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وسیلہ پیش کرتے۔ اور ہم پر بارش نازل ہوتی۔ اور اب ہم تیرے حضور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا توسل کرتے ہیں، رحمت کی بارش فرما تو ہم پر بارش برستی۔

علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور جملہ انبیاء کرام اور صالحین سے توسل، تشفع اور استعانت اس طرح نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ غیر اللہ سے استعانت واستغاثہ جائز نہیں۔ ہم کہتے ہیں حضرات انبیاء کرام اور صالحین سے استعانت واستغاثہ جائز ہے جبکہ ان کو مستعان ومستغاث حقیقی نہ سمجھا جائے، بلکہ ان کو سبب بنایا جائے اور کہا جائے کہ وہ عطائے الٰہی سے یہ کام کرتے ہیں۔ اور حضرات انبیاء کرام وصالحین کے متعلق کسی مسلمان کے دل میں بھی یہ خیال نہیں ہوتا کہ وہ مستعان ومستغاث حقیقی ہیں۔ اور نہ ہی ان کے ساتھ کسی کا یہ ارادہ ہوتا ہے۔ ہاں اگر کسی کے سینہ کو اللہ تعالیٰ نے اس کو سمجھنے کے لیے نہیں کھولا تو چاہیے کہ وہ اپنے آپ پر روئے۔ اور جب یہ معنی صحیح ہے تو تجھ پر واجب نہیں کہ تو ان سے توسل کرے یا تشفع یا استعانت واستغاثہ یعنی سب کا معنی ایک ہے کہ ان سے دعا طلب کرنا؟

چنانچہ مستغاث بہ حقیقتاً اللہ عزوجل ہی ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے اور مستغیث کے درمیان واسطہ ہیں۔

حالت ثانیہ:

یعنی توسل کی دوسری قسم یہ ہے کہ قیامت کے دن آپ سے شفاعت طلب کی جائے۔ اور قیامت کے دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت پر اجماع قائم ہوا ہے۔ اور اس کے متعلق اخبار متواتر وارد ہوئی ہیں۔

جیسا کہ بخاری شریف اور دیگر کتب احادیث میں حدیث شفاعت آئی۔

''استغاثوا بآدم ثم بموسیٰ ثم بمحمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ''یعنی لوگ قیامت کے دن حضرت آدم۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد طلب کریں گے۔

حالت ثالثہ:

یعنی توسل کی دوسری قسم میں سے ایک حال یہ بھی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طلب دعا کی جاسکتی ہے اور یہ حال برزخ کا ہے۔ اس کے متعلق حدیث نمبر سوئم دیکھیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک شخص نے قبر انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اپنی امت کے لیے بارش طلب کیجئے کیونکہ وہ قحط سالی سے ہلاک ہو چکے ہیں۔ جب وہ شخص محوِ خواب ہوا تو خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ اور ان کو میرا سلام دینا اور کہنا کہ ضرور بارش ہوگی۔

اس اثر میں محل استشہاد یہ ہے کہ اس شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات مبارکہ کے بعد مدت برزخ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بارش طلب کی اور اس سے کوئی چیز مانع نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس حالت میں اپنے رب کے حضور دعا کرنا اور یہ غیر ممتنع ہے اور اس کے متعلق یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات مبارکہ کے بعد آپ سے طلب دعا کرنا بے شمار اخبار وارد ہوئی ہیں۔ اور جو شخص آپ سے سوال کرتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا علم ہے اس کے متعلق بھی بکثرت اخبار وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ ان دو امروں کے ہوتے ہوئے کوئی ایسا مانع نہیں ہے کہ جس طرح آپ سے آپ کی حیات مبارکہ میں آپ سے بارش کی دعا کی جاتی تھی۔ آپ کی وفات مبارکہ کے بعد بھی آپ سے بارش کی دعا کی جاسکتی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے توسل کی تیسری قسم:

یعنی جو امر مقصود ہے اس کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طلب کرنا۔ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں اپنے رب کے حضور سوال کرنے اور شفاعت کرنے کے سبب بننے پر قادر ہیں۔ اور توسل کی یہ تیسری قسم معنی کے اعتبار سے توسل کی قسم دوئم کی طرف راجع ہے۔ اگرچہ عبارت مختلف ہے۔

اور اس توسل قسم سوئم میں سے یہ حدیث ہے:

عن ربیعہ بن کعب اسلمی قال کنت ابیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فاتیتہ بوضوئہ فقال لی "سل" فقلت اسئلك مرافقتك فی الجنۃ ۰ فقال ۰ اوغیر ذلك ۰ قلت ھو ذالك ۰ قال فاعنی علی نفسك بکثرۃ السجود ۰

(مسلم شریف مع نووی، جلد اول، ص:193، معجم کبیر للطبرانی، جلد 5، ص:56، حدیث:4570، مسند ابوعوانہ، جلد اول، ص:391، حدیث:1475، حلیۃ الاولیاء، جلد دوئم، ص:31، 32، مطبوعہ دار الفکر)

ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں سویا ہوا تھا تو میں آپ کے لیے وضو کا پانی لایا تو آپ نے فرمایا: جو چاہتے ہو مانگو۔ میں نے عرض کیا (یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں جنت میں آپ کی مرافقت کا سوال کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کے علاوہ کوئی اور حاجت۔ میں نے عرض کیا صرف یہی جو میں نے آپ سے سوال کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: خود پر کثرت سجود کو لازم کرو اور اس طرح میری مدد کرو۔ اور اس کے متعلق آثار بکثرت ہیں اور لوگوں کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سوال کرنا اس کا مقصد صرف یہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سبب اور شافع ہیں۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جواب بھی اسی طرح ہے اگرچہ سوال کا جواب بحسب سوال وارد ہوا ہو۔

اسی قبیل سے حضرت عثمان بن ابی العاص کی حدیث ہے جس کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اپنی اسناد کے ساتھ عثمان بن ابی العاص سے روایت کیا۔ حضرت عثمان بن ابی العاص نے کہا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کی۔ وہ حدیث یہ ہے:

عن عثمان بن ابی العاص قال شکوت الی النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سوء حفظی للقرآن فقال شیطان یقال خنزب ادن منی یا عثمان ثم وضع یدہ علی صدری فوجدت بردھا بین کتفی وقال اخرج یا شیطان من صدر عثمان قال فما سمعت بعد ذالك شیأ الاحفظتہ ۰

(دلائل النبوۃ للبیہقی، جلد 5، ص:308، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ)

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور قرآن پاک حفظ کرنے کی سوء حفظ کی شکایت کی۔ تو آپ نے فرمایا وہ شیطان ہے جسے خنزب کہا جاتا ہے۔ اے عثمان! میرے قریب آؤ۔ میں آپ کے قریب ہوا تو آپ نے اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے دونوں شانوں کے درمیان پائی۔ اور فرمایا: اے شیطان! حضرت عثمان بن ابی العاص کے سینہ سے نکل جا۔ حضرت عثمان بن ابی العاص فرماتے ہیں: میں نے اس کے بعد جو چیز بھی سنی اس کو یاد کرلیا۔

علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ دیکھو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ علم ہونے کے باوجود شیطان کے نکلنے کا حکم دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہے۔ تو یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افعال کے استقلال اور خلق کی طرف اسناد ہے کہ آپ حقیقی مستعان یا مستغاث ہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سبب ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی مسلمان بھی حقیقی مستعان یا مستغاث نہیں سمجھتا۔ چنانچہ آپ کی طرف اس کلام کا پھیرنا اور منع کرنا یہ دین میں تلبیس کے باب میں سے ہے۔ اور عوام موحدین پر تشویش کا اظہار کرنا ہے۔

فرماتے ہیں میں نے جو انواع توسل اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طلب میں احوال تحریر کیے ہیں جس سے معنی ظاہر ہو گئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف استعانت واستغاثہ کی اسناد مجازی ہے حقیقی نہیں۔ لہٰذا تیرے لیے ضروری نہیں کہ تو ان کا نام لے اور کہے توسل یا تشفع یا استغاثہ یا اس کی مثل کوئی اور لفظ یا توجہ وغیرہ کیونکہ معنی سب کا ایک ہے یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دعا طلب کرنا۔

تشفع کا معنی ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے لیے اپنے رب سے شفاعت طلب فرما۔ اور توسل بھی اس معنی میں ہے۔ اور ''التوجہ'' توجہ کے معنی میں ہے اللہ عزوجل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں فرمایا: ''وکان عند اللہ وجیھا'' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں فرمایا: ''وجیھا فی الدنیا والآخرہ'' علمائے مفسرین نے فرمایا: وجیھا بمعنی اللہ کے نزدیک ذوجاہ ومرتبہ ہے۔ امام جوھری نے فعل ''وجہ'' میں کہا جب وہ وجیہہ صاحب جاہ ومنزلت ہو جائے۔ اور جوھری نے فعل ''وجوہ'' میں کہا۔ جاہ بمعنی قدر ومنزلت ہے چنانچہ معنی ''تجوہ۔ توجہ'' بحاھہ کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدر ومنزلت کا وسیلہ پیش کرنا۔

استغاثہ کا معنی اور توضیح

استغاثہ کا معنی ہے مدد کا طلب کرنا۔ مدد کبھی تو اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ طلب کی جاتی ہے جیسا اللہ تعالیٰ کا فرمان: ''اذ تستغیثون ربکم'' اور کبھی کبھی اس سے مدد طلب کی جاتی ہے جس کی طرف اسناد علی سبیل کسب ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی عطاء سے مدد کرتا ہے۔ چنانچہ توسل کی ان قسموں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس نوع کا استغاثہ مراد ہے۔

امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کبھی فعل بنفسہ متعدی ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: ''اذ تستغیثون ربکم'' اور کبھی حرف جر کے ساتھ جیسے ''استغیث بہ'' چنانچہ صحیح ہے کہ اس طرح کہا جائے: ''استغیث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' یعنی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استغاثہ کرتا ہوں۔ یا اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے: ''استغیث بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور استغاثہ کرتا ہوں۔ اور دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ اور وہ دعا کے ساتھ آپ سے مدد طلب کرنا ہے۔ اور یہ استغاثہ توسل کی جو دو نوع (دوسری اور تیسری) ہیں اس میں

داخل ہے اور توسل واستغاثہ میں کوئی فرق نہیں۔ اور یہ استغاثہ آپ کی حیات طیبہ میں بھی جائز تھا اور آپ کے وصال مبارک کے بعد بھی جائز ہے۔ اگر استغاثہ کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی جائے تو آپ بھی مستغاث ہوں گے اور آپ سے مدد کا طلب کرنا بحیثیت سبب اور عطاء الٰہی سے ہوگا۔

اور جب یہ کہا جائے: ''استغثت با النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم '' میں نے نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استغاثہ کیا تو اس معنی کے اعتبار سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لفظ استغاثہ کے دو معنی ہوں گے۔ ایک یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''مستغاث'' ہیں۔ دوئم یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''مستغاث بہ'' ہیں۔ اور صرف ''باء'' استعانت کے لیے ہوگا۔ چنانچہ استغاثہ اور توسل دونوں کا مطلق ہونے کا جواز ظاہر ہوگیا اور یہ وہ امر ہے جس میں شک نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ لغت میں استغاثہ مدد کا طلب کرنا ہے اور یہ ہر اس شخص سے جو استغاثہ پر قدرت رکھتا ہو لغتاً وشرعاً جائز ہے۔ جس معنی میں بھی اس کو تعبیر کیا جائے۔ جیسا کہ ام اسماعیل نے کہا ''اغث ان کان عندك غواث '' یعنی اگر تیرے پاس کوئی مدد کرنے والا ہے تو اس سے مدد طلب کر۔

بالجملہ:

لفظ استغاثہ کا اطلاق بالنسبت اس شخص کے جس سے مدد حاصل کی جائے یا خلقاً اور ایجاداً ہوگا۔ یعنی استغاثہ کی اسناد حقیق ہوگی اور اللہ عزوجل مستغاث حقیقی ہوگا۔ یا سبب ہونے اور عطائے الٰہی کی وجہ سے اس پر لفظ استغاثہ کا اطلاق ہوگا۔ تو پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف استغاثہ کی نسبت مجازی ہوگی۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مستغاث مجازی ہوں گے۔

راقم السطور کہتا ہے۔ مسئلہ حقیقت ومجاز قرآن معظم میں بھی آیا ہے کہ ایک فعل کو حقیقتاً اللہ عزوجل کی طرف منسوب کیا جاتا ہے پھر اس فعل کو مجازاً بندوں کی طرف بھی منسوب کیا جاتا ہے۔ اس کی توضیح قرآن مقدس سے سماعت فرمائیں۔

حقیقت اور مجاز قرآن سے:

(۱) اللہ عزوجل کا فرمان: ''ان الحکم الا للہ یقص الحق وھو خیر الفاصلین '' (سورۂ انعام، آیت: 57،) حکم نہیں اگر اللہ تعالیٰ کا وہ حق فرماتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

چنانچہ ہر شخص جانتا ہے حقیقی حاکم اللہ عزوجل ہے اور نفی کے بعد اثبات اللہ تعالیٰ کے ساتھ حکم کو خاص کرتا ہے۔ پھر اللہ عزوجل نے اس فعل کو بندہ کی طرف منسوب فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''فلا وربك لا یؤمنون حتی یحکموك فیما شجر بینھم۔ الخ (سورۂ نساء، آیت: 65)

تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم! وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں۔

وہی فعل جو اللہ عزوجل نے اپنی طرف حقیقتاً منسوب فرمایا پھر اسی فعل کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف مجازاً منسوب فرمارہا ہے۔ یعنی حقیقی حاکم اللہ عزوجل ہی ہے اور مجازی حاکم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

(2) اسی طرح ہر کوئی جانتا ہے کہ زندہ کرنا اور مارنا حقیقتاً اللہ تعالیٰ عزاسمہ کے حکم کے ساتھ خاص ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''ھو یحیی ویمیت'' واللہ یتوفی الانفس حین موتھا'' (سورہ یونس، آیت:56، سورۂ زمر، آیت:42) وہ جلاتا اور مارتا ہے، اللہ جانوں کو وفات دیتا ہے ان کی موت کے وقت۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی نسبت حضرت عزرائیل علیہ السلام کی طرف مجازاً فرمائی۔

اللہ کا فرمان: ''قل یتوفاکم ملک الموت الذی وکل بکم'' (سورۂ سجدہ، آیت:11) تم فرماؤ تمہیں وفات دیتا ہے موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر ہے۔

تو اس آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے موت دینے کی نسبت مجازاً ملک الموت کی طرف فرمائی۔ معلوم ہوا حقیقتاً زندہ کرنا اور موت دینا اللہ عزوجل کے حکم سے ہے اور مجازاً اس کو ملک الموت کی طرف منسوب فرمایا۔

(3) مریض کو شفاء حقیقتاً اللہ عزوجل کے حکم سے ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''واذا مرضت فھو یشفین'' (سورۂ شعراء، آیت:80) اور جب میں بیمار ہوں تو وہی مجھے شفاء دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پھر اس فعل کو مجازاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ''وأبری الاکمہ ولابرص وأحی الموتیٰ باذن اللہ'' (سورۂ آل عمران، آیت:49) اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو اور میں مردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے۔

جب بیمار کو حقیقی شفاء دینے والا اللہ عزوجل ہے تو اللہ تعالیٰ نے مجازاً اس فعل کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب فرمایا۔

(4) اولاد دینے والا حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ''یھب لمن یشاء اناثا ویھب لمن یشاء الذکور'' (سورۂ شوریٰ، آیت:49) اللہ تعالیٰ جسے چاہے بیٹیاں عطا فرمائے اور جسے چاہے بیٹے دے۔

اللہ عزوجل نے پھر اس فعل کو مجازاً حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف منسوب فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ''قال انما أنا رسول ربک لاھب لک غلاماً زکیا'' (سورۂ مریم، آیت:19) بولا میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں۔

یہاں بھی اولاد دینے کی نسبت اللہ عزوجل کی طرف حقیقی ہے کہ وہی اولاد عطا فرماتا ہے۔ خواہ وہ بیٹے دے یا بیٹی دے۔ پھر اللہ عزوجل نے اس فعل کو مجازاً حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف منسوب فرمایا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام سے کہہ رہے ہیں میں تجھے ایک ستھرا بیٹا دوں۔

(5) مولائے حقیقی صرف اللہ عزوجل کی ذات ہے۔جیسا کہ قرآن میں ہے:
"اللہ ولی الذین آمنوا" (سورۂ بقرہ، آیت:257)
اللہ والی ہے مسلمانوں کا انہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے۔
پھر اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی نسبت مجازاً بندے کی طرف فرمائی۔
اللہ تعالیٰ کا فرمان: "انما ولیکم اللہ ورسولہ" (سورۂ مائدہ، آیت:55) تمہارے ولی صرف اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور ایمان والے ہیں۔
یہاں بھی ایک فعل کو حقیقت کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور پھر اسی فعل کو بندے کی طرف مجازاً منسوب کیا گیا ہے۔
(6) اللہ تعالیٰ معین حقیقی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان: وایاك نستعین "ہم خاص تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ واذا استعنت فاستعن باللہ۔ اور جب تو مدد مانگے تو اللہ تعالیٰ سے مدد مانگ۔
پھر اللہ تعالیٰ نے بندگاں کو مجازی معین قرار دیا۔ جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:
"تعانوا علی البر والتقوی" (سورۂ مائدہ، آیت:2)
نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
"استعینوا بالصبر والصلوٰۃ" (سورۂ بقرہ، آیت:45)
صبر اور نماز سے مدد چاہو۔
تو اس جگہ اللہ عزوجل نے مجازاً نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کی مدد کرنا اور صبر اور نماز سے مدد چاہنا بیان فرمایا حالانکہ حقیقی معین ومستعان اللہ تعالیٰ کی ذات مقدسہ ہے۔ لیکن مجازاً بندوں کا ایک دوسرے کی مدد کرنا اور صبر اور نماز سے مدد چاہنا بھی جائز ہے۔
(7) سب کو معلوم ہے کہ مستغاث حقیقی اللہ عزوجل ہی ہے اس کے علاوہ کوئی اور مستغاث حقیقی نہیں ہوسکتا۔ لیکن اللہ عزوجل نے اس فعل کی مجازاً نسبت اپنے بندوں کی طرف فرمائی۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:
"فاستغاثه الذی من شیعته علی الذین من عدوه" (سورۂ قصص، آیت:15)
اور وہ جو اس کے گروہ سے تھا (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے) اس نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) سے مدد مانگی اس پر جو اس کے دشمنوں سے تھا۔
یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مستغاث مجازی کہا گیا ہے کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے نے ان سے استغاثہ کیا۔ چنانچہ اللہ عزوجل نے ایک جگہ ایک فعل کو حقیقی بیان فرمایا اور اس فعل کو دوسری جگہ مجازی بیان فرمایا۔
تو مذکورہ آیات مقدسہ سے پتہ چلتا ہے کہ معین ومستعان اور مغیث ومستغاث، اولاد عطا کرنے والا، شفاء دینے والا،

زندہ کرنے والا اور موت دینے والا اور حاکم و مولا حقیقی وہی ذات ہے اس کے علاوہ کوئی اور نہیں۔ اور ان امور میں اللہ عزوجل خلقاً وایجاداً معین ومستعان ہے۔ اور حضرات انبیاء کرام اور صالحین صرف مجازاً اور سبباً وکسباً معین ومستعان اور مغیث ومستغاث ہیں۔ چنانچہ ان امور کی اسناد انبیاء اور اولیاء کی طرف مجاز عقلی ہے۔ اور یہ مجاز قرآن سے ثابت ہے۔ اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام اور اولیاء عظام سے دعا کرنا اور ان سے استمداد استعانت طلب کرنا شرعاً جائز ہے گناہ نہیں۔ اگر ان حضرات گرامی سے مجازاً مدد مانگنا، یا دعا کرنا ناجائز ہوتا تو اللہ عزوجل خود اپنی کتاب "قرآن کریم" میں ان امور کو مجازاً اپنے بندوں کی طرف منسوب نہ فرماتا۔ اور جب حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام سے استعانت واستمداد کی جاتی ہے تو کوئی مومن موحد یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ یہ حضرات بالاستقلال حقیقی معین ومستعان ہیں۔ بلکہ ان کو خدا کے برگزیدہ بندے سمجھ کر کہ وہ استعانت واستمداد کے سبب ہیں اور عطاء الٰہی سے بندوں کی مدد کرتے ہیں۔ اور ہم ان سے مدد کی دعا کرتے ہیں۔ معلوم نہیں اس میں کونسا استحالہ تھا جس کی بنا پر حضرت علامہ سعیدی صاحب زید مجدہ نے ان سے دعا کرنا اور اولیاء کی نذر ماننا ناجائز فرمایا۔

حضرت علامہ مفتی محمود بن مفتی عبدالغفور پشاوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مستعاب "حجۃ الاسلام" میں فرماتے ہیں۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں مسطور ہے کہ "ایاک نعبد" کا حصر اس پر دلالت کرتا ہے کہ مستعان حقیقی اللہ عزوجل کی ذات ہی ہے۔ اور استعانت کا استعمال غیر کے حق میں حقیقۃً جائز نہیں۔ اگرچہ یہ مجازاً مستعمل ہے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ "تفہیمات" میں لکھتے ہیں۔ مریض کو شفاء اور مرزوق کو رزق وہی دیتا ہے اور تکلیفوں کو بھی وہی دور کرتا ہے۔ اس کا معنی ہے وہ فرماتا ہے: "کن" تو کام ہو جاتا ہے۔ نہ کہ اس کا معنی تسبب عادی وظاہری ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے مریض کو طبیب نے شفاء دی۔ لشکر کو امیر نے رزق دیا۔ چنانچہ یہ معنی پہلے معنی کا غیر ہے۔ اس کے ماتحت مفتی محمود پشاوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

استعانت واستمداد از اولیاء جائز ہے:

مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جاننا چاہئے کہ جو استعانت غیر خدا سے ناجائز ہے وہ یہ ہے کہ دعا کرنے والے کا اعتماد غیر پر ہو اور جس سے وہ مدد مانگ رہا ہے اس کو عون الٰہی کا مظہر نہ جانتا ہو تو ایسی استعانت غیر سے حرام ہے۔ اور اگر التفات محض اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور اولیاء کرام کو مظاہر عون خداوندی سمجھتا ہو اور اس کی نظر اللہ عزوجل کے اسباب وحکمت کے کارخانہ میں ہو اور اولیاء سے استعانت ظاہری کرے شرع میں یہ جائز اور وارد ہے۔ انبیاء کرام اور اولیاء عظام سے اس قسم کی استعانت کرنا درحقیقت یہ نوع استعانت غیر اللہ سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حضور ہی استعانت ہے۔

اس کے بعد ابوالبرکات محمد تراب علی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "تدقیقات واسخات شرح تحقیقات شامخات" کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں۔

صاحب تدقیقات فرماتے ہیں: مدد کا طلب کرنا دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ مخلوق سے مدد چاہنا جیسے کہ امیر و بادشاہ سے فقیر و گدا مدد چاہتے ہیں۔ اور عوام الناس اولیاء کرام سے دعا کرتے ہیں کہ وہ جناب الٰہی میں میرا فلاں مطلب بطور درخواست پیش کریں اس قسم کی مدد چاہنا شرع میں زندہ اور مردہ دونوں سے جائز ہے۔

دوئم یہ کہ بالاستقلال ایسی چیز کا طلب کرنا جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہو۔ مثل فرزند کا طلب کرنا، بارش کا طلب کرنا یا دفع امراض کا سوال کرنا یا طول عمر کا مانگنا وغیرہ۔ اگر مانگنے والے کی نیت میں جناب الٰہی سے دعا و سوال نہیں ہے بلکہ وہ مخلوق سے درخواست کر رہا ہے تو اس قس کی استعانت محض حرام بلکہ کفر ہے۔ تو اس عبارت سے یہ مفہوم ثابت ہوا کہ اگر کوئی مسلمان یہ امور مخصوصہ جو کہ اللہ عزوجل کے ساتھ خاص ہیں۔ کسی اولیاء کرام سے طلب کرے تو اگر نیت میں دعا و سوال قادر مطلق ذوالجلال سے ہے تو اس پر حکم کفر نہیں لگایا جائے گا۔ بلکہ یہ استعانت جائز ہے۔ کہ وہ اولیاء کرام کو محض سبب اور وسیلہ تصور کرتا ہے اور جو کچھ وہ مانگ رہا ہے وہ صرف اس مالک حقیقی سے مانگ رہا ہے۔ جس سے سوال کرنا بالاستقلال اور باعتبار خلق وایجاد ہے۔

لہٰذا اس طرح کی دعا اولیاء کرام سے کرنا شرعاً جائز ہے جس میں کوئی قباحت نہیں۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

حضرت مولانا علی محمد ختن و شاگرد حضرت مولانا یار محمد ملتانی محدث و مدرس لاثانی اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ ''فتاویٰ عقائد المقتدی فی مسائل الهدیٰ'' میں فصل تعظیم علویہ کے ماتحت مرقوم ہے کہ

امام محمد بن حسن شیبانی، ابو یوسف اور وکیع رحمہم اللہ سے روایت ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ حضرت امام محمد جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی قبر شریف کی زیارت کرتے اور آپ کے دروازہ پر جھاڑو پھیرتے۔ اور مجاوروں کو کچھ تحفہ وغیرہ بھی عطا فرماتے اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اپنے امور میں حضرت امام محمد جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے استعانت فرماتے تھے۔

چنانچہ حضرات علماء کرام کی تصریحات جلیلہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں اور ظاہر ہوگئی کہ حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام سے دعا کرنا اور ان سے استمداد و استعانت کرنا جائز ہے۔ کیونکہ وہ مظاہر عون الٰہی ہیں۔ اور وہ تسبب عادی ظاہری ہیں۔ اس لیے ان سے دعا کرنا در حقیقت اللہ عزوجل سے ہی دعا کرنا ہے۔ اور اسی قبیل سے ہی وہ احادیث مبارکہ ہیں جو دعا کے دلائل کے تحت نمبر 7 اور 8 میں مذکور ہیں۔ جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب جنگل میں تمہارا جانور گم ہو جائے تو یہ دعا کرو: ''**یا عباد اللہ اعینونی** '' اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔ تو جس طرح ان احادیث مبارکہ میں دعا کی اسناد اللہ کے بندوں کی طرف ہے اور اس پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں۔ اسی طرح اولیاء اللہ کی طرف دعا کی نسبت کرنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ حضرات علماء کرام نے ان احادیث کی تشریح میں لکھا ہے اولیاء کرام بھی اس میں شامل ہیں۔

صاحب تلویح فرماتے ہیں: اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ کہ خصوص سبب کا کیونکہ تمسک صرف لفظ سے ہے اور وہ عام ہے اور

خصوص سبب عموم لفظ کے منافی نہیں اور نہ ہی اس کے اقتضاء کے وہ مانع ہے۔

چنانچہ حدیث کے یہ الفاظ:

"اذا اراد عونا فلیقل یا عباد اللہ اعینونی" (الحدیث)

جب کوئی مدد چاہتا ہو تو وہ یہ کہے اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو۔

یہ الفاظ عام ہیں جن میں حضرات اولیاء کرام بھی داخل وشامل ہیں۔ اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ وہ اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (حجۃ الاسلام ص: 32 تا 39)

مسئلہ نذر:

اس عاجز نے جب کتب سے مسئلہ نیاز کی تحقیق تلاش کرنا شروع کی تو میری نظر بیہقی وقت، غزالی دوراں حضرت سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ ونور اللہ مرقدہ وبرد اللہ ضجیعہ کی کتاب مستطاب "مقالات کاظمی" حصہ دوئم پر پڑی جس میں ایک مقالہ بعنوان ایک اہم دینی علمی تحقیق مرقوم تھا۔ جب میں نے آپ رحمۃ اللہ علیہ کے اس مقالہ کو پڑھا تو مجھے اس مقالہ نے کتب معتبرہ سے مسئلہ نیاز کی تحقیق سے مستغنی کر دیا کیونکہ واقعی یہ ایک دینی علمی تحقیقی مقالہ ہے۔ چنانچہ ذہن میں خیال آیا کیوں نا غزالی دوراں رحمۃ اللہ علیہ کے اس مقالہ مبارکہ کو کتاب کی زینت بنایا جائے۔ تاکہ اللہ عزوجل بزرگان دین کے توسل سے اس کتاب کو مقبول عام بنائے۔ اس نظریہ کے ماتحت میں غزالی دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقالہ مبارکہ "بعینہ" نقل کر رہا ہوں۔ جس سے مسئلہ نذر کی وضاحت بھی ہوگی اور حضرت علامہ مفتی سعیدی صاحب زید مجدہ کی عبارت کا رد بھی ہوگا۔ میری یہ دعا ہے کہ اللہ عزوجل بوسیلہ سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر انور پر کروڑ ہا رحمتوں کا نزول فرمائے۔ آمین۔

ایک اہم دینی علمی تحقیق:

جانوروں اور زراعت میں کسی جانور یا حصہ زراعت کے تعین کے فعل کا جائز یا ناجائز ہونا معین کرنے والے کی نیت اور اعتقاد پر موقوف ہے اور اس مقرر کردہ جانور کے گوشت کی حلت وحرمت کا مدار ذابح کی نیت، حال اور قول پر ہے۔ اگر مقرر کرنے والا بزرگان دین کو "معاذ اللہ" مستقل بالذات، متصرف فی الامور (نعوذ باللہ) انہیں مستحق عبادت مانتا ہے اور اس کا یہ اعتقاد ہے کہ جو جانور یا حصہ زراعت کسی بزرگ کے لیے نامزد کر دیا گیا ہے وہ عند اللہ کسی دوسرے مصرف میں صرف کرنا گناہ ہے۔ اور اس بزرگ کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے اس کا استعمال شرعاً حرام اور موجب ضرر ہے۔ تو فعل مذکور ایسا ہی کفر قرار پائے گا جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں مشرکین عرب بحیرہ، سائبہ وغیرہ کے نام سے جانور اپنے اصنام وآلھہ کے لیے نامزد کر کے انہیں اپنی طرف سے حرام قرار دے دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں انہیں مفتری، کذاب قرار دیا اور ان کی سخت

مذمت فرمائی۔ البتہ محض اس اعتقاد اور نامردگی کے باعث وہ جانور حرام نہیں ہوں گے۔ جب تک کہ ان کا ذابح کوئی مرتد یا مشرک یا کافر، غیر کتابی نہ ہو۔ یا انہیں غیر اللہ کے نام پر ذبح نہ کیا جائے یا ان کا خون بہانے سے غیر اللہ کی تعظیم وتقرب مقصود نہ ہو۔

ہاں اس میں شک نہیں کہ عقیدہ مذکورہ کے ساتھ مقرر شدہ جانوروں کو اگر مقرر کرنے والا شخص اسی عقیدۂ کفریہ کی حالت میں اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کر دے تب بھی ذبیحہ مرتد ہونے کی وجہ سے اور اراقة الدم لتعظيم غير الله کے باعث ان کا گوشت حرام ہوگا۔ حلال نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ مسلمان کلمہ گو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھنے والوں کی طرف بلا دلیل ایسے عقائد کفریہ منسوب کر کے معاذ اللہ انہیں کافر ومرتد بنانا مسلمان کا کام نہیں۔ مومن کو کافر ومرتد قرار دینے والا خود کفر وارتداد کے وبال میں مبتلا ہے۔

"نسال الله السلامة عن هذه البلية"

شرک کے معنی:

الاشراك هو اثبات الشريك فی الالوهية بمعنى وجوب الوجود كما للمجوس ٥ او بمعنى استحقاق العبادة كما لعبدة الاصنام٥ (شرح عقائد نسفی، ص:61)

یعنی شرک کرنا وہ اثبات شرک ہے الوہیت میں بمعنی وجوب وجود جیسا کہ مجوس کے لیے ہے۔ یا بمعنی استحقاق عبادت جیسا کہ بتوں کی عبادت کرنے والوں کے لیے ہے۔

خلاصہ یہ کہ شرک کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو الٰہ ماننا اور الوہیت صرف وجوب وجود یا استحقاق عبادت کا نام ہے۔ لہٰذا جب تک کسی غیر اللہ کو واجب الوجود یا مستحق عبادت نہ مانا جائے اس وقت تک شرک نہیں ہو سکتا۔

واجب الوجود اسے کہتے ہیں جس کا ہونا عقلاً ضروری ہو اور نہ ہونا عقلاً محال ہو۔ مجوسی اپنے اعتقاد میں دو واجب الوجود مانتے ہیں۔ ایک یزدان (خالق خیر) دوسرا اُھرمن (خالق شر) وہ مشرک ہیں۔ اس لیے کہ انہوں نے الوہیت بمعنی وجوب وجود کو غیر اللہ کے لیے ثابت کیا۔ اور بتوں کی عبادت کرنے والے اپنے باطل معبودوں کو واجب الوجود تو نہیں مانتے لیکن انہیں مستحق عبادت مان کر الوہیت کے دوسرے معنی (استحقاق عبادت) ان کے لیے ثابت کرتے ہیں۔ لہٰذا دونوں مشرک ہوئے۔

یہاں اتنی بات ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر صفت ذاتیہ اس کے استحقاق عبادت کا مناط ومدار ہوتی ہے۔ جس کا کسی کے لیے ثابت کرنا استحقاق عبادت اور الوہیت کا ثابت کرنا ہے۔ اور ظاہر ہے جو صفت استحقاق عبادت کا مناط ہے خواہ وہ علم ہو یا قدرت، تصرف ہو یا خالقیت ضروری ہے کہ ذاتی اور مستقل ہو ورنہ افراد ممکنات کا (معاذ اللہ) مستحق عبادت ہونا لازم آئے گا۔ کیونکہ عطائی، غیر مستقل، حادثات صفات، افراد مخلوق میں پائی جاتی ہے۔

معلوم ہوا کہ استحقاق عبادت کے لیے صفات مستقلہ لازم ہیں۔ چونکہ صفات مستقلہ مناط استحقاق عبادت ہیں۔ اس لیے

ان کا وجود، وجود الوہیت کو مستلزم ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ استحقاق عبادت کے لیے صفات مستقلہ لازم ہیں۔ اور صفات مستقلہ کے لیے استحقاق عبادت لازم ہے۔ کسی کو مستحق عبادت کہنا اس کے لیے استقلال ذاتی کو ثابت کرنا ہے اور کسی کو مستقل بالذات ماننا اسے مستحق عبادت قرار دینا ہے۔

اس بیان کی روشنی میں یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ کسی مسلمان پر ہرگز حکم شرک نہیں لگتا تاوقتیکہ وہ غیر اللہ کے لیے وجوب وجود یا کوئی صفت مستقلہ مناط استحقاق عبادت ثابت نہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور متکلمین نے معتزلہ کو مشرک قرار نہیں دیا حالانکہ وہ بندہ کو خالق افعال مان کر اس کے لیے صفت خالقیت ثابت کرتے ہیں جو صفت مستقلہ ہونے کی صورت میں مناط استحقاق عبادت ہے لیکن چونکہ وہ بندے کو مستقل بالذات خالق نہیں مانتے اس لیے انہیں مشرک قرار نہیں دیا گیا۔

ثابت ہوا کہ اولیائے کرام کو غیر مستقل متصرف ماننے والے اور ان کے اختیارات علم وقدرت، تصرفات کو مقید باذن اللہ تسلیم کرنے والے مسلمان ہرگز ہرگز کافر و مشرک نہیں۔ مشرک کہنے والا خود مشرک ہے۔ لہٰذا یہ حکم شرک یقیناً مفتیان شرک کی طرف لوٹے گا۔

قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ کی رو سے مومن کے حق میں بدگمانی حرام ہے۔ فقہاء کرام نے بھی بالخصوص اس قسم کے مسائل میں مومن کے لیے اساءت ظن کو ناجائز قرار دیا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ:

"یایھا الذین آمنوا اجتنبو اکثیرا من الظن أن بعض الظن أثم"

اے ایمان والو! اکثر گمانوں سے بچو بے شک بعض گمان گناہ ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ حضور اکرم نور مجسم فخر عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"ایاکم والظن فان الظن أکذب الحدیث" (رواہ الشیخان)

بدگمانی سے دور رہو بدگمانی بدترین جھوٹ ہے۔

دوسری حدیث میں ہے:

أفلا شققت عن قلبه حتی تعلم أقالها أم لا ٥ (رواہ مسلم)

تو نے اس کے دل کو چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا کہ تجھے معلوم ہو جاتا کہ اس نے دل سے کلمہ کہا ہے یا نہیں۔

سیدی عبدالغنی نابلسی شرح طریقہ محمدیہ میں ناقل ہیں:

"قال الأمام سیدی أحمد رزوق انما ینشأ الظن الخبیث عن القلب الخبیث"

امام سیدی احمد رزوق نے کہا خبیث گمان صرف خبیث دل میں پیدا ہوتا ہے پاک دلوں میں ناپاک گمان کی گنجائش

نہیں ہوتی۔

(شرح وھبانیہ، درمختار وغیرہا میں اس مسئلہ کے ذیل میں ہے۔

"لانا لا نسیئ الظن بالمسلم انه یتقرب الی آدمی بهذا النحر"

ہم کسی مسلمان کے حق میں ہرگز یہ بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس فعل ذبح کے ذریعہ کسی آدمی کا تقرب حاصل کرتا ہے۔

ردالمحتار، جلد 5، ص: 218، میں اس کے ماتحت ہے:

"ای علی وجه العبادة لانه المکفر وهذا ابعد من حال المسلم"

یعنی تقرب علی وجہ العبادۃ اس لیے کہ تقرب علی وجہ العبادۃ ہی کفر کا موجب ہے اور ایسا تقرب مسلمان کے حال سے بہت بعید ہے۔

خوب یاد رکھئے مسلمان اولیاء کرام اور بزرگان دین کے ساتھ محبت وعقیدت رکھتے ہیں مگر انہیں الٰہ نہیں مانتے کسی قسم کا استقلال ذاتی ان کے لیے ثابت نہیں کرتے نہ انہیں مستحق عبادت جانتے ہیں۔ نہ واجب الوجود۔ محض اولیاء اللہ الصالحین سمجھتے ہیں اور جو جانور یا حصہ زراعت یا کوئی چیز از قسم نقد وجنس وغیرہ ان کے لیے مقرر کرتے ہیں اس کو ان کا ہدیہ جانتے ہیں اور وصال یافتہ بزرگوں کے لیے ایصال ثواب کی نیت کرتے ہیں۔ اس قصد ونیت کے ساتھ اگر وہ کسی جانور یا غیر جانور کو بزرگان دین کی طرف منسوب کر کے ان کے نام پر اسے مشہور بھی کر دیں تب بھی جائز ہے اور وہ چیز حلال اور طیب ہے۔ اسے "ما اهل لغير الله" کے تحت لا کر حرام قرار دینا باطل محض اور گناہ عظیم ہے۔

عہد رسالت میں صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں کھجوروں کے درخت اور دودھ پینے کے جانور پیش کرتے تھے جن کا ذکر احادیث صحیحہ میں مفصل موجود ہے اور اس میں بھی کسی مسلمان کو شک کرنے کی گنجائش نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے محبوبوں کی خوشنودی رحمت وبرکت کا موجب ہے اور دفع بلیات وآفات کا باعث ہے۔

اس طرح بعد از وفات بھی ایصال ثواب کے طور پر بزرگان دین کے لیے کسی چیز کا مقرر کرنا عہد رسالت میں پایا گیا ہے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

ان ام سعد ماتت فای الصدقة افضل ○ قال الماء فحفر بئراً وقال هذه لام سعد ○

(مشکوۃ شریف، ص: 169، رواہ ابوداؤد والنسائی)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی ماں کا انتقال ہو گیا۔ کونسا صدقہ بہتر ہوگا۔ فرمایا پانی بہتر ہے۔ تو انہوں نے ایک کنواں کھدوایا اور یہ کہہ دیا کہ یہ کنواں سعد کی ماں کا ہے۔ اگر کسی وصال یافتہ بزرگ کے لیے کسی چیز کا نامزد کرنا موجب حرمت قرار دیا جائے تو معاذ اللہ وہ کنواں جو حضرت ام سعد کے نام پر مشہور ہو گیا تھا حرام اور اس کا پانی نجس قرار

پائے گا۔ العیاذ باللہ

اولیاء کرام کے لئے نذر ماننا:

اب اصل مسئلہ کی طرف آیئے بزرگوں کے نام پر جو جانور وغیرہ مشہور کئے جائیں اگر ان جانوروں پر اولیاء اللہ کے لیے نذر شرعی مانی جائے جو حقیقتاً عبادت ہے تو ایسا ناذر مرتد ہے۔

"لانه اشرك بالله باثبات الالوهية لغيره تعالٰی"

کیونکہ اس نے غیر اللہ کے لیے الوہیت ثابت کرنے کی وجہ سے شرک کیا۔

لیکن اس کے اس شرک کی وجہ سے وہ جانور حرام نہیں ہوگا جب تک کہ وہ اسے بقصد تقرب بغیر اللہ ذبح نہ کرے۔ کما سیأتی۔

اور اگر اولیاء کی نذر محض نذر لغوی یا عرفی بمعنی حدیہ وندرانہ ہو یا وصال یافتہ بزرگ کے لیے بقصد ایصال ثواب کوئی جانور وغیرہ نامزد کر دیا اور نذر شرعی اللہ کے لیے ہو تو یہ فعل شرعاً جائز اور باعث خیر و برکت ہے۔

نذر بغیر اللہ کا مدار ناذر کی نیت پر ہے اگر ناذر نے تقرب لغیر اللہ کا قصد کیا ہے اور متصرف فی الامور اللہ تعالیٰ کی بجائے کسی مخلوق کو مانا ہے تو یہ نذر کفر اور شرک ہے۔ اور اگر اس کا ارادہ تقرب الی اللہ ہے اور بزرگانِ دین کو ثواب پہچانا مقصود ہے تو ایسی نذر للاولیاء قطعاً جائز ہے اور اس کا نذر ہونا مجازاً ہے۔ کیونکہ نذر حقیقی اللہ کے لیے خاص ہے۔

فتاویٰ ابی اللیث میں ہے:

النا ذر لغير الله ان قصد بالنذر التقرب الى غير الله وظن انه يتصرف فى الامور كلها دون الله فنذره حرام باطل وارتداده ثابت، وان قصد بالنذر التقوى الى الله وايصال الثواب للاولياء ويعلم انه لا تتحرك ذرة الا باذن الله ويجعل الاولياء وسائل بينه وبين الله فى حصول مقاصده فلا حرج فيه وذبيحته حلال طيب ○

غیر اللہ کی نذر ماننے والے نے اگر اپنی نذر سے غیر اللہ کی طرف تقرب کا ارادہ کیا اور یہ گمان کیا کہ تمام امور میں میت ہی متصرف ہے نہ اللہ تعالیٰ تو اس کی نذر حرام اور باطل ہے اور اس کا مرتد ہونا ثابت ہے۔ اور اگر اس نے اس نذر سے تقرب الی اللہ کا ارادہ کیا اور اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کی نیت کی اور وہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی ذرہ متحرک نہیں ہوتا اور وہ اولیاء اللہ کو اپنے اور اللہ کے درمیان وسائل قرار دیتا ہے تا کہ اس کے مقاصد حاصل ہو جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اس کا ذبیحہ حلال وطیب ہے۔

یہاں یہ بات ضرور یاد رکھئے کہ اس جگہ تقرب سے مطلق تقرب مراد نہیں بلکہ تقرب علی وجہ العبادۃ مراد ہے جیسا کہ ہم

شامی جلد خامس سے ابھی یہ عبارت نقل کر چکے ہیں:

"قول" انه یتقرب الی الادمی ٥ ای علی وجه العبادة بانه المکفر وهذا بعید من حال المسلم"

یعنی مطلق الیٰ الآدمی موجب کفر نہیں بلکہ صرف تقرب علی وجہ العبادۃ موجب کفر ہے۔

نذر اولیاء کے متعلق حدیقہ ندیہ میں سیدی عبدالغنی نابلسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"والنذر لهم بتعلیق ذالك علی حصول شفاء او قدوم غائب فانه مجاز عن الصدقة علی الخادمین لقبورهم"

اولیاء اللہ کے لیے جو نذر مانی جاتی ہے اور اسے مریض کی شفاء ہونے یا غائب کے آنے پر معلق کیا جاتا ہے تو وہ نذر مجاز ہے۔ اس سے اولیاء اللہ کے قبور پر خادمین کے لیے صدقہ کرنا مراد ہوتا ہے۔

طبقات کبریٰ، جلد دوئم، ص: 68، میں امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ سیدی شاذلی رحمۃ اللہ علیہ سے ناقل ہیں:

"کان رضی الله تعالیٰ عنه یقول رأیت النبی صلی الله علیه و آله وسلم فقال اذا کان لك حاجة واردت قضائها فانذر للنفیسة الطاهرة ولو فلسًا فان حاجتك تقضیٰ"

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدی شاذلی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل فرمایا کہ وہ فرماتے تھے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے جب تجھے کوئی حاجت درپیش ہو اور تو اس کے پورا کرنے کا ارادہ کرے تو سیدہ نفیسہ طاہرہ کی نذر مان لے اگرچہ ایک پیسہ ہی کیوں نہ ہو بے شک تیری حاجت پوری ہو جائے گی۔

قضائے حاجات کے لئے اولیاء کی نذر ماننا جائز ہے:

معلوم ہوا کہ قضائے حاجات کے لیے اولیاء کی نذر ماننا جائز ہے جب کہ کسی قسم کے فساد عقیدہ کا خطرہ نہ ہو۔ اس طرح تفسیرات احمدیہ صفحہ 29 میں تحت آیۂ کریمہ: "وما اهل لغیر الله" مرقوم فرماتے ہیں:

"ومن ههنا علم أن البقرة المنذورة للاولیاء کما هو الرسم فی زماننا حلال طیب"

اور یہاں سے معلوم ہوا کہ بے شک وہ گائے جس کی نذر اولیاء اللہ کے لیے مانی جائے جیسا کہ ہمارے زمانے میں رسم ہے حلال وطیب ہے۔

جو لوگ نذر اولیاء کو شرک قرار دیتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس نذر سے نذر شرعی مراد نہیں بلکہ اسے بربنائے عرف نذر کہا جاتا ہے اور اس ایصال ثواب اور ہدیہ کو نذر کہنا شرعاً جائز ہے۔ جیسا کہ طبقات کبریٰ، جلد دوئم، صفحہ 68 امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل پیش کی گئی ہے۔ اور تفسیرات احمدیہ کا حوالہ بھی مذکور ہے۔

آخر میں حضرت شاہ رفیع الدین کی عبارت مزید نقل کی جاتی ہے۔ وہ اپنے رسالہ نذر میں تحریر فرماتے ہیں:

''نذر کہ ایں جا مستعمل مے شود نہ بر معنی شرعی است چہ عرف آں است کہ آنچہ پیش بزرگاں مے برند نذر و نیاز مے گویند''

جو نذر کہ اس جگہ مستعمل ہوتی ہے وہ اپنے معنی شرعی پر نہیں بلکہ معنی عرفی پر ہے اس لیے کہ جو کچھ بزرگوں کی بارگاہ میں لے جاتے ہیں اس کو نذر و نیاز کہتے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جو معترضین کے نزدیک مسلم علماء راسخین میں سے ہیں۔ انفاس العارفین صفحہ 45 میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت ایشاں در قصبہ ڈاسنہ بزیارت مخدوم اللہ دیہ رفتہ بودند وشب ہنگام بود دراں محل فرمودند مخدوم ضیافتم میکنید ومیگویند چیزے خوردہ روید توقف کروند تا آنکہ اثر مردم منقطع شد وملال بریاراں غالب آمد آں گاہ زنے بیامد۔ طبق برنج وشیریں برسر۔ وگفت نذر کردہ بودم کہ اگر زوج من بیاید۔ ہماں ساعت ایں طعام پختہ بہ بہ نشینندگاں در گاہ مخدوم اللہ دیہ رسانم دریں وقت آمد نذر را ایفا کردم''

حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ قصبہ داسنہ میں مخدوم اللہ دیا کی زیارت کو گئے رات کا وقت تھا اس جگہ فرمایا کہ مخدوم ہماری ضیافت کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ کچھ کھا کر جانا حضرت نے توقف فرمایا یہاں تک کہ آدمیوں کا نشان منقطع ہو گیا ساتھی اکتا گئے۔ اس وقت ایک عورت اپنے سر پر چاول اور شیرینی کا ایک طبق لیے ہوئے آئی۔ اور کہا میں نے نذر مانی تھی کہ جس وقت میرا خاوند آئے گا۔ اس وقت یہ کھانا پکا کر مخدوم اللہ دیا رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں بیٹھنے والوں کو پہنچادوں گی۔ وہ اسی وقت آیا میں نے اپنی نذر پوری کر دی۔

درمختار، بحرالرائق وغیرہ نے جس نذر اولیاء کو حرام اور باطل قرار دیا ہے۔ علامہ شامی وغیرہ فقہاء نے اس کے وجوہ بھی بیان فرمائے ہیں۔ ایک وجہ یہ کہ وہ مخلوق کی نذر ہے اور نذر چونکہ عبادت ہے اس لیے مخلوق کے لیے جائز نہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے منذر لہ میت ہے اور میت میں مالک ہونے کی صلاحیت نہیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اگر اس نے یہ اعتقاد کیا کہ میت متصرف فی الامور ہے اللہ تعالیٰ نہیں۔ تو اس کا یہ اعتقاد کفر ہے۔

جس نذر اولیاء کو حرام اور باطل قرار دیا گیا اور اس کا جواب:

آپ نے درمختار، بحرالرائق وغیرہ سے جس نذر کو اولیاء کے لیے حرام اور باطل قرار دیا۔ علامہ شامی اور دیگر فقہاء کرام نے ان کی وجوہ بھی بیان فرمائیں جیسا کہ اس سے قبل یہ وجوہ مذکور ہو چکیں۔ (علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:) ہم تفصیلاً لکھ چکے ہیں کہ نذر شرعی (جو کہ عبادت ہے) ہرگز کسی غیر اللہ کے لیے جائز نہیں نہ میت کو اشیاء مذکورہ کا مالک سمجھنا درست ہے۔ نہ غیر اللہ کو اللہ کے سوا متصرف فی الامور جاننا جائز ہے۔ اس اعتقاد فاسد کے ساتھ اس نذر اولیاء کو آج تک کسی نے جائز نہیں کہا۔ محل نزاع تو یہ امر ہے کہ صحیح اعتقاد کے ساتھ اولیاء کرام کے لیے لفظ نذر بمعنی عرفی بولنا یا دل میں اس کی نیت کرنا اسی

نیت سے ان کے مزارات پر کوئی چیز لانا جائز ہے یا نہیں۔

ہمارے نزدیک جائز ہے۔ جیسا کہ تحریر مختار لرد المحتار، جلد اوّل، ص: 123 میں علامہ رافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"ونذر الزيت والشمع للاولياء ليؤقد عند قبورهم تعظيما لهم ومحبة فيهم جائز ايضالا ينبغى النهى عنه"

تیل اور شمع کی نذر ماننا اولیاء اللہ کے لیے کہ وہ چراغ روشن کئے جائیں ان کی قبروں کے نزدیک ان کی تعظیم اور محبت کے لیے تو یہ بھی جائز ہے اس سے منع کرنا بھی مناسب نہیں۔

اور منکرین اسے حرام کہتے ہیں۔ "الحمد للہ" اس کے ثبوت جواز میں ہم متعدد عبارات نقل کر چکے۔ اور منکرین اس کے عدم جواز پر کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے۔

رہا یہ امر کہ مزارات اولیاء پر جا کر "یا سیدی فلان ○ یا ولی اللہ ○ اقض حاجتی ○ اعنی" وغیرہ الفاظ بولنے کو فقہاء نے ناجائز قرار دیا ہے۔ لہٰذا جو لوگ ایسے الفاظ قبور اولیاء پر بولتے ہیں وہ مشرک ہیں۔

بے شک فقہاء نے اس سے منع فرمایا لیکن اسی فساد عقیدہ اور متصرف بالاستقلال سمجھنے کی بناء پر جس کی تفصیل ہم ابھی رد المحتار سے نقل کر چکے۔ ورنہ اس کے بغیر نذر اولیاء ممنوع نہیں۔ دیکھئے صحیح ابن عوانہ، مصنف ابن ابی شیبہ اور معجم کبر للطبرانی میں حدیث شریف "اعينونى يا عباد الله" مدد کرو میری اے اللہ کے بندو۔ وارد ہے حصن حصین، صفحہ 22، اور شامی جلد ثالث میں ہے:

"قرر الزيادى ان الانسان اذاضاع له شيئ واراد ان يرده الله سبحانه عليه فليقف على مكان عال مستقبل القبلة ويقرا الفاتحة ويهدى ثوابها للنبى صلى الله عليه وآله وسلم ثم يهدى ثواب ذالك لسيدى احمد بن علوان ويقول يا سيدى احمد يا ابن علوان ان لم ترد على ضالتى والا نزعتك من ديوان الاولياء فأن الله يرد على من قال ذالك ضالة ببركته ○ اجهورى مع زيادة كذافى حاشية المنهج الدادرى رحمة الله عليه ○ اه منه○ (شامی)"

زیادی نے تقریر کی کہ بے شک انسان کی کوئی شے جب گم ہو جائے اور وہ چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی گم شدہ چیز اس پر لوٹا دے تو اسے چاہیے کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے اونچی جگہ پر کھڑا ہو اور سورۂ فاتحہ پڑھے اور اس کا ثواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہدیہ کرے پھر اس کا ثواب ہدیہ سیدی احمد بن علوان کرے اور کہے یا سیدی احمد اے ابن علوان اگر آپ نے میری گم شدہ چیز واپس نہ کی تو میں آپ کو دیوان اولیاء سے اتار دوں گا۔ تو بے شک اللہ تعالیٰ واپس کر دیتا ہے اس کہنے والے پر اس کی گم شدہ چیز کو ان کی برکت سے۔

دیکھئے فقہاء کرام کے کلام میں یا سیدی احمد۔ یا ابن علوان وارد ہوا ہے: "وان لم ترد على ضالتى" میں ان ہی کو

مخاطب کیا گیا ہے ہاں یہ ضروری ہے کہ ردضالہ کا فاعل حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ احمد بن علوان کی طرف اس کی اسناد مجاز عقلی ہے اس پر جو دلیل ہے وہ قائل کا خود مومن وموحد ہونا ہے۔ جیسا کہ ''انبت الربیع البقل'' (موسم ربیع نے سبزی کو اگایا) اگر مومن کہے تو مجاز اً عقلی ہوگا۔ اور دہریہ کہے تو اسناد حقیقی ہونے کی وجہ سے یہ قول کفر خالص قرار پائے گا۔ نداء اولیاء کے مسئلہ میں ندا کرنے والے کا مومن وموحد ہونا جواز ندا کی روشن دلیل ہے۔ بعض اس ندائے منقولہ بالا ''یا سیدی احمد یا ابن علوان'' کے جواب میں یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ تو ایک عمل ہے اس سے مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ جواباً عرض ہے عمل ہی سہی لیکن جب غیر اللہ کو مخاطب کر کے ندا کرنا آپ کے نزدیک شرک ہے تو ایسے الفاظ جو شرک پر دال ہوں یا موہم شرک ہوں کسی عمل میں ان کا تلفظ کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص کلمات کفریہ بکتا رہے مثلاً ''یا عزی اقض حاجتی'' (اے عزیٰ میری حاجت پوری کر دے) کہے اور جب اسے روکا جائے تو یہ کہہ دے کہ میں تو محض عمل کی نیت سے الفاظ پڑھتا ہوں تو کیا کوئی عاقل متدین اس کو ایسے الفاظ بولنے کی اجازت دے سکتا ہے۔

مختصر یہ کہ مستقل بالذات۔ متصرف فی الامور سمجھ کر کسی ولی کو ندا کرنا ہمارے نزدیک بھی شرک ہے۔ لیکن معطی وحاجت روا صرف اللہ کو مانتے ہوئے اور اولیاء کرام کو محض وسیلہ واسطہ سمجھ کر انہیں پکارنا ہرگز ناجائز نہیں۔

دیکھیے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ عزیزیہ میں فرماتے ہیں:

''ونیست صورت امداد مگر ہمیں کہ محتاج طلب کند حاجت خود از جناب عزت الٰہی بتوسل روحانیت بندہ کہ مقرب ومکرم درگاہ والا است گوید خداوندا بہ برکت ایں بندہ کہ تو رحمت واکرام کردہ اور ابر آوردہ گردان حاجت مرا۔ یا ندا کند آں بندہ مقرب ومکرم را کہ اے بندۂ خدا ولی وے شفاعت کن مرا۔ وبخواہ از خدا تعالیٰ مطلوب مرا۔ تا قضا کند حاجت مرا۔ پس نیست بندہ درمیان مگر وسیلہ وقادر ومعطی ومسؤل پروردگار است تعالیٰ شانہ ودروے ہیچ شائبہ شرک نیست چنانکہ منکر وہم کردہ'' (فتاویٰ عزیزیہ، جلد دوئم، ص: 107)

اور نہیں ہے صورت امداد مگر یہی کہ محتاج طلب کرے اپنی حاجت بارگاہ رب العزت سے اللہ تعالیٰ کے مقرب ومکرم بندے کی روحانیت کے توسل سے اور کہے اے اللہ اس بندے کی برکت سے جس پر تو نے اپنی رحمت اور اپنا اکرام فرمایا ہے۔ میری حاجت کو پورا کر دے یا پکارے اس بندہ مقرب ومکرم کو کہ اے خدا کے بندے اور اللہ تعالیٰ کے ولی میری شفاعت کر اور اللہ تعالیٰ سے میرا مطلوب مانگ تا کہ وہ میری حاجت پوری فرما دے۔ پس نہیں بندہ درمیان میں مگر وسیلہ اور قادر ومعطی حقیقی اور مسؤل پروردگار ہے جس کی شان بہت بلند وبالا ہے اور اس میں شائبہ شرک کا نہیں ہے جیسا کہ منکر وہم کرتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیے اس عبارت میں ولی اللہ صاحب قبر کے لیے لفظ ندا کند۔ موجود ہے پھر وہ ندا بھی (اے بندۂ خدا ولی وے) عبارت میں مذکور ہے جس سے ہمارا مدعا روز روشن کی طرح ثابت وواضح ہو رہا ہے۔ جس کا انکار کوئی منصف مزاج نہیں کر سکتا۔

وللہ الحمد۔

ان عبارات فقہ واقوال معتبرہ کی روشنی میں نذر اولیاء اللہ کا مسئلہ بالکل روشن ہوگیا بالمعنی المذکور اس کے جواز میں کسی عاقل متدین کو شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ انتھی کلامہ۔

بیہقی وقت غزالی دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر سعید آپ نے سماعت فرمائی۔ اب ذرا حضرت علامہ مفتی سعیدی صاحب زید مجدہ کی عبارت کو بھی ملاحظہ فرمائیں:

ہمارے زمانہ میں بعض جہلاء اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی بجائے اپنی حاجتوں کا سوال پیروں، فقیروں سے کرتے ہیں۔ اور قبروں اور آستانوں پر جاکر اپنی حاجات بیان کرتے ہیں اور اولیاء اللہ کی نذر مانتے ہیں۔ حالانکہ ہر چیز کی دعا اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہئے اور اس کی نذر ماننی چاہئے۔ کیونکہ دعا اور نذر دونوں عبادت ہیں اور غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں ہے۔ البتہ دعا میں انبیاء کرام اور اولیاء عظام کا وسیلہ پیش کرنا چاہئے۔ (تبیان القرآن، جلد اول، ص: 725)

فرق صاف ظاہر ہے کہ سعیدی صاحب نے نذر کو شرعی نذر قرار دیکر اولیاء کرام کی نذر کو جائز قرار دیا ہے۔ اور نذر لغوی اور عرفی کو بالکل نظر انداز کیا ہے حالانکہ اقوال معتبرہ سے ثابت ہے کہ اولیاء کرام کی نذر شرعاً جائز ہے اور جس نذر کی طرف سعیدی صاحب نے اشارہ کیا ہے کوئی مسلمان ایسا کرہی نہیں سکتا کہ وہ اولیاء کرام کو مستقل بالذات اور متصرف فی الامور جانے۔ اور نذر اولیاء کو مجازاً نذر کہتے ہیں جسے ہدیہ اور نذرانہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ .

جیسے طبقات کبریٰ، تفسیرات احمدیہ، شاہ رفیع الدین کے رسالۂ نذر، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی انفاس العارفین کی تحریرات سے ظاہر وباہر ہے۔

چنانچہ سعیدی صاحب نے ایک تیر سے دو شکار کئے ہیں۔ سنیوں کو بھی خوش رکھا اور نجدیوں کو بھی اپنے قریب فرمایا۔ اور ایسی عبارت تحریر کی جو دونوں کو مفید ہو۔ یہ اس عبارت کے ظاہر کے اعتبار سے ہے۔ ورنہ جناب سعیدی صاحب کی پوری عبارت عقیدۂ نجدیت کی تائید ہے۔ جس میں ذرا بھر بھی شک نہیں۔ اس لیے میں نے نذر کے متعلق علامہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق انیق پیش کی ہے۔ آپ کی دینی علمی تحقیق پڑھ کر خود اندازہ کرسکتے ہیں کہ سعیدی صاحب کی عبارت کس کی مؤید ہے۔ اللہ عزوجل سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آخر میں اتمام حجت کے لیے جناب انور شاہ کشمیری کی عبارت پیش خدمت ہے:

واعلم ان الاھلال لغیر اللہ تعالیٰ وان کان فعلا حراما لکن الحیوان المھل حلال ان ذکاہ بشرائطہ وکذالک الحلوان التی یتقرب بھا للاوثان ایضا جائزۃ علی الاصل اما السوالب فتکلموا فیھا انھا تخرج بعد التقرب من ملک صاحبھا اولا فراجعہ من الفقہ ٥

(فیض الباری شرح صحیح بخاری، جلد 4، ص: 180)

یعنی (بہ نیت عبادت) کسی جانور پر غیر اللہ کا نام بلند کرنا اگر چہ (فی نفسہٖ) فعل حرام ہے لیکن جس جانور پر وہ نام بلند کیا جائے وہ حلال ہے اگر شرائط کے ساتھ ذبح کیا ہو۔ اسی طرح دراصل وہ چڑھاوا بھی جائز ہے جس سے بتوں کا تقرب حاصل کیا جائے اور سائبہ وغیرہ جانور (جو بتوں کے نام پر چھوڑے جاتے ہیں) تو ان میں صرف اتنا کلام ہے کہ وہ تقرب لللاوثان کے بعد وہ اپنے مالک کی ملکیت سے نکل جاتے ہیں یا نہیں تو اس کے لیے فقہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ بعض فقہاء کے نزدیک وہ ملک مالک میں نہیں رہے اس لیے انہیں اللہ کے نام پر ذبح کر دیا جائے۔ تو ان کا کھانا جائز ہے۔ ورنہ اس کا جواز مالک کی نیت پر موقوف رہے گا۔

لیجئے جناب! اب تو بتوں کا چڑھاوا بھی جائز ہو گیا۔ گیارہویں شریف اور نذر اولیاء کے حرام کہنے والوں کے لیے مقام عبرت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھئے ولی کی فاتحہ اور نذر کی چیز کو حرام کہنے والے بتوں کے چڑھاوے کو حلال کہہ رہے ہیں:

"فاعتبروا یا اولی الابصار"

بتوں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ان کے نام پر چڑھاوے جائز ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے اولیاء کرام کی نذر نا جائز و شرک ہے۔

ہندو پاک کے لاکھوں مسلمان عرصہ سے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی اور اس کے تقرب کے حصول کے لیے اولیاء کرام کی نذر مانتے آئے اور علماء راسخین نے اس کو جائز قرار دیا۔ کیونکہ یہ نذر لغوی اور عرفی ہے شرعی نہیں جو کہ عبادت ہے۔ چنانچہ اس لغوی اور عرفی نذر کو مجازاً نذر کہہ دیا گیا جس نذر اولیاء کو حضرت علامہ سعیدی صاحب زید مجدہ نے بیک جنبش قلم نا جائز قرار دے دیا اب دیکھئے مفتی صاحب زید مجدہ جناب انور شاہ کشمیری کے متعلق کیا فتویٰ صادر فرماتے ہیں۔ جنہوں نے بتوں کے چڑھاوے کو جائز قرار دیا ہے۔

ان جانوروں کے متعلق سماعت فرمائیں جو کفار اپنے بتوں کے نام نذر کیا کرتے تھے۔ بخاری شریف کتاب التفسیر میں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام کی تفسیر میں جو الفاظ بروایت حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ وارد ہوئے ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں۔

بحیرہ کی تفسیر میں ہے:

قال البحیرۃ التی یمنع درھا للطواغیت فلا یحلبھا احدمن الناس ٥

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بحیرہ وہ جانور ہے جس کا دودھ بتوں کے لیے روک لیتے تھے اور کوئی بھی اس جانور کا دودھ نہ دوہتا۔

سائبہ کی تفسیر:

والسائبة كانوا يسيبونها لالهتهم لا يحمل عليها شيئ۰

اور سائبہ وہ جانور جس کو وہ اپنے بتوں کے لیے آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ اس پر کوئی چیز نہ لادی جاتی۔ (یعنی اس سے کوئی کام نہ لیتا)

وصیلہ کی تفسیر:

والوصيلة الناقة البكر تبكر في اوّل نتاج الابل ثم تثنى بعد بانثى وكانوا يسيبونها لطواغيتهم ان وصلت احداهما بالأخرى ليس بينهما ذكر۰

اور وصیلہ وہ باکرہ اونٹنی ہے جو پہلی مرتبہ مادہ جنم دے پھر اس کے بعد دوسری مرتبہ مادہ جنم دے وہ اس کو اپنے بتوں کے لیے آزاد چھوڑ دیتے۔ اس لیے کہ وہ دونوں باہم ملی ہوئی ہیں ان کے درمیان نر نہیں۔

حام کی تفسیر:

والحام فحل الابل يضرب الضراب المعدود فاذا قضى ضرابه ودعوه للطاغيت والمضوه من الحمل فلم يحمل عليه شيئ۰ وسموه الحامي۰

حام وہ نر اونٹ جو چند بار (دس 10 بار) جفتی کرے جب وہ معدود جفتی پوری کر لیتا تو وہ اس کو بتوں کے لیے چھوڑ دیتے اور اس پر بوجھ وغیرہ لادنے سے اجتناب کرتے اور اس پر کوئی چیز نہ لادی جاتی اس کا نام حامی رکھتے۔

(بخاری شریف کتاب التفسیر، سورۂ مائدہ، باب 13)

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ "والسائبة كانوا يسليبونها لا لهتهم فلا يحمل عليها شيئ" کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال ابو عبيدة۰ كانت السائبة من حميع الانعام ۰ وتكون من النذور للاصنام فتسيب فلا تحبس عن مرعى ولا عن ماء ولا يركبها احد ۰ قال۰ وقيل السائبة لا تكون الامن الابل كان الرجل ينذر ان برى من مرضه اوقدم من سفره ليسين بعيراً۰ (فتح الباری، جلد8، ص: 284)

حضرت ابو عبید رضی اللہ عنہ نے فرمایا سائبہ تمام قسم کے جانوروں میں سے ہوتا ہے اور یہ بتوں کی نذر مانے ہوئے جانور ہیں۔ ان کو چھوڑ دیا جاتا تھا اور کسی چراگاہ اور گھاس اور پانی سے انہیں نہ روکا جاتا تھا۔ اور نہ ہی ان پر کوئی سوار ہوتا تھا۔ انہوں نے فرمایا: ایک قول یہ بھی ہے کہ سائبہ صرف اونٹ کی قسم سے ہوتا تھا۔ آدمی نذر مانتا تھا کہ اگر وہ بیماری سے شفایاب ہو جائے۔ یا خیر و عافیت سے وہ سفر سے واپس آ جائے تو وہ کوئی اونٹ بتوں کے لیے نامزد کر کے چھوڑ دے گا (اور عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں بھی اسی طرح ہے)

چنانچہ اس حدیث مبارک اور حضرت ابوعبید رضی اللہ عنہ کی تفسیر سے یہ ثابت ہو گیا کہ مشرکین عرب بعض جانوروں کو اپنے بتوں کے لیے اپنی بعض حاجات میں نذر مانتے تھے اور انہیں اپنے بتوں کی طرف منسوب کر کے ان کی تشہیر کرتے تھے۔ لہٰذا قطعی طور پر ہمارے مخالفین کے نزدیک "ما اھل لغیر اللہ" میں داخل تھے۔ لیکن اس کے باوجود اللہ عزوجل نے ان کو حرام قرار نہیں دیا بلکہ ارشاد فرمایا:

"مالکم لاتاکلوا مماذکر اسم اللہ علیہ"

تمہیں کیا ہو گیا تم ان جانوروں سے نہیں کھاتے جن پر (بوقت ذبح) اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو۔

یہاں حضرت علام محبوب احمد المعروف خیر شاہ حنفی نقشبندی امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "**صواعق الٰہیہ علی اعداء ابی حنیفہ**" میں فرماتے ہیں۔ آپ کی اردو قدیم ہے لہٰذا میں بھی ان کی ہی محرر اردو ہی نقل کروں گا تا کہ کوئی تغیر وتبدل نہ ہو۔ فرماتے ہیں:

اب خیال کریں کہ کافروں نے جو پلید بتوں کے نام نذر ونیاز کے جانور رکھے تھے۔ ان کو تو خدا نے کہا کہ حلال، طیب ہیں۔ اور دشمن اولیاء اللہ کے۔ بزرگوں کی نذر ونیاز حرام بتاویں۔ "**نعوذ باللہ منھم**" حالانکہ نذر ونیاز کے معنی تحفہ وہدیہ بزرگان بھی ہیں۔ "کمافی الغیاث والبرحان وغیرھما"۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ اثنا عشریہ باب امامت، حدیث 6، باب 12، مقدمہ 6 میں اور تفسیر فتح العزیز بذیل سورۂ بروج قصہ حضرت یونس وغیرہ میں نذر ونیاز کا جواز حکایات سے ثابت کرتے ہیں۔ علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ الباری شرح آداب المریدین بزیر قصہ حضرت ابوالنجیب سہروردی جواز نذر کی حکایات لکھتے ہیں۔

تفسیر احمدی میں لکھتے ہیں:

ان البقرۃ للاولیاء کما ھو الرسم فی زماننا حلال طیب ○ لانہ لم یذکر اسم غیر اللہ علیھا عند الذبح وان کانوا ینذرونھا لہ ○

تفسیرات احمدیہ، ص: 29، تحت "**وما اھل لغیر اللہ**" فرماتے ہیں:

یعنی ہمارے زمانہ کے نذر ونیاز کے جانور حلال طیب ہیں۔ کیونکہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہیں لیا جاتا۔ حق تو یہ ہے کہ اگر کوئی چیز مطلقاً غیر خدا کے نام لینے سے حرام ہو جائے تو ہر اک چیز حرام ہونی چاہئے۔ مثلاً: زید کی عورت، بکر کا لڑکا، عمرو کا جانور یا روئی، خالد کا مدرسہ یا زمین ومکان، اور فلاں کی مسجد وکھیت، وغیرہ وغیرہ۔ ان سب چیزوں پر غیر خدا کا نام آ گیا۔ تو یہ حرام ہونی چاہئے۔

غرضیکہ اولیاء اللہ، انبیاء کے نام نذر ونیاز دینا جائز وحلال ہے۔ اگر بالفرض لفظ پر ہی گرفت ہے تو بقول ان کے کسی طعام پر یوں کہنا کہ روٹی وطعام خدا کے واسطے ہے۔ کفر ہوگا۔ کیونکہ خدا کھاتا پیتا نہیں۔ اگر اپنے الفاظ کی تاویل کر

کے صحت منظور ہے تو نذر و نیاز بھی ماءُول ہے۔

"ان النذر لله و ثوابه للاولياء" یعنی نذر اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور اس کا ثواب اولیاء کرام کے لیے۔ جیسا کہ حاشیہ تفسیر احمدی میں ہے۔ (سواعق الہیہ ص: 112، مطبوعہ امرتسر پریس واقع شہر امرتسر)

اب اس ساری بحث کا ماحاصل یہ نکلا۔ اولیاء کرام کے نام پر جو جانور نامزد کئے جائیں۔ وہ تو مردار اور سگ وخوک سے بھی زیادہ نجس وحرام قرار پائیں۔ اور جو جانور ناپاک بتوں کے لیے ان کی عبادت اور نذر کی نیت سے تقربا الی غیر الله نامزد کئے جائیں وہ حلال وطیب ہیں۔ والعياذ بالله من ذالك۔

یہ بھی خدائے بزرگ وبرتر کی ہی شانِ قدرت ہے کہ بتوں کے نام نذر کئے ہوئے جانور جو ان کی عبارت کے لیے۔ تقرب الی غیر الله کی نیت سے نامزد کئے جائیں وہ تو حلال وطیب ہوں۔ اور اگر انبیاء کرام یا اولیاء عظام کی کوئی چیز نذر کی جائے جو کہ مجازاً نذر ہے جس کو نذر لغوی اور عرفی کہتے ہیں۔ اور اس نذر کے وقت نیت تقرب الی الله ہو اور صرف اولیاء کے لیے نیت ثواب ہو۔ اس نذر اولیاء کو ناجائز وحرام اور اس فعل کو شرک قرار دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ بوسیلہ نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہدایت عطا فرمائے۔ آمین۔

قوله تعالیٰ:

احل لكم ليلة الصيام الرفث الى نسائكم هن لباس لكم وانتم لباس لهن علم الله انكم تختانون انفسكم فتاب عليكم وعفا عنكم فالئٰن باشروهن وابتغوا ما كتب الله لكم وكلوا واشربوا حتىٰ يتبين لكم الخيط الابيض من الخيط الاسود من الفجر ثم اتموا الصيام الى الليل○ ولا تباشروهن وانتم عاكفون فى المساجد تلك حدود الله فلا تقربوها كذالك يبين الله آيته للناس لعلهم يتقون○ (سورۂ بقرہ، آیت: 187)

روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا تمہارے لیے حلال ہوا وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس۔ اللہ نے جانا کہ تم اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے تھے۔ تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی۔ اور تمہیں معاف فرمایا۔ تو اب ان سے صحبت کرو اور طلب کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے نصیب میں لکھا ہو۔ اور کھاؤ اور پیؤ یہاں تک کہ تمہارے لیے ظاہر ہو جائے سفیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے (پو پھٹ کر) پھر رات آنے تک روزے پورے کرو۔ اور عورتوں کو ہاتھ نہ لگاؤ جب تم مسجدوں میں اعتکاف سے ہو اور یہ اللہ کی حدیں ہیں ان کے پاس نہ جاؤ اللہ یوں ہی بیان کرتا ہے لوگوں سے اپنی آیتیں کہ کہیں انہیں پرہیزگاری ملے۔

شانِ نزول:

شرائع سابقہ میں روزہ افطار کے بعد کھانا، پینا مجامعت کرنا نمازِ عشاء تک حلال تھا بعد نمازِ عشاء یہ سب چیزیں رات کو بھی

حرام ہو جاتی تھیں۔
یہ حکم نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ اقدس تک باقی تھا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے رمضان کی راتوں میں بعد از عشاء عورتوں سے مباشرت کرنا وقوع پذیر ہوا ان میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی تھے اس پر وہ نادم ہو کر بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم سے لغزش ہوئی ہے۔ اپنا حال بیان کیا اللہ عزوجل نے معاف فرمادیا اور یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور بیان کر دیا گیا کہ آئندہ کے لیے رمضان المبارک کی راتوں میں مغرب سے یعنی روزہ افطار کرنے سے صبح صادق تک پوری رات اپنی عورتوں سے مجامعت کرنا حلال کیا گیا۔

(۱) عن اسرائیل بن یونس عن ابی اسحاق عن البراء قال کان اصحاب النبی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) اذا کان الرجل صائما فحضر الافطار فنام قبل ان یفطر لم یا کل لیلته ولا یومه حتی یمسی ٥ وان قیس بن صرمة الانصاری کان صائماً فلما حضره الافطار اتی امراته ٥ فقال هل عندك طعام ٥ فقالت لا ٥ ولکن انطلق فاطلب لك و کان یومه یعمل ٥ فغلبته عینه وجاء ته امراته ٥ فلما رأته قالت خیبة لك ٥ فلما انتصف النهار غشی علیه فذکر ذالك للنبی صلی اللہ علیه وآلہ وسلم فنزلت هذه الایة ٥ "احل لکم لیلة الصیام الرفث الی نسائکم" ففرحوا بها فرحا شدیدا ٥
قال ابو عیسیٰ هذا حدیث حسن صحیح ٥
(ترمذی شریف، ص: 668، حدیث: 2968، تفسیر جامع البیان للطبری، جلد دوئم، ص: 95، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے جب کوئی شخص روزہ دار ہوتا اور روزہ افطار کا وقت آتا اور روزہ افطار کرنے سے قبل وہ سو جاتا تو وہ شخص اس رات کو اور اس رات کے اگلے دن کو شام تک کچھ نہ کھاتا۔ حضرت قیس بن صرمہ انصاری رضی اللہ عنہ روزہ دار تھے جب ان کے روزہ افطار کا وقت آیا وہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور کہا کیا تیرے پاس طعام وغیرہ ہے۔ بیوی نے کہا: کچھ نہیں۔ لیکن میں جاتی ہوں اور تمہارے لیے کچھ لاتی ہوں۔ اور حضرت قیس بن صرمہ انصاری رضی اللہ عنہ اس دن محنت ومشقت کرتے رہے تھے۔ چنانچہ ان کی آنکھ پر نیند غالب آگئی اور وہ سو گئے۔ ان کی بیوی آئی جب ان کو سویا ہوا دیکھا، کہا تمہارے لیے محروی ہے۔ جب دوسرے دن دوپہر کا وقت ہوا تو حضرت قیس بن صرمہ رضی اللہ عنہ پر غشی طاری ہوگئی۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس کا ذکر کیا گیا تو یہ آیۃ مبارکہ "احل لکم لیلة الصیام الرفث الی نسائکم" نازل ہوئی۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس کی وجہ سے بہت

خوش ہوئے۔
ابو عیسیٰ ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن، صحیح ہے۔

(2) عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ان الرجل کان اذا افطر فنام لم یاتها و اذا نام لم یطعم حتی جاء عمر بن الخطاب یرید امرأته فقالت امرأته قد کنت نمت فظن انها تعتل فوقع بها○ فنزلت هذه الایة○

(جامع البیان، جلد دوئم، ص:95)

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے روایت ہے کہ کوئی شخص جب روزہ افطار کرتا اور سو جاتا وہ نہ تو اپنی بیوی کے پاس جاتا اور نہ ہی کھانا وغیرہ کھاتا حتیٰ کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ تو آپ کی بیوی نے کہا میں سو چکی ہوں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے سمجھا کہ وہ بہانہ کر رہی ہے۔ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے جماع کیا۔ تو یہ آیت مبارکہ ”احل لکم لیلة الصیام الرفث الیٰ نسائکم“ نازل ہوئی۔

(3) عن معاذ بن جبل قال کانوا یاکلون ویشربون ویاتون النساء مالم ینامو فاذا ناموا ترکو الطعام والشراب واتیان النساء فکان رجل من الانصار یدعی اباصرمة○ الخ (جامع البیان، جلد دوئم، ص:95)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا لوگ جب تک نہ سوتے وہ کھاتے، پیتے اور اپنی عورتوں کے پاس بھی جاتے۔ اور جب وہ سو جاتے تو وہ کھانا، پینا اور اپنی عورتوں کے پاس جانا ترک کر دیتے تھے۔ چنانچہ انصار کا ایک آدمی جس کو ابو صرمہ کے نام سے بلایا جاتا ہے۔ (اور پھر حضرت قیس بن صرمہ رضی اللہ عنہ کا پورا واقعہ نقل کیا) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ ”احل لکم لیلة الصیام الرفث الیٰ نسائکم“ نازل فرمائی۔

(4) عن عبداللہ بن کعب بن مالک یحدث عن ابیه○ قال کان الناس فی رمضان اذا صام الرجل فامسیٰ فنام حرم علیه الطعام والشراب والنساء حتی یفطر من الغد○ الخ (جامع البیان، جلد دوئم، ص:96)

عبداللہ بن کعب اپنے باپ کعب بن مالک سے بیان کرتے ہیں۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رمضان المبارک میں لوگوں کا یہ حال تھا کہ جب کوئی شخص روزہ رکھتا اور شام کا وقت ہوتا اور وہ سو جاتا تو اس پر کھانا، پینا اور عورتوں سے جماع حرام ہو جاتا۔ حتیٰ کہ وہ کل (یعنی دوسرے دن شام کو) روزہ افطار کرتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سے واپس لوٹے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ باتیں کرتے رہے۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ گھر آئے تو دیکھا بیوی سوئی ہوئی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے مباشرت کرنا چاہی تو بیوی نے کہا وہ سو چکی ہے۔ حضرت عمر

فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تو ابھی تک نہیں سوئی۔ پھر آپ نے بیوی سے مباشرت کی اور کعب بن مالک نے بھی ایسا ہی کیا تو علی الصبح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور آپ کی اس واقعہ کی خبر دی۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ "علم الله انكم كنتم تختانون انفسكم" الخ۔ نازل فرمائی۔

5) عن ابن عباس قوله "احل لكم ليلة الصيام الرفث" الخ كان الناس اول ما اسلموا اذا صام احدهم يصوم يومه حتى اذا امسى طعم من الطعام فيما بينه وبين العتمة حتى اذا صليت حرم عليهم الطعام حتى يمسى من الليلة القابلة وان عمر بن الخطاب بينما هو نائم اذ سولت له نفسه٥ الخ

(جامع البیان، جلد دوئم، ص:96)

اللہ تعالیٰ کے فرمان: "احل لكم ليلة الصيام الرفث الى نسائكم الخ" کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابتدائے اسلام میں ان میں سے جب کوئی روزہ رکھتا تو اس دن کا روزہ رکھتا۔ حتیٰ کہ جب شام ہو جاتی وہ روزہ افطار کے وقت سے عشاء کی نماز کے درمیان روٹی وغیرہ کھاتا۔ یہاں تک کہ جب عشاء کی نماز پڑھی جاتی تو ان پر کھانا، پینا وغیرہ حرام ہو جاتا۔ حتیٰ کہ وہ آئندہ شام تک کچھ نہ کھاتے پیتے۔ ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سوئے ہوئے تھے کہ اچانک ان کے نفس نے ان کو مزین کیا، گمراہ کیا۔ اور وہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور اپنی حاجت کو پورا کیا۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ غسل کر چکے تو روئے اور اپنے نفس پر ملامت شروع کر دی۔ پھر وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے نفس سے جو یہ خطاء ہوئی ہے میں اللہ عزوجل کے حضور اور آپ کے حضور معافی مانگتا ہوں۔ کیونکہ میرے نفس نے مجھے مزین کیا تو میں نے اپنی بیوی سے جماع کیا ہے کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لیے کوئی رخصت پاتے ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عمر رضی اللہ عنہ! یہ کام تمہارے لائق نہیں تھا۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے گھر پہنچے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس پیغام بھیجا اور ان کو خبر دی کہ اللہ عزوجل نے قرآن حکیم کی ایک آیت مبارکہ میں ان کا عذر قبول فرما لیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ وہ اس آیت مبارکہ کو سورۂ بقرہ کے درمیان سو (100) میں (یعنی دوسرے سو میں) رکھ دیں۔ اور فرمان "احل لكم ليلة الصيام الرفث الى نسائكم" کے متعلق فرمایا۔ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے کوئی آدمی دن کو روزہ رکھتا تو جب شام ہوتی وہ کھاتا، پیتا اور عورت سے جماع کرتا اور جب وہ سو جاتا تو اس کے لیے یہ سب کچھ حرام ہو جاتا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے کچھ صحابہ کرام نے اس میں اپنے نفسوں پر خیانت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا۔ اور ان کے لیے تمام رات سونے سے پہلے یا سونے کے بعد یہ سب چیزیں حلال فرما دیا۔ (جامع البیان، جلد دوئم، ص:96)

(7) اور ضحاک بن مزاحم سے بھی اس طرح مروی ہے کہ جب وہ عشاء کی نماز پڑھ لیتے تو ان پر کھانا، پینا اور جماع وغیرہ حرام ہو جاتا۔

(احکام القرآن لابی بکر جصاص رازی حنفی، جلد اوّل، ص:274)

چنانچہ ان تمام احادیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ ''واحل لکم للیلۃ الصیام الرفث الٰی نسائکم'' کے ساتھ ماہ رمضان المبارک میں روزہ دار کے لیے سونے کے بعد جو کھانا، پینا اور جماع وغیرہ حرام کیا تھا اس کو منسوخ فرما دیا ہے۔

اور اسم ''رفث'' جماع اور فحش کلام پر واقع ہوتا ہے لیکن اس آیت مبارکہ میں مذکور ''رفث'' سے مراد جماع ہی ہے۔ جس میں اہل علم کا کوئی اختلاف نہیں۔

لباس کا معنیٰ:

امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر ''تفسیر کبیر'' میں اس آیہ مقدسہ کے تحت ارقام فرمایا۔

مسئلہ اولیٰ:

زوجین کو لباس کے ساتھ تشبیہ دینے میں وجوہ ہیں۔

(1) جب مرد اور عورت ایک دوسرے سے معانقہ کرتے ہیں۔ تو ان میں سے ہر ایک اپنے جسم کو دوسرے کے جسم کے ساتھ ملاتا ہے۔ حتیٰ کہ ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے لیے کپڑے کی مثل بن جاتا ہے جو کپڑا وہ پہنتا ہے۔ اور ان میں ہر ایک کو لباس کے نام سے موسوم کیا گیا۔ ربیع نے کہا عورتیں تمہارے لیے فراش ہیں اور تم ان کے لیے لحاف۔ ابن زید نے کہا عورتیں تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس مراد یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو جماع کے وقت لوگوں کی آنکھوں سے ڈھانپ لیتا ہے۔

(2) زوجیں (میاں، بیوی) کو اس لیے لباس کہا گیا کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے وہ جو حلال نہیں اس سے ڈھانپ لیتا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے:

''من تزوج فقد احرز ثلثی دینہ''

جس نے نکاح کر لیا۔ تحقیق اس نے اپنے دین کے دو ثلث (دو حصے) محفوظ کر لیے۔

(3) اللہ عزوجل نے عورت کو مرد کا لباس اس حیثیت سے بنایا ہے کہ وہ شخص اس عورت کو اپنے لیے خاص کرتا ہے۔ جیسا کہ وہ اپنے لیے لباس کو خاص کرتا ہے۔ اور اپنی بیوی کو اس کا اہل خیال کرتا ہے کہ وہ اپنا تمام بدن اپنی بیوی کے تمام بدن سے ملائے۔ جیسا کہ وہ لباس میں یہ عمل کرتا ہے۔ (تفسیر کبیر، جلد 5، ص:106)

ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی اپنی تفسیر ''الجامع لاحکام القرآن'' میں فرماتے ہیں:

اصل لباس کپڑوں کی وجہ سے ہے۔ ابو عبیدہ وغیرہ نے کہا عورت کے لیے کہا جاتا ہے۔ یہ تیرا لباس ہے۔ یہ تیرا

فراش ہے۔ یہ تیرا ازار (تہبند) ہے حضرت عمر فاروق سے ایک شخص نے کہا:

الاالغ ابا حفص رسولاہ فدی لک من اخی ثقة ازاری

اور مجاہد نے کہا۔ وہ تمہارے لیے سکون ہیں۔ یعنی تم دونوں ایک دوسرے سے سکون حاصل کرتے ہو۔

(الجامع لاحکام القرآن، مجلد اول، جزدوم، ص: 212،211)

ابوبکر جصاص رازی حنفی اپنی تفسیر "احکام القرآن" میں اس آیت مبارکہ کے تحت ارقام فرماتے ہیں:

قولہ تعالیٰ: "ھن لباس لکم وانتم لباس ھن" ۔اس کا معنی یہ ہے کہ عورتیں تمہارے لیے مباشرت کے مباح ہونے کے اعتبار سے لباس کی شکل ہیں۔ اوران میں سے ہر ایک دوسرے کا لباس ہے۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے۔ لباس سے مراد ڈھانپنا ہو۔ کیونکہ لباس سے ہی بدن ڈھانپا جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے رات کو لباس فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ چیز کو ڈھانپ لیتی ہے۔ اور اپنے اندھیرے کے سبب اس پر احاطہ کرلیتی ہے اور اس کو گھیر لیتی ہے۔ اگر اس کا معنی یہ ہے تو مراد یہ ہوگی کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو ان خواہش کی طرف لے جانے سے جو ذلیل ورسوا کرنے والی ہیں ڈھانپ لیتے ہیں۔ (احکام القرآن، جلد اول، ص: 275، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام عماد الدین بن محمد طبری المعروف بہ کیا الہراسی متوفی 504ھ اپنی تفسیر "احکام القرآن" میں مذکور عبارت کے تحت ارقام فرماتے ہیں۔ چنانچہ ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ عفت حاصل کرنے والا اور ستر طلب کرنے والا ہو جاتا ہے۔

(احکام القرآن لکیا الہراسی، جلد اول، ص: 71، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

خیانت کا معنی:

امام فخری الرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مسئلہ اولیٰ:

کہا جاتا ہے خانہ، یخونہ، خونا و خیانۃ ۔ جب کوئی کسی سے وفا نہ کرے تو کہتے اس نے خیانت کی۔ اور تلوار جب مارنے سے آہستہ ہو جائے تو کہتے ہیں "فقد خانک" اس نے تجھ سے خیانت کی۔ جب کسی کا حال شر کی طرف متغیر ہو جائے تو کہتے ہیں "خانہ الدھر" زمانہ نے اس سے خیانت کی۔ جب کوئی شخص کسی کی امانت ادا نہ کرے تو کہتے ہیں "خان الرجل" یعنی آدمی نے خیانت کی۔ اور عہد کو توڑنے والے کو بھی خائن کہتے ہیں۔ اس لیے کہ اس سے وفا کی انتظار کی جاتی ہے اور وہ وعدہ خلافی کرتا ہے۔

اور اس آیہ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے معصیت کو خیانت سے تعبیر کیا ہے۔ اور جب تو نے معنی خیانت معلوم کرلیا تو صاحب کشاف نے کہا اختیان، خیانت سے ہے جیسے اکتساب۔ کسب سے ہے۔ چنانچہ اختیان، خیانت سے زیادہ ابلغ ہے۔

مسئلہ دوئم:

اللہ تعالیٰ نے یہاں ذکر کیا کہ وہ اپنی جانوں پر خیانت کرتے تھے۔ لیکن یہ ذکر نہیں فرمایا کہ وہ کس میں خیانت کرتے تھے۔ تو اس خیانت کا کسی چیز پر حمل کرنا ضروری ہوا جس کا تعلق ماقبل ومابعد سے ہو۔ اور جس کا ذکر گزر چکا وہ جماع ہے۔ اور اس کے بعد ذکر اللہ کا فرمان: ''فالآن باشروھن'' ہے۔ چنانچہ واجب ہوا کہ اس خیانت سے مراد جماع ہو۔

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں پھر یہاں دو وجوہ ہیں۔

اوّل:

یہ کہ اللہ عزوجل نے جان لیا کہ تم عشاء کے بعد جماع میں اور سونے کے بعد کھانے میں پوشیدہ معصیت کرتے تھے۔ اور کھانے، پینے اور جماع وغیرہ سے جو کہ تم پر حرام کیا گیا تھا اس کے تم مرتکب ہوتے اور جس نے بھی اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی کی تحقیق اس نے اپنے نفس اور اللہ عزوجل سے خیانت کی۔ اس لیے کہ خیانت کی طرف عقاب ہانک کر جاتا ہے۔ (تفسیر کبیر، جز5، ص:106)

ابوبکر جصاص رازی حنفی فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے قول: تختانون انفسکم، کا معنی یہ ہے کہ تم میں سے بعض نے ماہ رمضان المبارک کی راتوں میں کھانے، پینے اور جماع وغیرہ سے جو منع کیا گیا تھا کے واقع ہونے میں بعض کو پسند کیا۔

اور یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ ہر ایک نے فی نفسہ اپنی جانوں سے خیانت کی۔ اور مرد کو اپنے نفس کے لیے خائن اس کے لیے کہا گیا۔ کہ اس کا ضرور نقصان اسی پر عائد ہوتا ہے۔ (احکام القرآن، جلد اول، ص:275)

اللہ تعالیٰ کا فرمان:

فتاب علیکم۔ یہ دو معنی کا احتمال رکھتا ہے:

اوّل:

یہ کہ انہوں نے جو اپنے نفسوں سے خیانت کی اس کی توبہ کا قبول کرنا ہے۔

دوئم:

تم سے کھانے، پینے اور جماع کی رخصت اور اباحت کی تخفیف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان:

وعفا عنکم ○ یہ بھی دو معنی کا احتمال رکھتا ہے:

اوّل:

اس گناہ سے معافی جو انہوں نے اپنی جانوں کے ساتھ خیانت کی وجہ سے کیا تھا۔ پھر انہوں نے اس سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے خیانت کے متعلق ان سے ان کا گناہ معاف فرمایا۔

دوئم:

یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ان چیزوں کو مباح فرمایا وہ مباح کرنا ان کے ساتھ تسہیل (آسانی کرنا) اور توسعہ (کشادگی کرنا) مقصود ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اول الوقت رضوان اللہ و آخرہ عفو اللہ"

یعنی اوّل وقت اللہ تعالیٰ کی رضا کا ہے اور آخر وقت اللہ تعالیٰ کی تسہیل وکشادگی کا ہے۔ جس طرح اس حدیث مبارک میں "عفو" بمعنی تسہیل وکشادگی ہے۔ اسی طرح اللہ عزوجل کے فرمان میں بھی "عفو" سے مراد تسہیل ووسعت ہے۔

(احکام القرآن، جلد اول، ص: 276، الجامع لاحکام القرآن، مجلد اول، جز دوئم، ص: 212)

اللہ تعالیٰ کا فرمان:

وابتغوا ما کتب اللہ لکم۔ کی تفسیر میں چار اقوال ہیں:

اوّل:

اور طلب کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے نصیب میں لکھ دیا ہے۔ اس سے مراد اولاد ہے۔

صاحب تفسیر طبری نے اس قول کے تحت چند آثار نقل فرمائے ہیں:

○ "عن شعبہ عن الحکم عن مجاهد وابتغوا ما کتب اللہ لکم قال الولد"

یعنی مجاہد نے کہا اس آیت کریمہ سے مراد اولاد ہے۔

○ عن شعبة قال سمعت الحکم "وابتغوا ما کتب اللہ لکم" قال الولد۔

شعبہ بن حجاج سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں نے حکم بن عتیبہ کو کہتے ہوئے سنا کہ اس آیۃ مقدسہ سے مراد اولاد طلب کرنا ہے۔

○ عن عبید اللہ عن عکرمة قوله "وابتغوا ما کتب اللہ لکم" قال الولد۔

عبید اللہ نے عکرمہ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان "وابتغوا ما کتب اللہ لکم" کے متعلق روایت کیا۔ انہوں نے کہا اس سے مراد اولاد ہے۔

○ عن ابی مودود بحر بن موسیٰ قال سمعت الحسن بن ابی الحسن یقول فی هذه الآیة

"وابتغوا ما کتب اللہ لکم" قال الولد۔
ابوموودو، بحر بن موسیٰ نے کہا میں نے حسن بن ابی الحسن کو اس آیہ مقدسہ "وابتغوا ما کتب اللہ لکم" کے متعلق کہتے ہوئے سنا کہ اس سے مراد اولاد ہے۔

○ عن ابن عباس○ وابتغوا ما کتب اللہ لکم○ یعنی الولد○

حضرت بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ "وابتغوا ما کتب اللہ لکم" سے مراد اولاد ہے۔

○ عن عبدالرزاق اخبرنا معمر عمن سمع الحسن فی قوله "وابتغوا ما کتب اللہ لکم" قال هو الولد○

معمر بن راشد نے اس شخص سے روایت کیا جس نے حضرت حسن بصری سے اللہ تعالیٰ کے اس قول "وابتغوا ما کتب اللہ لکم" کے متعلق کہتے ہوئے سنا کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس طلب کرنے سے مراد اولاد ہے۔

○ عن ابن ابی جعفر عن ابیه عن الربیع فی قوله تعالیٰ "وابتغوا ما کتب اللہ لکم" من الولد○

ربیع نے اللہ تعالیٰ کے فرمان "وابتغوا ما کتب اللہ لکم" کے متعلق فرمایا اولاد طلب کرو۔

○ عن عبید بن سلیمان قال سمعت الضحاك بن مزاحم قوله "وابتغوا ما کتب اللہ لکم" قال الولد○

عبید بن سلیمان سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں نے ضحاک بن مزاحم کو اس آیت مبارکہ "وابتغوا ما کتب اللہ لکم" کے متعلق کہتے ہوئے سنا کہ اس سے مراد اولاد ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے جو تمہارے نصیب میں لکھا ہو وہ طلب کرو۔

دوئم:

اس آیۃ کریمہ میں طلب کرنے سے مراد لیلۃ القدر ہے:

○ عن عمرو بن مالك عن ابی الجوزاء عن ابن عباس "وابتغوا ما کتب اللہ لکم" قال لیلة القدر قال ابو هشام هکذا قرأها معاذ○

ابوالجوزاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا "وابتغوا ما کتب اللہ لکم" سے مراد لیلۃ القدر ہے۔ ابو ہشام نے کہا حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اس آیہ مبارکہ کو اس طرح پڑھا ہے۔
یعنی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے بھی کہا کہ اس آیہ کریمہ سے مراد لیلۃ القدر ہے۔

سوئم:

بعض نے کہا اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کھانا، پینا، وغیرہ حلال کر دیا اور اس کی تمہارے لیے رخصت ہے۔

○ عن عبدالرزاق قال أخبرنا معمر قال ○ قال قتادة فی ذالك ابتغوا الرخصة التی کتبت لکم○

عبدالرزاق سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا ہمیں معمر بن راشد نے خبر دی انہوں نے کہا حضرت قتادہ بن رماعہ رضی اللہ عنہ نے اس آیہ کریمہ کے متعلق کہا جو رخصت تمہارے لیے لکھی گئی ہے اس کو طلب کرو۔

○ عن یزید بن زریع قال حدثنا سعید عن قتادة "وابتغوا ما کتب اللہ لکم" یقول ما أحل اللہ لکم○

سعید نے قتادہ بن رماعہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ وہ اس آیہ مقدسہ "وابتغوا ما کتب اللہ لکم" کے متعلق فرماتے تھے۔ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کیا اس کو طلب کرو۔

چہارم:

بعض نے "ابتغوا" جو کہ "ابتغاء" سے ہے اس کی جگہ "اتبعوا" پڑھا ہے جو "اتباع" سے ہے۔

○ سفیان ابن عیینہ عن عمرو بن دینار عن عطاء بن ابی رباح قال قلت لابن عباس رضی اللہ عنهما کیف تقرأ هذه الآیه "وابتغوا" او ○ واتبعوا ○ قال ایتها شئت قال علیك بالقراة الاولی○

سفیان بن عیینہ نے عمرو بن دینار سے انہوں نے عطاء بن ابی رباح سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا۔ آپ اس آیہ مبارکہ کو کس طرح پڑھتے ہو۔ کیا وابتغوا پڑھتے ہو۔ یا واتبعوا پڑھتے ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان دونوں میں سے جو چاہو پڑھو۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا پہلی قرأت (یعنی وابتغوا) مرجح ہے۔

آخر میں ابو جعفر محمد بن جریر طبری فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: "وابتغوا ما کتب اللہ لکم" میں جمیع معانی خیر جو کہ مطلوبہ ہیں۔ اس میں داخل ہیں۔ البتہ جو معانی ظاہر آیت کے مشابہ ہیں وہ معنی مراد لینا ہی صواب ہے۔ چنانچہ جن لوگوں نے اس آیہ مبارکہ کا معنی اولاد کیا ہے یہ صحیح ہے کیونکہ یہ آیت مبارکہ "وابتغوا ما کتب اللہ لکم"۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: ''فالآن باشروھن'' کے بعد واقع ہوئی ہے۔ اور مباشرت بمعنی جماع ہے۔ تو اس آیہ کریمہ کا معنی یہ ہوگا۔ تمہارا اپنی عورتوں سے جماع کرنے میں اللہ تعالیٰ نے جو حصہ لکھ دیا ہے اس کو طلب کرو۔ اور جماع سے مطلوب اولاد ہی ہے۔ چنانچہ بہ نسبت دیگر تاویلات کے اولاد مراد لینا ظاہر قرآن کے مشابہ ہے۔ اور باقی تاویلات کے صحیح ہونے پر ظاہر نص دلالت نہیں کرتی اور نہ ہی ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث وارد ہوئی ہے۔ (جامع البیان، جلد دوئم، ص: 98، 99، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی فرماتے ہیں:

پانچواں مسئلہ:

قولہ تعالیٰ: وابتغوا ما کتب اللہ لکم۝

ابن عباس، مجاہد، حکم بن عتیبہ، عکرمہ، حسن، سدی، ربیع اور ضحاک نے کہا ''وابتغوا'' کا معنی ہے اولاد طلب کرو۔ اور اس پر دلالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ''فالآن باشروھن'' کے بعد فرمایا ''وابتغوا ما کتب اللہ لکم'' ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے ''ما کتب اللہ لنا'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے جو لکھا اور وہ قرآن ہے۔ زجاج نے کہا قرآن پاک میں جو تمہارے لیے مباح ہے اور جس کا تمہیں حکم دیا گیا ہے وہ قرآن میں طلب کرو۔ اور حضرت ابن عباس اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا اس کا معنی یہ ہے کہ تم لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔ اور حضرت قتادہ بن رماعہ نے کہا اس کا معنی ہے رخصت اور وسعت طلب کرو۔ ابن عطیہ نے کہا اس آیہ کریمہ کا معنی ہے لونڈیاں اور آزاد عورتیں طلب کرو اور امام حسن کا بھی یہی قول ہے۔

اور حضرت حسن بصری اور حسن بن قرہ نے ''وابتغوا'' کی جگہ ''واتبعوا'' پڑھا ہے جو کہ اتباع سے ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اس قرأت کو جائز قرار دیا اور قرأت ''وابتغوا'' جو کہ ''ابتغاء'' سے ہے اس کو ترجیح دی۔

ابو بکر جصاص رازی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جب اللہ تعالیٰ کے قول ''فالآن باشروھن'' سے مراد جماع ہے تو پھر اللہ عزوجل کا یہ فرمان ''وابتغوا ما کتب اللہ لکم'' جماع پر محمول نہیں ہونا چاہیے۔ اس لیے کہ اس میں ایک خطاب میں معنی کا تکرار ہے۔ اور ہم جب تک ممکن ہو سکے ہر وہ لفظ استعمال کریں جو فائدہ جدیدہ پر محتمل ہو۔ چنانچہ ایک فائدہ پر اقتصار کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''فالآن باشروھن'' سے جماع کے مباح ہونے کا فائدہ دیا۔ تو واجب ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول ''وابتغوا ما کتب اللہ لکم'' سے مراد جماع نہ ہو۔ پھر اس کے بعد لکھتے ہیں جب لفظ جمیع معانی پر محمول ہے۔ اگر یہ احتمال نہ ہوتا تو سلف اس کی تاویل نہ کرتے۔ تو جب یہ لفظ جمیع معانی پر محمول ہے اور اللہ عزوجل

کی مراد بھی اس سے کل ہی ہے تو پھر یہ لفظ ''رمضان میں طلب لیلۃ القدر'' اللہ عزوجل کی رخصت کی اتباع، اور طلب ولد، سب کا جامع ہے۔ چنانچہ بندہ ان میں سے جس کا بھی ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ کے حضور وہ ماجور ہوگا۔
(احکام القرآن، جلد اول، ص:276)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں:
اللہ عزوجل کا فرمان: ''وابتغوا ما کتب اللہ لکم'' اس میں کئی مسائل ہیں۔

مسئلہ اولیٰ:

علماء مفسرین نے اس آیہ مبارکہ کے متعلق چند وجوہ کا ذکر کیا ہے:

(1) اللہ تعالیٰ نے جو حصہ تمہارے لیے لکھا ہوا ہے اس کو طلب کرو۔ یعنی مباشرت سے اولاد طلب کرو۔ اور صرف قضائے شہوت کے لیے مباشرت نہ کرو۔

(2) اللہ عزوجل نے عزل (جماع کے وقت آلۂ تناسل کا شہوت مکمل ہونے سے پہلے باہر نکال لینا) سے منع فرمایا۔ اور اس کی کراہیت میں اخبار وارد ہوئی ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کوئی شخص اپنی آزاد بیوی کی اجازت کے بغیر عزل نہ کرے۔ اور لونڈی سے عزل کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع فرمایا ہے۔
عاصم نے زر بن جیش سے اور انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ عزل کو مکروہ سمجھتے تھے۔

(3) آیت مبارکہ کا معنی یوں ہوگا۔ مباشرت کے اس محل اور مقام کو طلب کرو جس محل اور مقام کو اللہ عزوجل نے تمہارے لیے حلال لکھا ہے۔ نہ کہ وہ محل اور مقام طلب کرو جو تمہارے لیے حرام لکھا گیا ہے۔ اور اس کی مثال اللہ عزوجل کا فرمان ہے: فاتوھن من حیث امرکم اللہ ''یعنی عورتوں کے پاس اس راہ سے آؤ جس کا اللہ عزوجل نے تمہیں حکم دیا اور عورت کا محلِ حلال فرج ہے دبر نہیں۔ لہٰذا اس آیہ کریمہ سے ثابت ہوا کہ اپنی عورت سے جماع کے وقت اس محل کو طلب کرو جس محل ومقام کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال فرمایا ہے۔

(4) یہ آیت مبارکہ ''وابتغوا ما کتب اللہ لکم'' تاکید ہے اس کی تقریر یہ ہے کہ اب ان سے مباشرت کرو اور وہ مباشرت طلب کرو جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حرام ہونے کے بعد حلال لکھ دیا ہے۔

(5) بعض اوقات بسبب حیض ونفاس یا عدت وردت (مرتد ہونا) اپنی بیوی سے مباشرت حرام ہو جاتی ہے۔ تو اللہ عزوجل کا فرمان ''وابتغوا ما کتب اللہ لکم'' یعنی صرف ان احوال واوقات میں ہیں ان سے مباشرت کرو جن احوال واوقات میں ان سے مباشرت کرنے کا تمہارے لیے حکم ہے۔ اس سے معلوم ہوا حیض ونفاس کے دوران عورت سے جماع کرنا

حرام ہے۔

(6) اللہ تعالیٰ کا فرمان: ''فالآن باشروھن'' یہ جماع کے لیے حکم ہے۔ اور اللہ عزوجل کا فرمان: ''وابتغوا ما کتب اللہ لکم'' اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ مباشرت صرف زوجہ اور مملوکہ سے ہی طلب کرو۔ کیونکہ یہ مباشرت وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان: ''الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم'' کے ساتھ تمہارے لیے حلال لکھ دیا ہے۔

(7) حضرت معاذ بن جبل اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ابی الجوزاء سے روایت میں ہے کہ اس آیۃ کریمہ کا معنی یہ ہے تم لیلۃ القدر طلب کرو۔ اور اگر تم اس رات کو پالو تو پھر اس رات جو ثواب تمہارے لیے لکھ دیا گیا ہے وہ طلب کرو۔

اور جمہور محققین نے اس وجہ کو ظاہر نص کے اعتبار سے بہت بعید سمجھا ہے۔ (تفسیر کبیر، ج:5، ص:108)

عزل کا معنی اور اس کا حکم:

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے وجہ دوئم میں عزل کے متعلق بیان کیا کہ اس آیہ مبارکہ سے عزل کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل پیش خدمت ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب النکاح میں ایک باب قائم کیا ''یعنی باب العزل'' عزل کا معنی یہ ہے منی کے انزال کے خوف سے آلۂ تناسل شرمگاہ سے باہر نکال لینا تا کہ منی رحم میں نہ گرے اور عورت حاملہ نہ ہو جائے۔

صاحب ردالمحتار علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ عزل کے ماتحت ارقام فرماتے ہیں:

اگر مرد نے اپنا آلۂ تناسل باہر کھینچ لیا اور اس کی منی شرمگاہ سے باہر گری اس کو عزل کہتے ہیں۔ اور اگر مرد نے دوسری شرمگاہ میں آلہ تناسل داخل کیا اور اس میں منی گر گئی اس کو فھر ''از باب منع'' کہتے ہیں۔ اور اگر کسی شخص کی منی جماع کرنے سے پہلے نکل آئی تو اس کو ''زملق'' کہتے ہیں۔

(ردالمحتار، جلد دوئم، ص:411، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ باب العزل کے تحت تین احادیث لائے ہیں:

اوّل: عن یحی بن سعید عن ابن جریح عن عطاء عن جابر قال کنا نعزل علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ○

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں عزل کرتے تھے۔

دوئم: عن سفیان قال عمرو اخبرنی عطاء سمع جابراً رضی اللہ عنہ قال کنا نعزل والقرآن ینزل○

سفیان بن عیینہ سے روایت ہے کہ عمرو بن دینار نے کہا مجھے عطاء بن ابی رباح نے خبر دی کہ انہوں نے حضرت

جابر رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ ہم عزل کرتے تھے حالانکہ (احکام کی تفصیل) کے متعلق قرآن نازل ہو رہا تھا۔

سوئم: عن مالك بن انس عن الزهری عن ابن محيريز عن ابی سعيد الخدری رضی الله عنه قال أصبنا سبياً فكنا نعزل فسألنا رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم فقال أو أنكم لتفعلون قالها ثلاثا ما من نسمة كائنة الى يوم القيمة الاهی كائنة○

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا (غزوۂ بنی مصطلق میں) ہم نے قیدی لونڈیاں پائیں اور ہم ان سے عزل کرتے رہے۔ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عزل کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کیا تم یہ کرتے ہو یہ بات آپ نے تین بار فرمائی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نفس کا آنا قیامت تک مقرر ہو چکا ہے وہ نفس ضرور آئے گا۔ (تم عزل کرو یا نہ کرو لہٰذا تمہارے عزل کا کوئی فائدہ نہیں)۔

(بخاری شریف، حدیث: 5207، 5208، 5209)

اور یہ تینوں احادیث مبارکہ مسلم شریف میں بھی ہیں۔

مسلم بمع شرح نووی، جلد اوّل، ص: 464، 465، مطبوعہ اصح المطابع وکارخانہ تجارت کتب دہلی۔

ان احادیث کے علاوہ بھی مسلم شریف میں احادیث ہیں جو عزل کے جواز پر دلالت کرتی ہیں:

(1) عن جابر رضى الله عنه أن رجلاً أتى رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم فقال أن لی جارية هی خادمنا و ساقيتنا و أنا أطوف عليها و أنا أكره ان تحمل فقال أعزل عنها أن شئت فانه سياتيها ما قدر لها فلبث الرجل ثم أتاه فقال أن الجارية قد حبلت فقال قد أخبرتك أنه سياتيها ما قدر لها○

(مسلم شریف بمع نووی، جلد اوّل، ص: 465، مسند ابو یعلی، جلد دوئم، ص: 149، حدیث: 1911)

ابو الزبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ ایک مرد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میری ایک لونڈی ہے یہ ہماری خادم اور ہمیں پانی وغیرہ پلاتی ہے۔ میں اس پر طواف کرتا ہوں (یعنی رات کو جماع کی نیت سے اس کے پاس جاتا ہوں) اور میں یہ ناپسند سمجھتا ہوں کہ وہ حاملہ ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو اس سے عزل کر۔ شان یہ ہے کہ عنقریب جو ان کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے وہ ضرور لائے گی۔ وہ شخص کچھ عرصہ بعد پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لونڈی تو حاملہ ہو چکی ہے۔ آپ نے فرمایا: میں نے تجھ کو بتا دیا تھا کہ جو اس کے مقدر میں لکھا گیا ہے وہ ضرور اس کو حاصل ہوگا۔

(2) عن عروه بن عياض عن جابر بن عبدالله قال سأل رجل النبی صلى الله عليه و آله وسلم فقال

عندی جارية لی وأنا أعزل عنها فقال رسول الله صلی الله عليه وآله وسلم أن ذالك لم يمنع شيا أراده الله قال فجاء الرجل فقال يا رسول الله صلی الله عليه وآله وسلم أن الجارية التی كنت ذكرتها لك حملت فقال رسول الله صلی الله عليه وآله وسلم انا عبدالله ورسوله○

(مسند ابو یعلی، جلد دوئم، ص:190، حدیث:2079، مسلم شریف، جلد اوّل، ص:465)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے سوال کیا اور عرض کیا میرے پاس میری ایک لونڈی ہے اور میں اس سے عزل کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس چیز کا اللہ عز وجل نے ارادہ فرمالیا یہ عزل اس کو منع نہیں کرسکتا۔ کچھ عرصہ بعد وہ شخص حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جس لونڈی کا میں نے آپ کے حضور ذکر کیا تھا وہ حاملہ ہو گئی ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ اس کا معنی یہ ہے میں تمہیں جو کہتا ہوں وہ حق ہے اس پر اعتماد کرو اور اس کو یقینی سمجھو کیونکہ جو میں کہتا ہوں وہ صبح ظاہر ہونے کی مثل ہوتا ہے۔

مسلم شریف میں عزل کے خلاف بھی حدیث مروی ہے:

عن عروة عن عائشة عن جدامه بنت وهب اخت عكاشة○

قالت حضرت رسول الله صلی الله عليه وآله وسلم فی أناس وهو يقول لقد همت أن انهی عن الغيلة فنظرت فی الروم وفارس فاذا هم يغيلون فلا يضرهم أولادهم شيأ ثم سالوه عن العزل فقال رسول الله صلی الله عليه وآله وسلم ذالك الوأد الخفی زاد عبيد الله فی حديثه عن المقری "واذا لموددة سئلت"○ (مسلم شریف بمعہ نووی، جلد اوّل، ص:466)

عروہ نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے انہوں نے جدامہ بنت وہب ہمشیرہ عکاشہ سے روایت کیا۔ جدامہ بنت وہب نے کہا کچھ لوگوں میں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حاضر تھی۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے تھے میں نے ارادہ کیا کہ میں لوگوں کہ غیلہ (اس سے مراد یا تو دودھ پلانے والی کے ساتھ جماع کرنا ہے۔ یا حاملہ عورت کا بچہ کو دودھ پلاتا ہے) سے منع کروں چنانچہ میں نے روم اور فارس میں نظر کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ غیلہ کرتے ہیں اور یہ غیلہ کرنا ان کی اولاد کو تکلیف نہیں پہنچاتا۔ پھر لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عزل کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ بچے کو پوشیدہ طریقے سے زندہ درگور کرنا ہے۔ عبید اللہ نے اپنی حدیث میں مقریؒ سے یہ اضافہ کیا۔ واذا لموددة سئلت○

امام نووی نے "غیلة" کے متعلق لکھا ہے کہ اہل لغت "غیلہ" بکسر غین پڑھتے ہیں اور اس کو بفتح غین غیل کہا جاتا ہے۔

اور غیال بکسر غین ہے۔ اہل لغت میں سے ایک جماعت نے کہا ''الغیلہ'' بالفتح ایک بار پر دلالت کرتا ہے اور بکسر غین ''غیلہ'' پر غیل سے اسم ہے۔ اور بعض نے کہا اگر اس سے مراد دودھ پلانے والی سے جماع لیا جائے تو غیلہ۔ بکسر غین اور بفتح غین دونوں طرف پڑھنا جائز ہے۔ اور حضرت علماء کرام نے اس حدیث مبارک میں غیلہ کی مراد میں اختلاف کیا ہے۔ امام مالک نے موطا میں اور اہل لغت میں سے اصمعی وغیرہ نے کہا ''غیلہ'' عورت سے جماع کرنا ہے درآنحالیکہ وہ عورت حاملہ ہو۔ اس سے ہے ''اغال الرجل واغیل'' جب وہ یہ کرے۔ ابن سکیت نے کہا ''غیلہ'' عورت کا بچے کو دودھ پلانا ہے درانحالیکہ وہ حاملہ ہو۔ کہا جاتا ہے کہ اس سے ہے ''غالت واغیلت'' جب وہ ایسا کرے۔ علماء نے فرمایا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس سے منع کرنے کا سبب یہ تھا کہ اس سے دودھ پینے والے بچے کو ضرر کا خوف ہے۔ علماء نے کہا اطباء کہتے ہیں کہ یہ دودھ (یعنی حاملہ عورت کا دودھ) بیماری ہے اور عرب اس کو مکروہ سمجھتے تھے اور اس سے بچتے تھے۔ (نووی شرح مسلم، جلد اول، ص:466)

اس حدیث کا جواب:

علامہ بدرالدین عینی عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں اس حدیث مبارک کا جواب ارقام فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:
مسلم کی جدامہ بنت وھب کی حدیث جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عزل کو خفی زندہ در گور کرنا قرار دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اپنی عورت سے عزل صرف اولاد سے راہ فرار اختیار کرنا ہے۔ اسی لیے عزل کو ''الموودۃ الصغریٰ'' سے موسوم کیا گیا ہے۔ اور ''الموودہ الکبریٰ'' وہ لڑکی ہے جس کو زندہ در گور کیا جاتا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں جب کسی ایک کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی اس کو مٹی میں زندہ دفن کر دیتے تھے۔ اور مسلم شریف کی حدیث جدامہ بنت وھب سے ابراہیم نخعی، سالم بن عبداللہ، اسود بن یزید اور طاؤس بن کیسان نے استدلال کرتے ہوئے کہا عزل مکروہ ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ جیسا کہ نووی شرح مسلم میں ہے۔ ہمارے نزدیک عزل ہر حال میں مکروہ ہے خواہ عورت راضی ہو یا نہ ہو اس لیے کہ یہ قطع نسل کی طرف ایک طریق ہے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔ مسلم شریف کی حدیث اور حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی احادیث کے درمیان موافقت کس طرح ہو سکتی ہے۔ اور حدیث جابر میں ہے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم عزل کرتے ہیں اور یہودی گمان کرتے ہیں کہ یہ ''الموودہ الصغریٰ'' ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہود جھوٹ بولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب کسی نفس کو پیدا کرنا چاہے تو اس کو کوئی نہیں روک سکتا۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا۔ حدیث نمبر 1136 اس حدیث کا جواب کئی وجوہ سے:

(1) ہو سکتا ہے یہ امر اسی طرح ہو جیسا کہ عذاب قبر کے متعلق واقع ہوا جب یہود نے کہا میت کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر مطلع ہونے سے قبل ان کی تکذیب فرمائی۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو عذاب قبر پر مطلع فرمایا تو اس کو ثابت رکھا اور اللہ عزوجل سے عذاب قبر سے پناہ طلب کی۔ اور اس جگہ بھی ایسے ہی ہو۔ کہ عزل پر مطلع

ہونے سے پہلے فرمایا یہ خفی زندہ درگور کرنا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے اس پر مطلع فرمایا تو آپ نے یہودیوں کی تکذیب فرمائی۔

(2) امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یا یہ حدیث (یعنی حدیث مسلم) حضرت جابر وغیرہ کی حدیث سے منسوخ ہے۔

(3) ابن عربی نے کہا حدیث جدامہ بنت وھب مضطرب ہے۔

(4) اس حدیث کو ترجیح کی طرف لوٹایا جائے گا تو حدیث جدامہ بنت وھب کو علماء نے رد کیا ہے۔ اور حدیث جابر کے رجال صحیح ہیں۔ لہٰذا حدیث جابر رضی اللہ عنہ کو حدیث جدامہ بنت وھب پر ترجیح ہوگی۔ اور حدیث جابر رضی اللہ عنہ کے شاہد ہیں جیسے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کو نسائی نے حدیث ابو سلمہ سے تخریج کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عزل کے متعلق دریافت کیا گیا اور عرض کیا گیا یہود گمان کرتے ہیں عزل ''موودہ صغریٰ'' ہے (یعنی خفی زندہ درگور کرنا) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہودی جھوٹ بولتے ہیں۔

(عمدۃ القاری، جلد 20، ص: 195، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

چنانچہ امام بخاری و مسلم اور دیگر سنن کی احادیث سے ثابت ہوا کہ عزل جائز ہے۔

عزل کی صورتِ جواز:

ابو العباس شہاب الدین احمد قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ بخاری شرح ''ارشاد الساری'' میں ارقام فرماتے ہیں:

واتفقت المذاهب الثلاثة على انه لا يعزل عن الحرة الا باذنها و أن الامة يعزل عنها بغير أذنها ○ (ارشاد الساری شرح صحیح بخاری، جلد 11، ص: 576، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مذاہب ثلاثہ (مذہب امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل) کا اس پر اتفاق ہے کہ آزاد عورت سے عزل اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور لونڈی مملوکہ ہے اس کے اذن کے بغیر بھی عزل جائز ہے۔

ابو عیسیٰ ترمذی نے فرمایا:

حديث جابر حديث حسن صحيح وقد روى عنه من غير وجه وقد رخص قوم من اهل العلم من اصحاب النبى صلى الله عليه و آله وسلم وغيرهم فى العزل وقال مالك بن انس تستأمر الحرة فى العزل ○ ولا تستأمر الأمة ○ (ترمذی شریف تحت حدیث: 1137، ص: 275)

حدیث جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ حدیث حسن اور صحیح ہے اور ان سے یہ حدیث دوسری وجہ سے بھی مروی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب اور تابعین وغیرہ میں سے کچھ اہل علم لوگوں نے عزل میں رخصت دی ہے اور حضرت امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا عزل میں آزاد عورت سے اجازت لی جائے اور لونڈی مملوکہ سے اجازت نہ لی جائے۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ "عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری" میں فرماتے ہیں مسلم شریف کی یہ حدیث:

من ابی الزبیر عن جابر رضی اللہ عنہ قال کنا نعزل علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فبلغ ذالک نبی اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فلم ینہنا عنہ٥ (مسلم بمع نووی، جلد اول، ص:465)

ابوالزبیر نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں عزل کرتے تھے۔ تو یہ خبر اللہ عزوجل کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس سے منع نہیں فرمایا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں اس حدیث مبارک سے جواز عزل پر علماء نے استدلال کیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے جنہوں نے عزل کو جائز قرار دیا وہ یہ ہیں۔ سعد بن ابی وقاص، ابوایوب انصاری، زید بن ثابت اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان سے مؤطا میں امام مالک نے روایت کیا ہے اور ابن ابی شیبہ نے ابی بن کعب، رافع بن خریج، انس بن مالک اور ان سے علاوہ کئی صحابہ کرام سے جواز عزل میں روایت کیا ہے۔

اور کئی صحابہ کرا رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عزل میں آزاد عورت اور لونڈی کے درمیان فرق کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں آزاد عورت سے عزل کے متعلق اجازت لی جائے اور لونڈی ممکولہ سے اجازت نہ لی جائے۔ اور یہ حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں اور تابعین میں سے سعید بن جبیر، محمد بن سیرین، ابراہیم تیمی، عمرو بن مرہ، جابر بن زید، حسن بصری، عطاء بن ابی رباح، اور طاؤس بن کیسان ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

اور امام احمد بھی اس طرف گئے ہیں۔ اور صاحب تقریب نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی یہی حکایت کیا ہے اور اس طرح ابن عبدالبر نے "التمہید" میں ان کی طرف نسبت کی ہے۔ اور یہی اکثر اہل علم کا قول ہے۔

(عمدۃ القاری، جلد 20، ص:195، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الباری شرح صحیح بخاری میں، ارقام فرماتے ہیں:

وقد اختلف السلف فی العزل قال ابن عبدالبر لا خلاف بین العلماء انہ لا یعزل عن الزوجۃ الحرۃ الاباذنہا٥ الخ (فتح الباری، جلد 9، ص:308، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

عزل کے حکم میں علماء سلف نے اختلاف کیا ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے فرمایا علماء کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ آدمی اپنی آزاد بیوی سے اس کی اجازت کے بغیر عزل نہ کرے۔ کیونکہ جماع عورت کا حق ہے اور اپنے شوہر سے اس کے مطالبہ کا حق ہے۔ اس نقل اجماع میں ابن ھبیرہ نے بھی علامہ ابن عبدالبر کے موافقت کی ہے۔ پھر اس کے بعد کہا کہ شافعیہ کے نزدیک یہی معروف ہے کہ جماع میں عورت کا کوئی حق نہیں ہے۔ پھر اس مسئلہ خصوص میں شافعیہ کے نزدیک آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر جواز عزل میں اختلاف مشہور ہے۔

اور شافعیہ کی دوسری وجہ میں جب عورت عزل سے انکار کرے تو بالجزم عورت سے عزل کرنا ممنوع ہے۔ اور جب وہ عزل پر راضی ہو تو اس کی وجہیں ہیں۔ اور ان میں سے اصح وجہ یہ ہے عزل جائز ہے۔
پھر اس کے بعد لکھتے ہیں۔ مذاہب ثلاثہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آزاد عورت کی اجازت کے بغیر اس سے عزل نہ کیا جائے۔ اور لونڈی مملوکہ میں اس کے اجازت کے بغیر بھی عزل کرنا جائز ہے۔
صاحب درمختار فرماتے ہیں:

ویعزل عن الحرة باذنها ○ لکن فی الخانیة انه یباح فی زماننا لفساده ○

یعنی آدمی اپنی آزاد بیوی سے اس کی اجازت سے عزل کرسکتا ہے۔ لیکن خانیہ میں ہے ہمارے زمانہ میں بوجہ فساد زمانہ عزل مباح ہے۔
اس کے تحت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(قوله لکن فی الخانیة) عبارتها علی ما فی البحر ذکر فی الکتاب انه لم یباح بغیر اذنها وقالوا فی زماننا یباح لسوء الزمان ○

صاحب درمختار کا قول۔ لیکن خانیہ میں ہے۔ علامہ شامی لکھتے ہیں اس کی عبارت یہ ہے جیسا کہ بحر میں ہے۔ کتاب میں اس نے ذکر کیا کہ بغیر بیوی کی اجازت کے عزل جائز نہیں۔ اور علماء نے فرمایا سوء زمانہ کی وجہ سے ہمارے زمانہ میں بلا اجازت بیوی بھی عزل جائز ہے۔

(قوله قال الکمال) عبارته ان خاف من الولدالسوء فی الحرة یسعه العزل بغیر رضاها لفساد الزمان ○ الخ (رد المختار، جلد دونم، ص:412، مطبوعه مکتبة رشیدیه کوئٹه)

صاحب درمختار کا قول (کمال نے کہا) علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی عبارت یہ ہے۔ فتاویٰ میں ہے اگر آزاد عورت میں سے اس کو برے بچے کا خوف ہو تو آزاد بیوی سے اس کی رضا کے بغیر بھی فساد زمانہ کی وجہ عزل کی گنجائش ہے۔ اور اس کی مثل دوسرے اعذار بھی آزاد عورت کی اجازت کے مسقط ہوں گے اور یہی معتبر ہے۔
اس کے بعد فرماتے ہیں: جو کچھ فتاویٰ خانیہ میں ہے معلوم ہو گیا کہ منقول مذہب یہ ہے کہ آزاد بیوی کے اجازت کے بغیر عزل جائز نہیں۔ اور بعض مذہب مشائخ میں اس کی قید لگانا زمانہ کے تغیر کی وجہ سے بعض احکام متغیر ہونے کی بناء پر ہے۔ ورنہ آزاد بیوی کی اجازت کے بغیر وہ عزل نہیں کرسکتا۔
امام شمس الدین محمد خراسانی قہستانی متوفی 962ھ جامع الرموز میں فرماتے ہیں:

وزوج الحرة یعزل بلا خلاف باذنها . وهن اذا لم یخف عن الولد السوء لفساد الزمان والا فیجوز بلا اذنها . (جامع الرموز، جلد اوّل، ص: 490، مطبوعه مکتبه اسلامیه گنبد تابوس،

ایران)

اور آزاد عورت کا خاوند "بلا خوف" اس کی اجازت سے عزل کرسکتا ہے۔

یہ اس وقت ہے جب اس کو فساد زمانہ کی وجہ سے ہونے والی اولاد کے متعلق خوف نہ ہو۔ اگر اس کا خوف ہو تو اپنی بیوی سے بلا اجازت بھی عزل کرسکتا ہے۔

اور صاحب ردالمحتار نے بھی قہستانی کے حوالہ سے اس طرح نقل کیا ہے۔

ابن ہمام متوفی 681ھ ہدایہ کی شرح فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

اعلم ان العزل جائز فی الجملة ٥ الخ

(فتح القدیر، جلد سوئم، ص: 283-284، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

فرماتے ہیں: فی الجملہ عزل جائز ہے۔ کیونکہ اس کے جواز کے متعلق احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اور صحیح قول جواز کا ہی ہے۔ جیسا کہ صحیحین بخاری و مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے احادیث مروی ہیں۔

• یہ سب احادیث میں نے ابتداء میں نقل کردیں ہیں وہاں ان کو دیکھ سکتے ہیں۔ ابن ہمام یہ احادیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ احادیث مبارکہ جواز عزل میں ظاہر ہیں اور تحقیق دس صحابہ کرام سے جواز عزل مروی ہے۔

وہ دس صحابہ کرام یہ ہیں: حضرت علی، سعد بن ابن وقاص، زید بن ثابت، ابوایوب انصاری، جابر بن عبداللہ، ابن عباس، حسن بن علی، خباب بن ارت، ابوسعید خدری، عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بھی یہی مروی ہے۔ اس کے بعد ابن ہمام فرماتے ہیں: حدیث ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ جس کو سنن نے تخریج کیا ہے۔ جس میں ہے کہ یہودی کہتے ہیں عزل "موودۂ صغریٰ" ہے یعنی یہ بچہ کو خفیہ طریقہ سے زندہ درگور کرنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہودی جھوٹ بولتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ کسی نفس کو پیدا کرنا چاہے تو کوئی طاقت نہیں رکھتا کہ اس کو روک سکے۔ خواہ کوئی عزل کرے یا نہ کرے۔ اور سنن کی یہی حدیث جدامہ بنت وھب کی حدیث کی رافع ہے اگرچہ حضرت جدامہ بنت وھب کی حدیث بھی سنن میں موجود ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ لیکن کثرت احادیث حدیث جدامہ بنت وھب کے خلاف مشہور ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور حضرت عمر فاروق اور علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اس پر اتفاق ہے کہ عزل "موودہ" یعنی لڑکی کو زندہ درگور کرنا نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اس پر سات نوبتیں نہ گزر جائیں۔

ابو یعلی نے "مسند" میں عبید بن رفاعہ بن ابیہ، رفاعہ بن رافع بن مالك انصاری ابومعاذ مدنی متوفی فی اوائل خلافة معاویہ ٥ تہذیب الکمال، جلد سوئم، ص: 516۔

یعنی ابویعلی نے "مسند" میں عبید بن رفاعہ سے انہوں نے اپنے باپ رفاعہ بن رافع بن مالک انصاری سے روایت کیا کہ وہ صحابہ کرام کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں حضرت عمر فاروق، علی المرتضیٰ، زبیر بن عوام اور سعد بن وقاص رضی

اللہ تعالیٰ عنہم بھی موجود تھے۔ چنانچہ انہوں نے عزل کے متعلق مذاکرہ شروع کر دیا اور کہا کہ عزل میں کوئی حرج نہیں۔ ان میں سے ایک شخص نے کہا لوگ گمان کرتے ہیں کہ یہ ''موودہ صغریٰ'' ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب تک اس پر سات نوبتیں نہ گزر جائیں وہ ''موودہ'' نہیں ہے۔ جیسا کہ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

''ولقد حلقنا الانسان من سلالة من طين ○ ثم جعلنه نطفة فی قرار مكين ○ ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضفة عظاما فكسونا العظام لحما ثم انشانه خلقاً آخر''

بے شک ہم نے آدمی کو چنی ہوئی (انتخاب کی ہوئی) مٹی سے بنایا۔ پھر اسے پانی کی بوند کیا۔ ایک مضبوط ٹھہراؤ میں (رحم میں) پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو خون کی پھٹک کیا پھر خون کی پھٹک کو گوشت کی بوٹی پھر گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں پھر اسے اور صورت میں اٹھان دی۔ (یعنی اس میں روح ڈالی اور بے جان کو جاندار کیا نطق، سمع اور بصر عنایت کی)۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا: اے علی رضی اللہ عنہ! آپ نے سچ فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز فرمائے۔

''موودہ صف مفعولی ہے'' واد۔ یئد۔ وأداً'' کی جس کا معنی ہے لڑکی کو زندہ درگود کرنا۔''

ضروری نوٹ:

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو مسند ابو یعلیٰ کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن مسند ابو یعلیٰ میں یہ حدیث نہیں اور نہ ہی اس میں مسند رفاعہ بن رافع بن مالک ہے۔ اس میں احتمال ہو سکتا ہے کہ مسند ابو یعلیٰ دو ہیں۔ ایک مسند ابو یعلیٰ کبیر اور دوسری مسند ابو یعلیٰ صغیر۔ یہ حدیث مسند ابو یعلیٰ کبیر میں نہیں ہے۔ تو صاف ظاہر ہے یہ حدیث مسند ابو یعلیٰ صغیر میں ہے۔ اور ابو یعلیٰ کے علاوہ امام طبرانی نے معجم کبیر میں اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ فرق دونوں میں صرف اتنا ہے کہ مسند ابو یعلیٰ کی روایت میں یہ سات نوبتیں، باریاں کی نسبت قرآن کی طرف نہیں ہے اور معجم کبیر للطبرانی میں اس کی نسبت آیہ قرآنی کی طرف ہے۔ اور حدیث اس طرح ہے:

فقال علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنه انها لا تكون موودة حتى تمر عليها سبع تارات○ قال اللہ عزوجل ''ولقد خلقنا الانسان'' الخ۔ (معجم کبیر للطبرانی، جلد 5، ص: 43، حدیث: 4536)

اس حدیث کا ترجمہ اس سے قبل گزر چکا ہے۔

چنانچہ اس حدیث مبارک سے ثابت ہوا عزل ''موودہ صغریٰ'' نہیں جیسا کہ یہود کہتے ہیں ''موودۃ'' ان سات باریوں کے بعد ہوتا ہے۔ اس سے پہلے اس کو ''موودہ'' نہیں کہا جا سکتا۔

چنانچہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مرد اپنی آزاد بیوی سے عزل میں اذن کا محتاج ہے۔ ہاں اگر فساد زمانہ کی وجہ سے اولاد کے اچھا نہ ہونے کا اندیشہ ہو تو بیوی کی اجازت ضروری نہیں۔ کیونکہ وہ عذر جن کی وجہ سے بیوی کی

اجازت ساقط ہو جاتی ہے ان میں بیوی سے اجازت ضروری نہیں۔

علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی رحمۃ اللہ علیہ بحرالرائق شرح کنز الدقائق میں ارقام فرماتے ہیں:

لان العزل جائز عن امة نفسه بغير اذنها ولا اذن عن الحرة لها ولايباح بغيره لانه حقها ○ وافاد وضع المسئلة ان العزل جائز بالاذن وهذا هو الصحيح عند عامة العلماء○

(بحرالرائق، مجلد دوئم جز سوئم، ص:200، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

مرد کا بذات خود اپنی لونڈی مملوکہ سے اس کے اجازت کے بغیر عزل جائز ہے اور آزاد عورت سے اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔ کیونکہ جماع اس کا حق ہے۔ اس مسئلہ کے وضع نے یہ فائدہ دیا ہے کہ عزل بالاجازت جائز ہے اور عام علماء کے نزدیک یہی صحیح ہے۔

امام اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی متوفی 786ھ "العنایہ فی شرح الھدایہ" میں فرماتے ہیں:

وهو على ثلاثة اقسام ○ عزل عن امته المملوكة له ولا اذن فيه الى احد ○ وعزل عن المرأة الحرة ولاذن فيه اليها ○ وهذان بالاتفاق ○ وعزل عن الامة المنكوحة وفى تعين الاذن اختلاف (العنایہ علی حاشیہ فتح القدیر، جلد سوئم، ص:273)

عزل کی تین اقسام ہیں: اوّل: اپنی لونڈی مملوکہ سے عزل اس میں کسی کے نزدیک بھی اجازت نہیں۔ دوئم: آزاد عورت سے عزل اس میں اجازت عورت کی ہے اگر وہ عزل کی اجازت دے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ ان دونوں پر تمام کا اتفاق ہے۔ سوئم: عزل لونڈی منکوحہ سے اس کے اذن کے تعیین میں اختلاف ہے۔ جو کہ کتب معتبرہ میں موجود ہے۔

راقم السطور نے احادیث اور معتبر کتب فقہ سے عزل کے جواز کے متعلق جو دلائل نقل کیے ہیں۔ ان کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر "تفسیر کبیر" میں اللہ عزوجل کے فرمان: "وابتغوا ما كتب الله لكم " کے تحت جو یہ لکھا ہے کہ اس آیہ مبارکہ سے عزل کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ امام فخر الرزای رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول درست نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

قوله تعالى: وكلوا واشربوا حتى يتبين لكم الخيط الابيض من الخيط الاسود من الفجر ○ثم اتموا الصيام الى الليل○

"اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لیے ظاہر ہو جائے سفیدی کا ڈورا، سیاہی کے ڈورے سے (پو پھٹ کر) پھر رات آنے تک روزہ پورا کرو۔"

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہی باب قائم کرنے کے بعد اس کے ماتحت دو احادیث لائے ہیں:

(1) عن الشعبی عن عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال لما نزلت "حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود" عمدت الیٰ عقال اسود والیٰ عقال ابیض فجعلتھما تحت وسادتی فجعلت انظر فی اللیل فلا یستبین لی فغدوت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فذکرت لہ ذالک فقال انما ذالک سواد اللیل وبیاض النہار۰

(بخاری شریف، کتاب الصیام، حدیث:1916، ایضا کتاب التفسیر، حدیث:4509، مسلم شریف بمع نووی، جلد اول، ص:349)

"شعبی نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا انہوں نے کہا جب آیہ کریمہ "حتی یتبین لکم الخیط الابض من الخیط الاسود" نازل ہوئی تو میں نے ایک سیاہ رسی اور ایک سفید رسی اپنے سرہانے کے نیچے رکھ لی۔ میں رات بھر دیکھتا رہا اور وہ ظاہر نہ ہوئی۔ صبح کے وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا تو میں نے آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: اس سے مراد صرف رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی ہے۔"

(2) ابوحازم عن سھل بن سعد قال انزل "وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود" ولم ینزل "من الفجر" فکان رجال اذا ارادو الصوم ربط احدھم فی رجلہ الخیط الابیض والخیط الاسود ولم یزل یا کل حتی یتبین لہ رؤیتھما فانزل اللہ بعد۰"من الفجر" فعلموا انہ اما یعنی اللیل والنہار۰

(بخاری شریف کتاب الصوم، حدیث:1917، ایضافی کتاب التفسیر حدیث:4511، مسلم شریف بمع نووی، جلد اول، ص:349)

"ابوحازم نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا یہ آیہ مبارکہ "وکلو واشرابوا" الخ۔ نازل کی گئی اور لفظ "من الفجر" نازل نہ ہوا اور جب کوئی شخص روزہ رکھنے کا ارادہ کرتا تو ان میں سے بعض اپنے پاؤں میں سفید اور سیاہ ڈوری باندھ لیتے اور وہ مسلسل کھاتے رہتے یہاں تک کہ ان دونوں کا ان کو دیکھنا اس کے لیے ظاہر ہو جاتا۔ تو اللہ عزوجل نے اس کے بعد لفظ "من الفجر" نازل فرمایا تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ اس سے مراد دن اور رات ہے۔

(3) عن الشعبی عن عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ما "الخیط الابیض من الخیط الاسود" اھما الحیطان قال انک لعریض القفا ان ابصرت الخیطین ثم قال لابل ھو سواداللیل وبیاض النہار۰ (بخاری شریف کتاب التفسیر، حدیث:4510)

"شعبی نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفیدی کا ڈورا۔ سیاہی کے ڈورے سے کیا مراد ہے کیا وہ دونوں ڈورے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم

بہت وسیع گدی والے ہو (خطابی نے کہا اس سے مراد ضعف عقل، کمزور رائے والا اور سست ہے۔)
اگر تم نے دونوں ڈورے دیکھ لیے پھر آپ نے فرمایا: اس طرح نہیں بلکہ اس سے مراد رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی ہے۔

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے کتاب التفسیر میں جو دوسری حدیث روایت کی ہے وہ یہ ہے:

(4) عن الشعبی عن عدی قال اخذ عدی عقالاً ابیض وعقالا اسود حتی کان بعض اللیل نظر فلم یستبینا فلما اصبح قال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم جعلت تحت وسادی عقالین قال ان وسادك اذا لعریض ان کان الخیط الابیض ولا سود تحت وسادك٥

(بخاری شریف کتاب التفسیر، حدیث:4509)

''شعبی (عامر بن شرجیل) نے عدی (بن حاتم) رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا عدی بن حاتم نے ''حتی یتبین لکم الخیط الابیض'' کے نزول کے بعد۔ ایک ڈورا سفید اور ایک ڈورا سیاہ لیا۔ حتیٰ کہ رات کا بعض حصہ گزر گیا۔ تو ان دونوں کی طرف دیکھا تو ان دونوں میں سے کوئی ڈورا ظاہر نہ ہوا۔ جب صبح ہوئی بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں نے (وہ دونوں ڈورے) اپنے سرہانے کے نیچے رکھے تھے۔ آپ نے فرمایا: تمہارا سرہانہ تو بہت بڑا وسیع ہے کہ دونوں ڈورے سیاہ اور سفید تمہارے سرہانے کے نیچے آگئے۔''

خیط ابیض و خیط اسود کی وضاحت:

ابو بکر جصاص حنفی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ''احکام القرآن'' میں اس آیہ کریمہ کے تحت ارقام فرماتے ہیں:
یہ آیت مبارکہ سفیدی کے ڈورا سیاہی کے دورے سے پو پھٹ کر ظاہر ہونے تک کھانے، پینے اور جماع کے مباح ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ اور روایت کیا گیا ہے کہ صحابہ کرام میں سے بعض لوگوں نے سفید ڈورے اور سیاہ ڈورے کو حقیقت پر محمول سمجھا کہ ان میں سے ایک ظاہر ہو جائے۔ ان میں سے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ شبہ یہ پڑتا ہے حضرت عدی بن حاتم وغیرہ پر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ''من الفجر'' کے نزول سے پہلے اشتباہ واقع ہوا ہو کہ اس سے مراد حقیقی ڈورا ہے۔ یہ اس لیے کہ لفظ ڈورا حقیقتاً معروف ڈورا کے لیے ہی ہے۔ اور وہ رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی سے مجاز اور استعارہ ہے۔ اور جائز ہے کہ یہ لغت قریش میں شائع ہو۔ اور اس آیت ''حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود'' کے نزول کے وقت ان لوگوں کو خطاب کیا گیا ہو جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور حاضر تھے۔ اور وہ لوگ لغت قریش کو سمجھتے تھے اور عدی بن حاتم اور جس پر یہ اشکال وارد ہوا وہ اس لغت کو نہ سمجھتے تھے اس لیے کہ ہر عربی تمام لغات کو نہ پہچانتا تھا۔ اس کے

ساتھ ساتھ یہ بھی جائز ہے کہ وہ اسم خیط کو حقیقتاً پہچانتے ہوں اور دن کی سفیدی اور رات کی سیاہی کو مجازاً پہچانتے ہوں لیکن انہوں نے لفظ کو حقیقت پر محمول سمجھا اور جب انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت مبارکہ سے جو اللہ عزوجل کی مراد ہے ان کو اس کی خبر دی تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے "من الفجر" نازل فرمایا تو احتمال زائل ہو گیا لفظ رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی کا مفہوم ظاہر ہو گیا۔

اور رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی کا نام قبل از اسلام زمانہ جاہلیت میں ان کے نزدیک مشہور تھا۔ ابوداؤد ایادی نے کہا

ولما اضاءت لنا ظلمة
ولاح من الصبح خيط انارا

اس شعر میں خیط ابیض کا ذکر ہے جس سے مراد شاعر نے صبح صادق لی ہے اور دوسرے شعر میں خیط اُسود کا بھی ذکر ہے۔

قد كاد يبدوا أوبدت تباشره
وسدف الخيط اليهيم ساتره

اور اس میں خیط اُسود کا ذکر ہے اور اس سے مراد رات لی گئی ہے۔

اور لفظ "من الفجر" کے نزول سے پہلے بھی لغت میں یہ مشہور تھا کہ "خیط ابیض" سے مراد دن کی سفیدی ہے اور "خیط اُسود" سے مراد رات کی سیاہی ہے۔ ابوعبیدہ معمر بن مثنیٰ نے کہا "الخیط الابیض" وہ صبح ہے اور "الخیط الاسود" وہ رات ہے۔

"اس آیہ مبارکہ سے علماء نے جو مسائل استخراج کئے وہ یہ ہیں":

۱- اہل علم نے فجر میں شک کرنے والے کے حکم کے متعلق اختلاف کیا ہے۔ حضرت امام ابویوسف نے "املاء" میں ذکر کیا کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب کسی کو فجر میں شک واقع ہو تو آدمی کو سحری کا کھانا چھوڑ دینا چاہئے۔ اور مجھے یہی پسند ہے۔ اور اگر اس نے شک کے باوجود سحری کا کھانا کھا لیا تو اس کا روزہ تام ہے۔ اور "اصل" میں یہ ان سب کا قول ہے۔ اور فرمایا: اگر اس نے سحری کا کھانا کھا لیا تو اس پر روزہ کی قضاء نہیں ہے۔ اور ابن سماعہ نے امام ابویوسف سے انہوں نے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ اگر کسی نے شک کی حالت میں کھایا تو وہ اس دن کی قضاء کرے۔ اور امام یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: شک میں اس پر قضاء نہیں ہے۔ امام حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ اگر کوئی آدمی ایسی جگہ پر ہو جہاں فجر ظاہر ہو جائے تو وہ اس کے مطلع کو دیکھ سکے کہ صبح صادق طلوع ہو چکی ہے۔ اور وہاں کوئی علت نہیں جس کی وجہ سے وہ صبح صادق کو نہ دیکھ سکتا ہو تو وہ شخص جب تک اس کے لیے فجر ظاہر نہ ہو جائے وہ کھائے۔ اور اللہ عزوجل کے فرمان: "وكلوا واشربوا حتى يتبين لكم الخيط الابيض من الخيط الاسود من الفجر" سے یہی مراد ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر وہ کسی ایسی جگہ میں ہو جہاں وہ فجر نہیں دیکھ سکتا۔ یا رات چاند والی ہو اور اس کو فجر میں شک لاحق ہو گیا تو وہ سحری کا کھانا نہ کھائے۔ اگر اس نے کھا لیا تو برا کیا۔ اگر اس کی غالب رائے میں یہ ہو کہ اس نے طلوع فجر کے بعد کھایا ہے تو وہ روزہ کی قضاء کرے ورنہ وہ روزہ قضاء نہ کرے وہی روزہ تام ہے۔ خواہ وہ آدمی سفر میں ہو یا گھر میں اور یہی قول امام زفر اور ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کا

ہے۔ابوبکر جصاص حنفی فرماتے ہیں: "وبه ناخذ" یعنی اس پر ہمارا عمل ہے۔
چاہئے کہ فجر میں شک کی بنا پر کھانے کی کراہت میں روایت اصل اور روایت املاء دونوں امام حسن بن زیاد رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت پر محمول ہوں۔ کیونکہ امام حسن بن زیاد نے دونوں راتیوں (روایت اصل اور روایت املاء) میں جو اجمال تھا اس کو کھول کر بیان کر دیا اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی آخری دونوں روایتیں ظاہر کتاب کے موافق ہیں۔
امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب طلوع فجر میں کسی کو شک ہو تو اس کے لیے سحری کا کھانا مکروہ ہے۔ اور اگر اس نے اس حالت میں کھالیا تو اس پر اس دن کے روزہ کی قضاء واجب ہے۔امام ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب تک آدمی طلوع فجر کے شک میں ہے وہ کھائے، پیئے حتیٰ کہ وہ صبح کو دیکھ لے۔
عبیداللہ بن حسن اور امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: اگر کسی نے فجر میں شک کرتے ہوئے سحری کا کھانا کھایا تو اس پر کوئی قضاء نہیں ہے۔ (احکام القرآن: جلد اول ص: 277 تا 280)

2- ابوعبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی اپنی تفسیر "الجامع لاحکام القرآن" میں فرماتے ہیں:

دسواں مسئلہ:

علماء کرام نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے۔ کیا اس عورت پر بھی قضاء و کفارہ واجب ہے جس عورت سے اس کے خاوند نے ماہ رمضان المبارک میں جان بوجھ کر جماع کیا۔امام مالک، ابویوسف اور اصحاب رائے کا قول ہے کہ عورت پر بھی مرد کی مثل کفارہ واجب ہے۔اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: صرف اس ایک شخص پر ہی کفارہ واجب ہے، خواہ عورت نے اپنی رضامندی سے یہ کام کیا ہو یا جبراً اس سے جماع کیا گیا ہو۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں مسائل کو ایک کفارہ کا ہی جواب ارشاد فرمایا اور اس کی تفصیل بیان نہیں کی۔ (یہ حدیث انشاء اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کے بعد نقل کروں گا۔)

اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے اگر جماع کرنے میں عورت نے رضامندی ظاہر کی تو ان میں سے ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ کفارہ ہے۔اور اگر خاوند نے اپنی بیوی سے جبراً جماع کیا تو صرف مرد پر ہی کفارہ ہے عورت پر نہیں۔اور سحنون بن سعید مالکی کا بھی یہی قول ہے۔

صاحب فتاویٰ قاضی خان نے ارقام فرمایا:

وعلى المرأة مثل ما على الرجل ان كانت مطاوعة عندنا و ان كانت المرأة مكرهة فعليها القضاء دون الكفارة٥

(فتاویٰ قاضی خان، مجلد اول، جز اول، ص: 102، مطبوعہ مکتبہ حافظ کتب خانہ کوئٹہ)

"ہمارے نزدیک اگر عورت اپنی رضامندی سے اپنے خاوند کے ساتھ مباشرت کی تو جس طرح مرد پر قضاء اور

کفارہ دونوں واجب ہیں اسی طرح عورت پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔ اور اگر عورت سے جبر کیا گیا تو عورت پر صرف قضاء ہے کفارہ نہیں۔ اور مرد پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔

(الجامع لاحکام القرآن، مجلد اول، جزدوئم، ص:215)

اب وہ حدیث مبارک سماعت فرمائیے جس کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سائل کو ایک ہی کفارہ کا جواب ارشاد فرمایا:

عن حميد بن عبدالرحمن ان اباهريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال بينما نحن جلوس عند النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اذ جاءه رجل فقال يارسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم هلكت قال مالك قال وقعت على امراتی وانا صائم فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم هل تجد رقبة تعتقها قال لا ○ قال فهل تستطيع ان تصوم شهرين متتابعين قال لا ○ فقال هل تجد اطعام ستين مسكيناً قال لا ○ قال فمكث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فبينا نحن على ذالك اتى النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعوق فيها تمر ○ والعوق المكتل ○ قال اين السائل فقال أنا قال خذها فتصدق به فقال الرجل اعلى افقر منی يارسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوالله مابين لابتيها يريد الحرتين أهل بيت افقر من اهل بيتی فضحك النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حتى بدت انيابه ثم قال اطعمه اهلك ○

(بخاری شریف کتاب الصوم، حدیث:1936، مسلم شریف بمعہ نووی، جلد اول، ص:354، ابوداؤد شریف، حدیث:2390، ابن ماجہ شریف، حدیث:1671، ترمذی شریف، حدیث:724۔)

''حمید بن عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا ایک وقت ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے۔ آپ کے پاس ایک شخص (سلمان بن صخر بیاضی) آیا اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہلاک ہوگیا۔ آپ نے فرمایا: تجھے کیا ہوگیا اس نے کہا میں نے روزہ کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تو غلام رکھتا ہے جس کو تو آزاد کردے اس شخص نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا پے در پے دو مہینے روزے رکھنے کی استطاعت رکھتا ہے؟ اس نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے سکتا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کچھ دیر ٹھہرے درآنحالیکہ ہم اس حالت میں آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک ٹوکرا لایا گیا جس میں کھجوریں تھیں اور عوق بمعنی ٹوکرا ہے۔ آپ نے فرمایا: سائل کہاں ہے؟ اس شخص نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسے پکڑ اور صدقہ کر۔ اس شخص نے عرض کیا۔ کیا اس شخص پر صدقہ کروں جو مجھ سے

زیادہ محتاج ہے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ اللہ تعالیٰ کی قسم! مدینہ منورہ کے دونوں کناروں کے درمیان کوئی گھرانہ ایسا نہیں جو میرے گھر والوں سے زیادہ محتاج ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکرائے حتیٰ کہ آپ کے دانت مبارک ظاہر ہوئے پھر آپ نے فرمایا: (یہ صدقہ یعنی کفارہ) اپنے گھر والوں کو ہی کھلا دو۔"

یہ ہے وہ حدیث مبارک جس سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے استدلال فرمایا کہ کفارہ صرف ایک پر ہی واجب ہے خواہ جماع عورت کی رضامندی سے ہو یا اس سے جبراً خاوند جماع کرے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے استدلال کا جواب:

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

"ولان السبب جناية الافساد لانفس الوقاع وقد شاركته فيها"

"اس لیے کہ کفارہ کا سبب روزہ فاسد کرنے کے گناہ کی وجہ سے ہے نہ کہ نفس وقاع کی وجہ سے (کیونکہ تصرف مرد کے ملک میں ہے) چنانچہ عورت بھی اس گناہ میں شریک ہوئی تو اس پر بھی کفارہ واجب ہے جیسے کہ مرد پر واجب ہے۔"

صاحب ہدایہ کی اس عبارت کے تحت ابن ہمام ارقام فرماتے ہیں:

"اس پر دلیل اعرابی کا سوال ہی ہے جو اس نے اس گناہ کے متعلق کیا۔ اور کہا میں ہلاک ہوگیا۔ اور اپنی بیوی کو بھی ہلاک کر دیا۔ اس سے حقیقتاً ہلاکت مراد نہیں ہے۔ بلکہ افطار کے گناہ کی وجہ سے حکماً ہلاکت مراد ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم جنایت کے متعلق ہی جواب ارشاد فرمایا کیونکہ جواب سوال کے مطابق وموافق ہی ہوتا ہے۔ جب یہ ثابت ہوگیا تو ہم کہتے ہیں کھانے پینے کے ساتھ روزہ افطار کی جنایت (گناہ) وقاع کے ساتھ روزہ افطار کرنے کی جنابت کی مثل ہے۔ بلکہ اس سے بھی بالاتر گناہ ہے۔ اس لیے کہ دن میں کھانے، پینے کی طرف بلانے والی طبائع اکثر ہوتی ہیں۔ چنانچہ شرع یہ حق رکھتی ہے کہ وہ اس کو اس سے روکے۔ تو ان دونوں کے متعلق دلالۃً حکم ثابت ہوگیا۔ اور جب وہ جماع سے متعلق ہوا تو یہ دو فطر ہوئے۔ تو اس جماع کے سبب دو کفارے واجب ہوئے۔ اور کھانے پینے کے ساتھ ایک ہی کفارہ واجب ہوا۔"

(فتح القدیر، جلد دوئم، ص: 262)

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ جو کہ خود شافعی المذہب ہیں انہوں نے بھی اس کا جواب لکھا ہے آپ اپنی کتاب "فتح الباری فی شرح صحیح البخاری" میں لکھتے ہیں:

"واستدل الشافعية بكونه عليه السلام عن اعلام المرأة بوجوب الكفارة مع الحاجة"

(فتح الباری، جلد 4، ص: 170)

''یعنی شافعیہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت سے باخبر ہونے کے کہ اس پر کفارہ ہے۔ اور عورت کو کفارہ کا حکم نہیں دیا۔ صرف مرد کو کفارہ کا حکم ارشاد فرمایا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے روزہ دار کا دن کے وقت اپنی بیوی سے جماع کرنے سے صرف مرد پر ہی کفارہ ہے عورت پر کفارہ نہیں ہے۔''

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں: اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس جگہ حاجت کا پایا جانا ہی کفارہ کے مانع ہے۔ کیونکہ مرد نے تو اعتراف کرلیا لیکن عورت نے اعتراف نہیں کیا اور نہ ہی اس عورت سے پوچھا گیا اور مرد کا یہ اعتراف کرنا کہ اس نے اپنی بیوی سے جماع کیا ہے یہ حکماً عورت پر کفارہ کو واجب نہیں کرتا جب تک کہ وہ عورت خود اعتراف نہ کرے۔ پھر مرد کے لیے حکم کا بیان درحقیقت عورت کے حق میں ہی بیان ہے۔ اس لیے کہ روزہ کی حرمت کو تار تار کرنے اور فطر کی تحریم میں وہ دونوں مشترک ہیں۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس قضیہ میں عورت سے سکوت اس کے حکم پر دلالت نہیں کرتا۔ اس لیے کہ ہوسکتا ہے وہ کسی عذر کی وجہ سے روزہ دار نہ ہو۔

امام قرطبی نے فرمایا: حضرات علماء کرام کا کفارہ میں اختلاف ہے۔ کیا یہ کفارہ تنہا اس مرد کے نفس پر ہے۔ یا مرد پر اور عورت پر بھی۔ یا مرد پر دو کفارے ہیں۔ ایک اپنی طرف سے اور ایک عورت کی جانب سے۔ یا مرد پر خود اپنا کفارہ ہے اور عورت پر اپنا کفارہ۔ وہ فرماتے ہیں: حدیث مبارک میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ان سب پر دلالت کرتی ہو۔ کیونکہ حدیث عورت کے حکم سے ساکت ہے۔ چنانچہ عورت کے کفارہ کا حکم دوسری دلیل سے اخذ کیا جاسکتا ہے۔ اس احتمال کے باوجود کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سکوت اس سبب سے ہو کہ وہ عورت روزہ دار نہ تھی۔

اور بعض علماء کرام نے اس حدیث کے بعض طرق میں جو یہ آیا ہے: ''**هلكت واهلكت**'' اس سے استدلال کیا ہے کہ عورت پر کفارہ نہیں تھا۔

علامہ محدث بن جوزی فرماتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول ''اهلكت'' میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ مرد نے عورت کو جماع پر مجبور کیا تھا اور اگر اس طرح نہیں تو وہ عورت کو ہلاک کرنے والا نہ ہوتا۔

(دارقطنی، مجلد اوّل، جزدوئم، ص:188، حدیث:2373، نیل الاوطار مجلد دوئم، جز4، ص:240)

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''**واما على المرأة فتجب عليها ايضاً الكفارة اذا كانت مطاوعة**'' الخ۔

(عمدۃ القاری، شرح صحیح بخاری، جلد 11، ص:27)

صاحب بدائع نے کہا البتہ عورت پر بھی کفارہ واجب ہے اگر اس عورت نے مرد کی اتباع کرتے ہوئے خوشی سے اپنے خاوند کے ساتھ مباشرت کی۔

اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس میں دو قول ہیں: ایک قول کے مطابق عورت پر اصلاً کفارہ نہیں ہے۔ اور ایک قول کے

مطابق عورت پر کفارہ واجب ہے لیکن یہ کفارہ مرد برداشت کرے۔

اور شوافع کے قول کے متعلق جواب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورت کے حکم کو بیان نہیں فرمایا۔ علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عورت کے متعلق حکم کا بیان نہ کرنا ہی درحقیقت اس بیان کی وضاحت کرنے والا ہے۔ شاید کہ عورت کو جماع پر مجبور کیا گیا ہو۔ یا عورت اپنے روزہ کو بھولی ہوئی ہو۔ یا اس دن کسی عذر کی وجہ سے اس کے لیے روزہ نہ رکھنا مباح ہو وہ عذر یہ ہیں۔ مرض کی وجہ سے، یا سفر کی وجہ سے، یا صغرسنی، جنون و کفر کی وجہ سے یا حیض کی وجہ سے یا عورت اثنائے دن حیض سے طہارت کی وجہ سے وہ عورت روزہ دار نہ ہو۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان اعذار میں سے کسی عذر کی بناء پر صرف مرد پر کفارہ کا حکم دیا اور عورت پر کفارہ سے سکوت فرمایا۔ **و اللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔**

شیخین کی اس حدیث کے تحت حافظ عسقلانی اور امام قسطلانی نے لکھا ہے کہ اس حدیث سے علماء نے ایک ہزار ایک مسئلہ استخراج کیا ہے۔

اس حدیث سے ایک ہزار ایک مسئلہ نکالا گیا ہے:۔

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں:

وقد اعتنى به بعض المتأخرين ممن أدركه شيوخنا فتكلم عليه فى مجلدين فيهما الف فائدة وفائدة ٥

شیخین بخاری و مسلم کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے متعلق حافظ عسقلانی لکھتے ہیں۔ بعض متاخرین نے جن کو ہمارے شیوخ نے پایا ہے اس حدیث کا اہتمام کرتے ہوئے اس پر کلام کیا جو دو جلدوں پر مشتمل ہے اور ان میں ایک ہزار ایک فائدہ ہے۔ جو اس حدیث مبارک سے حاصل کیا گیا ہے۔

امام قسطلانی لکھتے ہیں:

قال البر مادى كا الكرمانى وقد استبط بعض العلماء من هذا لحديث ألف مسألة وأكثر ٥

(ارشاد الساری، جلد 4، ص: 564)

کرمانی کی طرح برمادی نے کہا بعض علماء نے اس حدیث مبارک سے ایک ہزار سے زائد مسائل نکالے ہیں۔

ان مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس شخص سے فرمایا: "**اطعمه أهلك**" یہ کھجوریں لے جاؤ اور اپنے اہل و عیال کو کھلاؤ۔

کیونکہ بوجہ ماہ رمضان میں دن کے وقت عمداً اپنی بیوی سے جماع کرنے میں اس پر کفارہ واجب تھا۔ لیکن اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ میں مجھ سے زیادہ اور کوئی محتاج نہیں تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا: یہ

کھجوریں لے جاؤ اور اپنے اہل وعیال کو کھلاؤ۔ حضرت علماء کرام کا اس میں اختلاف ہے۔ کیا اس شخص سے کفارہ ساقط ہو گیا تھا یا بوجہ عسر اس کو مہلت دی گئی کہ وہ جب غنی ہو جائے تو کفارہ ادا کرے۔ یا یہ اس شخص کی خصوصیت تھی اس کے علاوہ یہ حکم دوسروں پر نافذ نہیں ہو سکتا۔ اس مسئلہ کے متعلق علماء کرام کی آراء پیش خدمت ہیں۔

کیا اس شخص پر کفارہ ساقط ہو گیا یا نہیں:۔

حافظ عسقلانی نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث کے یہ الفاظ:

قوله (ثم قال أطعمه أهلك) پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے اہل وعیال کو کھلاؤ۔ اور "کفارات" میں ابن عیینہ کی روایت میں ہے: "أطعمه عيالك" اپنے عیال کو کھلاؤ۔ اور ابی قرہ کی ابن جریج سے روایت میں ہے: "ثم قال كله" پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسے کھاؤ اور ابن اسحاق نے ان الفاظ کے درمیان جملہ اس طرح نقل کیا ہے "لفظه، "خذها و كلها وانفقها على عيالك" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلمہ بن صخر یا سلمان بن صخر بیاض سے فرمایا: اس صدقہ کو پکڑ، خود بھی کھاؤ اور اپنے اہل وعیال پر بھی خرچ کرو۔

ابن دقیق نے کہا اس قصہ میں مذاہب جدا جدا ہیں۔ بعض نے کہا یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ عسر (تنگی) جو کہ وجوب کفارہ کے مقارن (متصل ملا ہوا) ہے اس نے اس پر کفارہ کو ساقط کر دیا۔ کیونکہ کفارہ نفس اور عیال کی طرف نہیں پھیرا جاتا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کفارہ کو اس کے ذمہ سے وقت یسر (آسانی) تک ثابت نہیں رکھا۔ اور یہ شافعیہ میں سے ایک قول ہے۔ اور مالکیہ میں سے عیسیٰ بن دینار نے اس کے ساتھ جزم فرمایا۔

اور جمہور نے کہا عسر کی وجہ سے کفارہ ساقط نہیں ہوتا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس میں تصرف کا جو حکم دیا یہ علی سبیل کفارہ نہیں تھا۔

پھر علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ اس شخص کے ساتھ خاص تھا۔ اس طرف امام الحرمین گئے ہیں۔ بعض نے کہا وہ منسوخ ہے لیکن کسی نے اس کے ناسخ کے قائل کو بیان نہیں کیا۔

اور بعض نے کہا جب وہ اپنے اہل کے نفقہ سے عاجز ہو گیا تو اس کو ان کے لیے کفارہ کے صرف کی اجازت دی۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

جو کفارہ کے ساقط پر دلالت کرتی ہے یا اس کی اپنی طرف سے اپنے آپ پر اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے سے کفایت کرتا ہے وہ ایک حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے۔ اور وہ حدیث یہ ہے:

عن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رجلا اتی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم هلكت ۔ فقال وما اهلك ○ قال اتيت اهلی فی رمضان قال هل تجد رقبة قال لا ○ قال فصم شهرين متتابعين قال لا أطيق الصيام ○ فاطعم ستين مسكينا لكل

مسکین مداً ○ قال لا أجد فامر له رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخمسۃ عشر صاعاً قال اطعمہ ستین مسکیناً قال والذی بعثک بالحق ما بالمدینۃ اھل بیت أحوج منا ○ قال ○ فانطلق فکلہ انت وعیالک فقد کفر اللہ عنک ○ (دارقطنی، مجلد اوّل، جز دوئم، حدیث:2370)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں ہلاک ہوگیا۔ آپ نے فرمایا: کس چیز نے تجھے ہلاک کیا ہے۔ اس نے عرض کیا رمضان میں، میں اپنی بیوی کے پاس گیا ہوں (یعنی میں نے اس سے جماع کیا ہے) آپ نے فرمایا: کیا تو غلام پاتا ہے جس کو آزاد کرے۔ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا: پے در پے دو مہینے کے روزے رکھو۔ اس شخص نے عرض کیا میں روزے رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ آپ نے فرمایا: پھر ہر مسکین کے لیے ایک ''مد'' کے حساب سے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ اس نے عرض کیا۔ میں یہ بھی نہیں پاتا ہوں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو پندرہ صاع کھجوریں دینے کا حکم دیا اور فرمایا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو۔ اس شخص نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا مدینہ منورہ میں کوئی گھرانہ ہم سے زیادہ محتاج نہیں۔ آپ نے فرمایا: جاؤ خود بھی کھاؤ اور اپنے اہل وعیال کو کھلاؤ۔ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تیری طرف سے یہ کفارہ کردیا۔

اور یہ اس کی طرف سے کفارہ ہوجانا صرف اس کی خصوصیت میں سے ہے یہ حکم عام نہیں بلکہ اس شخص کے ساتھ خاص ہے۔

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں لیکن یہ حدیث ضعیف ہے اس سے استدلال جائز نہیں اس لیے کہ اس کی روایت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ منفرد ہیں۔ (فتح الباری، جلد 4، ص:172)

اگر یہ حدیث ضعیف ہے اور قابل استدلال نہیں تو وہ حدیث سماعت فرمائیں جس کی اسناد صحیح ہے۔

دارقطنی نے اپنی اسناد سے ابراہیم بن عامر سے انہوں نے سعید بن مسیب سے انہوں نے امام زہری سے انہوں نے حمید بن عبدالرحمٰن سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہی حدیث روایت کی جو صحیحین میں ہے۔ اور کہا:

فأتی النبی بعوق فیہ خمسۃ عشر صاعًا من تمر ثم قال خذ ھذا فاطعمہ عنک ستین مسکیناً ○

(دارقطنی مجلد اوّل جز دوئم، ص:170، حدیث:2281)

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک ٹوکرا لایا گیا جس میں پندرہ صاع کھجوریں تھیں۔ آپ نے اس شخص کو فرمایا: اسے پکڑو اور اپنی طرف سے ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو۔''

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے وہ کفارہ اس سے ساقط ہوگیا تھا جو کہ یہ حکم اس کے ساتھ خاص تھا۔

ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ سلمی نیساپوری متوفی 311ھ نے اپنی کتاب صحیح ابن خزیمہ میں زہری کے طریق سے اس حدیث کو روایت کیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"فاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بمکتل فیه خمسة عشر او عشرون صاعاً من تمر فقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خذه فاطعمه عنك" (صحیح ابن خزیمہ، جلد سوئم، ص: 221، حدیث: 1950)

"یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور ایک ٹوکرا لایا گیا جس میں پندرہ (15) یا بیس (20) صاع کھجوریں تھیں۔ (ایک صاع 4 کلو کا ہوتا ہے) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کو پکڑو اور اپنی طرف سے مسکینوں کو کھلاؤ۔"

اس حدیث مبارک سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس کا کفارہ ساقط ہو گیا تھا کیونکہ یہ رخصت صرف اس شخص کے لیے ہی تھی۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے تحت ارقام فرماتے ہیں:

ویقال (بصیغة تمریض) انهالم تجب علیه فی الحال لعجزه عن الکل وأخرت الی زمن المیسرة٥ الخ (عمدة القاری، جلد 11، ص: 26، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

بصیغۂ تمریض کہا گیا ہے کہ بوجہ کل سے عاجز ہونے کے (مراد یہ ہے کہ وہ نہ تو غلام آزاد کرنے کی طاقت رکھتا تھا۔ نہ ہی پے در پے دو ماہ کے روزے رکھنے اور ساٹھ مسکینوں کو طعام کھلانے کی) فی الحال اس پر کفارہ واجب نہیں تھا۔ اور اس کو آسانی کے زمانہ تک مؤخر کر دیا گیا۔ اور مبسوط میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو جو حکم دیا وہ نفلی تھا اس لیے کہ اس کے عاجز ہونے کی وجہ سے فی الحال کفارہ اس پر واجب نہ تھا۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس صدقہ کی کھجوروں کو اس کی طرف اور اس کے اہل وعیال کی طرف پھیرنے کی اجازت فرمائی۔ اور بعض اس طرف گئے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بوجہ تنگی کے اس شخص کے لیے کفارہ کا مال کھانے کو مباح فرمایا اور یہ اس کے لیے خاص رخصت تھی۔ اسی لیے ابن شہاب زہری نے کہا اگر کوئی شخص آج ایسا فعل کرے تو اس کے لیے سوائے کفارہ کے کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ اور بعض نے کہا یہ منسوخ ہے۔ اور بعض نے کہا یہ اس شخص کے لیے خاص تھا اور ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا: اس آدمی کو تین احکام کے ساتھ خاص کیا گیا تھا۔ ایک روزوں پر قدرت کے باوجود کھانا کھلانے کا جواز۔ اور (2) اس کفارہ کا اس کی ذات کی طرف پھیرنا اور (3) پندرہ صاع پر اکتفا۔

امام بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد فرماتے ہیں:

النوع العاشر فی حدیث الباب دلالة علی التملیك الضمنی من قوله "تصدق بهذا" الخ (صفحہ مذکور)

دسویں قسم: حدیث الباب (حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میں ضمنی تملیک پر دلالت ہے۔

صاحب "مفہم" نے فرمایا: اس سے لازم آتا ہے کہ وہ اس کا مالک تھا تا کہ وہ اس کو صدقہ کرے اور یہ اس کا صدقہ کرنا اس سے کفارہ ہے۔ اس کے بعد ایک قول کے جواب میں فرماتے ہیں۔ ولاء (آزاد کردہ غلام کی میراث) اس کی ہے جس نے اس کو آزاد کیا اور اس سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے۔

چنانچہ علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے ثابت ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا: "تصدق بھذا" تو اس سے اس کے لیے ضمنی ملکیت ثابت ہو گئی۔ تا کہ وہ اپنے طرف سے کفارہ ادا کرے۔

امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ مؤطا امام مالک کی شرح میں فرماتے ہیں:

قال ابن العربی کان ھذا رخصة ھذا الرجل خاصة ٥ وأما الیوم فلا بد من الکفارة ٥ الخ

(زرقانی علی المؤطا، جلد دوئم، ص: 173، حدیث: 666)

ابن عربی نے فرمایا: اس آدمی کے لیے یہ خصوصی رخصت تھی البتہ آج تو اس کا کفارہ ہی ضروری ہے۔ اور ایک روایت میں یہ آیا ہے "کلہ انت واھلك وصم یوماً واستغفر اللہ" یعنی تم کھاؤ اور اپنے اہل وعیال کو کھلاؤ اور اس کے عوض ایک دن کا روزہ رکھو اور اللہ عزوجل سے مغفرت طلب کرو۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ابن شہاب زہری نے فرمایا: یہ حکم اس شخص کے لیے خاص تھا اور اس کو اپنی طرف سے صدقہ سے کھانے کو مباح قرار دیا۔ اس لیے کہ اس شخص سے بوجہ فقر کفارہ ساقط ہو گیا تھا۔ اور بعض نے کہا جب وہ شخص اپنے اہل کے خرچہ سے عاجز آ گیا تو اس کے لیے ان کو اپنی طرف سے کفارہ دینا جائز ہے۔ بعض نے فرمایا: جب وہ اس کا مالک ہو گیا اور وہ محتاج ہے تو اس کے لیے اور اس کے اہل کے لیے بوجہ حاجت کھانا جائز ہے۔ اور بعض نے کہا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بوجہ فقر خاص اس کو دیا ہو۔ اور اس سے کفارہ آسانی تک اس پر باقی رکھا ہو۔"

امام زرقانی فرماتے ہیں:

"ماللعلماء فی المسئلہ" یعنی اس مسئلہ میں علماء کرام کے لیے کوئی نص نہیں ہے کہ اس شخص کو بوجہ فقر صدقہ کا مال دیا اور اس پر جو کفارہ تھا اس کو اس کے یسر (آسانی) تک باقی رکھا۔ اس مسئلہ میں حضرات علماء کرام کا کوئی معتمد قول نہیں ہے۔

امام زرقانی کی اس تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ اس شخص کے لیے خاص رخصت تھی جس کی بنا پر اس سے کفارہ ساقط ہو گیا۔ اگر آج بھی کوئی ایسا فعل کرے تو کبھی بھی اس پر کفارہ اس طرح سے ادا نہیں ہو گا بلکہ اس کے لیے کفارہ دینا ہی ضروری ہے۔

اور امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ نے جس روایت کی طرف اشارہ کیا "کلہ وصم واستغفر اللہ" یہ حدیث بھی سماعت

فرمائیں۔

ہشام بن سعد نے زہری سے انہوں نے ابوسلمہ سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا:

ان رجلاً اتی النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم فحدثه انه وقع باهله فی رمضان "الی أن قال" قال کله انت واهل بیتك وصم یوماً واستغفر اللہ ۝

(دارقطنی، مجلد اوّل، جز دوئم، ص:189، حدیث:2377، ابوداؤد شریف، حدیث:2393، السنن الکبریٰ للبیہقی، جلد 4، ص:226)

ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور آپ سے بیان کیا کہ وہ رمضان میں اپنی بیوی پر واقع ہوا ہے۔ آخر حدیث تک۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم بھی کھاؤ اور اپنے گھر والوں کو بھی کھلاؤ۔ اور ایک دن کا روزہ رکھو اور اللہ عزوجل سے مغفرت طلب کرو۔

شوکانی نے منتقی الاخبار کی شرح نیل الأوطار میں لکھا ہے:

امام شوکانی نے حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

ولا بن ماجه وابی داؤد فی روایة "وصم یوماً مکانه" وفی لفظ للدارقطنی فیه فقال "هلکت واهلکت" فقال ما أهلکك قال وقعت علیٰ أهلی ۝ وذکره ۝ وظاهر هذا أنها کانت مکرهة ۝

(نیل الاوطار مجلد دوئم، جز4، ص:420، دارقطنی، مجلد اوّل، جز دوئم، ص:188، حدیث:2373، ابن ماجہ شریف، حدیث:1671، ابوداؤد شریف، حدیث:2393)

ابن ماجہ اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے: ''اس کے عوض ایک دن کا روزہ رکھ'' اور دارقطنی کی روایت کے لفظ یہ ہیں: اس شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہلاک ہو گیا اور اپنی بیوی کو ہلاک کر دیا۔ آپ نے فرمایا: تجھے کس چیز نے ہلاک کر دیا۔ عرض کیا میں اپنی بیوی پر واقع ہوا ہوں۔ اور پوری حدیث کا ذکر کیا۔ اور اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ وہ عورت ''مکرهه'' تھی یعنی اس سے جبراً جماع کیا گیا تھا۔

شوکانی اس حدیث کے تحت لکھتا ہے:

علماء نے بوجہ عسر اس حدیث سے کفارہ کے ساقط ہونے کا استدلال کیا ہے۔ جب کہ یہ طے اور ثابت ہے کہ کفارہ کو اپنے نفس اور اہل وعیال کے لیے صرف نہیں کر سکتا۔ اور نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یسر تک اس کے ذمہ کفارہ کو ثابت رکھنے کا بیان فرمایا اور یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول میں سے ایک قول ہے اور مالکیہ سے عیسیٰ بن دینار نے اسی کے ساتھ جزم فرمایا۔

اور جمہور کہتے ہیں بوجہ عسر کفارہ ساقط نہیں ہوتا۔ اور حدیث میں کوئی ایسی چیز نہیں جو عسر سے سقوط کفارہ پر دلالت کرتی ہو۔ بلکہ اس حدیث میں اس پر کفارہ کے ثابت رہنے کی دلالت ہے۔ پھر تھوڑا سا آگے چل کر لکھتے ہیں۔ بعض نے کہا جب وہ

شخص اپنے اہل وعیال کے نفقہ سے عاجز ہو گیا تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کفارہ کو تقسیم کرے۔

چنانچہ شوکانی کی تحریر سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ بوجہ عسر کفارہ ساقط ہو سکتا ہے اور اہل وعیال کے نفقہ کے عجز سے یہ کفارہ ان میں تقسیم بھی ہو سکتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ صرف اس شخص کے کفارہ کے عدم سقوط پر ہی فتویٰ جاری کیا جائے۔ حالانکہ امام زرقانی نے نہایت واضح الفاظ میں "ما للعلماء فی المسئلة " یعنی اس مسئلہ میں علماء کے لیے کوئی واضح اور ٹھوس اور معتبر ثبوت نہیں ہے کہ جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ اس شخص پر کفارہ ساقط نہیں ہوا تھا اور اس پر بوجہ عسر، یسر تک کفارہ میں تاخیر کی گئی ہو۔ (نیل الاوطار، جلد دوئم، جز 4، ص: 242، 243)

ابن ہمام فتح القدیر میں ارقام فرماتے ہیں:

وفی لفظ لابی داؤد وزادالزهری وأنما كان هذا رخصة له خاصة ولو ان رجلاً فعل ذالك اليوم لم يكن له بدمن التكفير ○ الخ (فتح القدیر، جلد دوئم، ص: 264، 265)

ابو داؤد کے ایک لفظ میں ہے کہ امام ابن شہاب زہری نے یہ اضافہ کیا ہے کہ یہ صرف اس شخص کے لیے خصوصی رخصت تھی۔ اگر کوئی شخص آج یہ فعل کرے تو اس کے لیے سوائے کفارہ دینے کوئی چارہ نہیں ہے۔ منذری نے کہا امام زہری کا یہ دعویٰ وہ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ اس طرف گئے ہیں کہ جس شخص نے ماہ رمضان میں روزہ افطار کیا اور کسی چیز سے بھی افطار کیا اس پر کفارہ واجب نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آخر حدیث میں جو آیا ہے "**كلها انت وعيالك** " یہ کفارہ تم بھی کھاؤ اور اپنے اہل وعیال کو بھی کھلاؤ اس سے کفارہ کا وجوب منسوخ ہو گیا۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

"وجمهور العلماء علی قول الزهری"

جمہور علمائے کرام ابن شہاب زہری کے قول پر ہیں اور ہم کہتے ہیں اگر امام زہری کا قول ثابت نہیں تو امر کی غایت یہی ہو سکتی ہے کہ اس شخص سے یسر آ جانے تک کفارہ مؤخر ہو گیا ہو۔ جب وہ فی الحال فقیر تھا اور روزہ رکھنے سے عاجز تھا۔ اس طرح شافعی وغیرہ نے کہا ہے۔ اور ظاہر یہی ہے کہ یہ اس شخص کی خصوصیت سے تھا اس لیے کہ دار قطنی میں یہ حدیث واقع ہوئی ہے "**فقد كفر الله عنك** " یعنی اللہ تعالیٰ نے تجھ سے یہ کفارہ کر دیا ہے۔ اور حضرت علی کی یہ حدیث دیکھو دار قطنی حدیث: 2370۔

ابن ہمام کا یہ قول کہ امام زہری کا قول ہے۔ تو یہی جمہور کا قول ہے اور امام زہری کا قول ثابت ہے۔

ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بعد یہ قول نقل کیا ہے۔ اس کی لفظ یہ ہیں:۔

حدثنا الحسن بن علی ○ حدثنا عبدالرزاق ○ أخبرنا معمر عن الزهری بهذا الحديث

وزادالزهری وأنما کان هذا رخصة له خاصة فلو أن رجلا فعل ذالك اليوم لم يكن له بد من التكفير ○ (ابوداؤدشریف،حدیث:2391،مسندابوعوانہ،جلددوئم،ص:44،حدیث:2291)

''ہم سے حسن بن علی نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا ہم سے عبدالرزاق نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا ہمیں معمر بن راشد نے زہری سے اس حدیث کی ہمیں خبر دی۔ امام زہری نے یہ اضافہ کیا کہ بالخصوص یہ رخصت اس شخص کے لیے ہی تھی۔ اگر کسی شخص نے آج یہ فعل کیا تو اس کے لیے کفارہ ادا کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔''

اور امام زہری کے اس قول کو عبدالرزاق نے اپنے ''مصنف'' میں بھی نقل کیا ہے۔ اس کے لفظ یہ ہیں:

قال الزهری ○ وأنما کان هذا رخصة للرجل خاصة ولو أن رجلاً فعل ذالك "اليوم" لم يكن بد من التكفير○

(مصنف عبدالرزاق،جلد4،ص:195-194،حدیث:7457)

''امام ابن شہاب زہری نے کہا یہ رخصت صرف خاص کر کے اس شخص کے لیے تھی اور اگر کسی شخص نے آج یہ کام کیا تو اُس کے لئے سوائے کفارہ دینے کے کوئی چارہ نہیں۔''

اس سے ثابت ہوا امام زہری کا یہ قول صحیح ہے جب قول صحیح ہے تو دعویٰ بھی صحیح ہے۔ اور منذری کا یہ کہنا کہ امام زہری کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ بذات خود منذری کا یہ قول بلا دلیل ہے۔ کیونکہ دو بڑے محدثین اس کو نقل کر رہے ہیں کہ یہ امام زہری کا قول ہے اور ''منذری'' امام زہری کے قول کو دعویٰ بلا دلیل کہہ رہے ہیں۔ تو ابوداؤد اور عبدالرزاق کی تخریج سے ثابت ہوا کہ یہ قول امام زہری کا ہے اور صحیح ہے۔

جب امام زہری کا قول ثابت ہو گیا تو اس شخص کے کفارہ کے ساتھ ہونے کا ثبوت بھی ثابت ہو گیا تو جمہور علماء کرام امام زہری کے قول پر ہی ہیں۔ یعنی یہ رخصت خاص کر کے اس شخص کے لیے ہی تھی۔

چنانچہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے ثابت ہوا جمہور کا مذہب یہی ہے کہ یہ رخصت بالخصوص اس شخص کے لیے تھی۔ لہٰذا اس رخصت کی وجہ سے اس پر جو کفارہ تھا وہ ساقط ہو گیا۔

بڑے بڑے محدثین وفقہاء کرام کی تقریرات وتحریرات اور تحقیقات وتصریحات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ علماء کرام کے نزدیک ارجح قول یہی ہے کہ یہ خاص کر کے رخصت اس شخص کے لیے ہی تھی اور یہ حکم عام نہیں اگر آج بھی کوئی شخص ایسے فعل کا ارتکاب کرے گا تو اس شخص کے لئے سوائے کفارہ دینے کے کوئی چارہ نہیں۔ اور اس رخصت خاصہ کی وجہ سے اس شخص پر کفارہ ساقط ہو گیا تھا اس کی چند وجوہ ہیں۔

سقوط کفارہ کی وجوہ

اوّل:

دار قطنی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث تخریج کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

قال أطعمه ستين مسكيناً قال والذی بعثك بالحق ما بالمدينة اهلبيت أحوج منا ۰ قال فانطلق فكله انت وعيالك فقد كفر الله عنك ۰ (دار قطنی، مجلد اوّل، جز دوئم، ص:187، حدیث:2370)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ۔ اس شخص نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ مدینہ منورہ میں کوئی گھرانہ ہم سے زیادہ محتاج نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جاؤ تم بھی کھاؤ اور اپنے اہل وعیال کو بھی کھلاؤ۔ اللہ عزوجل نے تجھ سے یہ کفارہ ہٹا دیا ہے۔

اگرچہ یہ حدیث ضعیف ہے اور حضرت علی المرتضیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس روایت میں منفرد ہیں اور بقول حافظ عسقلانی یہ حدیث قابل استدلال نہیں۔ تو یہ حدیث مبارک امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی مشاہد تو ہو سکتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف یہ بالخصوص رخصت صرف اس شخص کے لیے ہی تھی جو کہ ثبوتِ سقوط کفارہ کی دلیل ہے۔ لہٰذا یہ حدیث اگر سقوط کفارہ کی دلیل نہیں بن سکتی، شاہد تو ہو سکتی ہے۔

دوئم یہ کہ درا قطنی نے باسناد صحیح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث روایت کی ہے جس کے لفظ یہ ہیں:

"ثم قال خذ هذا فاطعمه عنك ستين مسكيناً"

(دار قطنی، مجلد اوّل، جز دوئم، ص:170، حدیث:2281)

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا: یہ کھجوریں لو اور اپنی طرف ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو۔

اس حدیث مبارک سے جس کی اسناد صحیح ہے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی طرف سے کفارہ ساقط ہو گیا تھا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا: ''فاطعمه عنك'' جو کہ سقوط کفارہ پر دلیل ہے۔ کیونکہ حنفیہ کے نزدیک کسی نے سارا کھانا ایک مسکین کو دے دیا تو کفارہ جائز ہے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان کہ تم اپنی طرف سے ساٹھ مسکینوں کو کھلا دو۔ یہ اس پر قوی دلیل ہے کہ اس شخص سے کفارہ ساقط ہو گیا نہ کہ بوجہ عسر فی الحال ساقط ہوا یا یہ نفلی صدقہ تھا اور واجب اس کے ذمہ تھا جو ساقط نہیں ہوا۔ اس کی حدیث سے کوئی دلیل نہیں ملتی جو اس پر دلالت کرتی ہو۔

دوئم:

ابن ماجہ اور ابوداؤد کی ایک روایت جو بطریق ہشام بن سعد ہے کہ انہوں نے ابن شہاب زہری سے۔ انہوں نے ابوسلم

ے انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث روایت کی۔ یہ اسناد دار قطنی اور ابوداؤد کی ہے اور ابن ماجہ کی حدیث کی اسناد یہ ہے:

حرملہ بن یحییٰ نے کہا ہم سے عبداللہ بن وہب نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے عبدالجبار بن عمر نے بیان کیا، انہوں نے کہا مجھ سے یحییٰ بن سعید نے بیان کیا کہ انہوں نے سعید بن سلیب سے اور انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہی حدیث روایت کی۔ ان تینوں محدثین کرام نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو حدیث روایت کی اس کے لفظ یہ ہیں:

''**فقال وصم یوماً مکانه**'' یہ لفظ ابن ماجہ کے ہیں۔

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا: تم اس کے عوض ایک روزہ رکھو اور ابوداؤد اور دار قطنی کے لفظ یہ ہیں:

"**وقال فیه کله انت واهل بیتك وصم یوماً واستغفر الله**"

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو کھجوریں اس شخص کو دیں تو ان کے متعلق آپ نے فرمایا: تم بھی کھاؤ اور اپنے اہل وعیال کو بھی کھلاؤ۔ اور اس کے عوض ایک دن کا روزہ رکھو۔ اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرو۔

(ابن ماجہ، حدیث: 1671، ابوداؤد، حدیث: 2393، دار قطنی، حدیث: 2282)

اس کے علاوہ حافظ کبیر ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی نے اپنے ''مصنف'' میں دو احادیث تخریج کی ہیں جن کے الفاظ بھی یہی ہیں۔ وہ احادیث یہ ہیں:

○ **عبدالرزاق عن ابی معشر المدنی عن محمد بن کعب:**

ان النبی صلی الله علیه و آله وسلم أمره أن یصوم مکانه حسین أمره باالکفارة ○

عبدالرزاق نے ابومعشر مدنی سے انہوں نے محمد بن کعب سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو جب کفارہ کا حکم دیا تو اس کو اس دن کی جگہ روزہ رکھنے کا بھی حکم دیا۔

○ **عبدالرزاق عن ابن جریح عن نافع بن جبیر أن النبی** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **قال له تصدق وصم یوماً مکانه○**

(مصنف عبدالرزاق، جلد 4، ص: 196، رقم حدیث: 7461، 7462)

عبدالرزاق نے ابن جریج سے انہوں نے نافع بن جبیر سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا: صدقہ کرو۔ اور اس دن کے عوض روزہ رکھو۔

ابن حبان نے جعفر بن ربیعہ کے طریق سے عراک بن مالک سے، انہوں نے ابن شہاب سے، انہوں نے حمید بن

عبدالرحمن سے، انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہی حدیث روایت کی اور اس کے لفظ یہ ہیں:

فاعطاه رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمراً وامره أن يتصدق به ○ قال ○ فذكر لرسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حاجته ○ فامره أن ياخذ هو ○

(صحیح ابن حبان، جلد سوئم، ج5، ص: 214، رقم حدیث: 3516)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو کھجوریں عطا فرمائیں اور اس کو حکم دیا وہ صدقہ کر دے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی حاجت کا ذکر کیا تو آپ نے اس کو حکم فرمایا کہ وہ تم خود ہی ان کو لے لو۔

چنانچہ ابوداؤد، ابن ماجہ، دارقطنی اور عبدالرزاق کی مرسل احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس شخص کا کفارہ ساقط ہو گیا تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ شرعاً جو شخص ماہ رمضان میں دن کے وقت اپنی بیوی سے جماع کرے تو احناف کے نزدیک بالاتفاق اس شخص پر کفارہ اور روزہ کی قضا دونوں واجب ہیں۔ جب اس شخص نے ماہ رمضان میں اپنی بیوی سے جماع کا اقرار کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو روزہ قضاء کرنے کا حکم ارشاد فرمایا جو کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ عزوجل کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک واجب کے متعلق اس کو حکم دیں کہ روزہ قضاء کرے اور دوسرے واجب کو ترک فرمادیں۔ اور وہ کفارہ ہے۔ اگر اس کے ذمہ کفارہ تھا جو فی الحال بوجہ عسر ادا نہ کر سکا۔ تو عقل ونقل اس بات کی متقاضی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں روزہ کے قضاء کا حکم ارشاد فرمایا وہاں کفارہ کے متعلق بھی ارشاد فرمادیتے کہ تم پر کفارہ واجب ہے اگر تو فی الحال بوجہ عسر ادا نہیں کر سکتا تو جب تم کو یسر میسر ہو اپنا کفارہ ضرور ادا کرنا۔ یہ کفارہ تمہارے ذمہ واجب ہے۔ لیکن بظاہر حدیث سے ایسا ثابت نہیں ہوتا اور جس کا جملہ شارحین حدیث نے بھی اقرار کیا ہے کہ ظاہر حدیث سے اس کے ذمہ استقرار کفارہ ثابت نہیں ہے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کفارہت کے متعلق سکوت اس بابت کی دلیل ہے کہ اس کے ذمہ سے کفارہ ساقط ہو چکا اور اس پر صرف روزہ کی قضاء ہی باقی ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو صرف روزہ قضاء کرنے کا حکم دیا جو کہ اس کے ذمہ واجب الادا تھا۔ لیکن دوسرے وجوب یعنی کفارہ کے متعلق آپ نے اس کو حکم ارشاد نہیں فرمایا اور اس پر سکوت اختیار فرمایا جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس شخص کے ذمہ کفارہ ساقط ہو چکا تھا ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزہ قضاء کی طرح اس کو کفارہ کا بھی حکم ارشاد فرماتے۔ واللہ اعلم بالصواب - فتدبر وتفکر۔

اور ابن حبان نے اپنی ''صحیح'' میں جو حدیث اپنی اسناد کے ساتھ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے اس کے آخر میں یہ لفظ ہیں:

''فامره أن ياخذهو''

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو حکم دیا کہ وہ ان کھجوروں کو لے لے۔

حدیث مبارک کے یہ الفاظ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ شخص اس مال کا مالک بالقبض تھا۔ کیونکہ جب کوئی شخص کسی سے کہے یہ چیز لے لو۔ اور وہ شخص اس چیز کو لے لے تو اس سے اس ملک بالقبض ثابت ہوتا ہے۔ جب ملک بالقبض ثابت ہو گیا تو اس شخص کے کفارہ کے سقوط پر کوئی ابہام باقی نہیں رہ جاتا۔ اگر ملک بالقبض ثابت نہ بھی ہو صرف تملیک ضمنی ہی ثابت ہو پھر بھی اس شخص کا کفارہ ساقط ہو جائے گا۔

سوئم:

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد گیارہ، ص:26 میں ارقام فرماتے ہیں:

النوع العاشر فی حدیث الباب دلالة علی التملیك الضمنی من قوله "تصدق بهذا" الخ

حدیث الباب میں دسویں قسم یہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث تملیک ضمنی پر دلالت کرتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان "تصدق بهذا" "اس کو صدقہ کر دو۔ صاحب "مفهم" نے اس کے متعلق ارقام فرمایا کہ اس سے لازم آتا ہے کہ وہ اس کا مالک تھا لہٰذا وہ اس کو صدقہ کرے اور اس کا یہ صدقہ کرنا اس سے کفارہ ہے۔

چنانچہ اس عبارت سے معلوم ہوا وہ شخص اس حال کا ضمنی مالک تھا اور اس ضمنی تملیک کو حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اور بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اس کی عبارت یہ ہے:

○ والحق انه لما قال له (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خذهذا فتصدق به لم یقبضه بل أعتذر بانه أحوج أليه من غيره ○ الخ (فتح الباری، جلد 4، ص:172، مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)

اور حق یہ ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا اس کو لے لو اور صدقہ کر دو۔ اس شخص نے اس مال کو قبض نہیں کیا بلکہ یہ اعتراز کیا کہ وہ بہ نسبت دوسروں کے اس کا زیادہ محتاج ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت اس کو ان میں سے کھانے کا حکم ارشاد فرمایا اگر وہ شخص مشروط بالصفت اس مال کے ملک پر قبضہ کر لیتا اور وہ اپنے کفارہ میں اس سے اخراج ہے۔ تو مشروط تملیک مقید میں خلاف مشہور کی بنا پر اس سے یہ کفارہ ساقط ہو جاتا۔ لیکن جب اس نے اس مال کو قبض نہیں کیا وہ اس کا مالک نہیں اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اس کے کھانے اور اپنے اہل وعیال کو کھلانے کا حکم ارشاد فرمایا تو اس شخص کی طرف نسبت اور اس گھرانہ کی طرف نسبت اور بصفت مشروحہ ان کا اس کو لینا یہ سب چیزیں اس کے مطلق تملیک پر دلالت کرتی ہیں۔ اور یہی مطلق تملیک ہی ضمنی تملیک ہے۔ جس کے متعلق علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے صاحب "مفهم" سے نقل فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان یہ کھجوریں لے لو اور اس کو صدقہ کر دو۔ یہ تملیک ضمنی ہے جس سے اس شخص کی طرف سے کفارہ ادا ہو گیا۔ چنانچہ اس سے قبل صحیح ابن حبان سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو کھجوریں عطا فرمائیں اور حکم دیا کہ اس کو صدقہ کر دو۔ اس شخص

نے بارگاہ نبوت میں اپنی حاجت کا ذکر کیا تو آپ نے حکم فرمایا ''ان یاخذھو'' کہ وہ خود ہی اس کو لے لے۔ اور یہ جملہ اس کی تملیک پر دلالت کرتا ہے کیونکہ آپ نے یہ حکم ارشاد فرمایا کہ تم خود ہی اس کو لے لو۔ تو اس کے بعد اس شخص نے وہ کھجوریں لے لیں تو کیا یہ تملیک نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ بدر الدین عینیؒ اور صاحب ''مفھم'' کی نقل۔ حافظ عسقلانی کے قول اور ابن حبان کی حدیث سے ثابت ہوا کہ وہ شخص ان کھجوروں کا مالک بن گیا تھا اگر بقول حافظ عسقلانی اگر یہ مشروط تملیک مقید نہیں تو یہ مطلقاً تملیک تو ہے لہٰذا اس شخص سے سقوط کفارہ میں یہی دلیل کافی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب o

چہارم:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مبارک کے بعد امام ابن شہاب زہری کا قول:

وزادالزھری وأنما کان ھذا رخصة له خاصة فلو أن رجلاً فعل ذالك اليوم لم يكنه بدمن التكفير o

(ابوداؤد رقم حدیث: 2391 مصنف عبد الرزاق، جلد 3، ص: 195، رقم حدیث: 7457)

یعنی امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میں یہ اضافہ کیا، فرماتے ہیں: یہ رخصت خاص کر کے اس شخص کے لیے ہی تھی اگر کوئی شخص آج یہ فعل کرے تو اس کے لیے کفارہ دینے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے صاف ظاہر و واضح ہے کہ یہ رخصت کفارہ میں ہی تھی جو اس شخص کے ساتھ خاص تھی جس سے ثابت ہوا اس شخص کا کفارہ ادا ہو گیا تھا۔ اسی لیے ابن ہمام ابوحنیفہ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب فتح القدیر، جلد دوئم، ص: 264 میں ارقام فرمایا:

''جمهور العلماء علىٰ قول الزهری رحمة الله''

یعنی جمہور علماء کرام امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہیں۔ ابن ہمام کی اس عبارت سے ثابت ہوا کہ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے کہ اس شخص کا بوجہ رخصت خصوصی کفارہ ادا ہو گیا تھا اس کے بعد ابہام کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

اسی طرح علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ الباری مشکوٰۃ کی شرح ''مرقاۃ'' میں لکھتے ہیں:

''جمهور العلماء علىٰ قول الزهری رحمة الله''

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، جلد 4، ص: 265، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

یعنی جمہور علماء امام ابن شہاب زہری کے قول پر ہی ہیں۔

لیکن حافظ منذری نے فرمایا: امام زہری کا یہ دعویٰ وہ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔ ''راقم السطور'' کہتا ہے: عبد الرزاق بن

امام جیسے محدث کبیر اور ابوداؤد جیسے محدث عظیم کی نقل کے بعد منذری کا یہ کہنا کہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے غلط ہے بلکہ امام منذری کا بذات خود یہ قول بلا دلیل ہے۔ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا دعویٰ بلا دلیل ہونا غلط ہے بلکہ جید علماء محدثین کی تخرجہ احادیث امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے دعویٰ کی نہایت قوی دلیل ہیں کہ یہ رخصت صرف اس شخص کے لیے ہی تھی۔ جیسا کہ امام زرقانی نے شرح مؤطا جلد دوئم، ص:173 میں لکھا ہے:

"قال ابن العربی کان هذا رخصة خاصة لهذالرجل اما الیوم فلا بد من الکفارة"

ابن عربی نے فرمایا: خاص کر کے یہ رخصت اس شخص کے لیے ہی تھی البتہ آج کفارہ کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔

چنانچہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی ابن عربی کا قول تائید وتوثیق ہے جس سے معلوم ہوا اس شخص کا کفارہ ادا ہو گیا تھا۔

اس کے بعد امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بعض نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف اس شخص کے فقر کی وجہ سے کھجوریں عطا فرمائیں اور اس شخص کے یسر تک اس پر کفارہ باقی رکھا۔

امام زرقانی رحمۃ اللہ علیہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

"هذا ما للعلماء فی المسئلة"

یعنی حضرت علماء کرام کا اس مسئلہ میں یہ قول معتبر نہیں ہے کہ اس شخص کو فقط فقر کی بناء پر صدقہ کا مال دیا گیا اور اس کا یسرت کفارہ کو باقی رکھا۔ اس میں علماء کا کوئی معتمد ومعتبر قول نہیں ہے۔ پھر علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شرح عمدۃ القاری، جلد 11، ص:26 میں لکھا:

"وقال بعض اصحابنا خص هذا الرجل باحکام ثلاثة بجواز الاطعام مع القدرة علی الصیام وصرفه الی نفسه والاکتفاء بخمسة عشر صاعاً"

یعنی ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا: اس شخص کو تین احکام کے ساتھ خاص کیا گیا تھا۔ اوّل: روزے پر قدرت کے باوجود کھانا کھلانے کا جواز۔ دوئم: اس صدقہ کے مال کو اس شخص کی ذات کی طرف پھیرنا کہ تم اس سے کھاؤ۔ سوئم: کفارہ میں صرف پندرہ (15) صاع (60 کلو) پر اکتفا کرنا۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ رخصت خاص کر کے اس شخص کے لیے تھی اس کے بعد یہ حکم اور رخصت خاص نہیں رہی بلکہ جو شخص بھی ماہ رمضان میں ایسا کرے گا اس پر کفارہ واجب ہے اور اس دن کے روزہ کی قضا بھی واجب ہے۔

چنانچہ علماء کرام کی تحقیقات سے واضح ہو گیا کہ اس شخص کے متعلق کفارہ کے سقوط کا قول راجح ہے۔ معتبر ہے۔ اور اس قول پر جمہور ہیں۔ **واللہ اعلم بحقیقة الحال**

اس آیت مبارکہ سے علماء نے جو مسائل استخراج کیے اس کا بقیہ حصہ:

3- اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ جس نے ماہ رمضان میں بھول کر کھایا یا جماع کیا۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب اور اسحاق کے نزدیک اس شخص پر نہ قضاء ہے نہ کفارہ۔ امام مالک، لیث اور اوزاعی رحمہم اللہ کے نزدیک اس پر قضاء ہے، کفارہ نہیں۔ اور عطاء بن ابی رباح سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اور علاء بن ابی رباح کی ایک روایت میں اگر اس نے ماہ رمضان میں بھول کر جماع کیا تو اس پر کفارہ ہے۔ اور کہا اس کی مثل نہیں بھلایا جاتا۔ اہل ظاہر میں سے ایک جماعت نے کہا خواہ وہ شخص ماہ رمضان میں بھول کر جماع کرے یا عمداً اس پر قضاء اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔ ابن ماجشون عبدالملک کا بھی یہی قول ہے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی طرف گئے ہیں۔ اس لیے کہ وہ حدیث جو کفارہ کی موجب ہے، اس میں بھول کر یا عمداً کی کوئی تفریق نہیں۔ اور ابن منذر نے کہا اس پر کوئی چیز نہیں۔

اور احناف کے نزدیک جس شخص نے ماہ رمضان میں بھول کر کھایا، پیا یا جماع کیا درانحالیکہ اس کو روزہ یاد نہیں اس کا روزہ مکمل ہے۔ اس پر نہ قضاء ہے اور نہ ہی کفارہ۔

فتاویٰ قاضیخان میں ہے:

اکل أو شرب أو جامع ناسیاً لا یفسد صومه استحساناً○

(فتاویٰ قاضیخان، مجلد اولین، ص:100، مطبوعہ حافظ کتب خانہ کوئٹہ)

جس نے ماہ رمضان میں بھول کر کھایا یا پیا یا جماع کیا استحساناً اس کا روزہ فاسد نہیں ہوا۔

ابو عبداللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی فرماتے ہیں:

قلت○ وهو الصحیح وبه قال الجمهور أن من أكل أوشرب ناسیا فلا قضاء علیه○ وأن صومه تام○ (الجامع لاحکام القرآن، مجلد اول، جزدوئم، ص:215)

میں کہتا ہوں، یہی صحیح ہے۔ اور جمہور کا بھی یہی قول ہے کہ جس نے ماہ رمضان میں بھول کر کھایا، پیا اس پر قضاء نہیں ہے اور اس کا روزہ تام ہے مکمل ہے۔

حدیث مبارک میں ہے:

○ عن ابی هریرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه و آله وسلم قال أذا نسی فأكل وشرب فلیتم صومه فانما أطعمه الله وسقاه○

(بخاری شریف، کتاب الصوم، حدیث:1933، مسلم شریف بمع نووی، جلد اول، ص:364، ابن ماجہ، حدیث:1673، ابوداؤد شریف، حدیث:2393، ترمذی شریف، حدیث:721)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا۔ آپ نے فرمایا: جب کسی نے بھول کر

ماہ رمضان میں کھایا، پیا، چاہئے کہ وہ روزہ پورا کرے۔ یہ تو صرف اس کو اللہ عزوجل نے کھلایا اور پلایا ہے۔

ابو عیسیٰ ترمذی نے کہا: اس باب میں حضرت ابو سعید خدری اور ام اسحاق غنویہ سے بھی روایت ہے۔ اور حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔ اور اکثر اہل علم کے نزدیک اسی پر عمل ہے۔ اور یہی سفیان ثوری، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ کا قول ہے۔ اور امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے کہا جب کسی نے ماہ رمضان میں بھول کر کھایا اس پر روزہ کی قضاء ہے اور قول اوّل صحیح ہے۔

○ عن محمد وقتادة عن ابی هريرة أنه قال جاء رجل ألی رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال انی کنت صائماً فاكلت وشربت ناسيا ○ فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الله اطعمك وسقاك ○ تم صومك○

(مسند ابو یعلی، جلد 4، ص: 441، حدیث: 6051)

محمد بن سیرین اور قتادہ بن دعامہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا: ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا (یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں روزہ دار تھا اور میں نے بھول کر کھایا اور پیا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے تجھے کھلایا اور پلایا ہے پھر اس کے بعد تجھ سے روزہ رکھوایا ہے۔

○ عن هشام عن ابن سيرين عن ابی هريرة رضی الله عنه قال ○ قال رسول الله صلی الله عليه وآله وسلم أذا أكل الصائم ناسيا ○ أوشرب ناسيا نانما هو رزق ساقه الله اليه ولاقضاء عليه ○

اُسناد صحیح اور سب ثقہ ہیں۔ (دار قطنی، مجلد اوّل، جز دونم، ص: 157، 158، حدیث: 2221)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب روزہ دار نے بھول کر کھایا۔ یا بھول کر پانی وغیرہ پیا۔ وہ وہی رزق ہے کہ اللہ عزوجل نے اس کی طرف بھیجا ہے۔ اور اس پر قضاء نہیں۔

دار قطنی نے اپنی گیارہ (11) اسناد کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے اور ایک سند کے ساتھ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

○ عن ابی هرير ة رضی الله عنه أن رسول الله صلی الله عليه وآله وسلم قال ○ اذا أكل أحدكم أوشرب وهو صائم فليمض فی يومه فأنما اطعمه الله وسقاه○

(مسند ابو عوانہ، جلد دوئم، ص: 41، حدیث: 2275)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کسی ایک

نے روزہ کی حالت میں بھول کر کھایا، پیا، وہ اپنا روزہ پورا کرے یہ تو اس کو اللہ عزوجل نے کھلایا اور پلایا ہے۔
تو ان سب احادیث سے ثابت ہوا کہ بھول کر کھانے، پینے والے کا روزہ تمام ہے۔ کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "یتم صومہ" وہ اپنے روزہ کو پورا کرے تو بھول کر کھانے، پینے والے کو اپنا روزہ پورا کرنا چاہئے اور اس کا یہ روزہ تام اور کامل ہے۔

(5) امام قرطبی لکھتے ہیں: امام مالک، ابوثور اور اصحاب الرائی نے کہا جب کسی نے بھول کر کھا لیا اور یہ ظن کیا کہ اس کا روزہ افطار ہو چکا ہے پھر اس نے عمداً اپنی بیوی سے جماع کیا اس پر صرف قضاء ہے کفارہ نہیں۔ ابن منذر نے کہا ہم بھی یہی کہتے ہیں۔

صاحب فتاویٰ قاضیخان نے لکھا ہے:

اذا اکل او شرب أرجامع ناسیاً فظن أن ذالک فطرہ فا کل متعمداً لا کفارۃ علیہ کان صومہ فسد قیاساً فصار ذالک شبہۃ٥ (فتاویٰ قاضیخان، مجلد اولین، ص:104)

جب کسی نے بھول کر کھا لیا۔ یا پانی پی لیا یا جماع کیا اور یہ ظن کیا کہ اس سے اس کا روزہ افطار ہو گیا ہے۔ پھر اس نے جان بوجھ کر کھایا تو اس پر کفارہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس کا روزہ قیاساً فاسد ہوا ہے اور یہ شبہ کی مثل ہو گیا۔ لہٰذا اس پر صرف روزہ کی قضاء ہے کفارہ نہیں۔

(6) امام قرطبی نے لکھا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے محظورات صیام بیان فرمائے اور یہ کھانا، پینا اور جماع کرنا ہے اور مباشرت کا ذکر نہیں کیا اور یہ جلد کا جلد کے ساتھ اتصال ہے جیسے بوسہ وغیرہ۔ اور علمائے سلف کا اس میں اختلاف ہے۔ ہمارے علماء فرماتے ہیں اس شخص کے لیے بوسہ لینا مکروہ ہے۔ جو شخص اپنے نفس پر امن تصور نہیں کرتا اور نہ ہی وہ اس پر مالک ہے۔ تا کہ یہ بوسہ لینا اس چیز کا سبب نہ بن جائے جس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

نافع نے امام مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روزہ دار کو بوسہ لینے اور مباشرت سے منع فرماتے تھے۔

اور اگر کسی نے بوسہ لیا اور سلامت رہا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

صاحب فتاویٰ قاضیخاں نے ارقام فرمایا:

ولاباس للصائم أن یقبل أویباشر اذا أمن علی نفسہ ماسوی ذالک ولا یفسد صومہ٥ الخ

(فتاویٰ قاضیخاں، مجلد اولین، ص:99)

روزہ دار کے لیے بوسہ لینے اور مباشرت وغیرہ میں کوئی حرج نہیں جبکہ اس کے سوا اپنے نفس پر امن تصور کرتا ہو۔ اور بوسہ لینا وغیرہ اس کے روزہ کو فاسد نہیں کرتا۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بوسہ لینا روزہ کو فاسد

کر دیتا ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے
کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزہ کی حالت میں بوسہ لیتے تھے۔ اور جب اس کو اپنے نفس پر امن کا یقین نہ ہو تو
اس کے لیے بوسہ لینا اور مباشرت مکروہ ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مباشرت فاحشہ مکروہ ہے اور وہ یہ ہے کہ مرد اور بیوی کی شرمگاہ اس حال میں مس کریں کہ وہ دونوں برہنہ ہوں۔ اس کے متعلق احادیث مبارکہ:

○ عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت كان النبی صلی الله علیه و آله وسلم يقبل و يباشر وهو صائم و كان املككم لاربه○

(بخاری شریف، کتاب الصیام، حدیث:1927، مسلم شریف بمع نووی، جلد اوّل، ص:352، ترمذی شریف ،حدیث:727، ابن ماجہ، حدیث:1687، ابوداؤد شریف، حدیث:2382)

ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوسہ لیتے اور مباشرت (عورت سے فقط ملنا) کرتے تھے حالانکہ آپ روزہ دار تھے۔ اور آپ تم سب سے زیادہ اپنی خواہش پر قابو پانے والے تھے۔

ابوعیسیٰ ترمذی نے کہا۔ اس باب میں عمر بن خطاب، ام المؤمنین حضرت حفصہ، ابوسعید خدری، ام المؤمنین حضرت ام سلمہ، ابن عباس، انس بن مالک اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی مروی ہے۔
اور حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حدیث حسن اور صحیح ہے۔

اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اہل علم کا روزہ دار کے لیے بوسہ لینے میں اختلاف ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض اصحاب نے روزہ دار کے لیے بوسہ لینے کی رخصت دی ہے۔ اگر وہ بوڑھا ہو تو۔ اور نوجوان کو رخصت نہیں دی۔ اس خوف سے کہ وہ اپنے روزہ کو سلامت نہ رکھ سکے۔ اور بعض اہل علم نے فرمایا بوسہ لینا اجر وثواب کو کم کرتا ہے لیکن روزہ کو افطار نہیں کرتا۔

امام ابوحنیفہ، شافعی، ثوری اور اوزاعی کا مذہب یہ ہے کہ جوان آدمی کے لیے بوسہ لینا مکروہ ہے اور بوڑھے آدمی کے لیے مباح ہے۔

اس کے متعلق حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث ہے جس کو ابوداؤد نے روایت کیا۔ وہ حدیث یہ ہے:

○ عن ابی هريرة رضی الله عنه ان رجلاً سال النبی صلی الله علیه و آله وسلم عن المباشرة للصائم فرخص له○ و آتاه اخر فساله فنهاه○ فاذا لذی رخص له شيخ والذی نهاه شاب○

(ورواہ الطبرانی عن ابن عباس، معجم کبیر للطبرانی، جلد10، ص:260، حدیث:10604، ابوداؤد شریف، حدیث:2387)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روزہ دار کے لیے مباشرت کے متعلق سوال کیا۔ تو آپ نے اس کو رخصت عطا فرمائی۔ پھر ایک دوسرا شخص بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مباشرت کے متعلق پوچھا۔ تو آپ نے اس کو منع فرمایا۔ اور جس شخص کو آپ نے رخصت دی وہ بوڑھا تھا۔ اور جس شخص کو منع فرمایا وہ نوجوان تھا۔

○ **عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت ان کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم لیقبل بعض ازواجه وھو صائم ثم ضحکت** ○ (بخاری شریف، حدیث: 1928، مسلم شریف بمعہ نووی، جلد اول، ص: 352)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بعض ازواج مطہرات کا بوسہ لیتے حالانکہ آپ روزہ دار تھے۔ تو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (یہ بات کرنے کے بعد) ہنس پڑیں۔

○ **عن ام سلمه رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت بینما انا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم فی الخمیلة اذ حضت فانسللت فأخذت ثیاب حیضتی ○ فقال ما لك انفست ○ قلت نعم فدخلت معه فی الخمیلة و کانت ھی و رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم یغتسلان من أناء واحد و کان یقبلھا وھو صائم** ○ (بخاری شریف، حدیث: 1929)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک چادر میں لیٹی ہوئی تھی۔ اچانک مجھے حیض آ گیا اور میں آہستہ سے نکلی اور اپنے حیض کے کپڑے پہن لیے۔ آپ نے فرمایا: کیا تجھے حیض آ گیا ہے۔ حضرت ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا ہاں۔ پھر میں آپ کے پاس چادر میں چلی گئی۔ اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہی برتن میں غسل کرتے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزہ کی حالت میں ان کا بوسہ لیتے تھے۔ اسی طرح مسلم نے اپنی اسناد کے ساتھ ام المؤمنین حضرت عائشہ، حفصہ اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن سے روایت کیا ہے۔

"کان یقبل وھو صائم" (مسلم شریف، جلد اول، ص: 353)

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزہ کی حالت میں بوسہ لیتے تھے۔

ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا روزہ کی حالت میں بوسہ لینا جائز ہے بشرطیکہ اسے اپنے نفس پر مکمل یقین ہو۔ اور اپنی خواہش پر قابو پانے والا ہو ورنہ روزہ کی حالت میں اپنی بیوی کا بوسہ لینا مکروہ ہے۔ اور صحیح یہی ہے کہ نوجوان کے لیے مکروہ ہے اور بوڑھے آدمی کے لیے مباح ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(7) اگر کسی نے ماہ رمضان میں اپنی بیوی کا بوسہ لیا تو اس کو منی آ گئی تو امام ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب، امام ثوری، حسن اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس پر قضاء ہے کفارہ نہیں اور ابن منذر کا بھی یہی اختیار ہے وہ فرماتے ہیں جو اس شخص پر کفارہ واجب کرتا ہے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔

صاحب فتاویٰ قاضیخاں فرماتے ہیں:

وکذا اذا قبل امرأته بشهوة فأمنى○أومسها بشهوة فأمنىٰ عليه القضاء دون الكفارة لوجود قضاء الشهوة بعفة النقصان ○ (فتاویٰ قاضیخاں، مجلد اولین، ص:101)

اور اسی طرح جب کسی نے اپنی عورت کا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا تو اس کو منی آ گئی۔ یا اس کو شہوت کے ساتھ مس کیا اور اس کو منی آ گئی تو اس شخص پر صرف روزہ کی قضاء ہے کفارہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ شہوت کا پورا ہونا بصفت نقصان پایا گیا ہے۔ اس لیے اس شخص پر صرف قضاء ہے، کفارہ نہیں۔

اور صرف عورت کو دیکھنے سے یا عورت کو دیکھا اور تفکر کیا تو انزال ہو گیا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ اور قاضیخاں کی عبارت یہ ہے:

وکذالاحتلام وکذا اذا نظر الیٰ امرأة فانزل او تفكر فامنى لا يفسد صومه لان فساد الصوم فی الجماع عرف نصًا والجماع قضاء الشهوة بمماسة العضو العضو ولم يوجد○

(فتاویٰ قاضیخاں، مجلد اولین، ص:100)

جس طرح غیبت سے روزہ فاسد نہیں ہوتا اسی طرح احتلام سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ اور اسی طرح جب کسی نے عورت کی طرف دیکھا تو انزال ہو گیا یا تفکر کیا تو منی ٹپک پڑی اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ جماع میں روزے کا فساد نصاً معروف ہے۔ اور جماع کا معنی یہ ہے کہ ایک دوسرے کے عضو کے مس کرنے کے ساتھ شہوت کا پورا کرنا اور یہ معنی نظر اور تفکر میں نہیں پایا گیا۔ اس لیے امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وقال جابر بن زيد والثوری ○ والشافعی وابوثور واصحاب الرأی فيمن رددالنظر الیٰ عورة حتى أمنىٰ فلا قضاء عليه ولا كفارة قاله ابن المنذر○

(الجامع لاحکام القرآن، مجلد اول، جزو دوم، ص:217)

جابر بن زید، امام ثوری، شافعی، ابوثور اور اصحاب الرائی نے اس شخص کے متعلق کہا جس نے بار بار عورت کی طرف دیکھا حتیٰ کہ اس کی منی ٹپک پڑی اس شخص پر نہ قضاء ہے اور نہ ہی کفارہ اور ابن منذر کا بھی یہی قول ہے۔

(8) امام قرطبی نے ارقام فرمایا:

والجمهور من العلماء علیٰ صحة صوم من طلع عليه الفجر وهو جنب وقال القاضی ابوبكر

بن العربی وذالك جائز أجماعاً ○ (الجامع لاحکام القرآن، مجلد اوّل، جز دوم، ص:217)

جمہور علماء اسی پر ہیں کہ جس شخص پر جنبی حالت میں صبح طلوع ہوئی اس شخص کا روزہ صحیح ہے۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے فرمایا: یہ اجماعاً جائز ہے۔ اس میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان کلام واقع ہوا تھا پھر امر اس بات پر استقرار پایا کہ جس نے جنابت کی حالت میں صبح کی اس کا روزہ صحیح ہے۔ اس لیے صاحب فتاویٰ قاضیخان نے فرمایا:

اذا اولج قبل طلوع الفجر فلما اخشی الصبح اخرج ومنی بعد الصبح لا قضاء علیه كما فی الاحتلام ○ (فتاویٰ قاضیخان، مجلد اولین، ص:101)

جب کسی نے طلوع فجر سے قبل ایلاج کیا (یعنی اپنی شرمگاہ کو اپنی بیوی کی شرمگاہ میں داخل کیا) اور جب اس کو صبح ہونے کا خوف لاحق ہوا تو اس نے اپنے آلہ تناسل کو باہر نکال لیا اور صبح کے بعد اس کی منی ٹپک پڑی اس پر روزہ کی قضاء نہیں ہے۔ جیسا کہ احتلام میں ہے۔ یعنی اگر کسی شخص کو دن کے وقت خواب میں احتلام ہو گیا تو اس کا روزہ درست ہے نہ اس پر قضاء ہے اور نہ ہی کفارہ۔

اس مسئلہ میں چار مذاہب ہیں:

اوّل: وہ مذہب جو بیان ہو چکا کہ جو شخص صبح جنابت کی حالت میں کرے اس پر قضاء نہیں ہے۔

دوئم: اس شخص کا روزہ نہیں ہے اور یہ قول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اور حضرات علماء کرام کا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا اس رجوع کرنے میں اختلاف ہے۔ اور اہل علم کے نزدیک انکے دو قولوں میں سے مشہور قول یہی ہے کہ اس شخص کا روزہ نہیں ہے۔ اور ابن منذر سے بھی یہی نقل کیا گیا ہے۔

سوئم: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی تیسرا قول مروی ہے۔ وہ یہ کہ جب اس کو اپنی جنابت کا معلوم ہو گیا پھر وہ سو گیا یہاں تک کہ صبح ہو گئی وہ مفطر ہے۔ اس کا روزہ نہیں۔ اور اگر اس کو جنابت کا معلوم نہ ہوا اور سو گیا حتیٰ کہ صبح ہو گئی وہ روزہ دار ہے۔ اور یہی عطاء بن ابی رباح، طاؤس بن کیسان اور عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔

چہارم: امام حسن بصری اور نخعی رحمہما اللہ سے یہ مروی ہے کہ اگر یہ روزہ نفلی ہے تو جائز ہے اور اگر روزہ فرض ہے تو وہ روزہ کی قضاء کرے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں۔ حضرات علماء کرام کے یہ چار اقوال اس شخص کے متعلق ہیں جو جنابت کی حالت میں صبح کرے۔ اور ان سب اقوال میں سے صحیح قول جمہور کا مذہب ہے کہ جو شخص جنابت کی حالت میں صبح کرے اس پر روزہ کی قضاء نہیں بلکہ اس کا روزہ صحیح ہے۔ کیونکہ اس کے متعلق ام المؤمنین حضرت عائشہ وام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث ہے۔ جس کو شیخین نے روایت کیا ہے۔ وہ یہ حدیث یہ ہے:

○ عن ابی بکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن هشام ان اباه عبدالرحمٰن اخبر مروان ان عائشة وام سلمة اخبرتاه ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وآلہ وسلم کان یدرکه الفجر وهو جنب من أهله ثم یغتسل ویصوم○

(بخاری شریف، کتاب الصوم، حدیث: 1926، مسلم شریف مع نووی، جلد اوّل ص: 353، ابوداؤد شریف حدیث: 2388، ترمذی شریف، حدیث: 779

ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام سے روایت ہے کہ ان کے باپ عبدالرحمٰن بن حارث (عکرمہ بن ابوجہل کے چچا کا بیٹا) نے مروان بن عبدالحکم سے بیان کیا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حال میں صبح کرتے کہ آپ حالت جنابت میں ہوتے پھر غسل فرماتے اور روزہ رکھتے۔

ابوعیسیٰ ترمذی نے کہا۔ حدیث عائشہ وام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما حدیث حسن صحیح ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب اور تابعین میں سے اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ اور سفیان ثوری، شافعی احمد اور اسحاق رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی قول ہے اور تابعین میں سے کچھ لوگوں نے کہا جب کوئی شخص صبح حالت جنابت میں کرے وہ اس دن کا روزہ قضاء کرے۔ امام ابوعیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں قول اوّل اصح ہے۔

ابن ماجہ کی حدیث اس طرح ہے:

○ عن عائشة قالت کان النبی صلی اللہ علیه وآلہ وسلم یبیت جنباً فیأتیه بلال فیؤذنه بالصلوٰة فیقوم فیغتسل فانظر الی تحدر الماء من راسه ثم یخرج فاسمع صوته فی الصلوٰة الفجر○ (سند ابویعلی، جلد 4، ص: 68، حدیث: 4707)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات حالت جنابت میں گزارتے تھے۔ آپ کے پاس حضرت بلال رضی اللہ عنہ آتے اور آپ کو نماز سے آگاہ کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھتے اور غسل فرماتے تو میں آپ کے سر مبارک سے پانی کے گرنے کی طرف دیکھ رہی ہوتی پھر آپ نماز کے لیے تشریف لے جاتے تو میں نماز فجر میں آپ کی آواز سنتی۔

○ عن نافع قال سألت أم سلمة عن الرجل یصبح وهو جنب یرید الصوم قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وآلہ وسلم یصبح جنباً من الوقاع لامن احتلام ثم یغتسل ویتم صومه○

(ابن ماجہ شریف، حدیث: 1704-1703)

نافع سے روایت ہے انہوں نے کہا میں نے ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک شخص کے متعلق سوال کیا کہ وہ صبح کرتا ہے حالانکہ وہ جنابت کی حالت میں ہے اور روزہ رکھنا چاہتا ہے۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جماع سے بحالت جنابت صبح کرتے نہ کہ احتلام سے۔ پھر آپ غسل فرماتے اور اپنے روزہ کو پورا کرتے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کے ماتحت ہے۔

مطرف نے کہا میں نے عامر بن شرجیل شعبی سے کہا کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک میں ایسا کرتے تھے۔

امام شعبی نے فرمایا: رمضان اور غیر رمضان میں آپ کا یہ عمل ایک جیسا ہی تھا۔

○ حدثنا روح بن عبادة وحدثنا أبو سعيد البصرى ○ حدثنا يحيى بن سعيد القطان كلاهما قالا حدثنا ابن جريج قال أخبرنى عبدالملك بن ابى بكر بن عبدالرحمٰن بن ابى بكر قال سمعت ابا هريرة وهو يقول ○ من ادركه الفجر جنباً فلا يصوم قال ذكرت ذالك بعبدالرحمٰن بن الحارث فانكر ذالك ○ فانطلق عبدالرحمٰن وانطلقت معه حتى وخلنا على عائشة و أم سلمة فسألهما عبدالرحمٰن عن ذالك فقالتا كان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يصبح جنبا من غير أحتلام ثم يصوم ○ هذا لفظ حديث روح ○

(مسند ابوعوانہ، جلد دوئم، ص:42، حدیث:2283)

ابوسعید بصری اور یحییٰ بن سعید قطان دونوں نے کہا ہم سے ابن جریج نے بیان کیا۔ انہوں نے کہا مجھے عبدالملک بن ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے خبر دی۔ انہوں نے کہا میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو کہتے ہوئے سنا کہ جس شخص کو فجر نے بحالت جنابت پایا (یعنی بحالت جنابت فجر کی) اس کا روزہ نہیں ہے۔ عبدالملک بن ابوبکر نے کہا میں نے عبدالرحمٰن بن حارث سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے اس کا انکار کر دیا۔ عبدالرحمٰن بن حارث چلے اور میں بھی آپ کے ساتھ چل پڑا حتیٰ کہ ہم دونوں ام المؤمنین حضرت عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آئے۔ تو عبدالرحمٰن بن حارث نے ان دونوں سے اس کے متعلق دریافت کیا (یعنی جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا) تو دونوں امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! احتلام سے نہیں جماع سے اس حال میں صبح فرماتے کہ آپ حالت جنابت میں ہوتے (آپ غسل فرماتے) پھر روزہ رکھ لیتے۔ یہ لفظ روح بن عبادہ کی حدیث کے ہیں۔

ابوعوانہ نے اپنے ''مسند'' میں اپنی سند کے ساتھ ام المؤمنین حضرت عائشہ اور ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سات احادیث تخریج کی ہیں۔ اور ان سب احادیث کے الفاظ یہی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احتلام نہیں جماع سے اس حال میں صبح فرماتے کہ آپ حالت جنابت میں ہوتے پھر غسل فرماتے اور روزہ رکھ لیتے۔

○ عن عطاء أن مسروقاً سأل عائشة قال يا أمتاه ○ الرجل يصبح جنباً هل يصوم يومه ذالك ○

فقالت أصبح رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم جنباً من جماع غیر احتلام ○ فریضة غیر تطوع فاغتسل وصلی وأتم صومه○ (مسند ابو یعلی، جلد 4، ص: 67، حدیث 4704)

عطاء بن ابی رباح سے روایت ہے کہ مسروق بن اجرع نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے سوال کیا اور عرض کیا، اے میری اماں حضور! ایک شخص جنبی حالت میں صبح کرتا ہے کیا وہ اس دن کا روزہ رکھے (یا نہ رکھے) ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جماع سے نہ کہ احتلام سے بحالت جنابت صبح فرماتے اور روزہ فرض ہوتا نہ کہ نفلی۔ آپ غسل فرماتے۔ اور نماز پڑھتے۔ اور اپنے روزہ کو پورا فرماتے۔

اس حدیث مبارک سے اس مذہب کا بھی رد ہو گیا جو کہتا ہے کہ اگر روزہ نفلی ہو تو کوئی حرج نہیں اور اگر روزہ فرض ہو تو اس دن کا روزہ نہیں ہوتا۔ اور وہ شخص روزہ کی قضاء کرے۔

ان تمام احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ کسی شخص نے ماہ رمضان المبارک میں بحالت جنابت صبح کی تو وہ شخص غسل کرے اور روزہ رکھے کیونکہ یہ روزہ شرعاً جائز ہے۔ اور احناف کا یہی مذہب ہے۔

چنانچہ اللہ عزوجل کے فرمان "فالان باشروھن" سے ضرورتاً یہی مفہوم ہے کہ اللہ عزوجل نے جب جماع کے مباح ہونے کو طلوع فجر تک لمبا کر دیا تو بالضرورت معلوم ہو گیا کہ جنبی حالت میں اس پر فجر طلوع ہو جائے تو وہ فجر کے بعد غسل کرے اور اپنا روزہ پورا کرے۔

الامام حجۃ الاسلام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی 370ھ اپنی تفسیر "احکام القرآن" میں ارقام فرماتے ہیں۔

اللہ عزوجل کے فرمان: "احل لکم لیلة الصیام الرفث الی نسائکم" سے "الی قوله○ من الخیط الاسود من الفجر" تک یہ آیت مبارکہ چند احکام کی متضمن ہے۔

اس آیت مبارکہ سے متخرجہ احکام و مسائل:

(1) اس آیت مبارکہ میں اس پر دلالت ہے کہ سنت کا قرآن کے ساتھ نسخ جائز ہے۔ اس لیے کہ متقدم ممنوع (یعنی رات عشاء کے بعد کھانا، پینا اور جماع کرنا حرام تھا)۔ اس کا ثبوت صرف سنت کے ساتھ ہی تھا نہ کہ قرآن کے ساتھ۔ پھر اس محظور کو قرآن معظمہ میں اباحت مذکورہ کے ساتھ منسوخ کیا۔

(2) اس آیت مبارکہ میں یہ دلیل ہے کہ جنابت روزہ کے صحیح ہونے کے منافی نہیں اس لیے کہ اس میں اول رات سے آخر رات تک جماع کی اباحت ہے باوجود یہ علم ہونے کے کہ آخر رات میں جماع کرنے والا جب طلوع فجر سے جماع سے فراغت پالے اور وہ صبح بحالت جنابت کرے اس کے باوجود اللہ تعالی کے اس فرمان "ثم اتمو الصیام الی اللیل" کے ساتھ اس کے روزہ کے صحیح ہونے کا حکم ہے۔

(3) اللہ عزوجل کے فرمان: ''وابتغوا ما کتب اللہ لکم ''میں طلب ولد پر ترغیب ہے کیونکہ جنہوں نے اس آیت مبارکہ میں تاویل کی تو اس آیت مبارکہ میں اس کے لیے طلب ولد کا بھی احتمال ہے۔

(4) اس آیت مبارکہ میں اس پر بھی دلالت ہے کہ لیلۃ القدر ماہ رمضان میں ہی ہے۔ کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس پر اس آیت مبارکہ کی تاویل کی ہے اگر یہ آیہ مبارکہ اس تاویل کی متحمل نہ ہوتی تو لیلۃ القدر پر اس کی تاویل جائز نہ ہوتی۔

(5) اس آیت مبارکہ میں اس بات پر دلیل ہے کہ طلوع فجر کے یقین یا اس کے ظاہر ہونے تک اس کے لیے کھانا، پینا اور جماع کرنا جائز ہے۔ اور اس کو ایسے کرنے سے شک مانع نہیں۔ اور یہ اس شخص کے لیے ہے جو فجر کے طلوع کے وقت کے ظاہر ہونے تک پہنچ جائے۔ البتہ جو شخص اس تک بوجہ ساتر، یا ضعف بصر، یا اس کے علاوہ کوئی اور عذر ہونے کے صبح صادق کا علم حاصل نہیں کر پاتا تو وہ شخص اس خطاب میں داخل نہیں۔

(6) اللہ تعالیٰ کے فرمان: ''ثم اتمو الصیام الی اللیل ''میں اس پر دلالت ہے کہ جس شخص نے بلا عذر روزہ افطار کر دیا اس کے لیے اس کے بعد کھانا، پینا جائز نہیں۔ اس پر واجب ہے کہ وہ اسی طرح کھانے، پینے وغیرہ سے باز رہے جس طرح اس سے روزہ دار کھانے، پینے وغیرہ سے رکا ہوا ہے۔ اس لیے کہ یہ اُمساک (باز رہنا، رکنا) روزہ کی ایک قسم ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے عاشورہ کے دن اہل عوالی کی طرف پیغام بھیجا اور فرمایا:

''من اکل فلیصم بقیۃ یومہ ومن لم یاکل فلیتم صومہ'' (یہ حدیث مبارک کتاب کے اوائل میں کیا رمضان سے پہلے کوئی روزہ فرض تھا میں دیکھیں)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے کچھ کھایا، پیا ہے وہ باقی ماندہ دن روزہ رکھے۔ اور جس نے کچھ نہیں کھایا چاہئے کہ روزہ پورا کرے۔ تو اس حدیث مبارک میں کھانے کے بعد ''امساک'' کو روزہ سے موسوم کیا گیا ہے۔

نفلی روزہ میں داخل ہونے کے بعد وہ روزہ لازمی ہو جاتا ہے:

(7) اللہ عزوجل کا فرمان: ''ثم اتمو الصیام الی اللیل ''اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جو شخص نفلی روزہ میں داخل ہو گیا (یعنی اس نے نفلی روزہ رکھ لیا) تو اس روزہ کا پورا کرنا اس پر لازم ہو گیا۔ اور یہ اس لیے کہ اللہ عزوجل کا فرمان: ''احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم ''یہ ان سب راتوں کے متعلق عام ہے جن کی صبح میں لوگ روزہ رکھنا چاہیں۔ اور دوسرے دنوں کو چھوڑ کر صرف ماہ رمضان المبارک کی راتوں پر اس کا اقتصار جائز نہیں۔ اس لیے کہ اس میں بلا دلالت عموم کا مخصوص کرنا ہے۔ اور جب حکم لفظ نفلی روزہ کی راتوں میں کھانے، پینے کی اباحت کے متعلق مستعمل ہے تو ثابت ہوا لفظ سے یہی مراد ہے۔ تو جب یہ اس طرح ہے تو اللہ عزوجل کا قول: ''ثم اتمو الصیام الی اللیل'' کا

عطف اس بات کا متقاضی ہے کہ جس روزہ میں اس کے لیے داخل ہونا صحیح ہے یہ روزہ نفلی ہو یا یہ روزہ فرض ہو اس روزہ کا پورا کرنا لازمی ہے۔ اور اللہ عزوجل کے اوامر وجوب پر دلالت کرتے ہیں تو یہ کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ جب روزہ نفلی یا روزہ فرض میں داخل ہو گیا ہو تو کسی عذر کے بغیر اس سے خروج کرے (یعنی نکلے) اور جب آیۂ کریمہ کے ظاہر کے مطابق اس روزہ کا پورا کرنا لازم ہے تو اس شخص پر اس کا وجوب صحیح ہے۔

اعتراض:

اگر کوئی یہ کہے کہ مروی یہ ہے کہ یہ آیت مبارکہ فرض روزہ کے متعلق نازل ہوئی ہے تو واجب ہوا کہ حکم بھی فرض پر ہی مقصر (منحصر ومحدود) ہے۔

اعتراض کا جواب:

اس سے یہ کہا جائے کہ آیت مبارکہ کا نزول سبب پر ہونا ہمارے نزدیک عموم لفظ کے اعتبار کے مانع نہیں۔ اس لیے کہ ہمارے نزدیک حکم لفظ کا ہے سبب کا نہیں۔ اور اگر حکم فقط سبب پر ہی منحصر ومحدود ہوتا تو واجب ہوتا کہ یہ ان لوگوں کے حق میں خاص ہو جنہوں نے اپنی جانوں پر خیانت کی۔ چنانچہ جب سب کا خیانت کرنے والوں کے متعلق اور نہ خیانت کرنے والوں کے متعلق جو ان کے مال کی مثل ہیں حکم کے عام ہونے پر اتفاق ہے تو یہ اس پر بات پر دلالت کرتا ہے کہ حکم صرف سبب پر ہی منحصر ومحدود نہیں۔ وہ سب روزوں کے متعلق عام ہے جیسا کہ ماہ رمضان کے روزہ میں سب لوگ عام ہیں تو جو ہم نے وجہ استدلال بیان کی وہ صحیح ہے کہ اللہ عزوجل کا فرمان: "ثم اتمو الصیام الی اللیل" اس میں دلیل ہے کہ جو شخص روزہ میں داخل ہو اس کے لیے روزہ کا پورا کرنا لازمی ہے۔

اختلاف علماء:

فقہاء کرام کا اس میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ، ابو یوسف، امام محمد اور امام زفر رحمہم اللہ نے فرمایا: جو شخص نفلی روزہ میں داخل ہوا یا نفلی نماز میں داخل ہوا اور اس کو فاسد کر دیا یا کوئی ایسا عارضہ وعذر لاحق ہوا جس سے وہ روزہ و نماز نفلی فاسد ہو گیا تو اس پر قضاء واجب ہے۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر اس نے خود روزہ یا نماز نفلی کو فاسد کیا تو اس پر قضاء واجب ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر اس نے خود اس کو فاسد کیا تو اس پر قضاء واجب ہے۔ اور اگر اس پر اچانک کوئی ایسی چیز آ پڑی جس نے اس کو نفلی نماز یا روزہ سے خارج کر دیا تو اس پر قضاء نہیں ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر اس نے اس عبارت کو فاسد کیا جس میں وہ داخل ہوا تھا اور وہ عبادت نفلی ہے تو اس پر کوئی قضاء نہیں۔

حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی احناف کی مثل ہی روایت کیا ہے۔ عثمان بتی نے انس بن سیرین سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا میں نے ایک دن روزہ رکھا تو اس نے مجھے مشقت میں ڈال دیا تو میں نے روزہ افطار کر دیا۔

چنانچہ میں نے حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس کے متعلق دریافت کیا تو ان دونوں نے مجھے اس کی جگہ دوسرے دن روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی جب روزہ نفلی یا نفل نماز میں داخل ہو جائے اور اس کو فاسد کر دے اور پورا نہ کرے تو اس شخص پر اس کی قضاء واجب ہے۔

لیکن حج اور عمرہ کے متعلق کسی کا کوئی اختلاف نہیں کہ جب کسی نے نفلی حج اور عمرہ کا احرام باندھا پھر ان کو فاسد کر دیا تو اس پر حج اور عمرہ کی قضاء واجب ہے۔ اور اگر ان دونوں میں اس کو روک دیا گیا تو اس میں بھی لوگوں کا اختلاف ہے۔ ہمارے اصحاب اور ان کے متبعین کے نزدیک اس پر بھی (حج اور عمرہ) کی قضاء واجب ہے۔

چنانچہ اللہ عزوجل کے فرمان: "ثم اتموا الصيام الى الليل" کی دلالت قضاء کو واجب کرتی ہے خواہ وہ اس سے کسی عذر کی بنا پر نکلے یا بلا عذر۔ اس لیے کہ یہ آیہ مبارکہ نفلی نماز یا روزہ میں داخل ہونے کے سبب واجب ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ اور جب یہ واجب ہو گیا تو پھر قضاء کے ایجاب کے حکم میں کوئی اختلاف نہیں۔ خواہ نفلی روزہ یا نماز سے کسی عذر کی وجہ سے نکلا ہو یا بغیر کسی عذر کے۔

احادیث مبارکہ سے اس کا ثبوت:

○ عن ابن شهاب عن عروة عن عائشة انها قالت اصبحت انا وحفصة صائمتين متطوعتين فاهدى لنا طعام فافطرنا فسألت حفصة رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فقال اقضيا يوماً مكانه○

(ترمذی شریف، حدیث:735، ابوداؤد شریف حدیث:2457، مسند ابویعلیٰ، جلد 4، ص:49، حدیث:4637، مسند احمد، جلد 6، ص:263، سنن الکبریٰ للبیہقی، جلد 4، ص:280، موطا امام مالک، جلد دوئم، ص:179، حدیث:688، مصنف عبدالرزاق، جلد 4، ص:276، حدیث:7790، فتح الباری، جلد 4، ص:212، مصنف ابن ابی شیبہ، جلد سوئم، ص:29)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے اور حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نفلی روزہ کی حالت میں صبح کی۔ تو ہمیں بطور ہدیہ کچھ کھانے کے لیے دیا گیا۔ تو ہم نے روزہ افطار کر دیا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کی جگہ ایک دن روزہ کی قضاء کرو۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو شخص نفلی روزہ رکھ کر توڑ دے تو اس پر اس دن کی قضاء واجب ہے۔

اعتراض:

علماء محدثین نے اس حدیث کو مطعون قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ امام زہری کا عروہ سے سماع ثابت نہیں۔ جیسا کہ مصنف عبدالرزاق نے لکھا ہے کہ امام زہری نے کہا میں نے عروہ سے اس کے متعلق کچھ بھی نہیں سنا۔ لیکن مجھے کسی انسان نے جس نے

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا۔ اس شخص نے خلافت سلیمان میں مجھ سے یہ حدیث بیان کی۔ لہٰذا یہ حدیث مطعون ہے۔

اس اعتراض کا جواب:

اگرچہ یہ حدیث موصولاً مطعون ہے کہ امام زہری نے عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس حدیث کو نہیں سنا۔ لیکن مرسلاً تو یہ حدیث صحیح ہے۔ امام مالک، عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ نے مرسلاً اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

ابو عیسیٰ ترمذی فرماتے ہیں: کئی حفاظ حدیث نے امام زہری سے اور انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس حدیث کو مرسلاً روایت کیا ہے اور مرسلاً یہ حدیث صحیح ہے۔

امام ذھبی رحمۃ اللہ علیہ نے ارقام فرمایا:

وروىٰ مالك وجماعة حفاظ عن الزهرى قال بلغنى أن عائشة وحفصة أصبحتا صائمتين ۝ متطوعتين فأهدى لهم طعام فافطرتا عليه ۝ فقال النبى صلى الله عليه وآله وسلم اقضيا يوماً مكانه ۝ (میزان الاعتدال، جلد دوئم، ص:167، ترجمہ:3311)

حدیث کا ترجمہ وہی ہے جو اس سے پہلے مذکور ہو چکا۔ تو امام ذھبی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے ثابت ہوا کہ اس حدیث کو امام زہری سے مرسلاً حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ اور مرسلاً یہ حدیث صحیح ہے۔

اس طرح حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ اس کے لفظ یہ ہیں:

"**أتفق الثقات علىٰ أرساله**" (فتح الباری، جلد 4، ص:212)

یعنی ثقات کا اس حدیث کے مرسل ہونے پر اتفاق ہے۔

اور اس طرح امام بیہقی نے بھی ارقام فرمایا کہ یہ حدیث مرسلاً صحیح ہے۔ چنانچہ احناف کے نزدیک حدیث مرسل قابل حجت ہے اور حدیث مرسل پر حفاظ حدیث اور ثقات کا اتفاق کہ یہ حدیث مرسل اور صحیح ہے۔

ثانیاً:

یہ کہ یہ حدیث موصولاً بھی مروی ہے۔ ابن حبان نے "صحیح" میں اس کو روایت کیا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

۝ عن يحيىٰ بن سعيد عن عمرة عن عائشة قالت أصبحت أنا وحفصة صائمتين ۝ متطوعتين فاهدى لنا طعام فافطرنا فقال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم صوما مكانه يوماً آخر ۝

(صحیح ابن حبان، جز5، ص:211، حدیث:3508، مطبوعہ دار الفکر)

یحییٰ بن سعید نے عمرہ (بنت عبدالرحمٰن) سے انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا۔ ام المؤمنین نے فرمایا: میں نے اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس حالت میں صبح کی کہ ہم دونوں

نے نفلی روزہ رکھا ہوا تھا۔ ہمیں بطور ہدیہ کچھ طعام آیا تو ہم نے روزہ افطار کرلیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس دن کے عوض دوسرے دن کا روزہ رکھو۔

چنانچہ یہ حدیث موصول ہے کہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن جو کہ صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے موصولاً روایت کیا۔ کیونکہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن کا ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سماع ثابت ہے جس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔

تو اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو شخص نفلی روزہ توڑ کر دے تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس روزہ کی قضاء کرے۔ اور یہی اَحناف کا مذہب ہے۔

○ عن خصيف عن عكرمه عن ابن عباس أن حفصة وعائشة أصبحتاصائمتين فأهدى لهما طعام فافطرتا فأمرهما النبى صلى الله عليه وآله وسلم أن تقضيا يوماً مكانه○

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت حفصہ اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روزہ کی حالت میں صبح کی۔ تو ان دونوں کے لیے ہدیہ کا طعام پیش کیا گیا۔ تو ان دونوں نے روزہ افطار کر دیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو اس کی جگہ ایک دن کا روزہ قضاء کرنے کا حکم دیا۔

○ عن ابى سعيد الخدرى○ ان عائشة وحفصة أصبحتا صائمتين فاهدى لهما طعام فدخل النبى صلى الله عليه وآله وسلم وهما تاكلان فقال الم تصبحا صائمتين قالتابلى ○ قال أقضيا يوماً مكانه ولا تعودا○

(جامع الاحکام للجصاص حنفی، جلد اوّل، ص:287)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روزہ کی حالت میں صبح کی۔ ان کی خدمت میں کھانے کا تحفہ لایا گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر تشریف لائے تو وہ دونوں کھانا کھا رہی تھیں تو آپ نے فرمایا: کیا تم دونوں نے روزہ نہیں رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: اس کی جگہ ایک دن کا روزہ قضاء کرو اور آئندہ ایسا نہ کرنا۔

○ عن انس بن سيرين أنه صام يوم عرفة فعطش عطشا شديداً فافطر فسأل عدة من أصحاب النبى صلى الله عليه وآله وسلم فامروه أن يقضى يوماً مكانه○

انس بن سیرین سے روایت ہے کہ انہوں نے عرفہ کے دن کا روزہ رکھا اور ان کو سخت پیاس لگی تو روزہ افطار کر دیا۔ تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس کے متعلق پوچھا۔ تو انہوں نے اس کے عوض ایک دن کا روزہ قضاء کرنے کا حکم دیا۔

○ عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال "یقضی یوماً مکانه"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: (جو شخص روزہ نفلی رکھ کر افطار کردے) تو وہ اس کے بدلہ میں ایک دن کا روزہ قضاء کرے۔

○ عن عطاء ومجاهد انهما كانا أذا زارا رجلا او دعيا ألى طعام وهما صائمان أن سالهما أن يفطرا ○ أخطرا و كان يقولان فقضی یوماً مکانه ○

ان تینوں حدیثوں کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، جلد سوئم، ص: 29،30)

حضرت عطاء بن ابی رباح اور مجاہد بن جبر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ وہ دونوں جب کسی شخص کی ملاقات کے لیے جاتے یا انہیں کھانے کی دعوت دی جاتی اور وہ روزہ دار ہوتے۔ اگر ان دونوں کو کوئی روزہ افطار کرنے کا کہتا تو وہ روزہ افطار کر دیتے۔ اور وہ دونوں فرماتے تھے۔ اس کے عوض ایک دن کا روزہ قضاء کرے۔

چنانچہ یہ احادیث وآثار جو کئی طرق سے مروی ہیں اور بعض طرق میں نفلی روزوں کا ذکر ہے۔ اور بعض میں نفلی روزہ کا ذکر نہیں۔ لیکن ان سب کے متعلق روزہ قضاء کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص نفلی روزہ یا نفل نماز میں داخل ہو گیا اگر وہ شخص کسی عذر کی بنا پر یا بلا عذر اس سے باہر نکل آیا یعنی اس نے روزہ کو یا نماز کو توڑ دیا تو اس کے عوض اس کی قضاء واجب ہے اور وجوب قضاء پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث بھی دلالت کرتی ہے اور وہ حدیث یہ ہے:

○ عن محمد بن سيرين عن ابی هريرة رضی الله عنه قال ○ قال رسول الله صلی الله عليه وآله وسلم من ذرعه قيی وهو صائم فليس عليه قضاء وأن استقاء فليقض ○

(ترمذی شریف، حدیث: 720)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس کو قے آئی اور وہ روزہ دار ہے اس پر روزہ کی قضاء نہیں اور اگر اس نے جان بوجھ کر قے کی تو چاہئے کہ وہ روزہ قضاء کرے۔

اس حدیث مبارک میں نفلی روزہ دار پر قضاء کے واجب ہونے کی دلیل ہے۔ وہ اس طرح کہ جب کسی روزہ دار نے جان بوجھ کر قے کی تو اس کا روزہ ٹوٹ گیا اس پر قضاء واجب ہے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نفلی روزہ رکھنے والے اور جو شخص فرض روزہ رکھتا ہے ان کے درمیان تفریق نہیں فرمائی۔ تو جب نفلی روزہ دار نے جان بوجھ کر قے کی تو اس کا روزہ ٹوٹ گیا لہٰذا اس پر بحکم حدیث قضاء واجب ہے۔

چنانچہ ان احادیث وآثار سے مذہب احناف کی حقانیت روز روشن کی طرح عیاں اور ظاہر ہو گئی کہ نفل روزہ یا نفل نماز

توڑنے والے پر اس کے عوض قضاء واجب ہے جو قرآن وسنت سے ثابت ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

ان احادیث وآثار کے علاوہ علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ صحیح بخاری کی شرح عمدۃ القاری میں چند احادیث مبارکہ نقل کی ہیں۔ وہ احادیث یہ ہیں:

○ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جس کو امام عقیلی نے ''تاریخ الضعفاء'' میں ترجمہ محمد ابن ابی سلمہ مکی کے تحت تخریج کیا:

عن محمد ابن أبی سلمة عن محمد بن عمرو عن أبی سلمة عن ابی هريرة رضی الله عنه قال أهديت لعائشة وحفصة هدية وهما صائمتان فاكلتا منها فذكر تالرسول الله صلی الله عليه وآله وسلم فقال اقضيا يوماً مكانه○

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا ام المؤمنین حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حضور ہدیہ پیش کیا گیا۔ اور وہ دونوں روزہ دار تھیں۔ انہوں نے اس سے کھایا اور ان دونوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا تم دونوں اس دن کے عوض ایک دن روزہ کی قضاء کرو۔

○ حدیث ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس کو دارقطنی نے ''افراد'' میں رایت کیا:

عن الحسن عن امه○ عن ام سلمة رضی الله تعالیٰ عنها أنها صامت يوماً تطوعاً فأفطرت فامرها رسول الله صلی الله عليه وآله وسلم أن تقضی يوماً مكانه○

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک دن نفلی روزہ رکھا اور اس کو افطار کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس کی جگہ دوسرے دن روزہ قضاء کرنے کا حکم دیا۔

○ حدیث جابر رضی اللہ عنہ جس کو دارقطنی نے ہی ''افراد'' میں روایت کیا:

عن محمد بن المنكدر عن جابر رضی الله عنه ○ قال صنع رجل من أصحاب النبی صلی الله عليه وآله وسلم طعامًا فدعا النبی صلی الله عليه وآله وسلم واصحابه له○ فلما أتی بالطعام تنحی احدهم فقال له صلی الله عليه وآله وسلم مالك فقال انی صائم فقال صلی الله عليه وآله وسلم تكلف لك أخوك وصنع ثم تقول انی صائم○ كل وصم مكانه○

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک آدمی نے کھانا تیار کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو کھانے کی دعوت دی۔ چنانچہ جب کھانا مہمانوں کے سامنے رکھا گیا تو ان میں سے ایک شخص پیچھے ہٹ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے فرمایا: تجھے کیا ہوا ہے۔ تو اس نے جواب عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں نے روزہ رکھا ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تیرے بھائی نے بڑے تکلف سے تیرے لیے کھانا

پکایا ہے پھر تو کہتا ہے میں نے روزہ رکھا ہوا ہے۔آپ نے فرمایا: کھانا کھاؤ اور اس کے بدلہ میں روزہ قضاء کرو۔

- امام طحاوی نے حدیث سعید بن ابوالحسن سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ان کے اصحاب نے خبر دی کہ انہوں نے روزہ رکھا پھر ہمارے پاس تشریف لائے اور آپ کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔آپ کے اصحاب نے عرض کیا کیا آپ نے روزہ نہیں رکھا ہوا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جی ہاں۔لیکن میں اپنی لونڈی کے پاس سے گزرا تو اس نے مجھے فریفتہ کرلیا اور وہ خوبصورت تھی میں نے اس سے جماع کرلیا۔اب میں روزہ کسی دوسرے دن قضاء کروں گا۔
- ابن حزم نے ''المحلی'' میں وکیع بن جراح کے طریق سے روایت کیا۔انہوں نے سیف بن سلیمان مکی سے روایت کیا کہ ایک دن، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس تشریف لائے اور فرمایا میں نے صبح روزہ رکھا تھا۔میں اپنی لونڈی کے پاس سے گزرا تو میں اس پر واقع ہوا (جماع کیا) تمہارا اس کے متعلق کیا خیال ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے حلال کو پایا ہے اور اس کے عوض ایک دن کا روزہ قضاء کرو۔تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اے علی رضی اللہ عنہ! تم ان سب سے اچھا فتویٰ دیتے ہو۔

چنانچہ وجوب قضاء کے متعلق حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، علی المرتضیٰ، ابن عباس، جابر بن عبداللہ انصاری، ام المومنین حضرت عائشہ وحفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔یعنی ان سب حضرات گرامی سے یہی مروی ہے کہ جو شخص نفلی روزہ توڑ دے اس پر اس روزہ کی قضاء ہے۔اور حضرت حسن بصری اور سعید بن جبیر کا بھی یہی قول ہے۔اور امام ابوحنیفہ، امام مالک، ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا بھی یہی مذہب ہے۔اور مجاہد، طاؤس، عطاء، ثوری، شافعی، احمد اور اسحاق رحمہم اللہ تعالیٰ کا مذہب یہ ہے کہ نفلی روزہ رکھنے والا جب کسی عذر یا بلا عذر روزہ کو افطار کردے اس پر قضاء نہیں۔البتہ اگر وہ پسند کرے تو روزہ قضاء کرے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور حضرت سلمان فارسی اور ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہی مروی ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، جلد 11، ص: 79،78)

لہٰذا حضرت علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ اکثر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک اس روزہ کی قضاء واجب ہے۔

اور جو حضرات علماء کرام روزہ کی قضاء کے وجوب کے قائل نہیں وہ بھی یہ کہتے ہیں اگر وہ شخص روزہ کی قضاء کو پسند کرتا ہے تو وہ روزہ قضاء کرے اس میں کوئی حرج نہیں۔اور احناف و مالکیہ کے نزدیک اس شخص پر روزہ کی قضاء واجب ہے۔واللہ اعلم بالصواب۔

صوم وصال کا بیان:

وصال، وصل سے ہے۔اس کا معنی ہے ''وصل الشیئ بالشئ'' ''ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ جوڑنا، ملانا، اور اس

سے ہے "واصل الشیئ وفی الشیئ" یعنی ہمیشہ کرنا، لگاتار کرنا۔ اس لیے علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے وصال کا یہ معنی کیا ہے:

وحقیقۃ الوصال ھو ان یصل صوم یوم بصوم یوم آخر من غیر أکل وشرب بینھما ھذا ھو الصواب فی تحقیق الوصال ○ (عمدۃ القاری، جلد 11، ص: 73)

صومِ وصال یہ ہے کہ وہ ایک دن کے روزہ کو دوسرے دن کے روزہ سے اسطرح ملائے کہ ان دونوں کے درمیان کھانا، پینا وغیرہ نہ ہو۔ اور تحقیق وصال میں یہی صحیح اور درست ہے۔

صوم وصال کے متعلق احادیث:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روزہ وصال کے متعلق جو باب قائم فرمایا وہ یہ ہے:

باب الوصال ○ ومن قال لیس فی اللیل صیام لقولہ تعالیٰ "ثم أتموا الصیام الیٰ اللیل" ونھی النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم عنہ رحمۃ لھم وابقاء علیھم وما یکرہ من التعمق ○

یہ باب پے در پے متواتر روزے رکھنے کے بیان میں ہے۔ اور جس نے کہا رات کو روزہ نہیں بوجہ اللہ عزوجل کے فرمان کے: "پھر رات تک روزہ پورا کرو۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے لیے رحمت اور لوگوں کی طاقت باقی رکھنے کے لیے روزۂ وصال سے منع فرمایا۔ (اور مراد یہ ہے کہ ان کے ابدان کو ان کی قوت پر باقی رکھنے میں ان کی حفاظت ہے) اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: تکلیف مالایطاق کو ناپسند سمجھا گیا ہے۔

حافظ عسقلانی، علامہ بدرالدین عینی اور امام قسطلانی رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول: "ومن قال لیس فی اللیل صیام لقولہ عزوجل ثم أتموا الصیام الیٰ اللیل" گویا کہ یہ حدیث ابوسعید الخیر کی طرف اشارہ ہے۔ یہ وہ حدیث ہے جس کو ترمذی میں "الجامع" میں ذکر کیا اور "علل المفرد" میں اس حدیث کو موصولاً روایت کیا اور اس حدیث کو ابن سکن وغیرہ نے "الصحابہ" میں اور دولابی وغیرہ نے "الکنی" میں تخریج کیا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

"ان اللہ لم یکتب الصیام باللیل ○ فمن صام فقد تعنی ولا أجر لہ ○"

اللہ عزوجل نے رات کا روزہ فرض نہیں کیا اور جس نے رات کا روزہ رکھا اس نے اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا۔ اور اس کو اس روزہ کا ثواب نہیں ملے گا۔ اسی معنی میں بشیر بن خصاصیہ کی حدیث ہے۔ جس کو احمد، طبرانی، سعید بن منصور، عبد بن حمید اور ابن ابی حاتم نے بشیر بن خصاصیہ کی بیوی لیلیٰ تک باسناد صحیح اپنی تفسیر میں تخریج کیا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

○ عن عبد اللہ بن ایاد بن لقیط عن ابیہ عن لیلیٰ امراۃ بشیر قالت کنت اصوم فاواصل

فنهانی بشیر وقال ○ أن رسول الله صلی الله علیه وآلہٖ وسلم نهانی عن هذا قال انما یفعل ذالك النصاری○ ولکن صومی کما أمر الله عزوجل ثم أتمی الصیام الی اللیل فاذا کان اللیل فافطری○

(معجم کبیر للطبرانی، جلد دوئم، ص:44، حدیث:1231، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی، مسند احمد، جلد 4، ص:436، مکتبہ ادارہ احیاء السنہ، گوجرانوالہ)

لیلیٰ (جهدمه) بشیر بن خصاصیہ کی بیوی سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں روزہ وصال رکھتی تھی تو مجھے میرے شوہر بشیر بن خصاصیہ نے منع فرمایا۔ اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: یہ تو صرف نصاری کرتے ہیں۔ لیکن اے لیلیٰ! تم اس طرح روزہ رکھو جس طرح اللہ عزوجل نے حکم فرمایا ہے۔ پھر روزہ کو رات تک پورا کرو۔ اور جب رات ہو جائے تو تم روزہ افطار کرلو۔

ابوعیسیٰ ترمذی نے "باب ماجاء فضل الصوم" کی حدیث کے تحت لکھا ہے، بشیر کا نام زخم بن معید تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کا نام بشیر رکھا۔ اور خصاصیہ ان کی والدہ کا نام ہے۔

صاحب مجمع نے جلد سوئم، ص:158 میں لکھا ہے۔ اس حدیث کے رجال، صحیح کے رجال سے ہیں۔ اور اس جلد ص:199 پر لکھتے ہیں۔ لیلیٰ صحابیہ ہے۔ اور اس کا نام جهدمه ہے۔

(عمدۃ القاری، جلد 11، ص:71، ارشاد الساری، جلد 4، ص:597، فتح الباری، جلد 4، ص:202، 203)

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر یہ احادیث صحیح ہیں تو وصال کا اصلاً کوئی معنی نہیں اور نہ ہی روزہ وصال میں ثواب ہے۔ اور یہ احادیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فعل کے متعلق (یعنی آپ روزہ وصال رکھتے تھے) احادیث صحیحہ کے خلاف کی متقاضی ہیں۔ اگرچہ راجح قول یہی ہے کہ روزہ وصال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔ اور امت کے لیے اس کی ممانعت ہے۔

○ عن انس رضی الله عنه عن النبی صلی الله علیه وآلہٖ وسلم ○ قال ○ لا تو اصلوا قالوا انك تواصل○ قال لست کاحدمنکم○انی أطعم وأسقی○ أو أبیت أطعم وأسقی○

(بخاری شریف، کتاب الصوم، حدیث:1961، ترمذی شریف، حدیث:778)

ابوعیسیٰ ترمذی نے کہا۔ اس باب میں حضرت علی، ابوہریرہ، عائشہ، عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ، ابوسعید خدری، بشیر بن خصاصیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ اور حدیث انس حدیث حسن، صحیح ہے۔ بعض اہل کے نزدیک اسی پر عمل ہے۔ کہ وہ روزوں میں وصال کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ وہ کئی دن وصال کا روزہ رکھتے اور افطار نہیں کرتے تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تم روزہ وصال نہ رکھو۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ وصال کے روزے رکھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تم میں سے کسی کی بھی مثل نہیں ہوں۔ مجھے کھلایا اور پلایا جاتا ہے۔

راوی کا شک ہے آپ نے اس طرح فرمایا: میں رات گزارتا ہوں اس حالت میں کہ مجھے کھلایا پلایا جاتا ہے۔

اس حدیث مبارک سے روزہ وصال کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ان احادیث کے مجموعہ سے (یہ احادیث رقم 1962، حضرت عبداللہ بن عمر سے، حدیث: 1963، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے، حدیث: 1964۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہیں اور اس طرح یہ احادیث مسلم شریف بمع نووی، جلد اوّل، ص: 351، 352، میں بھی موجود ہیں)۔

علماء کرام نے یہ استدلال کیا ہے کہ صومِ وصال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔ اور غیر کے لیے صومِ وصال ممنوع ہے۔ البتہ جس کے لیے سحری تک ترفیص کا اذن ثابت ہے۔

پھر منع مذکور میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک یہ ممانعت مکروہ تحریمی ہے۔ بعض کے نزدیک یہ ممانعت مکروہ تنزیہی ہے۔ اور بعض کے نزدیک جس کو روزہ وصال مشقت میں ڈالے اس کے لیے حرام ہے اور جس پر یہ روزہ وصال باعث مشقت نہیں اس کے لیے یہ جائز ہے۔

اور سلف کا اس میں اختلاف ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے اس کی تفصیل منقول ہے۔

(فتح الباری، جلد 4، ص: 204، 205، مکتبہ والمعرفہ بیروت)

○ عن ابی نوفل بن ابی عقرب قال دخلت علی ابن الزبیر صبیحة خمسة عشر من الشهر وهو مواصل ○ (مصنف ابن ابی شیبہ، جلد سوئم، ص: 84)

ابونوفل بن ابی عقرب سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں مہینہ کی پندرھویں کی صبح کو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس گیا اور وہ وصال کا روزہ رکھے ہوئے تھے۔ اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔

اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اس طرف گئے ہیں۔ ان میں سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ بھی ہے۔ جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔

○ وكيع عن حماد بن مسلمة عن بشر بن حرب عن ابی سعید قال سمعته یقول نهی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم عن الوصال ○ وهذا أختی تو اصل وأنا أنهاها ○

(مصنف ابن شیبہ، جلد سوئم، ص: 82)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ

وصال سے منع فرمایا ہے۔ اور یہ میری ہمشیرہ وصال کے روزے رکھتی ہے اور میں ان کو منع کرتا ہوں۔
اور تابعین میں سے عبدالرحمٰن بن ابی انعم، عامر بن عبداللہ بن زبیر، ابراہیم بن زید تیمی اور ابوالجوزاء (اوس بن عبداللہ) بھی وصال کے روزے رکھتے تھے۔

○ عن فضل بن دکین عن بکر بن عامر قال کان ابن أبی أنعم یواصل خمسة عشر یوما حتی تعوده○ (مصنف ابن ابی شیبہ، جلد سوئم، ص: 84)

فضل بن وکین نے بکر بن عامر سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا عبدالرحمٰن بن ابی انعم پندرہ دن تک وصال کے روزے رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ پھر ان کا اعادہ کرتے۔

○ عن نوح بن قیس قال حدثنا سلیمان بن علی أن أبا الجوزاء کان یواصل سبعة ایام وسبع لیال○ (حلیة الاولیاء، جلدسوئم، ص: 79، ترجمہ: 212، مطبوعہ دار الفکر)

سلیمان بن علی سے روایت ہے۔ انہوں نے ابوالجوزاء (اوس بن عبداللہ) سات دن اور سات راتیں وصال کا روزہ رکھتے تھے۔

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ سب حضرات روزہ وصال رکھتے تھے۔ ان کی دلیل یہ حدیث مبارک ہے:

○ عن ابی هریرة رضی الله عنه قال نهی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم عن الوصال فی الصوم فقال له رجل من المسلمین انك تواصل یا رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم قال وایکم مثلی انی ابیت یطعمنی ربی ویسقین ○ فلما أبو أن ینتهوا عن الوصال ○ واصل بهم یوماً ثم یوماً ثم راو الهلال فقال لو تأخر لزدتکم کالتنکیل لهم حسین أبوا أن ینتهوا○

(بخاری شریف، حدیث: 1965، مسلم شریف بمع نووی، جلد اول، ص: 351،)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! نے روزہ میں وصال سے منع فرمایا۔ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ تو متواتر روزے رکھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے میری مثل کون ہے۔ میں رات گزارتا ہوں تو مجھے میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے۔ تو جب انہوں نے متواتر روزہ رکھنے پر اصرار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ دو دن متواتر روزے رکھے پھر انہوں نے چاند دیکھ لیا (یعنی مہینہ ختم ہوگیا) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر چاند مؤخر ہوتا (یعنی مہینہ ختم نہ ہوتا) تو میں ان کو سزا دینے کے لیے ان کے ساتھ زیادہ روزے رکھتا جبکہ انہوں نے وصال کا روزہ رکھنے پر اصرار کیا۔

اس حدیث میں دلیل ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ نہی کے بعد

روزہ وصال رکھا۔ اگر نہی سے مراد کراہت تحریمہ ہوتی تو آپ اس فعل پر ان کی تقریر نہ فرماتے۔

اور اکثر روزہ وصال کے مکروہ تحریمی ہونے کی طرف گئے ہیں۔ اور شافعیہ سے ان میں دو وجہیں ہیں۔ تحریم اور کراہت۔ اسی طرح امام نووی نے اس پر اقتصار فرمایا۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہمارے اصحاب کا وصال سے ممانعت پر اتفاق ہے۔ امام شافعی اور ہمارے اصحاب نے کراہت کو بیان فرمایا ہے۔ اور ہمارے اصحاب کی کراہت میں دو وجہیں ہیں۔ اور ان دونوں میں سے اصح کراہت تحریمہ ہے اور دوسری وجہ کراہت تنزیہی ہے۔ (مسلم شریف بمعہ نووی، جلد اوّل، ص: 351)

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ آخر میں لکھتے ہیں کہ دلائل جواز میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ نہی کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا روزہ وصال پر اقدام یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ممانعت سے مراد نہی تنزیہی لیا ہو، نہ کہ مکروہ تحریمی۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نہی تنزیہی مراد نہ لیتے تو کبھی بھی روزہ وصال پر اقدام نہ کرتے۔

اور احناف کے نزدیک روزہ وصال مکروہ تنزیہی ہے جو کہ صحیح اور احادیث سے مستفاد ہے۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری، جلد گیارہ، ص: 72 میں فرماتے ہیں:

قولہ "لا تواصلوا"۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان: وصال نہ کرو۔ یعنی وصال کے روزے نہ رکھو۔ اور نہی کا ادنیٰ درجہ کراہت کا متقاضی ہے۔

لیکن علماء کرام نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ یہ کراہت تنزیہی ہے یا تحریمہ۔

امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ظاہر کلام سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ روزہ وصال مکروہ تحریمی ہے۔ اور صاحب "مفہم" نے ایک جماعت سے حکایت کیا روزہ وصال حرام ہے۔ اور یہ اہل ظاہر کا مذہب ہے۔

اور جمہور۔ امام مالک، شافعی، ابوحنیفہ، ثوری اور اہل فقہ میں سے ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ روزہ وصال مکروہ تنزیہی ہے۔ اور دوسرے لوگ وصال کے جواز کی طرف گئے ہیں جو کہ روزہ وصال کی قوت رکھتا ہو۔ اور جمہور اس طرف گئے ہیں کہ روزہ وصال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں سے ہے۔ کیونکہ آپ نے فرمایا: "لست کاحدمنکم" میں تم سے کسی کی مثل نہیں۔ اور یہ تخصیص پر دلالت کرتا ہے۔

علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری، مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزہ میں وصال سے منع فرمایا ہے۔ متفق علیہ۔

اور روزہ وصال سے نہی میں حکمت یہ ہے کہ وصال ضعف اور ملال کو پیدا کرتا ہے۔ اور دیگر عبادات وغیرہ کی ادائیگی سے محدود کر دیتا ہے۔

اور بعض کے نزدیک نہی تحریم کے لیے ہے۔ اور بعض کے نزدیک تنزیہی کے لیے ہے۔ قاضی عیاض نے فرمایا: ظاہر اوّل ہے۔ یعنی نہی تحریمی۔ اور نہی تنزیہی کی امام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت مؤید ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو روزہ وصال سے اس لیے منع فرمایا تاکہ یہ ان کے لیے رحمت اور ان کی طاقت کو باقی رکھتا ہے۔ مراد وہی ہے کہ ان کی جسمانی طاقت باقی رہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ، جلد 4، ص: 250، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

یطعمنی ربی ویسقینی کا معنی:

اس کے معنی میں علماء کا اختلاف ہے۔ حافظ عسقلانی اور امام زرقانی رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: بعض کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان: ''مجھے میرا رب ہی کھلاتا اور پلاتا ہے''، یہ اپنی حقیقت پر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ماہ رمضان کی راتوں میں اللہ عزوجل کی طرف سے جو کھانا اور پینا دیا جاتا ہے یہ آپ کی کرامت ہے۔ ابن بطال اور اس کے متبعین نے اس کا تعاقب کرتے ہوئے کہا اگرچہ اس طرح ہے کہ اللہ عزوجل کی طرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رمضان کی راتوں میں کھانا اور پینا دیا جاتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصال کرنے والے نہیں۔ اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان: ''یظل'' اس کھانے، پینے کے دن میں واقع ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اگر کھانا، پینا حقیقتاً ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روزہ دار نہیں۔

ابن بطال کے اعتراض کا جواب اوّل:

روزہ وصال کے متعلق روایات سے راجح لفظ ''ابیت'' ہے نہ کہ ''اَظل'' ہے اور ''ظل'' صرف اس شخص کے متعلق کہا جاتا ہے جو کام وہ دن میں کرے۔ اور ''بات'' اس شخص کے متعلق کہا جاتا جو کام وہ رات کو کرے۔ چنانچہ روزہ وصال کی اکثر روایات میں لفظ ''ابیت'' ہی مستعمل ہے۔ اس لیے یہ اعتراض صحیح نہیں ہے۔ اور لفظ ''اظل'' کے ثبوت کی تقدیر پر کھانے اور پینے کو مجاز پر محمول کرنا اس کے لیے لفظ ''اَظل'' کو مجاز پر محمول کرنے سے اولیٰ نہیں ہے۔ اور دن کے وقت کھانے اور پینے کا نازل ہونا اس میں کوئی ضرر نہیں ہے۔ اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنت سے جو طعام وشراب وغیرہ علی سبیل الکرامہ دیا گیا اس پر مکلفین کے احکام جاری نہیں ہوتے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب اطہر کو سونے کے تھال میں غسل دیا گیا باوجود اس کے کہ دنیاوی سونے کے برتنوں کا استعمال حرام ہے۔

جواب دوئم:

ابن منیر نے حاشیہ میں کہا جو چیز شرعاً مفطر ہے وہ معتاد طعام وغیرہ ہے۔ البتہ خارق عادت طعام وغیرہ جیسے کوئی چیز جنت سے حاضر کی جائے۔ اس سے شرعاً روزہ افطار نہیں ہوتا۔ اور ایسی چیز کا ایک دوسرے کو دینا جنسِ اعمال سے نہیں بلکہ وہ جنس ثواب سے ہے جیسے اہل جنت کا جنت میں کھانا، پینا وغیرہ اور کرامت عبادت کو باطل نہیں کرتی۔ اور ابن بطال کے علاوہ دیگر

لوگوں نے کہا طعام وشراب کا حقیقت پر محمول کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے۔ اور اس سے کوئی چیز لازم نہیں آتی۔'' جیسا کہ ابن بطال نے کہا ہے'' بلکہ روایت صحیحہ ''ابیت'' ہے اور اس چیز سے رات کے وقت کھانا پینا جو جنت سے دی گئی ہے وہ وصال کو منقطع نہیں کرتی۔ بلکہ اس سے آپ کی خصوصیت ثابت ہوتی ہے۔ گویا کہ جب آپ سے کہا گیا کہ آپ وصال کے روزے رکھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں اس میں تمہاری صفت پر نہیں ہوں کہ تم میں سے جو شخص کھائے، پیئے اس کا وصال منقطع ہو جاتا ہے۔ بلکہ میرا رب ہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور اس سے میرا روزہ وصال رکھنا منقطع نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ میرا طعام وشراب صورۃً ومعنیً تمہارے طعام وشراب کے علاوہ ہے۔

زین بن مغیرہ نے کہا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس حالت میں کھانا، پینا یہ اس پر محمول ہے کہ جیسے سونے والے کا حال ہے جس کو خواب میں کھانے اور پینے کے ساتھ سیر ہونا اور سیراب ہونا حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ ہمیشہ اس حال میں رہتا ہے حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جاتا ہے اور اس کے اس کا روزہ باطل نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کا وصال منقطع ہوتا ہے اور نہ ہی اس کا اجر وثواب کم ہوتا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھانے، پینے کو آپ کے احوال شریفہ میں حالت استغراق پر محمول سمجھا جائے۔ حتیٰ کہ آپ میں اس وقت احوال بشریہ میں سے کوئی چیز بھی اثر نہیں کرتی۔

جمہور کا قول:

جمہور نے کہا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان: ''**یطعمنی ویسقینی**'' لازم طعام وشراب سے مجاز ہے اور وہ قوت ہے گویا کہ آپ نے فرمایا مجھے کھانے والے اور پینے والے کی قوت عطا کی جاتی ہے۔ اور اللہ عزوجل مجھ پر وہ چیز بہاتا ہے جو کہ کھانے اور پینے کے قائم مقام بن جاتی ہے۔ اور مجھے مختلف عبادات پر قوتِ ضعف اور احساس میں تھکان کے بغیر قوت عطا فرماتا ہے۔

یا اس کا معنیٰ یہ ہے اللہ عزوجل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سیر اور سیراب ہونا پیدا فرما دیتا ہے جو آپ کو کھانے اور پینے سے مستغنی کر دیتا ہے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھوک اور پیاس محسوس نہیں فرماتے تھے۔

اور پہلا قول راجح ہے کہ مجھے کھانے اور پینے والے کی قوت عطا کی جاتی ہے۔

کھلانے اور پلانے کا ایک اور معنیٰ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان: ''مجھے میرا رب ہی کھلاتا اور پلاتا ہے'' اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ مجھے اس کی عظمت میں تفکر کرنا۔ اس کے مشاہدہ سے نفع حاصل کرنا۔ اس کے معارف کی غذا حاصل کرنا۔ اور اس کی مناجات میں مستغرق ہونا اور اس کی ذات کی طرف متوجہ ہونا۔ کھانے اور پینے سے مستغنی کر دیتا ہے۔ اور اس معنیٰ کی طرف ابن قیم کا میلان ہے۔ ابن قیم نے کہا کبھی کبھی یہ غذا، اجساد کی غذا سے اعظم ہوتی ہے۔ اور جس کا اس میدان میں ادنیٰ سا ذوق اور تجربہ ہے وہ

جانتا ہے کہ قلب وروح کی یہ غذا جسمانی کثیر غذا سے جسم کو مستغنی کر دیتی ہے۔ اور خاص کر کے وہ خوشی جس سے وہ اپنے مطلوب کے ساتھ مسرور ہوتا ہے اور اپنے محبوب کے ساتھ اپنے آنکھوں کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ اس سے اس کو جسمانی غذا کی ضرورت کا احساس نہیں ہوتا۔ (فتح الباری، جلد 4، ص:208-207، زرقانی علی المؤطا، جلد دوئم، ص:181، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اسم رب اور اسم ذات مقدسہ کی نفیس تشریح:

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے فرمان میں یہ کہا: ''یطعمنی ربی'' اور یہ نہیں فرمایا: ''یطعمنی اللہ'' چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسم رب کو اسم ذات مقدسہ سے پسند فرمایا۔ وہ اس لیے کہ اسم ربوبیت کی تجلی بہ نسبت تجلی الوہیت اپنے بندوں کے زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ تجلی عظمت بشر کو اس کی طاقت نہیں ہے۔ اور جو تجلی ربوبیت ہے وہ رحمت اور شفقت کی تجلی ہے اور اس مقام میں یہی زیادہ لائق ومناسب تھا چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسم رب کو اسم ذات مقدسہ سے زیادہ پسند فرمایا۔ اور اس مقام میں اسم ذات مقدسہ پر اسم ربوبیت کو ترجیح دی۔

سحری تک وصال کا جواز:

○ عن ابی سعید رضی اللہ عنہ انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول ○ لا تواصلوا○ فایکم اذا أراد أن یواصل○ فلیواصل حتی السحر ○ قالوا فانک تواصل یا رسول اللہ ○ قال أنی لست کھیئتکم انی أبیت لی مطعم یطعمنی○ وساق یسقین○

(بخاری شریف، رقم حدیث:1963، 1967)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، صَومِ وصال مت رکھو اور تم میں سے جو بھی صومِ وصال رکھنا چاہے تو وہ سحری تک روزہ رکھے۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ بھی تو صومِ وصال رکھتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔ میں اس حال میں رات گزارتا ہوں کہ مجھے کھلانے والا کھلاتا ہے اور پلانے والا پلاتا ہے۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اس حدیث مبارک میں اس شخص کا رد ہے جو کہتا ہے کہ غروب آفتاب کے بعد کھانے پینے سے رکنا جائز نہیں ہے۔

نیز فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''لست کھیئتکم'' یعنی میں تمہاری حالت اور صفت پر نہیں ہوں۔ اس لیے کہ تم میں سے جو شخص کھائے اور پیئے اس کا وصال ختم ہو جاتا ہے اور اس حال میں کہ میں رات گزارتا ہوں تو مجھے کھلانے والا کھلاتا ہے اور پلانے والا پلاتا ہے۔ چنانچہ میرا وصال اس سے منقطع نہیں ہوتا۔

صحیح ابن خزیمہ کی حدیث جو حدیث ابوسعید رضی اللہ عنہ کے معارض ہے:

○ عن عبیدة بن حمید عن الأعمش عن أبی صالح عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ قال ○ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم یواصل الی السحر ففعل بعض أصحابہ فنهاہ ○ فقال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم انک تفعل ذالک قال لستم مثلی أنی أظل عند ربی یطعمنی ویسقینی ○ (صحیح ابن خزیمہ، جلد سوئم، ص: 280، حدیث: 2072)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سحری تک روزہ وصال رکھتے تھے۔ تو آپ کے بعض اصحاب میں سے کسی نے سحری تک وصال کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے اس کو منع فرمایا۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ تو سحری تک وصال فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تم میری مثل نہیں ہو۔ میں اپنے رب کے حضور ہوتا ہوں وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

چنانچہ صحیح ابن خزیمہ کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے معارض ہے۔ کیونکہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تم میں سے جو کوئی بھی سحری تک صومِ وصال روزہ رکھنا چاہے تو ضرور یہ وصال کرے۔ لیکن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سحری تک وصال ممنوع ہے اس لیے کہ ایک صحابی نے سحری تک روزہ وصال رکھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو سحری تک روزہ وصال سے منع فرمایا۔ اب ان دونوں احادیث میں سے کون سی حدیث صحیح ہے۔

حافظ عسقلانی اور علامہ بدر الدین عینی رحمہما اللہ نے ان دونوں احادیث کے متعلق یہ ارقام فرمایا ہے:

حدیث ابن خزیمہ میں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال سحری تک مقید ہے۔ اس کے لفظ یہ ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سحری تک وصال فرماتے تھے۔ تو آپ کے بعض اصحاب نے بھی ایسا ہی کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو اس وصال سے منع فرمایا۔ اور ظاہر ہے یہ حدیث حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کے معارض ہے۔ کیونکہ حدیث ابو صالح جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کا مقتضیٰ سحری تک وصال سے ممانعت ہے۔ اور حدیث ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی محفوظ حدیث وہ ہے جس میں بلا قید سحری تک مطلقاً وصال سے ممانعت ہے۔ اس لیے تمام رواۃ کا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث پر اتفاق ہے۔

اور اس تقدیر پر کہ عبیدہ بن حمید کی روایت محفوظ ہے جس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سحری تک وصال کی ممانعت ثابت ہے تو ابن خزیمہ نے دونوں احادیث کے درمیان تطبیق دی ہے۔ وہ اس طرح کہ ہو سکتا ہے اولاً

وصال سے مطلق ممانعت ہو خواہ وہ ساری رات وصال کرے یا بعض تک۔ چنانچہ ابو صالح کی جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ اس پر محمول ہے۔ پھر ممانعت کو تمام رات سے خاص کیا گیا اور سحری تک وصال کو مباح فرمایا۔ حدیث حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اس پر محمول ہے۔ یا حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو کراہت تنزیہی پر محمول سمجھا جائے۔ اور حدیث حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ میں سحری سے مافوق وصال کو کراہت تحریمی پر محمول بنایا جائے۔ (عمدۃ القاری، جلد 11، ص: 76، فتح الباری، جلد 4، ص: 209)

کیا سحری تک وصال حقیقی ہے:

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ارقام فرماتے ہیں:

حضرت حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث مبارک کی وجہ سے امام احمد، اسحٰق، ابن منذر، ابن خزیمہ اور مالکیہ سے ایک جماعت سحری تک وصال کے جواز کی طرف گئی ہے۔ اور یہ وصال وہ ہے جس پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوتا جیسا کہ اس سے غیر یعنی حقیقی وصال پر مرتب ہوتا ہے۔ اور فی الحقیقت سحری تک وصال عشاء کے ہی قائم مقام ہے البتہ اس کو سحری تک موخر کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ دن اور رات کے روزہ دار نے ایک ہی دفعہ کھایا ہے اور جب اس نے یہ کھانا سحری کے وقت کھایا تو ایسا ہی ہے کہ اس نے اس کھانے کو اوّل رات سے آخر رات میں منتقل کر دیا۔ اور ایسا کرنا قیام لیل میں اس کے جسم کے لیے تخفیف ہے۔ اور یہ بھی کسی پر مخفی نہیں ہے کہ محل وصال بھی اس وقت ہے جب تک روزہ دار پر باعث مشقت نہ ہو ورنہ اس میں ثواب نہیں ہے۔ اور اکثر شافعیہ اس سے جدا ہیں کہ سحری تک کھانے، پینے وغیرہ سے رکنا وصال نہیں ہے بلکہ وصال یہ ہے کہ جس طرح پورا دن وہ کھانے، پینے سے باز رہا اس طرح وہ پوری رات بھی کھانے اور پینے سے باز رہے۔ اور صرف سحری تک رکنے پر وصال کا اطلاق صورت میں وصال کے مشابہت کی وجہ سے ہے۔ معلوم ہوا سحری تک وصال صورۃ وصال ہے حقیقتاً وصال نہیں۔ اور حقیقت وصال یہ ہے کہ وہ ایک دن کے روزہ کو دوسرے دن کے روزہ سے اس طرح ملائے کہ ان دونوں روزوں کے درمیان کھانا، پینا نہ ہو۔ اور تحقیق وصال میں یہ قول صحیح ہے۔

(فتح الباری، جلد 4، ص: 204، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

اعتکاف کے فضائل ومسائل

ولا تباشر وهن وأنتم عاكفون فی المساجد○ تلك حدود الله فلا تقربوها○ كذالك يبين الله آياته للناس لعلهم يتقون○

اور عورتوں کو ہاتھ نہ لگاؤ جب تم مسجدوں میں اعتکاف سے ہو۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں۔ ان کے پاس نہ جاؤ۔ اللہ یوں ہی بیان کرتا ہے لوگوں سے اپنی آیتیں کہ کہیں انہیں پرہیز گاری ملے۔

ابوبکر جصاص حنفی فرماتے ہیں:

ومعنى الاعتكاف فی اصل اللغة هو اللبث قال الله تعالىٰ ○ "ماهذه التماثيل التی انتم لها عاكفين" (سورۂ انبیاء، آیت:52) **وقال الله تعالىٰ○ "فنظل لها عاكفين"** (سورۂ شعراء، آیت:71)

ثم نقل فی الشرع الىٰ معان أخر مع اللبث لم يكن يتنا ولها فی اللغة○ الخ

(احکام القرآن، جلد اول، ص: 294، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اہل لغت میں اعتکاف کا معنی ٹھہرنا ہے۔ جیسا کہ قرآن معظم کی مذکورہ دو آیات سے ثابت ہے۔

پھر شرع میں اعتکاف کو ٹھہرنے کے ساتھ دوسرے معانی کی طرف نقل کر دیا گیا جو معانی لغت میں اس کو شامل نہیں ہیں۔ ان معانی میں سے یہ ہے کہ اعتکاف مسجد میں ہو۔ پھر یہ کہ وہ روزہ بھی رکھے اور ان معانی میں سے یہ بھی ہے کہ معتکف اصلاً جماع کو ترک کرے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ عزوجل کے حضور بنیت تقرب اعتکاف کرے۔ جب تک یہ معانی نہ پائے جائیں وہ معتکف نہیں ہوگا۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے روزہ ہے۔ کہ اصل لغت میں یہ امساک کا نام ہے۔ پھر اس میں دوسرے معانی کو زیادہ کیا گیا۔ اور جب وہ معانی نہ پائے جائیں وہ روزہ شرعاً امساک نہیں ہوگا۔

البتہ مسجد میں ٹھہرنے کی شرط خاص مردوں کے لیے ہے۔ عورتوں کے لیے نہیں۔ اور اعتکاف کا مسجد میں شرط ہونا اس کے متعلق اصل اللہ عزوجل کا فرمان ہے: "**ولا تباشر وهن وأنتم عاكفون فی المساجد**" چنانچہ اللہ عزوجل نے اعتکاف کا مسجد میں ہونا شرط قرار دیا ہے۔

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اعتکاف کا جو معنی ارقام فرمایا وہ یہ ہے:

والاعتكاف لغة لزوم الشيئ وجلس النفس عليها وشرعاً المقام في المسجد من شخص مخصوص على صفة مخصوصة۔

(فتح الباری، جلد 4، ص:271)

لغت میں اعتکاف کسی چیز کا لازم ہونا اور اس پر نفس کو روکنا ہے۔ اور شرعاً اعتکاف کا معنی یہ ہے کہ شخص مخصوص کا صفت مخصوصہ پر مسجد میں ٹھہرنا۔

علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اعتکاف کا یہ معنی کیا ہے:

لغت میں اعتکاف کا معنی مطلقاً ٹھہرنا ہے۔ اور کہا گیا ہے اعتکاف اور عکوف کسی چیز پر اور کسی مکان میں ٹھہرنا ہے اور لازم کرنا ہے۔

اور جو شخص مسجد کو لازم پکڑ لے اسے کہا جاتا ہے وہ عاکف اور معتکف ہے۔ اور شرع میں اعتکاف کا معنی ہے۔ اللہ عزوجل کی رضا کی خاطر مسجد میں قیام کرنا اور مسجد میں ٹھہرنا ہے۔

علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ الباری اعتکاف کا معنی یہ کرتے ہیں:

لغت میں اعتکاف کا معنی ہے کسی چیز پر اقامت اور اس پر نفس کو روکنا، بند کرنا، اور اسی طریق سے اللہ عزوجل کا فرمان ہے: ''وانتم عاكفون في المساجد'' اور اللہ عزوجل کا فرمان: ''ان طهرا بيتي للطائفين والعاكفين''۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا فرمان: ''يعكفون على اصنام لهم''۔

اور شرع میں اعتکاف کا معنی ہے شخص مخصوص کا صفت مخصوصہ کے ساتھ مسجد میں ٹھہرنا۔

اس آیہ مبارکہ کا شان نزول:

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

طبری وغیرہ نے قتادہ کے طریق سے اس آیہ مبارکہ کے سبب نزول میں روایت کیا ہے۔ اور طبری کی چند روایات پیش خدمت ہیں:

○ عن سعيد عن قتادة قوله "ولا تباشروهن وانتم عاكفون في المساجد" قال كان الرجل إذا خرج من المسجد وهو معتكف ولقى أمرأته باشرها أن شاء فنهاهم الله عزوجل عن ذالك وأخبرهم أن ذالك لايصلح حتى يقضي أعتكافه۔

سعید نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے اللہ عزوجل کے اس فرمان: ولا تباشروهن '' الخ کے متعلق روایت کیا جب کوئی آدمی مسجد سے نکلتا اور وہ معتکف ہوتا اور اپنی بیوی سے ملتا۔ اگر چاہتا تو اس سے مباشرت (جماع) کرتا

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اس سے منع فرمایا۔ اور انہیں بتایا کہ جب تک وہ اعتکاف کو پورا نہ کرلیں یہ کام کرنا ان کے لیے درست نہیں ہے۔

○ عن سفیان عن علقمة بن مرثد عن الضحاك قال كانو ایجامعون وهم معتكفون حتى نزلت○ "ولا تباشر وهن وانتم عاكفون فى المساجد"

سفیان نے علقمہ بن مرثد سے انہوں نے ضحاک بن مزاحم سے روایت کیا۔ انہوں نے فرمایا: لوگ اعتکاف کی حالت میں اپنی عورتوں سے جماع کرتے تھے حتیٰ کہ اللہ عزوجل نے یہ آیت مبارکہ "اور عورتوں کو ہاتھ نہ لگاؤ جب تک تم مسجدوں میں اعتکاف سے ہو"۔ نازل فرمائی۔

○ عن ابن مبارك عن سفيان عن علقمة بن مرثد فى قوله "ولا تباشر وهن وانتهم عاكفون فى المساجد" ○ قال كان الرجل أذا عتكف فخرج من المسجد جامع أن شاء فقال الله "ولا تباشر وهن وأنتم عاكفون فى المساجد" يقول لا تقربوهن ما دمتم عاكفين فى مسجد○

علقمہ بن مرثد نے ضحاک بن مزاحم سے اس آیت مبارکہ "ولا تباشر وهن "الخ کے متعلق روایت کیا۔ انہوں نے کہا جب کوئی آدمی اعتکاف میں ہوتا اور حاجت ضروریہ کی وجہ سے مسجد سے باہر نکلتا اگر وہ چاہتا تو اپنی بیوی سے جماع کرتا۔ تو اللہ عزوجل نے فرمایا: "عورتوں سے جماع نہ کرو جب تک تم مسجدوں میں اعتکاف سے ہو۔"
ضحاک بن مزاحم فرماتے ہیں: جب تک تم مسجد میں معتکف ہو اپنی عورتوں کے قریب نہ جاؤ۔

○ عن مجاهد قال كان ابن عباس يقول من خرج من بيته الى بيت الله فلا يقرب النساء○

مجاہد (بن جبر) سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے جو شخص اپنے گھر سے نکل کر اللہ عزوجل کے گھر کی طرف چلا جائے (یعنی معتکف ہو جائے) تو وہ اپنی عورتوں کے قریب نہ جائے۔

○ عن ابن جريح قال ○ قال ابن عباس كانوا أذا اعتكفوا فخرج الرجل الى الغائط جامع أمرأته ثم اغتسل ثم رجع الى اعتكافه فنهوا عن ذالك○

ابن جریج سے روایت ہے انہوں نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: لوگ جب اعتکاف کرتے تو کوئی شخص پاخانہ کے لئے جاتا تو اپنی بیوی سے جماع کرتا پھر غسل کرتا پھر وہ اپنی اعتکاف کی طرف واپس آجاتا۔ تو انہیں اس سے منع کیا گیا (کہ اعتکاف کی حالت میں جماع نہ کرو)۔

(جامع البیان، جلد دوئم، ص: 105، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت، لبنان)

روزہ کے ساتھ اعتکاف کے ذکر کی وجہ مناسبت:

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ صاحب درمختار کے اس قول "وجه المناسبة والتاخير" کے ماتحت ارقام فرماتے ہیں:

روزہ کے لیے اعتکاف کی مناسبت کی وجہ اس حیثیت سے کہ اعتکاف کو روزہ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اعتکاف کے روزہ سے تاخیر کی وجہ کیا ہے۔

فرماتے ہیں: اس لیے کہ اعتکاف کی بعض انواع میں روزہ شرط ہے اور وہ اعتکاف واجب ہے اور شرط مشروط پر مقدم ہوتی ہے۔ اور اعتکاف ماہ رمضان کے عشرہ آخیر میں مؤکد کا طالب ہے چنانچہ اعتکاف کے ساتھ ہی روزہ اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔ تو مناسب ہوا کہ کتاب الصوم کا مسائل اعتکاف کے ساتھ ہی اختتام ہو۔ یہی وجہ ہے اعتکاف کو صوم سے موخر کرنے اور کتاب الصوم کے ساتھ اعتکاف کا ذکر کرنے کی۔

اعتکاف کی اقسام:

ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(1) بلکہ حق یہی ہے کہ کہا جائے ایک اعتکاف واجب ہے اور وہ کسی حاجت کے پورا ہونے کے بعد اس نذر کا پورا کرنا ہے۔ یا نذر معلق۔

(2) اور ایک اعتکاف سنت مؤکدہ ہے اور وہ اعتکاف ہے ماہ رمضان المبارک کے آخری دس دنوں میں کسی مسجد میں بنیت اعتکاف بیٹھنا۔

(3) اعتکاف مستحب۔ ان دونوں کے علاوہ جو اعتکاف ہے وہ مستحب ہے۔ اعتکاف واجب اور سنت مؤکدہ کے لیے روزہ شرط ہے اور اعتکاف مستحب کے لیے روزہ شرط نہیں ہے۔ (فتح القدیر، جلد دوئم، ص: 307، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

شرائط اعتکاف:

صاحب درمختار نے ارقام فرمایا:

"فاللبث هو الركن" یعنی ٹھہرنا یہ رکن ہے۔ یہ حقیقت لغویہ کے اعتبار سے ہے۔ البتہ حقیقت شرعیہ کے اعتبار سے یہ مسجد میں مخصوص ٹھہرنا ہے۔ ۱- اعتکاف کی نیت کرنا شرط ہے۔ ۲- جس مسجد میں آذان اور اقامت ہو اور نماز باجماعت ہو اس مسجد میں اعتکاف شرط ہے۔ ۳- معتکف کے لیے مسلمان ہونا بھی شرط ہے۔ ۴- معتکف کے لیے عاقل ہونا بھی شرط ہے۔ ۵- جنابت، حیض و نفاس سے پاک ہونا بھی شرط ہے۔ ۶- جو اعتکاف واجب ہے اس کے لیے بھی روزہ شرط ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لازم ہے کہ اعتکاف کے شروط صحت میں سے اس کا باجماعت نماز ادا کرنا ہو۔ لیکن یہ کسی نے بھی نہیں کہا۔

بالغ ہونا اعتکاف کے لیے شرط نہیں اور نہ ہی آزاد اور مرد ہونا اعتکاف کے لیے شرط ہے۔ بلکہ عورتیں گھر میں جہاں نماز

پڑھتی ہیں اس جگہ کو اعتکاف کے لیے مخصوص کریں۔

صاحب درمختار فرماتے ہیں:

وهل يصح من الخنثى فى بيته○ لم اره○ والظاهر لا○ لأحتمال ذكورته○

کیا مخنث (خسرہ) کا اپنے گھر میں اعتکاف صحیح ہے۔ فرماتے ہیں کہیں یہ نہیں دیکھا ہے۔ اور ظاہر یہی ہے کہ وہ اپنے گھر میں اعتکاف نہ کرے یہ اس کے ذکوریت کے احتمال کی بناء پر ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ صاحب درمختار کے قول "والظاهر لا" کے ماتحت لکھتے ہیں:

اس لیے کہ اس کے مؤنث ہونے کی تقدیر پر مسجد میں اعتکاف بالکراہت صحیح ہے۔ اور اس کے مذکر ہونے کی تقدیر پر کسی وجہ سے بھی اس کا اپنے گھر میں اعتکاف کرنا صحیح نہیں۔ (ردالمحتار، جلد دوئم، ص:140، 141 مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اعتکاف کے سنت مؤکدہ ہونے کی دلیل:

صاحب حدایہ نے "باب الاعتکاف" کے تحت ارقام فرمایا:

قال "الاعتكاف مستحب" والصحيح هو سنة مؤكدة○

صاحب قدوری نے کہا: "اعتکاف مستحب ہے۔" اور صاحب حدایہ نے فرمایا اور صحیح یہ ہے کہ اعتکاف سنت مؤکدہ ہے۔

صاحب حدایہ کے اس قول کے تحت صاحب کفایہ مولانا جلال الدین خوارزی کرمانی فرماتے ہیں:

اعتکاف سنت مؤکدہ ہے۔ اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سے مدینہ منورہ تشریف لائے ہیں۔ اپنے وصال شریف تک ماہ رمضان کے عشرہ اخیرہ میں آپ نے اعتکاف پر مواظبت فرمائی ہے۔

صاحب حدایہ اور کفایہ نے یہ ایک حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے وہ حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہے جس کو شیخین نے تخریج کیا ہے۔

○ عن عروة بن الزبير عن عائشه رضى الله تعالى عنها زوج النبى صلى الله عليه وآله وسلم

○ أن النبى كان يعتكف العشر الأواخر من رمضان حتى توفاه الله ثم اعتكف أزواجه من بعده○

(بخاری شریف، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، حدیث: 2026، مسلم شریف بمعہ نووی، جلد اول، ص:371)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المقدس کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وفات فرما گئے۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کی ازواج مطہرات نے اعتکاف کیا۔

صاحب ھدایہ فرماتے ہیں۔ یہ مواظبت سنت کی دلیل ہے۔

اعتراض:

صاحب کفایہ مولانا جلال الدین خوارزمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:
اگر یہ کہا جائے کہ مواظبت وجوب کی دلیل ہے (یعنی اعتکاف واجب ہے) اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مواظبت کے باوجود یہ اعتکاف کیسے واجب نہیں۔

الجواب:

فرماتے ہیں: ہم کہتے ہیں ہاں یہ بات اسی طرح ہے مگر یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مواظبت کے واجب میں اس فعل کے کرنے کا حکم ارشاد فرماتے تھے۔ اور اس کے تارک پر انکار فرماتے تھے۔ لیکن یہاں اس طرح نہیں ہے نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو اعتکاف کا حکم دیا اور نہ ہی تارک اعتکاف پر انکار فرمایا۔ اگر یہ اعتکاف واجب ہوتا تو آپ ضرور اس پر انکار فرماتے۔ تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اعتکاف واجب نہیں۔ اس طرح صاحب عنایہ اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی نے جواب دیا ہے۔ فرماتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تارک اعتکاف پر انکار نہیں فرمایا جو کہ وجوب کی دلیل نہیں بلکہ یہ دلیل سنت ہے۔ (فتح القدیر مع الکفایہ والعنایہ، جلد دوئم، ص:305)

صاحب درمختار فرماتے ہیں:
اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے جیسا کہ برہان وغیرہ میں ہے اس کے تحت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے:

علامہ شامی فرماتے:
(قولہ ''اے سنۃ کفایۃ'') یعنی صاحب درمختار کا یہ قول کہ اعتکاف سنت کفایہ ہے۔ فرماتے ہیں اس کی نظیر نماز تراویح کا باجماعت ادا کرنا ہے۔ اور جب بعض نے اس کو قائم کرلیا تو باقی ماندہ لوگوں سے اس کی طلب ساقط ہو گئی۔ اور وہ لوگ بلا عذر ترک پر مواظبت کی وجہ سے گناہ گار نہیں ہوں گے۔ اور اگر وہ سنت عین ہوتا (یعنی اعتکاف) تو ترک سنت مؤکدہ کی وجہ سے وہ گنہگار ہوتے۔ چنانچہ اگر محلّہ میں سے یا گاؤں میں سے کسی ایک شخص نے اعتکاف کرلیا۔ تو باقی لوگوں سے اس کی طلب ساقط ہو جائے گی۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے نہ کہ سنت مؤکدہ عین ہے۔ اگر اعتکاف عین سنت ہوتا تو سب لوگوں پر اعتکاف کرنا سنت ہوتا اور اگر وہ نہ کرتے تو گنہگار ہوتے۔ اور سنت کفایہ ہونے کی وجہ سے اگر کسی ایک نے اعتکاف کرلیا تو باقی

لوگوں پر اس کی طلب ساقط ہو جائے گی اور وہ لوگ گنہگار نہیں ہوں گے۔

اسی طرح حافظ عسقلانی نے ابن بطالؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ اعتکاف سنت مؤکدہ ہے۔ حافظ عسقلانی نے ابن بطال کا یہ قول ایک حدیث کے تحت نقل کیا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے۔

○ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال کان النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم یعتکف فی کل رمضان عشرۃ أیام○ فلما کان العام الذی قبض فیہ أعتکف عشرین یوما○

(بخاری شریف، حدیث: 2044)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہر رمضان المقدس میں دس دن اعتکاف فرماتے۔ اور جب وہ سال آیا جس میں آپ کی وفات ہوئی۔ اس میں آپ نے بیس 20 دن کا اعتکاف فرمایا۔

ابن بطال فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اعتکاف پر مواظبت فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اعتکاف سنت مؤکدہ ہے۔ (فتح الباری، جلد 4، ص: 285)

صحابہ کرام کے اعتکاف نہ کرنے کی وجہ:

حافظ عسقلانی اور علامہ بدر الدین عینی رحمہما اللہ تعالیٰ نے ارقام فرمایا ہے:

ابن منذر امام ابن شہاب زہری سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے۔ لوگوں پر تعجب ہے کہ انہوں نے اعتکاف کو کیسے ترک کیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک چیز کرتے اور پھر اس کا ترک فرماتے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے وصال مبارک تک اعتکاف کو ترک نہیں فرمایا۔

ہمارے اصحاب کہتے ہیں۔ اکثر صحابہ کرام اعتکاف نہیں کیا کرتے تھے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے کوئی خبر نہیں پہنچی کہ سوائے ابوبکر بن عبدالرحمٰن کے حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور ابن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اعتکاف کیا ہو اور نہ ہی اس امت کے سلف میں سے کسی نے اعتکاف کیا ہو۔ ہمارے اصحاب اس کے جواب میں فرماتے ہیں ہمارے خیال میں انہوں نے اعتکاف کو بوجہ شدت کے ترک کیا ہو کیونکہ اعتکاف کے دن اور رات برابر ہیں۔ اور مالکیہ کے ''مجموعہ'' میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اعتکاف اس لیے ترک کیا کہ یہ ان کے حق میں مکروہ ہے۔ اس لیے کہ اعتکاف وصال کی مثل ہے جس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے منع فرمایا۔ (عمدۃ القاری، جلد 11، ص: 140)

اسی طرح حافظ عسقلانی نے بھی لکھا ہے کہ ابن شہاب زہری فرماتے تھے مسلمانوں پر تعجب ہے کہ انہوں نے اعتکاف کو ترک کر دیا۔ حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے ہیں۔ آپ نے اپنے وقت وفات تک اعتکاف کو ترک نہیں فرمایا۔ اور امام مالک کا قول گزر چکا کہ فرماتے ہیں انہیں معلوم نہیں کہ سلف

میں سے کسی نے سوائے ابوبکر بن عبدالرحمٰن کے اعتکاف کیا ہو۔ (فتح الباری، جلد 4، ص: 285)

اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس طرح ہے کہ ابن نافع کا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے قول مروی ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے اعتکاف میں فکر کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا باوجود شدت اتباع کے اعتکاف نہ کرنے پر فکر کیا تو میرے دل میں یہ واقع ہوا کہ اعتکاف بھی وصال کی طرح ہے۔ اور میرے خیال میں انہوں نے اعتکاف کے شدت ومشقت کی وجہ سے اس کو ترک کیا ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں مجھے خبر نہیں پہنچی کہ سلف میں سے سوائے حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن کے کسی نے اعتکاف کیا ہو۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں: گویا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مراد اعتکاف کی صفت مخصوصہ ہے۔ ورنہ ہم نے کئی صحابہ کرام سے حکایت کیا ہے کہ وہ اعتکاف کرتے تھے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے ان کے بعض اصحاب نے یہ اخذ کیا ہے کہ اعتکاف جائز ہے۔ اور ابن عربی نے ان پر اس کا انکار کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں یہ سنت مؤکدہ ہے۔ اور اس طرح ابن بطال نے کہا ہے۔ ابوداؤد نے امام احمد سے روایت میں کہا مجھے معلوم نہیں کہ علماء میں سے کسی نے اس میں اختلاف کیا ہو کہ سنت نہیں۔ یعنی تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اعتکاف سنت ہے۔ (فتح الباری، جلد 4، ص: 272)

انسان کی ضروری حاجت کیا ہے:

حضرت علماء کرام فرماتے ہیں: آدمی اپنی ضروری حاجت کے لیے مسجد سے نکل سکتا ہے اس سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا وہ ضروری حاجت کیا ہے۔ علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ بخاری شریف کی ایک حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔ وہ حدیث یہ ہے:

○ عن عمرة بنت عبدالرحمن أن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها زوج النبى صلى الله عليه و آله وسلم قالت وأن كان رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم ليدخل على رأسه وهو فى المسجد فأرجله و كان لا يدخل البيت الالحاجة أذا كان معتكفاً○

(بخاری شریف، حدیث: 2029)

اس حدیث کو مسلم نے کتاب الصوم میں ترمذی اور نسائی نے کتاب الاعتکاف میں۔ ابوداؤد نے کتاب الصوم میں اور ابن ماجہ نے بھی کتاب الصوم میں تخریج کیا ہے۔

زوجہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد میں اعتکاف کی حالت میں اپنا سر مبارک میری طرف جھکاتے اور میں آپ کو کنگھی کرتی۔ جب آپ معتکف ہوتے تو حاجت کے بغیر گھر میں داخل نہ ہوتے۔

علامہ بدرالدین عینی قولہ "و کان لا یدخل البیت الالحاجة" کے تحت ارقام فرماتے ہیں۔ امام زہری رحمۃ اللہ

علیہ نے اس کی تفسیر، پیشاب اور پاخانہ سے کی ہے۔ اور تمام علماء کرام کا ان دونوں (پیشاب اور پاخانہ) کی استثناء پر اتفاق ہے اور اس حاجت کے علاوہ دیگر حاجات میں اختلاف ہے۔ مثلاً مریض کی عیادت نماز جنازہ اور جمعہ کے لیے دوسری مسجد میں جانا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب اور تابعین میں سے بعض اہل علم جائز سمجھتے ہیں۔ اور یہی قول امام ثوری اور ابن مبارک کا ہے۔ اور بعض اہل علم کہتے ہیں معتکف کو یہ کام نہیں کرنا چاہئے۔ اس لیے امام ترمذی نے فرمایا: علماء کے خیال میں معتکف جب شہر میں ہو جہاں جمعہ ہوتا ہو تو اس کو صرف جامع مسجد میں ہی اعتکاف کرنا چاہئے۔ کیونکہ وہ معتکف کا اپنے معتکف سے جمعہ کے لیے جانے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ اور ان کا خیال یہ بھی ہے کہ معتکف کو نماز جمعہ ترک نہیں کرنا چاہئے۔ امام احمد فرماتے ہیں معتکف نہ ہی مریض کی عیادت کرے اور نہ ہی نماز جنازہ کے لیے جائے۔ اور بدائع میں ہے معتکف کا سوائے ضروری حاجت (پیشاب و پاخانہ) کے مسجد سے باہر نکلنا حرام ہے۔ معتکف نہ ہی کھانے، پینے اور سونے کے لیے مسجد سے باہر نکلے اور نہ ہی مریض کی عیادت اور نماز جنازہ کے لیے مسجد سے باہر نکلے۔ اگر وہ مسجد سے باہر نکلا عمداً ہو یا خطاً اس کا اعتکاف فاسد ہو گیا۔ بخلاف اس کے کہ اگر معتکف کو جبراً مسجد سے نکالا گیا یا مسجد منہدم ہو گئی تو وہ اس مسجد سے نکل کر دوسری مسجد میں چلا گیا استحساناً اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ اور ''خزانۃ الاکمل'' میں ہے اگر کوئی شخص بلا عذر ایک مسجد سے دوسری مسجد کی طرف گیا تو اس کا اعتکاف باطل ہوگا۔ اور ''تحفہ'' میں ہے پانچ اشیاء کی وجہ سے وہ ایک مسجد سے دوسری مسجد کی طرف منتقل ہو سکتا ہے۔

اوّل: یہ کہ اس مسجد کو شہید کر دیا گیا جہاں وہ اعتکاف کر رہا ہے تو معتکف اس وجہ سے دوسری مسجد میں اعتکاف کر سکتا ہے۔

دوئم: یہ کہ اہل محلہ متفرق (جدا جدا) ہو جائیں اور اس مسجد میں جمع نہ ہوں تو معتکف اس مسجد سے دوسری مسجد کی طرف منتقل ہو سکتا ہے۔

سوئم: یہ کہ وقت کا بادشاہ اس کو اس مسجد سے نکال دے تو ایسی صورت میں معتکف کسی دوسری میں اعتکاف کر سکتا ہے۔

چہارم: یہ کہ اس کو کسی ظالم نے پکڑ لیا تو ایسی صورت میں وہ دوسری مسجد میں اعتکاف کر سکتا ہے۔

پنجم: یہ کہ جس مسجد میں وہ اعتکاف کر رہا ہے وہاں اس کو اپنے مخالفین سے اپنی جان و مال کا خطرہ ہو تو وہ شخص بھی دوسری مسجد میں اعتکاف کر سکتا ہے۔ (عمدۃ القاری، جلد 11، ص: 145)

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث کے تحت ارقام فرمایا ہے:

قولہ " وکان لا یدخل البیت الا لحاجۃ" زاد مسلم "لحاجۃ الانسان " وفسرھا الزھری بالبول والغائط ۝ (فتح الباری، جلد 4، ص: 273)

یعنی جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معتکف ہوتے تو بغیر حاجت کے گھر میں داخل نہ ہوتے۔ مسلم نے یہ اضافہ کیا ''انسانی حاجت کے لیے'' اور امام زہری نے اس کی تفسیر پیشاب اور پاخانہ سے کی ہے۔ اور جملہ علماء کرام ان

دونوں کے استثناء پر متفق ہیں۔ اوران دونوں کے علاوہ دیگر حاجات میں ان کا اختلاف ہے۔ جیسے کوئی کھانے، پینے کے لیے باہر نکلا۔ اور اگر معتکف بول و براز کے لیے باہر نکلا اور مسجد کے باہر ہی وضو کرلیا تو اعتکاف باطل نہیں ہوگا۔ اوران دونوں (بول و براز) کے ساتھ قے اور فصد بھی لاحق ہے اگر اس کی حاجت ہو تو۔

ابو داؤد نے عبدالرحمٰن بن اسحاق کے طریق سے انہوں نے زہری سے انہوں نے عروہ سے انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا:

○ قالت السنة على المعتكف ان لا يعود مريضاً ولا يشهد جنازة ولا يمس امرأة ولايباشرها ولايخرج لحاجة المالابد منه○ ولا اعتكاف الابصوم ولا اعتكاف الافی مسجد جامع○

(ابوداؤد شریف، حدیث: 2443)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: معتکف پر یہ سنت ہے کہ وہ مریض کی عیادت نہ کرے اور نہ ہی جنازہ میں حاضر ہو۔ اور نہ ہی وہ عورت کو مس کرے اور نہ اس سے جماع کرے اور سوائے ضروری حاجت کے وہ مسجد سے باہر نہ نکلے۔ اعتکاف روزہ سے ہی ہوتا ہے۔ اور وہ صرف جامع مسجد میں ہی اعتکاف کرے۔

ابو داؤد فرماتے ہیں، سوائے عبدالرحمٰن بن اسحاق کے اس حدیث میں کسی نے قالت، السنہ، نہیں کہا۔ ابو داؤد نے کہا عبدالرحمٰن بن اسحاق نے یہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قول کہا ہے۔

حافظ عسقلانی نے فرمایا دارقطنی نے بھی ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث سے وہی قدر قرار دیا ہے جو کہ انہوں نے فرمایا: "لایخرج الالحاجة" اس کے سوا جو قول ہے وہ ان سے نیچے والوں کا ہے۔

امام عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ہم نے حضرت علی، نخعی، حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ اگر معتکف جنازہ میں حاضر ہوا اور مریض کی عیادت کرے یا جمعہ کے لیے نکلے اس کا اعتکاف باطل ہوگیا۔ اور کوفیوں نے بھی یہی کہا ہے۔ امام ثوری، شافعی اور اسحاق رحمہم اللہ نے فرمایا اگر کسی نے ابتدائے اعتکاف میں ان میں سے کسی کو شرط کرلیا مثلاً: معتکف یہ کہے کہ میں اس شرط پر اعتکاف کروں گا کہ میں نماز جنازہ بھی پڑھوں گا۔ اور بیماروں کی عیادت بھی کروں گا۔ اگر وہ شخص اعتکاف کے دوران نماز جنازہ کے لیے گیا یا کسی مریض کی عیادت کی تو اس کا اعتکاف باطل نہیں ہوگا۔

لیکن احناف کے نزدیک معتکف کا نماز جمعہ کے لیے جانا مفسد اعتکاف نہیں اور نہ ہی یہ شرط اعتکاف میں جائز ہے۔ انشاء اللہ مسائل اعتکاف کے تحت ان کا بیان ہوگا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

○ لا يكون المعتكف معتكفاً حتى يجتنب ما يجتنب المعتكف من عيادة المريض والصلوٰة

على الجنائز ٥ ودخول البيت الالحاجة الانسان ٥ (مؤطا امام مالک، حدیث: 701)
یعنی معتکف اس وقت تک معتکف نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ ان چیزوں سے اجتناب کرے جس سے معتکف اجتناب کرتا ہے۔ یعنی وہ مریض کی عیادت بھی نہ کرے اور نہ ہی نماز جنازہ میں حاضر ہو۔ اور گھر میں صرف انسانی ضرورت کے تحت داخل ہو۔
چنانچہ ان تصریحات وتحقیقات سے معلوم ہوا کہ معتکف صرف بول وبراز کے لیے ہی گھر جاسکتا ہے اس کے علاوہ کسی اور حاجت کے لیے وہ مسجد سے نکل کر گھر گیا تو اس کا اعتکاف باطل قرار پائے گا۔ اور معتکف صرف جمعۃ المبارک کی نماز کے لیے جاسکتا ہے۔ اس کا بیان انشاء اللہ مسائل اعتکاف میں آئے گا۔

اعتکاف کی فضیلت:

اعتکاف کی فضیلت میں چند احادیث مقدسہ پیش خدمت ہیں۔ گو کہ علماء فن نے ان احادیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ مگر ضعیف حدیث فضائل میں معتبر ہے۔ جیسا کہ علماء محدثین وغیرہ نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اگر چہ یہ احادیث ضعیف ہیں لیکن فضائل میں قابل عمل ہیں۔ وہ احادیث مبارکہ یہ ہیں:

٥ عن سعيد بن جبير عن ابن عباس عن النبى صلى الله عليه وآله وسلم انه قال فى المعتكف انه معتكف الذنوب يجرى له من الأجر كأجر عامل الحسنات كلها٥

(ابن ماجہ شریف، حدیث: 1781، شعب الایمان للبیہقی، جلد سوئم، ص: 424، حدیث: 3946)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معتکف کے متعلق فرمایا کہ وہ گناہوں کا معتکف ہے اور اس کے لیے ایسا ہی اجر وثواب جاری کیا جائے گا۔ جیسے تمام حسنات کے عامل کا اجر ہے۔
اس کا معنی یہ ہے کہ جو بھی نیک عمل کرنے والا ہے ان سب کی نیکیوں کا ثواب اعتکاف کرنے والے کو ملے گا۔

(درمنثور، جلد اوّل، ص: 201)

٥ عن عبدالعزيز بن ابى رواد عن عطاء عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنه انه كان معتكفاً فى مسجد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فاتاه رجل فسلم عليه ثم جلس فقال له ابن عباس يا فلان اراك مكتئباً حزيناً قال يا ابن عم رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لفلان على حق ولا وحرمة صاحب هذاالقبر ما اقدرعليه٥ الخ

(درمنثور، جلد اوّل، ص: 202، کنز العمال، حدیث: 24019' (تاریخ بغداد، جلد 4، ص: 124، مطبوعہ تصویر بیروت، شعب الایمان، جلد سوئم، ص: 424، حدیث: 3965، الترغیب للمنذری، جلد دوئم، ص: 149، مطبوعہ المکتبۃ العصریہ بیروت)

عبدالعزیز بن ابی رواد نے عطاء سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مسجد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں معتکف تھے کہ ان کے پاس ایک شخص آیا اور آپ کو سلام عرض کیا۔ پھر وہ بیٹھ گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس شخص سے فرمایا: اے فلاں میں تجھے غمگین وحزین دیکھ رہا ہوں۔ اس شخص نے عرض کیا، جی ہاں! اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کے بیٹے فلاں کا مجھ پر حق ہے اور صاحب قبر سیدنا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسم میں اس کے ادا کرنے پر قادر نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کیا میں اس شخص سے تمہارے متعلق بات نہ کروں؟ اس شخص نے عرض کیا اگر آپ اس کو پسند کرتے ہیں تو ضرور اس سے بات کریں۔ عطاء بن ابی رباح نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے جوتے پہنے پھر مسجد سے نکلے۔ تو اس شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کیا آپ اعتکاف کو بھول گئے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا نہیں (اعتکاف کو نہیں بھولا) لیکن میں نے اس قبر (یعنی قبر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے صاحب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے۔ اور میرے سننے کا عہد بھی بہت قریب ہے۔ تو یہ کہتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے جو اپنے بھائی کی حاجت میں نکلا اور اس حاجت کو پورا کر دیا۔ یہ کام کرنا اس کے دس اعتکاف کرنے سے بہتر ہے۔ اور جو شخص رضائے الٰہی کے حصول کی خاطر ایک دن کا اعتکاف کرے۔ اللہ عزوجل اس کے اور نار جہنم کے درمیان تین خندقیں بنا دے گا۔ اور ان کے درمیان بعد مسافت پورب وپچھم۔ یا مشرق ومغرب یا زمین وآسمان کے برابر ہوگی۔

حدیث کے یہ الفاظ بیہقی کے ہیں۔ لیکن صاحب ترغیب امام منذری رحمۃ اللہ علیہ نے ''**نعم یا ابن رسول اللہ صلی** اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے بعد یہ روایت کیا ہے۔

''**لفلان علی حق ولاء**'' الخ۔ یعنی فلاں کا مجھ پر حق دوستی ہے۔

لیکن ان دونوں کے درمیان نفرت وجدائی ہو گئی ہے اور وہ اُخوت کے باقی رہنے پر حریص ہے۔

دونوں صورتوں میں خواہ حق قرض وغیرہ ہو۔ یا حق صحبت وصحبت کا انقطاع ایسے شخص کی حاجت پوری کرنا دس اعتکاف کرنے سے بہتر ہے۔ اس میں صرف اعتکاف کرنے کی ترغیب ہی تو ہے۔ حافظ منذری نے فرمایا: حاکم نے کہا اس حدیث کی اسناد صحیح ہے۔

○ **عن محمد بن زاذان عن علی بن حسین عن ابیه ○ قال ○ قال رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **من اعتکف عشرا فی رمضان کان کحجتین وعمرتین ○ واسناده ضعیف ○**

(در منثور، جلد اول، ص: ، شعب الایمان، جلد سوئم، ص: 425، حدیث: 3966، الترغیب، جلد دوئم، ص: 149)

علی بن حسین نے اپنے باپ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص

نے ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا اور یہ اعتکاف کرنا اس کے لیے ایسے ہی ہوگا جیسے اس شخص نے دو حج اور دو عمرے ادا کیے۔

امام بیہقی اس حدیث کو اپنی دوسرے سند کے ساتھ بھی لائے ہیں۔ اور اس حدیث کی اسناد یہ ہے۔

○ عن محمد بن سليم عن على بن حسين عن ابيه ○ قال ○ قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم من اعتكف عشر أفى رمضان حجتين وعمرتين ○ يعنى كان كحجتين وعمرتين ○ كذا قال محمد بن سليم والصواب محمد بن زاذان ○

(شعب الایمان، جلد سوئم، ص: 425، حدیث: 3967)

محمد بن سلیم نے علی بن حسین سے انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے ماہ رمضان کے دس دن کا اعتکاف کیا، یہ دو حج اور دو عمرہ ہیں۔ یعنی دو حج اور دو عمرہ کی مثل ہیں۔

اسی طرح محمد بن سلیم نے کہا اور درست محمد بن زاذان ہی ہے۔ یعنی اس سے قبل حدیث جوزاذان کے طریق سے مروی ہے وہ درست ہے۔

○ قال يحيى بن معين نا على بن حسن بن شقيق عن سعيد بن عبدالعزيز قال بلغت عن الحسن قال للمعتكف كل يوم حجة ○ هذا القول الذى روى عن الحسن البصرى أحب ألى من رواية محمد بن زاذان ولا يقوله الحسن الا عن بلاغ بلغه ○

(شعب الایمان، جلد سوئم، ص: 425، حدیث: 3968، در منثور، جلد اول، ص: 202)

یحییٰ بن معین نے کہا ہم سے علی بن حسن بن شقیق نے سعید بن عبدالعزیز کے حوالے سے بیان کیا۔ انہوں نے کہا مجھے حضرت حسن بصری سے یہ خبر پہنچی ہے کہ انہوں نے کہا معتکف کے لیے ہر دن ایک حج کا ثواب ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ قول جو حضرت حسن بصری سے مروی ہے۔ مجھے محمد بن زاذان کی روایت سے زیادہ پسند ہے۔ اور امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ایسے نہیں کہتے۔ مگر وہ خبر جو آپ کو پہنچی ہو۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد یہ ہے کہ مجھے محمد بن زاذان کی روایت سے حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول زیادہ پسند ہے۔ اس لیے کہ حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو جب تک کوئی خبر نہ پہنچی ہو وہ اس کو بیان نہیں کرتے۔

اسی لیے امام کبیر حافظ مزی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن بصری کے ترجمہ کے ماتحت ارقام فرمایا:

قال ابو احمد بن عدى ○ سمعت الحسن بن عثمان يقول ○ سمعت ابا زرعة يقول ○ كل شى

قال الحسن○ قال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وجدت له اصلاً ثابتاً ماخلا اربعة احادیث○

(تہذیب الکمال، جلد دوئم، ص:543)

ابواحمد بن عدی نے کہا میں نے حسن بن عثمان کو کہتے ہوئے سنا۔ انہوں نے کہا میں نے ابوزرعہ (بن عمرو بن جریر بن عبداللہ بجلی کوفی) کو کہتے ہوئے سنا کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ہر قول۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اور میں نے حضرت حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے ہر قول کی اصل ثابت پائی ہے۔ سوائے چار احادیث کے۔

اس لیے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میرے نزدیک محمد بن زاذان کی روایت سے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول زیادہ پسندیدہ ہے۔ کیونکہ آپ کے قول کا اصل ثابت ہے۔

○ اخرج ابن ابی الدنیا فی کتاب قضاء الحوائج عن الحسن بن علی رضی الله عنه قال جاء رجل الی الحسین بن علی○ فسأله أن یذهب معه فی حاجة○ فقال أنی معتکف○ فأتی الحسن فأخبره فقال الحسن لو مشی معك لکان خیر اله من أعتکافه○ والله لان أمشی معك فی حاجتك أحب الی من أن أعتکف شهراً○ (درمنثور، جلد اوّل، ص:202)

ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب ''قضاء الحوائج'' میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ کہ ایک شخص حضرت امام حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس آیا اور آپ سے دریافت کیا۔ کیا آپ میری کسی حاجت کے متعلق میرے ساتھ چلیں گے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں معتکف ہوں۔ وہ شخص حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کو خبر دی۔ تو حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر امام حسین رضی اللہ عنہ تمہارے ساتھ جاتے تو یہ ان کے لیے ان کے اعتکاف سے بہتر ہوتا۔ بخدا میرا تمہاری حاجت کے لیے تمہارے ساتھ چلنا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ایک مہینہ کا اعتکاف کروں۔

○ اخرج البخاری فی "جزء التراجم" بسند ضعیف جداً عن ابن عمر رضی الله عنهما قال○ قال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لان امشی مع اخ لی فی حاجة أحب ألی من أعتکف شهراً فی مسجدی هذا○ (درمنثور، جلد اوّل، ص:202)

امام بخاری نے ''جزء التراجم'' میں نہایت ہی سند ضعیف کے ساتھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے تخریج کیا۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے بھائی کے حاجت کے لیے اس کے ساتھ جانا مجھے میری اس مسجد میں ایک مہینہ کا اعتکاف کرنے سے زیادہ پسند ہے۔

○ اخرج عبدالرزاق عن محمد بن واسع الاسدی قال○ قال رسول الله صلی الله علیه و آله

وسلم من أعان أخا يوماً كان خيراً له من اعتكاف شهر ○ (درمنثور، جلد اوّل، ص: 202)

عبدالرزاق نے محمد بن رافع سے تخریج کیا۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنے بھائی کی ایک دن اعانت و مدد کی یہ اس کے لیے ایک مہینہ کے اعتکاف سے بہتر ہے۔

○ عن عبداللہ بن المبارك عن عثمان بن عطاء عن ابيه قال ان مثل المعتكف مثل المحرم القى نفسه بين يدى الرحمٰن فقال واللہ لا ابرح حتى ترحمنى ○

(شعب الایمان، جلد سوئم، ص: 346، حدیث: 3970، درمنثور جلد اوّل، ص: 202)

عبداللہ بن مبارک نے عثمان بن عطاء سے انہوں نے اپنے باپ عطاء بن ابی رباح سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا معتکف محرم (احرام باندھنے والا) کی مثل ہے۔ وہ اپنے آپ کو اللہ عزوجل کے حضور پیش کر دیتا ہے۔ اور کہتا ہے بخدا میں ہمیشہ اس جگہ ہی رہوں گا حتیٰ کہ تو مجھ پر رحم فرمادے۔

○ عن زياد بن السكن قال ○ كان زبيد اليامى وعد جماعة أذا كان يوم الفيروز ويوم المهرجان ○ اعتكفوا فى مساجدهم ○ ثم قالوا ان هؤلاء قد اعتكفوا على كفرهم ○ واعتكفنا على أيماننا فاغفر لنا ○ (درمنثور، جلد اوّل، ص: 202، شعب الایمان، جلد سوئم، ص: 425، حدیث: 3969)

زیاد بن سکن سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ زبید یامی نے ایک جماعت سے وعدہ لیا تھا کہ جب یوم فیروز (فرس کے نزدیک شمسی سال کا پہلا دن خوشی کا دن) اور یوم مہرجان (فارسیوں کی ایک عید کا دن) ہوگا تو وہ اپنی مساجد میں اعتکاف کریں گے۔ پھر انہوں نے یہ کہا لوگ اپنے کفر کی حالت میں اعتکاف کیا کرتے تھے۔ اور ہم نے اپنے ایمان کی حالت میں اعتکاف کیا۔ اے اللہ! ہمارے گناہ معاف فرما۔

چنانچہ ان تمام احادیث سے اعتکاف کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ اللہ عزوجل کے حضور اعتکاف کا کیا مقام و درجہ ہے۔ اور معتکف کے لیے اس میں کتنا اجر و ثواب ہے۔ اللہ عزوجل اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ طٰہٰ ویٰسین

مسائل اعتکاف

واضح رہے کہ اعتکاف کے جملہ مسائل فتاویٰ قاضیخاں سے نقل کئے جائیں گے۔ کیونکہ فتاویٰ قاضیخاں۔ دیگر فتاویٰ سے معتمد ہے۔ اور علماء کا اس پر اعتماد ہے۔ اس کے باوجود دیگر فقہاء کرام کے اقوال بھی اس کی تائید وتوثیق میں منقول ہوں گے۔ اس کے علاوہ جہاں ضرورت محسوس ہوئی۔ وہاں اس مسئلہ کی تحقیق وتصدیق کے لیے احادیث وآثار بھی روایت کیے جائیں گے تاکہ مذہب احناف کی حقانیت وصداقت پر یہ احادیث وآثار اقوی دلیل ثابت ہوں اور مذہب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ پر مخالفین کے جو شکوک وشبہات ہیں وہ دور ہوں۔ اور مخالفین جو یہ کہتے ہیں کہ فقہ حنفی صرف ایک رائے اور قیاس ہے ان کے لیے یہ آثار واحادیث مسکت جواب ہوں۔ اور ان کو معلوم ہو جائے کہ امام صاحب رضی اللہ عنہ کے جملہ مسائل قرآن وحدیث سے متخرجہ ہیں نہ کہ محض رائے اور قیاس ہیں۔ **وما توفیقی الا باللہ وھو الموفق للصواب**o

<u>مسئلہ:</u>

اعتکاف سنت مشروع ہے۔ نذر اور تعلیق بالشرط اور جملہ عبادات کے اعتبار سے شروع کرنے سے اعتکاف واجب ہو جاتا ہے۔

اور اعتکاف بغیر روزہ کے نہیں ہوتا اور اپنے آپ پر اعتکاف واجب کرنے سے اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہو جاتا ہے۔ یعنی اعتکاف نذر میں روزہ شرط ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اعتکاف کے لیے روزہ ضروری نہیں۔ اعتکاف بلا روزہ بھی جائز ہے۔ اور ظاہر روایت میں نفلی اعتکاف میں روزہ شرط نہیں۔

احناف کے نزدیک اعتکاف بلا روزہ نہیں ہوتا اور اگر کسی نے اعتکاف کی نذر مانی مثلاً یہ کہا کہ میں دس دن کا اعتکاف کروں گا تو اس کے لیے ان ایام اعتکاف میں روزہ شرط ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے:

o عن الزھری عن عروۃ عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھما ان نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال o لا أعتکاف الابصیامo

(مستدرک للحاکم، جلد دوئم، ص:81، حدیث:1647، مطبوعہ دار المعرفہ دار قطنی، جلد اول، جز دوئم، ص:179، حدیث:2331، مطبوعہ

دار الکتب العلمیہ السنن الکبریٰ للبیہقی، جلد 4، ص: 317، مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ عزوجل کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اعتکاف صرف روزہ سے ہی ہوسکتا ہے۔

○ عبدالرزاق عن الثوری عن حبیب بن ابی ثابت عن عطاء عن عائشۃ قالت من اعتکف فعلیہ الصوم○

(مصنف عبدالرزاق، جلد 4، ص: 353، حدیث: 8037، مصنف ابن ابی شیبہ، جلد سوئم، ص: 87)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: جو شخص اعتکاف کرے اس پر روزہ واجب ہے۔

عبدالرزاق عن الثوری عن ابی ابی لیلٰی عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما قال من اعتکف فعلیہ الصوم○

(مصنف عبدالرزاق، جلد 4، ص: 353، حدیث: 8036، مصنف ابن ابی شیبہ، جلد سوئم، ص: 87

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو شخص اعتکاف کرے اس پر روزہ رکھنا واجب ہے۔

○ حدثنا حفص عن لیث عن الحکم عن ھشیم عن ابن عباس وعائشۃ قال لا اعتکاف الا بصوم وقال علی وابن مسعود لیس علیہ صوم الا ان یفرضہ ھو علی نفسہ○

(مصنف ابن ابی شیبہ، جلد سوئم، ص: 87)

حضرت ابن عباس وام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ ان دونوں نے فرمایا: اعتکاف صرف روزہ سے ہی ہوسکتا ہے۔ حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: معتکف پر روزہ نہیں ہاں اگر وہ اپنے آپ پر اعتکاف کو فرض کرے۔

○ حدثنا وکیع عن ھشام لدسقرالی وابی عن یحییٰ بن کثیر عن عکرمۃ قال قال علی رضی اللہ عنہ علی المعتکف الصوم ○ (مصنف ابن ابی شیبہ، جلد سوئم، ص: 87)

عکرمہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: معتکف پر روزہ رکھنا واجب ہے۔

○ عبدالرزاق عن ابن جریح عن ابن شھاب قال سنۃ من اعتکف ان یصوم○

(مصنف عبدالرزاق، جلد 4، ص: 353، حدیث: 8039)

ابن شہاب زہری سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا جو شخص اعتکاف کرے اس پر روزہ رکھنا واجب ہے۔

صاحب جوھر النقی ابن ترکمانی نے مصنف عبدالرزاق کی حدیث کے ماتحت لکھا ہے۔

محدثین کا مذہب ہے کہ صحابی جب یہ کہے "السنۃ" وہ مرفوع کے حکم میں ہے۔ اور سنت بمعنی سیرت اور طریقہ ہے۔ اور یہ سنت اور واجب کے درمیان قدر مشترک ہے۔ اور ابوداؤد کا ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے

معتکف کا ترک مس اور خروج کے ساتھ معتکف کے لیے روزہ کا سنت کہنا یہ اس بات پر دلیل ہے کہ مراد واجب ہے نہ کہ سنت جس پر اصطلاح میں سنت کا اطلاق ہوتا ہے۔

یہ حدیث ابوداؤد شریف حدیث 2473 ہے۔

جوھر النقی فی ذیل السنن الکبریٰ، جلد 4، ص: 317۔

چنانچہ ان تمام احادیث وآثار سے ثابت ہوا کہ معتکف کے لیے روزہ ضروری ہے اور یہی احادیث مبارکہ مذہب امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مؤید ہیں کہ اعتکاف بلا روزہ جائز نہیں اور اعتکاف نذر کے لیے روزہ شرط ہے۔

اعتراض:

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ بخاری شریف کتاب الصوم باب الاعتکاف میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ معتکف کے لیے روزہ رکھنا ضروری نہیں ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

○ عن عبداللہ بن عمر عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ انہ قال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انذرت فی الجاھلیۃ أن أعتکف لیلۃ فی المسجد الحرام فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اوف نذرك فاعتکف لیلۃ○ (بخاری شریف، حدیث: 2042)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک رات مسجد حرام میں اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی۔ تو نبی ارم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اپنی نذر پوری کرو اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کیا۔ اس حدیث کے ماتحت حافظ عسقلانی نے لکھا ہے۔

اس حدیث سے علماء نے بغیر روزے کے اعتکاف کرنے پر استدلال کیا ہے۔ اس لیے کہ رات روزہ کے لیے ظرف نہیں۔ اگر اعتکاف کے لیے روزہ شرط ہوتا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس کا حکم دیتے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نذر پر کچھ اضافہ نہیں فرمایا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اعتکاف میں روزہ شرط نہیں ہے۔

(فتح الباری، جلد 4، ص: 274)

جواب:

صحیحین میں ہی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے خود پر ایک دن اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی۔ آپ نے فرمایا: اے عمر اپنی نظر کو پورا کرو۔ ابن خزیمہ نے ''صحیح'' میں لکھا ہے۔ بعض رواۃ نے نافع سے ابن عمر اور انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حدث میں کہا: ''انی نذرت أن أعتکف یوماً'' اگر یہ لفظ ''یوماً'' ثابت ہے تو یہ اس جنس سے ہے کہ معلوم ہونا چاہئے کہ عرب کبھی کبھی یوماً کہہ کر اس سے مراد دن اور رات لیتے۔ اور کبھی رات کہتے اور مراد

دن لیتے۔ (صحیح ابن خزیمہ، جلد سوئم، ص: 347)

چنانچہ اس حدیث مبارک میں غایۃ یہی ہے کہ اس روایت میں ذکر صوم سے حدیث خاموش ہے۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اپنی نذر پوری کرو یعنی ایک دن کا اعتکاف کرو۔

لیکن ایک روایت ثقہ سے مروی ہے جو کہ مؤید سے بھی مؤکد ہے۔ جس کا قبول کرنا واجب ہے وہ روایت یہ ہے:

○ عن عبداللہ بن بدیل عن عمرو بن دینار عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما أن عمر نذر فی الجاهلية أن يعتكف يوماً فسأل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أعتكف وصم يوماً○

(مستدرک للحاکم، جلد دوئم، ص: 81، حدیث: 1646، ابوداؤد شریف، حدیث: 2474، دارقطنی مجلد اول، جز دوئم، ص: 180، حدیث: 2335، التحقیق لابن جوزی، جلد دوئم، ص: 111)

عبداللہ بن بدیل نے عمرو بن دینار سے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے زمانہ جاہلیت میں ایک دن اعتکاف کرنے کی نذر مانی تھی۔ اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اعتکاف کرو اور روزہ رکھو۔ چنانچہ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو ایک دن اعتکاف کرنے اور روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔

امام حاکم لکھتے ہیں۔ عبداللہ بن بدیل، عمرو بن دینار سے روایت کرنے میں منفرد ہے اور وہ ضعیف الحدیث ہے۔

اقول:

عبداللہ بن بدیل بن ورقاء، زہری اور عمرو بن دینار سے روایت کرتا ہے۔ ابن معین نے کہا وہ صالح ہے۔ اور ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے اور تقریب میں ہے وہ "صدوق" ہے خطا کرتا ہے۔ بخاری نے التاریخ الکبیر میں عبداللہ بن بدیل کے ترجمہ کے تحت ان پر کوئی جرح وتعدیل نہیں کی لہٰذا امام بخاری کے نزدیک بھی وہ ثقہ ہے۔

(تقریب، جلد اول، ص: 403، تہذیب التہذیب، جلد 5، ص: 155، تاریخ الکبیر، جلد 5، ص: 56، تہذیب الکمال، جلد 5، ص: 263)

معلوم ہوا یہ حدیث ثقات سے مروی ہے اور صحیح ہے۔

دارقطنی نے باسناد حسن ایک حدیث روایت کی ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

○ عن ولید بن مسلم عن سعید بن بشر عن عبید اللہ بن عمر عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان عمر رضی اللہ عنہ نذر ان یعتکف فی الشرك ویصوم فسأل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد اسلامه○ فقال اوف بنذرك○ وهذا أسناد حسن○

(السنن الکبریٰ، جلد 4، ص: 317، دارقطنی، مجلد اول، جز دوئم، ص: 181، حدیث: 2340)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے زمانہ شرک میں اعتکاف کرنے اور روزہ رکھنے کی نذر مانی تھی۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بعداز اسلام دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا: اپنی نذر کو پورا کرو۔

معلوم ہوا اعتکاف بلا روزہ جائز نہیں۔ اور معتکف کے لیے روزہ رکھنا شرط ہے۔ جیسا کہ احادیث سے ظاہر و ثابت ہے۔ عبدالرزاق اور امام بیہقی نے حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت کیا ہے:

○ عبدالرزاق عن ابن جريج عن عطاء عن ابن عمر و ابن عباس رضی الله تعالىٰ عنهم قالا لا جواز الا بالصيام ○ (مصنف عبدالرزاق، جلد 4، ص: 353، حدیث: 8033، سنن الکبریٰ للبیہقی، جلد 4، ص: 318)

حضرت ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں نے فرمایا اعتکاف روزہ سے ہی ہوتا ہے۔

چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ معتکف کے لیے روزہ لازمی ہے۔ باوجود اس کے کہ وہ اپنے باپ کے واقعہ کا راوی ہے۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول اپنے باپ کی حدیث میں اس اضافہ "اعتکف وصم" کے صحیح ہونے کے ظن کو تقویت دیتا ہے۔

مسئلہ:

اعتکاف اس مسجد میں بھی صحیح ہے جس میں سب نمازیں پڑھی جاتی ہوں۔ اور ایک روایت میں ہے اعتکاف صرف جامع مسجد میں ہی صحیح ہے۔ اور ایک روایت میں ہے ہر اس مسجد میں اعتکاف صحیح ہے جس میں آذان اور اقامت ہوتی ہو اور یہی قول صحیح ہے۔ اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہر اس مسجد میں اعتکاف جائز ہے جس میں آذان اور اقامت ہو۔

لہٰذا احناف کے نزدیک ہر اس مسجد میں اعتکاف کرنا صحیح ہے جس میں آذان اور اقامت ہوتی ہو۔ یعنی وہاں پانچوں نمازیں با جماعت ادا ہوتی ہوں۔ اس کی دلیل بھی حدیث مبارک ہی ہے:

○ عن ضحاك عن حذيفة رضی الله عنه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم يقول ○ كل مسجد له موذن و امام فالاعتكاف فيه يصلح ○

(دار قطنی، مجلد اوّل، جز دوئم، ص: 179، حدیث: 2332، الكامل فی الضعفاء لابن عدی، جلد سوئم، حدیث: 1141، مطبوعہ دار الفکر بیروت، کنز الاعمال للمتقی ھندی، حدیث: 24009)

ضحاک بن مزاحم نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔ ہر وہ مسجد جس میں موذن اور امام ہے اس میں اعتکاف کرنا درست ہے۔

○ **عن قتادة ابن العباس و الحسن قالا○ لا أعتكاف الا فی مسجد تقام فیه الصلوٰة○**

(السنن الکبریٰ، جلد 4، ص:316، مصنف عبدالرزاق، جلد 4، ص:347، حدیث:8011)

قتادہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس اور حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں نے فرمایا: اعتکاف صرف اس مسجد میں ہی جائز ہے جس میں نماز قائم کی جاتی ہو۔ یعنی وہ مسجد جس میں پنجگانہ نماز باجماعت ادا کی جاتی ہو۔

اس کے علاوہ ابن ابی شیبہ نے ''مصنف'' میں، ابوقلابہ، سعید بن جبیر، ہمام بن حارث، ابراہیم نخعی، یحییٰ بن ابوسلمہ اور ابوالاحوص سے روایت کیا ہے کہ وہ اپنی قوم کی مسجد میں، قبائل کی مسجد میں اور اس مسجد میں جس میں پنجگانہ نماز ادا کی جاتی ہو۔ اس میں اعتکاف کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، جلد سوئم، ص:90، 91)

معلوم ہوا اعتکاف کے لیے جامع مسجد شرط نہیں ہے بلکہ ہر اس مسجد میں اعتکاف کرنا جائز ہے جس مسجد کا موذن اور امام ہو۔ یعنی جس مسجد میں پنجگانہ نماز باجماعت ادا ہوتی ہو۔ جیسے محلّہ کی مسجد وغیرہ۔

مسئلہ:

مسجد حرام میں اعتکاف افضل ہے کیونکہ وہ حرم میں ہے اور مخلوق کے لیے جائے امن۔ وحی کے نازل ہونے کی جگہ اور رحمت کے نزول کا مقام ہے۔ پھر اس کے بعد مسجد نبوی میں اعتکاف افضل ہے۔ کیونکہ وہ مسجد حرام کے بعد تمام مساجد سے افضل ہے۔ اور اس لیے بھی کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات مبارکہ میں آپ کی جائے عبادت تھی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال شریف کے بعد آپ کے روضہ شریف کے جوار میں ہے۔ پھر مسجد حرام، مسجد نبوی، اور مسجد اقصیٰ کے علاوہ جامع مسجد میں اعتکاف افضل ہے۔

مسئلہ:

عورت اپنے گھر کی مسجد جہاں وہ نماز پڑھتی ہے اعتکاف کرے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں عورت اپنے قبیلہ کی مسجد میں اعتکاف کرے۔ اور ہمارے نزدیک اگر عورت نے اپنے قبیلہ کی مسجد میں اعتکاف کیا جائز ہے لیکن مکروہ ہے۔

احناف کے نزدیک عورت اپنے گھر میں جہاں وہ نماز پڑھتی ہے اس جگہ اعتکاف بیٹھے۔ مسجد میں عورت کا اعتکاف کرنا مکروہ ہے۔

اس کی دلیل یہ حدیث مبارک ہے:

○ **عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال○ قال رسول اللہ صلی اللہ علیه و آلہٖ وسلم لا تمنعوا نساء کم المساجد وبیوتهن خیر لهن○**

(ابوداؤد شریف، حدیث:567، صحیح ابن خزیمہ، جلد سوئم، حدیث:1684)

اس کے علاوہ کئی محدثین نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنی عورتوں کو مساجد سے نہ روکو۔ اور ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں۔

تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی کہ ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں۔ اور آپ نے عورت کی حالت نماز اور اعتکاف کے درمیان تفریق نہیں فرمائی تو جب باتفاق الفقہاء عورت کے لیے اعتکاف جائز ہے تو واجب ہوا کہ وہ اعتکاف اپنے گھر میں بیٹھے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "بیوتھن خیر لھن" اگر عورت بھی ان میں سے ہوتی جن کے لیے مسجد میں اعتکاف کرنا مباح ہے تو عورت کے لیے مسجد میں اعتکاف کرنا افضل ہوتا اور ان کے گھر ان کے لیے بہتر نہ ہوتے۔ اس لیے کہ جن کے لیے مسجد میں اعتکاف مباح ہے ان کے لیے اعتکاف کا مسجد میں ہونا شرط ہے۔

اس سے معلوم ہوا عورت کے لیے اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کرنا بہتر اور افضل ہے۔

○ عن ابی الاحوص عن عبداللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قال صلوۃ المراۃ فی بیتھا افضل من صلاتھا فی حجرتھا وصلوتھا فی مخدعھا افضل من صلاتھا فی بیتھا○

(ابوداؤد شریف، حدیث: 570، السنن الکبریٰ، جلد سوئم، ص: 131، مصنف عبدالرزاق، جلد سوئم، حدیث: 5116، صحیح ابن خزیمہ، جلد سوئم، حدیث: 1688)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا۔ آپ نے فرمایا: عورت کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا اپنے حجرہ میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ اور عورت کا اپنے گھر کی کوٹھڑی میں نماز پڑھنا گھر میں نماز پڑھنے سے افضل ہے۔

○ عن یحییٰ بن سعید عن عمرۃ بنت عبدالرحمٰن انھا اخبرتہ ان عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھا زوج النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قالت لو أدرک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ما احدث النساء لمنعھن المسجد کما منعہ نساء بنی اسرائیل ○ قال یحییٰ فقلت لعمرۃ امنعہ نساء بنی اسرائیل○ قالت نعم○

(بخاری شریف، حدیث: 869، مسلم شریف کتاب الصلوٰۃ، ابوداؤد شریف، حدیث: 569، مصنف عبدالرزاق، جلد سوئم، حدیث: 5113)

یحییٰ بن سعید نے عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے روایت کیا کہ انہوں نے خبر دی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو اب عورتیں کر رہی ہیں پالیتے تو ضرور ان کو مساجد میں آنے سے منع فرماتے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کیا گیا تھا۔ یحییٰ بن سعید نے کہا میں نے عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے کہا کیا بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجد میں آنے سے منع کیا گیا تھا۔ عمرہ بنت عبدالرحمٰن نے کہا۔ ہاں ان کو مسجد میں آنے سے روک دیا گیا تھا۔

یہ تمام احادیث مذہب احناف کی مؤید ہیں کہ عورتوں کا مسجد میں نماز پڑھنا جب افضل نہیں تو عورتوں کا مسجد میں اعتکاف کرنا کب جائز ہوگا۔ اور پھر ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث تو عورتوں کے لیے مسجد میں آنے کی ممانعت پر دلالت کرتی ہے۔ چہ جائیکہ عورت مسجد میں اعتکاف کرے۔ اس لیے عورت کا اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف افضل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مسئلہ:

معتکف سوائے حاجت لازمہ شرعیہ کے مسجد سے باہر نہ نکلے جیسے جمعہ کی نماز کے لیے معتکف کا مسجد سے باہر نکلنا۔ یا حاجت طبعیہ کے جیسے بول اور پاخانہ کے لیے مسجد سے باہر نکلنا۔ اور جب معتکف پیشاب و پاخانہ کے لیے مسجد سے باہر نکلے تو وہ گھر میں صرف حاجت ضروریہ کے وضو کرنے کی مقدار ہی گھر میں ٹھہر سکتا ہے۔ اس سے اگر زیادہ گھر میں ٹھہرا تو اعتکاف فاسد ہوگیا۔ اور جمعۃ المبارکہ کی نماز کے لیے اس وقت نکلے جب سورج ڈھل جائے اور معتکف صرف جمعہ کی نماز سے قبل چار رکعات اور جملہ کے بعد چھ (6) رکعات نماز ادا کر سکے اور اس سے زیادہ جامع مسجد میں نہ ٹھہرے۔ اور امام ابوالحسن کوفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: معتکف جمعہ کے لیے اس وقت میں آئے کہ وہ جمعہ سے قبل چار یا چھ رکعات اور جمعہ کے بعد چار رکعات جامع مسجد میں ٹھہر سکے۔ اور جمعہ سے قبل جو چھ رکعات ہیں ان میں سے چار سنت جمعہ ہیں۔ اور دو رکعت تحیۃ المسجد ہیں۔

اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ معتکف کا گھر جامع مسجد سے دور ہو تو وہ اس وقت اپنے معتکف سے نکلے کہ وہ آذان کے وقت جامع مسجد میں پہنچ جائے اگر چہ وہ قبل از زوال نکلے اور یہی صحیح ہے۔

اور اگر اس نے جامع مسجد میں ایک دن اور رات قیام کر لیا تو اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا اور ایسا کرنا مکروہ ہے۔ اور معتکف نہ ہی مریض کی عیادت کرے اور نہ ہی نماز جنازہ کے لیے جائے۔

اس کی دلیل یہ حدیث ہے:

○ **عن الزهری عن عروة عن عائشة انها قالت السنّة علی المعتكف ان لايعود مريضاً ولا يشهد جنازة ولا يمس امرأة ولايباشرها ويخرج لحاجة الا لمالابد منه ولا اعتكاف الابصوم ولا اعتكاف الافی مسجد جامع** ○ (ابوداؤد شریف، حدیث: 2473، دار قطنی، مجلد اول، جز دوئم، حدیث: 2338)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ معتکف پر لازم سنت میں سے ہے کہ وہ نہ ہی مریض کی عیادت کرے اور نہ ہی نماز جنازہ کے لیے جائے۔ اور نہ ہی عورت کو مس کرے اور نہ ہی عورت سے مباشرت کرے۔ اور صرف اس ضروری حاجت کے لیے نکلے جس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اور اعتکاف میں روزہ ضروری ہے اور اعتکاف جامع مسجد میں ہی ہے۔

دار قطنی نے اس حدیث کو محمد بن شہاب زہری کے طریق سے سعید بن میسب اور عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے

روایت کیاان دونوں نے کہاان کوام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خبر دی۔

اور "سنت" سے مراد یہ ہے کہ "کذا فی المرفوع" یعنی اسی طرح مرفوع حدیث میں ہے۔ اسی لیے علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف نماز میں ہاتھ باندھنے کی حدیث کے ماتحت ارقام فرمایا کہ جب صحابی یہ کہے کہ یہ سنت سے ہے تو مراد مرفوع حدیث ہے یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا ہے۔

تو اس حدیث سے ثابت ہوا معتکف کے لیے مریض کی عیادت اور نماز جنازہ کے لیے مسجد سے باہر نکلنا جائز نہیں۔

ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے اپنی اپنی اسناد کے ساتھ، عروۃ بن زبیر، امام زہری، عطاء بن ابی رباح، سعید بن میتب، سفیان ثوری اور مجاہد بن جبر سے یہی روایت کیا ہے کہ

"المعتکف لایشهد جنازة ولا یعود مریضاً ولا یجیب دعوة"

(مصنف عبدالرزاق، جلد 4، حدیث: 8051 تا 8054، مصنف ابن ابی شیبۃ، جلد سوئم، ص: 89)

یعنی معتکف نہ نماز جنازہ کے لیے جائے اور نہ ہی مریض کی عیادت کرے اور نہ ہی کوئی دعوت قبول کرے۔

چنانچہ صحابہ کرام اور تابعین کے اقوال سے ثابت ہوا کہ معتکف نہ تو نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے اور نہ ہی مریض کی عیادت کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی دعوت قبول کر سکتا ہے۔ اور یہی احناف کا مذہب ہے۔ راقم الحروف نے چند مسائل جن میں اختلاف تھا کے بارے مذہب امام ابوحنیفہ کی مؤید احادیث نقل کی ہیں۔ اب اس کے بعد صرف مسائل ہی منقول ہوں گے۔ اس لیے کہ اگر ہر مسئلہ کے تحت حدیث بیان کی جائے تو کتاب ضخیم ہو جائے گی۔ ویسے بھی فقہ حدیث ہی ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شریعت اخذ کرنے کے دو طریقے ہیں۔

ایک بطور ظاہر:

یعنی اسناد کے ساتھ جس میں نقل کی ضرورت ہے۔ متواتر ہو یا غیر متواتر۔

دوسرا طریق دلالت:

اس طرح کہ صحابہ کرام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی کام کرتے دیکھا۔ یا کوئی حکم فرماتے ہوئے سنا۔ تو صحابہ کرام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول یا فعل سے حکم وجوب یا ندب سمجھ کر اس حکم سے لوگوں کو خبردار کیا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اس حکم کا انتساب نہیں کیا۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال، افعال اور تقریر سے صحابی نے جو مسئلہ سمجھا اسے اپنے شاگردوں کے سامنے بلا انتساب بیان کر دیا۔ جیسے عام لوگوں میں دستور ہے کہ عالم سے مسئلہ پوچھتے ہیں تو عالم مسئلہ کا جواب دے دیتا ہے۔ اور جو حکم ہوتا ہے بتا دیتا ہے۔ "مثلاً" کوئی شخص عالم دین سے سوال کرتا ہے کہ مذی یا بول سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں۔ تو عالم دین اس کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ کوئی حدیث پڑھ کر نہیں سناتا۔ تو جس حدیث میں بول یا منی نکلنے سے وضو ٹوٹ جانا، آتا ہے۔ یہ فتویٰ اسی کی روایت ہے لیکن

بطریق ظاہر نہیں بلکہ بطریق دلالت ہے۔ حضرت علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب حجۃ اللہ میں اس طرح نقل کیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

اعلم أن تلقی الامة سنة علی وجهين أحدهما تلقی الظاهر ولابدأن يكون بنقل أما متواتر أوغير متواتر ○

وثانيهما التلقی دلالة وهی أن يری الصحابة رسول الله صلی الله عليه وآله وسلم يقول أو يفعل فا استنبطوا من ذالك حكما من الوجوب وغيره فاخير وابذالك الحكم ○ (حجۃ اللہ ص: 104)

علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس نقل کا ترجمہ وہی ہے جو روایت حدیث کے تحت مذکور ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ مسائل فقہ بطریق دلالت حدیث ہیں۔ اس لیے صرف مسائل اعتکاف میں عرض کروں گا۔ تا کہ کتاب زیادہ ضخیم نہ ہو جائے۔

مسئلہ:

اگر معتکف بلا عذر ایک ساعت کیلیے بھی مسجد سے باہر نکلا حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق اس کا اعتکاف باطل ہو گیا۔ اور صاحبین حضرت امام ابو یوسف ومحمد رحمہما اللہ کے نزدیک اعتکاف باطل نہیں ہوتا جب تک وہ نصف یوم سے زیادہ مسجد سے باہر رہے۔

مسئلہ:

اسی اختلاف کی بنیاد پر جب کوئی شخص بعذر مرض ایک ساعت کے لیے باہر نکلا۔ اس لیے کہ عذر مرض کی وجہ سے مسجد سے باہر نکلنا ایجاب سے مستثنیٰ نہیں ہو جاتا کیونکہ اس کا وقوع اغلب نہیں۔ تو وہ ایسے ہو گیا گویا کہ وہ بلا عذر مسجد سے باہر نکلا ہے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق اس کا اعتکاف باطل ہو گیا۔ مگر یہ کہ وہ عذر مرض کی وجہ سے مسجد سے باہر نکلنے سے گنہگار نہیں ہوگا۔

مسئلہ:

جب کسی نے مسجد کو شہید کر دیا اور معتکف دوسری مسجد میں منتقل ہو گیا۔ یا بادشاہ نے اس کو جبراً مسجد سے باہر نکال دیا یا کسی قرض خواہ نے اس کو مسجد سے باہر نکال لیا۔ یا وہ پیشاب و پاخانہ کے لیے مسجد سے باہر نکلا تھا تو قرض خواہ نے اس کو تھوڑی دیر کے لیے روک لیا حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق اس کا اعتکاف فاسد ہو گیا۔

مسئلہ:

معتکف نے جب رات یا دن کو عامداً یا ناسیاً اپنی بیوی سے جماع کیا تو اس کا اعتکاف فاسد ہو گیا اور اگر اس نے بھول کر

جماع کیا تو اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

مسئلہ:

معتکف کے لیے اپنی جائے اعتکاف میں کھانا، پینا وغیرہ مباح ہے اور اگر معتکف نے دن میں بھول کر کھایا یا پیا اس کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔

علامہ ابن العابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ارقام فرمایا:

جان لو جیسے اعتکاف واجب میں معتکف کے لیے مسجد کے اندر کھانا وغیرہ مکروہ نہیں اسی طرح اعتکاف نفلی میں بھی اس کے لیے کھانا وغیرہ مکروہ نہیں۔ ''جامع الفتاویٰ'' میں ہے معتکف کے علاوہ دوسروں کے لیے مسجد میں کھانا، پینا اور سونا مکروہ ہے اور وہ شخص اس کا ارادہ کرے تو پہلے اعتکاف کی نیت کرے پھر وہ مسجد میں داخل ہو اور وہ اللہ کا ذکر کرے یا نماز پڑھے پھر یہ کام کر سکتا ہے۔ (ردالمحتار، جلد دوئم، ص:146)

معلوم ہوا مسجد میں کھانا، پینا اور سونا مکروہ ہے۔ اور جب مسجد میں جانے والا مسجد میں داخل ہونے سے پہلے اعتکاف کی نیت کرے تو وہ یہ سب کام کر سکتا ہے۔ آج کل تو میت کا تیجہ جس کو ختم قل کہتے ہیں۔ اکثر مساجد میں ہی ہوتا ہے اور بعد از ختم وہاں ہی فروٹ وغیرہ کھایا جاتا ہے۔ لہٰذا ختم قل کے لیے جانے والے کو جب وہ مسجد میں داخل ہو تو نیت اعتکاف کرے تاکہ مسجد میں کھانا وغیرہ جائز ہو۔ اگر اعتکاف کی نیت سے وہ مسجد میں داخل نہیں ہوتا تو اس کے لیے مسجد میں کھانا، پینا وغیرہ مکروہ ہے۔

علامہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگر کسی عمل کی نیتیں کئی ہوں تو اس عمل سے پہلے ان ان سب کی نیت کرے تو اسے اس عمل کا بمع نیتوں کے ثواب حاصل ہوگا۔

مثلاً مسجد میں بیٹھنا ایک عمل ہے لیکن اس بیٹھنے میں نیتیں متعددہ ہیں۔ اگر وہ شخص تمام اعمال کی نیت کر کے مسجد میں بیٹھے گا تو اسے ہر عمل پر ثواب حاصل ہوگا۔ علامہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مسجد میں بیٹھنے والے کی بارہ (12) نیتوں کو نقل کیا ہے۔ اگر آپ اس کو دیکھنا چاہیں تو اصل کتاب کی طرف رجوع کریں۔ ان متعددہ نیات میں سے ایک نیت اعتکاف بھی ہے فرماتے ہیں جب بھی وہ مسجد میں جانا چاہئے وہ نیت اعتکاف کرے اور اس شخص کے قول کے مطابق جو یہ کہتا ہے اعتکاف کی کم از کم مدت ایک ساعت ہے۔ وہ اعتکاف کا ثواب پائے گا۔ اور وہ اس فضل سے مخصوص ہوگا۔ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ اعتکاف ایک عبادت ہے اس کا حصول آسان ہے اور لوگ اس کے حاصل کرنے سے غافل ہیں۔

(اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ، جلد اول، ص:36، مطبوعہ منشی نول کشور)

مسئلہ:

اگر معتکف نے اپنی عورت سے فرج کے علاوہ مباشرت کی (یعنی اس کا بوسہ وغیرہ لیا) اور انزال ہوگیا تو اس کا اعتکاف فاسد ہوگیا اور اگر مباشرت سے انزال نہیں ہوا تو اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ اور اگر صرف نظر کرنے سے انزال ہوگیا تو اس سے روزہ فاسد نہیں ہوگا۔

مسئلہ:

معتکف مباشرت فاحشہ (برہنہ ایک شرمگاہ کو دوسری شرمگاہ سے ملانا) مکروہ ہے اگر چہ اس کو نفس پر امن کا یقین ہو۔ اور یہ روزہ دار کے لیے مباح ہے بشرطیکہ نفس پر اس کا یقین ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اعتکاف دن رات ہوتا ہے اور اس کی مدت لمبی ہے اور ایسی مباشرت کبھی جو اعتکاف کے لیے ممنوع چیز ہے (یعنی جماع) اس میں واقع ہونے کا سبب بن سکتی ہے۔

مسئلہ:

معتکف کے لیے اپنی اور اپنے بال بچوں کی ضرورت کے لیے جس کے سوا اس کا اور کوئی چارہ نہ ہو مسجد میں خرید وفروخت کرسکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ چیز مسجد میں نہ ہو اور بقصد تجارت اگر چیز مسجد میں نہ ہو تو بھی خرید وفروخت کرنا ناجائز ہے۔

مسئلہ:

معتکف اگر بہ نیت عبادت سکوت اختیار کرے یعنی چپ رہنے کو ثواب تصور کرے تو یہ سکوت معتکف کے لیے مکروہ تحریمی ہے۔ ایسے سکوت سے اللہ عزوجل کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

○ **قال علی بن ابی طالب حفظت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لا یتم بعد احتلام○ ولا صمات یوم الی اللیل○** (ابوداؤد شریف، حدیث: 2873)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بات کو یاد رکھا ہے (کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا) احتلام کے بعد بچہ یتیم نہیں رہ جاتا۔ اور ایک دن رات تک سکوت جائز نہیں۔

○ **عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال نھی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عن صوم الصمت وصوم الوصال○** (جامع المسانید للخوازی، جلد اوّل، ص: 472، مطبوعہ دار الباز مکہ مکرمہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چپ کے روزہ اور وصال کے روزہ سے منع فرمایا ہے۔

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف کتاب مناقب الانصار حدیث 3834 کے ماتحت ارقام فرمایا۔

اسماعیلی نے دوسری وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت ''زینب'' نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا۔ ہمارے اور تمہاری قوم کے درمیان زمانہ جاہلیت میں کچھ شر تھا۔ تو میں نے قسم کھائی اگر اللہ تعالیٰ نے اس شر سے ہمیں نجات دی تو میں حج کرنے تک کسی سے کلام نہیں کروں گی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: اسلام نے اس کو ختم کر دیا ہے۔ چنانچہ تم کلام کرو۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مطلقاً کہنا کہ سکوت جائز نہیں اور یہ جاہلیت کے فعل میں سے ہے اور اسلام نے اس کو ختم کر دیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا اپنی طرف سے نہیں بلکہ یہ مرفوع کے حکم میں ہے۔

اس کی تائید ابواسرائیل کے قصہ میں حدیث ابن عباس سے ہوتی ہے۔ ابواسرائیل نے نذر مانی کہ وہ چلتا رہے گا۔ وہ سوار نہیں ہوگا اور کسی درخت کے سایہ میں نہیں بیٹھے گا۔ اور نہ ہی وہ کلام کرے گا۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو سوار ہونے۔ سایہ حاصل کرنے اور کلام کرنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

خطابی نے کہا اہل جاہلیت کی عبادت میں سے ایک عبادت چپ رہنا بھی تھی۔ اور ان میں سے کوئی ایک دن اور رات کا اعتکاف کرتا اور وہ چپ رہتا تو انہیں اس چپ سے منع کیا گیا اور ان کو خیر کے ساتھ بولنے کا حکم دیا گیا۔

ابن قدامہ نے ''المغنی'' میں کہا کلام سے چپ رہنا شریعت اسلام سے نہیں ہے۔ اور ظاہر اخبار اس بات کی دلیل ہیں کہ عبادت سمجھ کر سکوت کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

اور مسند الفردوس میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جو حدیث مروی ہے کہ

''صمت الصائم تسبیح، ونومه عبادة○ ودعائه مستجاب''

روزہ دار کا خاموش رہنا تسبیح ہے۔ اور اس کا سونا عبادت ہے اور اس کی دعا مستجاب ہے۔

یہ حدیث اس سکوت کے خلاف نہیں جو کہ بطور عبادت ہو اصل حدیث کا مساق یہ ہے کہ روزہ دار کے تمام افعال محبوب ہیں نہ کہ صرف سکوت بخصوصہ سکونت مطلوب ہے۔

اور وہ احادیث جو سکوت اور اس کے فضل میں وارد ہوئی ہیں۔

جیسا کہ وہ ترمذی نے حدیث عبداللہ بن عمرو بن عاص سے تخریج کیا ہے کہ ''من صمت نجا'' ''جس نے چپ اختیار کی وہ نجات پا گیا۔ ابن ابی الدنیا نے بسند مرسل جس کے رجال ثقہ ہیں ایک حدیث تخریج کی ہے کہ

''ایسر العبادة الصمت'' آسان عبادت خاموش رہنا ہے۔ یا ان جیسی دیگر احادیث یہ بطور عبادت کے سکوت، کے معارض ہیں۔ اس لیے کہ ان کے مقاصد میں اختلاف ہے۔ اور پسندیدہ سکوت وہ ہے جس میں باطل کلام کا ترک ہو۔

(فتح الباری، جلد 7، ص:150، 151)

چنانچہ حافظ عسقلانی کے کلام سے ثابت ہوا کہ معتکف کے لیے بہ نیت عبادت سکوت مکروہ تحریمی ہے۔ اور اگر چپ رہنا

عبادت سمجھ کر نہ ہو تو سکوت میں کوئی حرج نہیں۔ جیسے کوئی بری بات سے خاموش رہا یہ مکروہ نہیں بلکہ یہ تو اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔ کیونکہ بری بات زبان سے نہ نکالنا واجب ہے اور جس بات میں نہ ثواب ہو نہ گناہ یعنی مباح بات بھی معتکف کے لیے مکروہ ہے مگر بوقت ضرورت۔ اور بلا ضرورت مسجد میں مباح کلام کرنا نیکیوں کو ایسے کھاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔ اس لیے حافظ عسقلانی نے فرمایا کہ پسندیدہ سکوت وہ ہے جس میں باطل کلام کا ترک ہو۔ (درمختار و ردالمختار، جلد دوئم، ص: 147)

مسئلہ:

معتکف نہ چپ رہے اور نہ ہی کلام کرے تو کیا کرے۔ معتکف قرآن مقدس کی تلاوت کرے، حدیث شریف کا پڑھنا اور درود شریف کی کثرت، علم دین کا درس و تدریس، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے سیر و اذکار اور اولیاء و صالحین کی حکایت اور امور دین کی کتابت۔ (درمختار علی حاشیہ ردالمختار، جلد دوئم، ص: 147، فتح القدیر، جلد دوئم، ص: 313)

مسئلہ:

گالی گلوچ اور جھگڑا کرنے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا لیکن ایسا کرنے سے اعتکاف بے نور و بے برکت ہو جاتا ہے۔ اور ثواب میں کمی واقع ہوتی ہے چنانچہ معتکف کو ایسی چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیے۔

مسئلہ:

مسجد کے منارہ پر چڑھنا اگر اس منارہ دروازہ مسجد میں ہو تو اس سے معتکف کا اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ اور اگر دروازہ مسجد سے باہر ہے تو ظاہر روایت میں اسی طرح ہے۔ اور بعض نے کہا یہ صرف موذن کے لیے ہے اس کے لیے کہ اس کا آذان کے لیے مسجد سے خروج ایجاب سے مستثنیٰ ہے۔ اور غیر موذن اس کا اعتکاف فاسد ہو جائے گا۔ کیونکہ مسجد سے ایک ساعت بھی بلا عذر باہر نکلنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق اعتکاف کو فاسد کر دیتا ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ یہ حکم سب کے لیے ہے اور سب کا یہی قول ہے۔ کہ بلا عذر ایک ساعت بھی مسجد سے باہر نکلنا اعتکاف کو باطل کر دیتا ہے۔

مسئلہ:

مملوک کے لیے اس میں کوئی حرج نہیں کہ وہ اپنے مالک کے اذن سے اعتکاف کرے۔ اور عورت اپنے خاوند کی اجازت سے۔ اس لیے کہ اعتکاف سے منع کرنے کا حق مالک اور شوہر کے پاس ہے۔ اگر خاوند نے اپنی بیوی کو اعتکاف کی اجازت دے دی تو اس کے بعد خاوند کو منع نہیں کرنا چاہیے۔ اور اگر خاوند نے اجازت کے بعد پھر اپنی بیوی کو اعتکاف سے منع کر دیا تو یہ منع کرنا صحیح نہیں۔

مسئلہ:

جب معتکف پر غشی طاری ہو گئی یا اسے دیوانگی ہو گئی تو جب اس کو ہوش آئے تو اس پر اعتکاف کی قضاء واجب ہے۔ اور

''معتوہ'' مدہوش، بوہرہ ہو گیا تو ٹھیک ہونیکے بعد اعتکاف کی قضاء واجب ہے۔

مسئلہ:

اگر کسی نے نفل اعتکاف چھوڑ دیا تو اس کی قضاء نہیں کہ وہ وہیں ختم ہو گیا۔ اور اعتکاف مسنون کہ ماہ رمضان المبارک کی آخری دس دنوں تک بیٹھا تھا اسے توڑا تو جس دن توڑا تو فقط اس ایک دن کی قضاء کرے پورے دس دنوں کی قضاء واجب نہیں۔ اسی طرح اگر کسی عذر کی بناء پر اعتکاف ترک ہوا مثلاً عورت کو حیض یا نفاس آ گیا یا جنون و بیہوشی طویل طاری ہوئی ان میں بھی قضاء واجب ہے اور ان میں اگر بعض فوت ہو تو کل کی قضاء کی حاجت نہیں بلکہ جتنے دن اعتکاف فوت ہوا اتنے دن کی ہی قضاء کرے۔ (رد المحتار، جلد دوئم، ص:145، فتاوی قاضیخاں، اولین، ص:107)

اعتکاف مسنون کے متعلق چند مسائل جو بیان کئے گئے ہیں اکثر فتاوی قاضیخاں سے لیے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر کتب فقہ سے بھی یہ مسائل لیے گئے ہیں۔ اور راقم السطور نے اعتکاف واجب یعنی منذور اعتکاف کے متعلقہ مسائل تحریر نہیں کئے اس لیے کہ دور حاضر میں ان کا وقوع بہت کم ہے۔ صرف اعتکاف مسنون کے لیے ہی چند مسائل ضرور یہ تحریر کئے ہیں۔ اللہ عزوجل بوسیلہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبول فرمائے۔ آمین

مسائل تراویح

تراویح کا معنی:

منجد میں ہے "التراویح" ترویحہ کی جمع ہے۔ جس کے معنی مطلقاً بیٹھنے کے ہیں۔ پھر اس بیٹھنے پر اطلاق ہونے لگا جو رمضان کی راتوں میں چار رکعات پڑھ لینے کے بعد آرام حاصل کرنے کے لیے بیٹھتے ہیں۔ پھر ہر چار رکعت ہی کو "ترویحہ" کہنے لگے۔ اور تراویح کا اطلاق پوری بیس (20) رکعت پر ہوتا ہے جن کو رمضان میں پڑھتے ہیں۔

علامہ ابن منظور متوفی 711ھ اپنی کتاب "لسان العرب" میں لکھتے ہیں:

والترويحة ○ فی شهر رمضان سميت بذالك لاستراحة القوم بعد كل اربع ركعات ○ وفی الحديث ○ صلوة التراويح ○ لا نهم كانوا يستريحون بين كل تسلمتين ○ والتراويح ○ جمع ترويحة ○ وهی المرة الواحدة من الراحة ○ تفعيلة منها ○ مثل تسليمة من السلام ○

(لسان العرب، جلد 5، ص: 360، مطبوعہ دار احیاء التراث)

اور ماہ رمضان میں ترویحہ کا نام اس لیے ترویحہ رکھا گیا ہے کہ لوگ ہر چار رکعات کے بعد آرام کرتے ہیں۔ اور حدیث میں ہے "صلوة التراويح" اس لیے کہ لوگ ہر دو سلام پھیرنے کے درمیان آرام کرتے تھے۔ اور تراویح۔ ترويحة کی جمع ہے اور یہ ایک بار آرام کرنے کا نام ہے۔ اس کا وزن "تفعيلة" ہے۔ جیسے سلام سے تسلیمہ ایک بار سلام کرنا۔

اس سے معلوم ہوا تراویح کا مادہ راحت ہے اور ہر چار رکعات کے بعد آرام کرنے کو ترویحہ کہتے ہیں۔ پھر یہ ترویحہ چار رکعات تراویح کا نام بن گیا۔ اور جب بھی کوئی تراویح کہے گا تو اس سے مراد ماہ رمضان میں بیس (20) رکعت نماز تراویح ہی ہوگا۔ چنانچہ لفظ تراویح سے ہی اس کا بیس (20) رکعت ہونا ثابت ہے۔ جیسا کہ کتب لغت سے ظاہر ہے۔

تراویح کا اثبات اور فضیلت از احادیث:

(١) عن ابن شهاب قال اخبرنی ابوسلمة ان ابا هريرة رضی الله عنه قال ○ سمعت رسول الله صلی الله عليه وآله وسلم يقول لرمضان من قامه ايماناً واحتساباً غفرله ماتقدم من ذنبه ○ قال ابن شهاب فتوفی رسول الله صلی الله عليه وآله وسلم والناس علی ذالك ثم كان الأمر

على ذالك فى خلافة ابى بكر وصدراً من خلافة عمر رضى الله عنه ٥

(بخاری شریف، حدیث: 2009، مسلم شریف بمع نووی، جلد اول، ص: 259، ترمذی شریف، حدیث: 683، ابوداؤد شریف، حدیث: 1371، ابن ماجہ شریف، حدیث: 1326، نسائی شریف، حدیث: 2198)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا البتہ رمضان شریف وہ مہینہ ہے کہ جس نے یقین کامل اور حصول ثواب کے لیے رمضان شریف میں قیام کیا۔ اس کے پہلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

(2) عن عبدالرحمن بن عوف عن رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم انه ذكر شهر رمضان ففضله على الشهور وقال ٥ من قام رمضان ايماناً واحتساباً خرج من ذنوبه كيوم ولدته امه ٥

(نسائی شریف، حدیث: 2210، الترغیب، جلد دوئم، ص: 105، مسند احمد، جلد اول، ص: 196، مطبوعہ ادارہ احیاء السنہ گوجرانوالہ، کنز الاعمال، حدیث: 23722، قرطبی، جلد دوئم، ص: 292)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ نے ماہ رمضان کا ذکر فرمایا اور اس کو تمام مہینوں پر فضیلت دی۔ اور فرمایا: جس نے کامل یقین اور حصول ثواب کی خاطر رمضان میں قیام کیا وہ اپنے گناہوں سے ایسے نکل گیا جیسا کہ اس کی ماں نے اسے ابھی جنم دیا ہو۔

(3) عن ابى سلمة قال سمعت ابى يقول ٥ قال رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم ان الله تبارك وتعالى فرض عليكم صيام رمضان وسننت قيامه فمن صامه ايمانا واحتسابا غفر له ماتقدم من ذنبه ٥

(مسند بزار، جلد سوئم، ص: 257، حدیث: 1048، مسند ابویعلی، جلد اول، ص: 279، حدیث: 865، مصنف ابن ابی شیبہ، جلد دوئم، ص: 395)

ابوسلمہ نے کہا میں نے اپنے باپ (عبدالرحمٰن بن عوف) کو کہتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم پر ماہ رمضان کے روزے فرض فرمائے۔ اور میں نے ماہ رمضان کے قیام کو سنت کیا۔ اور جس نے ماہ رمضان کے روزے یقین کامل اور حصول ثواب کی خاطر رکھے اس کے پہلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

(4) عن النضر بن شيبان قال ٥ قلت لأبى سلمة بن عبدالرحمٰن الاتحدثنا حديثاً سمعته من ابيك ٥ سمعه ابوك من رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم فقال ٥ قال عبدالرحمٰن بن عوف ان رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم ذكر رمضان فقال ٥ ان رمضان شهر افترض الله صيامه ٥ وانى سننت للمسلمين قيامه ٥ فمن صامه وقامه خرج من الذنب كيوم ولدته امه ٥

(مسند ابویعلی، جلد اول، ص: 279، حدیث: 866، نسائی شریف، حدیث: 2212، ابن ماجہ شریف، حدیث: 1328، الترغیب، جلد دوئم،

ص:105، صحیح ابن خزیمہ، جلد سوم، حدیث:2201)

نضر بن شیبان سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے کہا کیا تم ہمیں وہ حدیث بیان نہیں کرتے جو حدیث تم نے اپنے باپ سے سنی ہے۔ اور اس حدیث کو تمہارے باپ (عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا ہے۔ تو ابوسلمہ نے کہا۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ماہ رمضان کا ذکر فرمایا۔ اور فرمایا: رمضان المبارک وہ مہینہ ہے کہ اللہ عزوجل نے اس کے روزوں کو فرض فرمایا۔ اور میں نے مسلمانوں کے لیے اس کے قیام کو سنت کیا۔ چنانچہ جو کوئی بھی ماہ رمضان کے روزے رکھے گا اور ماہ رمضان میں رات کو قیام کرے گا وہ گناہ سے ایسے نکل گیا جیسے آج ہی اس کی والدہ نے اس کو جنم دیا ہے۔

(5) عن ابی ھریرۃ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم یرغب فی قیام رمضان من غیر ان یامرھم بعزیمۃ فیقول من قام رمضان ایمانا واحتساباً غفرلہ ماتقدم من ذنبہ ○ فتوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم والامر علیٰ ذالک ثم کان الأمر علی ذالک فی خلافۃ ابی بکرو صدرًا من خلافۃ عمر علی ذالک○

(مسلم شریف بمع نووی، جلد اول، ص:250، بخاری شریف، حدیث:2009، ابوداؤد شریف، حدیث:1371، مصنف عبدالرزاق، جلد 4، حدیث:7719)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم قیام رمضان کے متعلق ترغیب دیتے تھے اور لوگوں کو پختہ ارادہ سے حکم نہیں دیتے تھے۔ فرماتے تھے جس نے یقین کامل اور حصول ثواب کی خاطر ماہ رمضان میں رات کا قیام کیا اس کے پہلے گناہ معاف کر دیے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال مبارک ہوا تو امر اسی پر تھا (یعنی لوگ نماز تراویح تنہا پڑھتے تھے جماعت کے ساتھ نہیں پڑھتے تھے) پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یہ کام اسی طرح رہا۔ اور پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اوائل خلافت میں بھی یہ امر اسی طرح تھا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے "**فتوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم والأمر علیٰ ذالک**" کو امام زہری کا قول قرار دیا ہے۔

(6) وعن ابن شھاب عن عروۃ بن الزبیر عن عبدالرحمٰن القاریٔ انہ قال خرجت مع عمر بن الخطاب لیلۃ فی رمضان الی المسجد (الی آخر الحدیث)

(بخاری شریف، حدیث:2010، مصنف عبدالرزاق، جلد 4، حدیث:7723)

عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں رمضان المبارک کی ایک رات حضرت عمر بن

خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد کی طرف نکلا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ جدا جدا نماز پڑھ رہے ہیں۔ کوئی شخص اپنی نماز پڑھ رہا ہے اور کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہے تو اس کی نماز کے ساتھ ایک گروہ۔ جماعت نماز پڑھ رہی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا خیال ہے کہ اگر میں ان لوگوں کو ایک قاری پر جمع کر دوں تو یہ بہت ہی اچھا ہوگا۔ پھر آپ نے یہ ارادہ کر لیا اور لوگوں کو حضرت اُبی بن کعب پر متفق کر دیا۔ عبدالرحمٰن بن عبدالقاری نے کہا میں پھر دوسری رات ان کے ساتھ باہر نکلا اور لوگ اپنے قاری کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا یہ بدعت اچھی ہے۔ اور وہ رات جس میں وہ سوئے رہتے ہیں اس سے وہ رات بہتر ہے۔ جس میں وہ کھڑے رہتے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مراد رات کا آخری حصہ ہے اور لوگ رات کے اول حصہ میں کھڑے ہوتے تھے۔

(7) عن عائشة زوج النبی صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم وذالك فی رمضان ○ وعن ابن شهاب اخبرنی عروۃ ان عائشة رضی اللہ تعالٰی عنها اخبرته ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم خرج لیلة من جوف اللیل فصلی فی المسجد وصلی رجال بصلوته ○ الی آخر الحدیث ○ (بخاری شریف، حدیث: 2012، مسلم شریف بمعہ نووی، جلد اوّل، ص: 259، مصنف عبدالرزاق، جلد 4، حدیث: 7747، صحیح ابن خزیمہ، جلد سوئم، حدیث: 2207)

رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نماز پڑھی اور یہ (یعنی آپ نے جو دو راتیں نماز پڑھی) نماز پڑھنا رمضان شریف میں تھا۔ ابن شہاب زہری سے روایت ہے کہ مجھے عروہ (بن زبیر رضی اللہ عنہ) نے خبر دی کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایک شب نصف رات کو باہر تشریف لائے اور مسجد میں نماز پڑھی۔ اور لوگوں نے بھی آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ صبح لوگوں نے اس کا چرچہ کیا اور دوسرے رات لوگ اس سے بھی زیادہ جمع ہو گئے۔ اور انہوں نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ اور صبح کو لوگوں نے اس کا تذکرہ کیا تو تیسری رات نمازی بہت زیادہ ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم باہر تشریف لائے اور نماز پڑھی اور لوگوں نے بھی آپ کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ اور جب چوتھی رات آئی تو مسجد نمازیوں سے تنگ ہو گئی۔ حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صبح کی نماز کے لیے باہر تشریف لائے اور جب نماز فجر پوری ہو گئی تو آپ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور خطبہ پڑھا پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کے بعد شان یہ ہے تمہارا مسجد میں ٹھہرنا مجھ پر مخفی نہ تھا لیکن مجھے خوف لاحق ہوا کہ تم پر رات کی نماز فرض نہ ہو جائے اور تم اس کے ادا کرنے سے عاجز ہو جاؤ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے وفات فرمائی تو یہ معاملہ اسی طرح رہا۔

(8) عن عروة عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنھا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم صلی فی المسجد ذات لیلة فصلی بصلاته الناس ○ثم صلی من القابلة فکثر الناس ثم اجتمعوا من اللیلة الثالثة او الرابعة فلم یخرج الیھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ○ فلما اصبح قال قد رأیت الذی صنعتم فلم یمنعنی من الخروج الیکم الا انی خشیت ان یفرض علیکم قال وذالک فی رمضان○

(مسلم شریف بمعہ نووی، جلد اوّل، ص:259، مصنف عبد الرزاق، جلد سوئم، ص:265، حدیث:7746)

عروہ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسجد میں نماز پڑھی۔ تو آپ کے ساتھ لوگوں نے بھی نماز پڑھی۔ آپ نے پھر آئندہ رات نماز پڑھی تو لوگ بہت زیادہ تھے۔ پھر تیسری یا چوتھی رات کو لوگ بہت زیادہ جمع ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کے پاس تشریف نہ لائے۔ جب صبح ہوئی تو آپ نے فرمایا جو کچھ تم نے کیا میں نے دیکھ لیا۔ لیکن مجھے تمہارے پاس آنے سے صرف اس بات نے منع کیا کہ مجھے خوف لاحق ہوا کہیں تم پر یہ نماز فرض نہ ہو جائے عروہ کہتے ہیں اور یہ نماز پڑھنا رمضان المبارک میں تھا۔

عبد الرزاق نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ جب صبح ہوئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گزشتہ رات لوگ آپ کا کافی انتظار کرتے رہے۔ آپ نے فرمایا: مجھ پر ان کا معاملہ پوشیدہ نہیں تھا' لیکن مجھے خوف لاحق ہوا کہیں یہ نماز ان پر فرض نہ ہو جائے۔

احادیث مبارکہ سے چند امور کا ثبوت:

نماز تراویح کے متعلق میں نے جو چند احادیث مبارکہ نقل کی ہیں۔ ان سے چند امور ثابت ہوتے ہیں:

1- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تین یا چار رات نماز تراویح باجماعت ادا فرمائی پھر اس کے فرض ہونے کے خوف سے اس کو ترک فرما دیا۔

2- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نماز تراویح پڑھا کرتے تھے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نماز تراویح کی ترغیب فرماتے تھے۔ اور نماز تراویح کی ترغیب دینا اس بات کی دلیل ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود بھی نماز تراویح ادا فرماتے تھے۔

3- احادیث مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام بھی نماز تراویح پڑھا کرتے۔ لیکن وہ تنہا اپنی اپنی نماز تراویح پڑھتے تھے۔ جماعت کے ساتھ نہیں۔

4- ان سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے

اوائل خلافت تک صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم متواتر و مسلسل تراویح ادا کرتے رہے۔ نہ کہ انہوں نے نماز تراویح کو ترک کر دیا تھا۔

5- حدیث نمبر (6) سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز تراویح اوّل رات میں پڑھی گئی کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ رات جس میں وہ سوئے رہتے ہیں۔ اس سے افضل ہے جس میں وہ کھڑے رہتے ہیں۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مراد رات کا آخری حصہ ہے اور لوگ رات کے اوّل حصہ میں کھڑے ہوتے تھے۔ معلوم ہوا نماز تراویح کا وقت اوّل رات ہے۔

6- حدیث نمبر (8) سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں شامل تھے جنہوں ماہ رمضان میں تین یا چار راتیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز تراویح ادا کی۔ کیونکہ محدث کبیر عبد الرزاق بن ہمام نے اپنے ''مصنف'' میں روایت کیا ہے کہ جب صبح ہوئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گزشتہ رات لوگ آپ کا کافی انتظار کرتے رہے اور آپ تشریف نہیں لائے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز تراویح ادا کی۔ جب آپ کی اقتداء میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا نماز تراویح ادا کرنا ثابت ہو گیا تو بیس تراویح پڑھنے کا ثبوت بھی متحقق ہو گیا۔ کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں نماز تراویح باجماعت پڑھنے کا اہتمام فرمایا۔ اور لوگوں کو ایک قاری کے پیچھے بیس رکعات تراویح پڑھنے کا حکم دیا۔ اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو فعل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیس رکعات نماز تراویح پڑھنے کا علم نہ ہوتا آپ کبھی بھی خلاف رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ کرتے۔ معلوم ہوا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بیس تراویح پڑھنے کا حکم دینا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل کے مطابق وموافق تھا ورنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس کے خلاف نہ کرتے۔

بیس تراویح کا ثبوت:

سب سے پہلے تراویح کے متعلق احادیث و آثار پیش کئے جائیں گے۔ اس کے بعد علماء کرام کی آراء پیش کی جائیں گی۔

(1) **حدثنا يزيد بن هارون قال نا ابراهيم بن عثمان عن الحكم عن مقسم عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما ٥ ان رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم كان يصلى فى رمضان عشرين ركعة والوتر ٥**

(مصنف ابن ابی شیبہ، جلد دوئم، ص: 394، مطبوعہ ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک میں بیس رکعت نماز تراویح اور وتر پڑھتے تھے۔

اس حدیث مبارک کو جن محدثین کرام نے تخریج کیا ہے ان کے حوالہ جات یہ ہیں۔

(2) حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی نے ''معجم کبیر'' میں اس حدیث کو تخریج کیا ہے:

حدثنا محمد بن جعفر الرازی ثنا علی بن الجعدثنا ابو شیبة ابراهیم بن عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس قال ○ کان النبی صلی الله علیه و آله وسلم یصلی فی رمضان عشرین رکعة والوتر ○

(معجم کبیر للطبرانی، جلد 11، ص: 311، حدیث: 12102، مطبوعہ دار احیاء التراث عربی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان شریف میں بیس رکعت نماز تراویح ادا فرماتے تھے۔ اور وتر پڑھتے تھے۔

(3) **عن عبدالله بن محمد بن عبد ثنا منصور بن ابی مزاحم ثنا ابو شیبة عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس قال کان النبی صلی الله علیه و آله وسلم یصلی فی شهر رمضان فی غیر جماعة بعشرین رکعة والوتر ○**

(سنن الکبریٰ للبیہقی، جلد دوئم، ص: 496، مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

(4) عبد بن حمید کشی نے ''المنتخب فی المسند'' میں بھی اس حدیث کو تخریج کیا ہے:

عن ابی شیبة ابراهیم بن عثمان عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس قال کان النبی صلی الله علیه و آله وسلم یصلی فی شهر رمضان عشرین رکعة والوتر ○

(المسند عبد بن حمید کشی، حدیث: 652)

(5) ان کے علاوہ امام بغوی نے ''المعجم'' میں۔ حافظ مزی نے تہذیب الکمال، جلد اوّل، ص: 269 میں۔ حافظ ذھبی نے ''میزان الاعتدال''، جلد اوّل، ص: 48 میں اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الحاوی للفتاویٰ'' جلد دوئم، ص: 347 میں اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

اور ان محدثین کرام نے لکھا ہے کہ ابوشیبہ ابراہیم بن عثمان نے (اپنے ماموں) حکم بن عتیبہ سے جو روایت کی ہے ضعیف ہے کیونکہ تمام ائمہ نقد و محدثین نے ابراہیم بن عثمان کو ضعیف لکھا ہے۔ اس کے باوجود ابو احمد بن عدی نے کہا ابراہیم بن عثمان کی احادیث صالح ہیں۔ وہ اگرچہ ضعیف ہے لیکن ابراہیم بن ابی حیہ سے زیادہ ضعیف نہیں۔ (تہذیب الکمال، جلد اوّل، ص: 270) اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ ابراہیم بن عثمان اپنے ماموں سے احادیث مناکیر روایت کرتا ہے اور ابراہیم بن عثمان کے ضعف کی بنا پر حدیث ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ضعیف ہے۔ تو دیگر آثار بیس رکعت تراویح کے متعلق آئے ہیں۔ وہ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مؤید ہیں جن میں سے چند آثار بسند جید مروی ہیں جن کی علماء محدثین نے بھی توثیق فرمائی۔ اب وہ آثار پیش خدمت ہیں۔

(6) سب سے پہلے وہ آثار ملاحظہ فرمائیں جن کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے:

حدثنا ابوبکر قال ثنا وکیع عن سفیان عن ابی اسحاق عن عبداللہ بن قیس ٥ عن شتیر بن شکل انه کان یصلی فی رمضان عشرین رکعة ٥ والوتر ٥

عبداللہ بن قیس نے شتیر بن شکل (طبقۂ ثانیہ سے ثقہ ہے) سے روایت کیا ہے کہ وہ ماہ رمضان المبارک میں بیس رکعات نماز تراویح پڑھتے تھے اور وتر بھی۔

(7) حدثنا وکیع عن حسن بن صالح عن عمرو بن قیس عن ابی الحسناء ان علیا رضی اللہ عنه أمر رجلا یصلی بهم فی رمضان عشرین رکعة ٥

عمرو بن قیس ملائی نے ابی الحسناء سے روایت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو رمضان میں بیس رکعت نماز تراویح پڑھائے (اور عمرو بن قیس کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ وہ ثقہ ہیں۔ احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، ابوزرعہ، ابوحاتم اور نسائی نے کہا وہ ثقہ ہے۔ (تہذیب الکمال، جلد 7، ص: 662)

(8) حدثنا وکیع عن مالك بن انس عن یحیی بن سعید ان عمر بن الخطاب امر رجلاً یصلی بهم عشرین رکعة ٥

یحییٰ بن سعید (بن قیس بن عمرو) سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعات نماز تراویح پڑھائے۔

(یحییٰ بن سعید صحاح ستہ کے رواۃ سے ہیں اور طبقہ خامسہ سے ثقہ اور ثبت ہیں) (تہذیب الکمال، جلد 10، ص: 688)

اور اس حدیث کے جملہ رجال ثقہ ہیں۔

(9) حدثنا وکیع عن نافع بن عمر قال کان ابن ابی ملیکة یصلی بنا فی رمضان عشرین رکعة ٥

نافع بن عمر سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا ابن ابی ملیکہ (عبداللہ) ہمیں رمضان میں بیس رکعت نماز تراویح پڑھاتے تھے۔

(اور ابوملیکہ کا نام زہیر بن عبداللہ بن جدعان ہے اور وہ صحابی ہیں)

(10) حدثنا حمید بن عبدالرحمٰن عن حسن عبدالعزیز بن رفیع قال کان ابی بن کعب یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعة ویوتر بثلاث ٥

عبدالعزیز بن رفیع نے کہا ابی بن کعب رمضان شریف مدینہ منورہ میں لوگوں کو بیس رکعات نماز تراویح پڑھاتے اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

(11) حدثنا ابومعاویة عن حجاج عن ابی اسحاق عن الحارث انه کان یؤم الناس فی رمضان باللیل

بعشرین رکعة ویوتر بثلاث ویقنت قبل الرکوع ٥

ابواسحاق (عمرو بن عبداللہ بن عبید سبیعی) نے حارث (بن عبداللہ اعور ہمدانی) سے روایت کیا کہ وہ رمضان المبارک میں رات کے وقت لوگوں کی امامت کراتے اور بیس رکعت نماز تراویح پڑھاتے اور تین وتر اور رکوع سے قبل دعائے قنوت پڑھتے۔

ابواسحاق نے حارث بن عبداللہ سے صرف چار احادیث روایت کی ہیں اور یہ بھی کتاب سے اخذ کیں ہیں۔

(تہذیب الکمال، جلد دوئم، ص: 345)

(12) حدثنا غندر عن شعبہ عن خلف عن ربیع واثنی علیہ خیرا عن الابی البختری انہ کان یصلی خمس ترویحات فی رمضان ویوتر ثلاث ٥

ربیع سے روایت ہے "اور ان کی اچھی تعریف کی گئی" کہ ابوالبختری (سعید بن فیروز طائی) رمضان المبارک میں پانچ تروعیہ (بیس رکعت) نماز تراویح پڑھاتے تھے۔ اور تین وتر۔

(13) حدثنا ابن نمیر عن عبدالملک عن عطاء قال ادرکت الناس وھم یصلون ثلاثة وعشرین بالوتر

ابن نمیر (محمد بن عبداللہ بن نمیر صحاح ستہ کے رواۃ سے ہے) نے عبدالملک (بن عبدالعزیز صحاح ستہ کے رواۃ سے ہے) نے انہوں نے عطاء بن ابی رباح (صحاح ستہ کے رواۃ سے ہے) سے روایت کیا۔ عطاء بن ابی رباح نے کہا میں نے لوگوں کو پایا ہے کہ وہ بمعہ وتر تیئس (23) رکعات تراویح ادا کرتے تھے۔ (بیس رکعات تراویح اور تین وتر)۔

(14) حدثنا فضل بن دکین عن سعید بن عبید ان علی بن ربیعة کان یصلی بھم فی رمضان خمس ترویحات ویوتر بثلاث ٥

فضل بن دکین (ابونعیم صحاح ستہ کے رواۃ سے ہے) نے سعید بن عبید طائی، (ابن ماجہ کے سوا صحاح ستہ کے رواۃ سے ہے) نے علی بن ربیعہ (والبی صحاح ستہ کے رواۃ سے ہے) سے روایت کیا کہ علی بن ربیعہ والبی ماہ رمضان میں لوگوں کو پانچ ترویحات (بیس رکعات) نماز تراویح پڑھاتے تھے۔ اور تین وتر۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، جلد دوئم، ص: 293، مطبوعہ ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

آپ نے ابن ابی شیبہ کی احادیث سماعت فرمائیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے نماز تراویح بیس رکعت ہی ہے۔ آپ یہ بھی ملحوظ خاطر رکھیں کہ ابن ابی شیبہ۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ میں سے ہیں۔ اور ابن ابی شیبہ نے اپنے "مصنف" میں جتنی احادیث تخریج کی ہیں ان میں سے صرف دو یا تین اثر ایسے ہیں جن کی اسناد صحیح نہیں اور باقی تمام آثار کی اسناد جید ہیں اور اکثر رواۃ وہ ہیں۔ جو صحاح ستہ کے رواۃ ہیں۔

اور ابن ابی شیبہ کے یہ جملہ آثار حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث کے مؤید ہیں۔ جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیس تراویح پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیس تراویح ادا نہ فرمائی ہوتی۔ تو حضرت علی المرتضیٰ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ اور جن کا شمار خلفائے اربعہ سے ہوتا ہے جس کے متعلق خود نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهديين " وہ کبھی بھی کسی شخص کو بیس رکعات نماز تراویح پڑھانے کا حکم نہ دیتے۔ چنانچہ ان کا بیس رکعات نماز تراویح پڑھانے کا حکم دینا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیس رکعت نماز تراویح ہی ادا فرماتے تھے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ظاہر ہے۔

الحافظ الکبیر ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام صنعانی متوفی 211ھ کی کتاب مصنف عبدالرزاق سے چند اثر بھی سماعت فرمائیں۔

(15) عبدالرزاق عن داؤد بن قیس وغیرہ عن محمد بن یوسف عن السائب بن یزید ٥ ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه جمع الناس فی رمضان علی ابی بن کعب، علی تمیم الداری علی احدی وعشرین رکعة٥ (مصنف عبدالرزاق، جلد 4، ص:26، حدیث:7730)

سائب بن یزید سے روایت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ماہ رمضان میں ابی بن کعب اور تمیم داری کی امامت پر لوگوں کو جمع کیا اور وہ اکیس رکعات نماز پڑھاتے تھے۔

بیس رکعات نماز تراویح اور ایک وتر۔ حالانکہ یہ روایت احناف کے خلاف ہے کہ احناف کے نزدیک وتر ایک رکعت نہیں۔ تین رکعت ہیں۔ اس حدیث کو نقل کرنے کا اصل مقصد بیس رکعت نماز تراویح ہے جو اس حدیث سے ثابت ہے۔

(16) عبدالرزاق عن (ابراهیم بن محمد ابی یحییٰ) اسلمی عن الحارث بن عبدالرحمٰن ابن ابی ذباب عن السائب بن یزید قال ٥ کنا ننصرف من القیام علی عهد عمر وقددنا فروع الفجر وكان القیام علی عهد عمر ثلاثة وعشرین رکعة٥ (مصنف عبدالرزاق، جلد دوئم، ص:261، حدیث:7733)

سائب بن یزید سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا ہم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں رات کے قیام سے واپس لوٹتے تھے حالانکہ صبح صادق ہونے کی قریب ہوتی تھی۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں رات کا قیام (یعنی نماز تراویح) تیئس (23) رکعت ہوتی تھیں بیس رکعت نماز تراویح اور تین وتر۔

(17) عبدالرزاق عن الثوری عن اسماعیل بن عبدالملك قال كان سعید بن جبیر یومنا فی شهر رمضان فكان یقرابالقراء تین جمیعاً یقرأ لیلة بقرأة ابن مسعود٥ فكان یصلی خمس ترویحات٥ (مصنف عبدالرزاق، جلد 4، ص:266، حدیث:7749)

اسماعیل بن عبدالملک نے کہا۔ حضرت سعید بن جبیر ماہ رمضان المبارک میں ہمیں امامت کراتے تھے۔ اور دونوں قرأت ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ ایک رات قرآن ابن مسعود کے مطابق پڑھتے (اور ایک رات قرآۃ عثمان رضی اللہ عنہ کے مطابق پڑھتے) اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ پانچ ترویحات (یعنی بیس رکعت نماز تراویح) پڑھاتے تھے۔

اس حدیث کی سند کی طرف غور فرمائیں۔ ثوری، ثوری ہی ہیں جن کی ثقاہت میں کوئی شک نہیں۔ پھر اسماعیل بن عبدالملک ہیں۔ امام بخاری نے فرمایا: ان کی احادیث لکھی جائیں۔ اور سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ صحاح ستہ کے رواۃ سے ہیں۔ جس کو حافظ مزی نے ثقہ، امام، حجۃ علی المسلمین لکھا ہے۔ اسی لیے یہ راقم الحروف ہر حدیث کی پوری سند نقل کررہا ہے۔ تاکہ اس حدیث کی صحت وسقم کے متعلق جانچ پڑتال کی جاسکے۔ اور ضعیف کے گردان کرنے والے جان سکیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے یا صحیح۔

امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے یزید بن رومان کا ایک اثر تخریج کیا ہے۔

(18) عن مالک عن یزید بن رومان انه قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب رضی الله عنه فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة ٥ (مؤطا امام مالک، جلد اول، ص 239 مطبوعہ دار الفکر)

امام مالک نے یزید بن رومان سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا لوگ زمانہ حضرت عمر بن خطاب میں ماہ رمضان المبارک میں تئیس (23) رکعات کے ساتھ قیام کرتے تھے۔ یعنی زمانہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں لوگ ماہ رمضان میں بیس رکعت نماز تراویح ادا کرتے تھے۔

امام المحدثین الحافظ الجلیل ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی متوفی 458ھ نے اپنی کتاب ''السنن الکبریٰ'' میں چند آثار تخریج کئے ہیں:

(19) حدثنا علی بن الجعد انبأ ابن ابی ذئب عن یزید بن خصیفه عن السائب بن یزید قال ٥ کانو یقومون علی عهد عمر بن الخطاب رضی الله عنه فی شهر رمضان بعشرین رکعة ٥

سائب بن یزید سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا لوگ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں۔ ماہ رمضان المبارک میں بیس رکعت کے ساتھ قیام کرتے تھے۔ یعنی بیس رکعت نماز تراویح ادا کرتے تھے۔

(20) حدثنا ابن بکیر ٥ حدثنا مالک عن یزید بن رومان قال ٥ کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة ٥

ویمکن الجمع بین الروایتین فانهم کانوا یقومون باحدی عشرة ثم کانوا یقومون بعشرین ویوترون بثلاث ٥ والله اعلم ٥

یزید بن رومان سے روایت ہے۔ (یہ صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں اور ثقہ ہیں) انہوں نے کہا لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں۔ ماہ رمضان المبارک میں تیئیس (23) رکعت نماز کے ساتھ قیام کرتے تھے۔

حافظ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ دونوں روایتوں کو جمع کرنا ممکن ہے۔ وہ اس طرح کہ پہلے لوگ گیارہ رکعت نماز پڑھتے تھے۔ پھر وہ بیس (20) رکعت نماز تراویح ادا کرتے اور تین وتر پڑھتے۔

(21) حدثنا عبدالوهاب انبأ جعفر بن عوف انبأ ابو الخصيب قال كان يؤمنا سويد بن غفلة فى رمضان فيصلى خمس ترويحات عشرين ركعة وروينا عن شتير بن شكل وكان من اصحاب على رضى الله عنه انه كان يؤمهم فى شهر رمضان بعشرين ركعة ويؤتر بثلاث وفى ذلك قوة ٥

ابوالخصیب (زیاد بن عبدالرحمٰن قیسی طبقہ رابعہ سے مقبول ہے) نے کہا سوید بن غفلہ (صحاح ستہ کے رواۃ میں سے ہیں۔ یحیٰی بن معین نے کہا وہ ثقہ ہیں) ماہ رمضان میں ہمیں امامت کرواتے تھے۔ اور پانچ ترویحات (یعنی) بیس رکعت نماز تراویح پڑھاتے تھے۔ اور ہم نے شتیر بن شکل سے روایت کیا اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اصحاب میں سے تھے۔ وہ ماہ رمضان میں لوگوں کی امامت کراتے اور بیس رکعت نماز تراویح پڑھاتے تھے۔ اور تین رکعات وتر پڑھتے۔ اور اس حدیث میں قوت ہے۔ یعنی یہ حدیث قوی ہے۔

(22) حدثنا حماد بن شعيب عن عطاء بن السائب عن ابى عبدالرحمٰن السلمى عن على رضى الله عنه قال ٥ دعا القراء فى رمضان فأمر منهم رجلاً يصلى بالناس عشرين ركعة ٥ قال ٥ وكان على رضى الله عنه يوتر بهم ٥

ابی عبدالرحمٰن سلمیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ انہوں نے کہا حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ نے ماہ رمضان المبارک میں قراء حضرات کو بلایا اور ان میں سے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس رکعت نماز تراویح پڑھائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ وتر خود پڑھاتے۔

(23) حدثنا الحسن بن صالح عن ابى سعد البقال عن ابى الحسناء ٥ ان علياً بن ابى طالب أمر رجلاً ان يصلى بالناس خمس ترويحات عشرين ركعة ٥ وفى هذا الاسناد ضعف ٥

حسن بن صالح نے ابوسعد بقال (سعید بن مرزبان) سے انہوں نے ابوالحسناء (حسن یا حسین) سے روایت کیا۔ کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو پانچ ترویحات، بیس رکعت نماز تراویح پڑھائے۔ حافظ بیہقی نے فرمایا: اس حدیث کی اسناد میں ضعف ہے۔

(السنن الکبریٰ، جلد دوئم، ص: 496-497، مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

اقول:

میں کہتا ہوں یہ ضعف ابوسعد سعید بن مرزبان بقالی کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ وہ متکلم فیہ ہے۔ اگر یہ معاملہ اسی طرح ہے تو اس حدیث کی اس کے غیر سے متابعت موجود ہے جو کہ ثقہ ہے۔ یہ متابعت مصنف ابن ابی شیبہ میں موجود ہے۔ وہ یہ ہے:

(24) حدثنا وکیع عن حسن بن صالح عن عمرو بن قیس عن ابی الحسناء ان علیاً امر رجلاً یصلی بهم فی رمضان عشرین رکعة ○ (مصنف ابن ابی شیبہ، جلد دوئم، ص:293)

عمرو بن قیس (ملائی) نے ابوالحسناء سے روایت کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ رمضان المقدس میں لوگوں کو بیس رکعت نماز تراویح پڑھائے۔

امام بیہقی نے اس حدیث کو ابوسعد بقالی سے روایت کیا جو کہ ضعیف ہے اور ابن ابی شیبہ نے عمرو بن قیس ملائی سے اس کی روایت کی جو کہ ثقہ ہے۔ حافظ مزی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، ابوزرعہ ابوحاتم اور نسائی نے کہا وہ ثقہ ہے۔ (تہذیب الکمال، جلد 7، ص:662)

معلوم ہوا یہ حدیث صحیح ہے۔ ضعف تو صرف ابوسعد بقالی کی وجہ سے تھا۔ جب یہی حدیث ان کے علاوہ عمرو بن قیس ملائی سے بھی مروی ہے تو یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ علماء کے نزدیک عمرو بن قیس ثقہ ہیں۔

حضرت علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر بن محمد سیوطی نے اپنی کتاب ''الحاوی للفتاوی'' میں ارقام فرمایا:

(25) ثم رأیت فی تخریج احادیث الشرح الکبیر لشیخ الاسلام ابن حجر مانصه ○ قول الرافعی ○ انه صلی اللہ علیه وآله وسلم صلی بالناس عشرین رکعة لیلتین فلما کان فی اللیلة الثالثة اجتمع الناس فلم یخرج الیهم ثم قال من الغد ○ "خشیت ان تفرض علیکم فلا تطیقوها" متفق علی صحته من حدیث عائشة دون عدد الرکعات ○

(الحاوی للفتاوی، جلد دوئم، ص:349، مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: میں نے شیخ الاسلام ابن حجر کی الشرح الکبیر کی تخریج احادیث میں ایک حدیث دیکھی۔ جس کے الفاظ یہ ہیں: مانصہ اور یہ امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو راتیں بیس رکعت نماز تراویح لوگوں کے ساتھ ادا فرمائی۔ جب تیسری رات آئی لوگ جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس تشریف نہ لائے۔ پھر علی الصبح فرمایا مجھے اس بات کا خوف لاحق ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے۔ اور تم اس کے پڑھنے کی طاقت نہ رکھو۔

امام رافعی فرماتے ہیں: حدیث عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جس میں تعداد رکعات نہیں وہ حدیث ہے جس پر سب کا اتفاق ہے۔

(بخاری شریف، حدیث:2012، مسلم شریف بمع نووی، جلد اول، ص:259)

یہ حدیث ''اثبات تراویح اور اس کی فضیلت'' کے ماتحت حدیث نمبر 7 ملاحظہ فرمائیں۔ جس حدیث کے آخر میں ہے۔ اور یہ قول امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

''فتوفی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم والامر علی ذالک''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو معاملہ اس طرح رہا۔ کہ لوگ اپنے گھروں میں بلا جماعت انفرادی نماز تروایح پڑھتے تھے۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے آٹھ تراویح کا ثبوت پیش کرتے ہیں وہ غلط ہے۔ کیونکہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قول کے مطابق ان تین راتوں میں نماز کی تعداد رکعات کا تعین نہیں۔ بلکہ مطلقاً قیام رمضان کا ثبوت ملتا ہے۔

بندۂ ناچیز نے بحمدہ تعالیٰ پچیس (25) احادیث مبارکہ نماز تراویح کے متعلق نقل کی ہیں۔ جن میں سے ایک حدیث مرفوع ہے۔ اور باقی آثار صحابہ وتابعین ہیں۔ اور ان جملہ آثار میں فقط دو یا تین کے علاوہ باقی سب آثار صحیح ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے نماز تراویح بیس (20) رکعت ہی ہے۔ جن پر صحابہ وتابعین کا اجماع ہے۔ آٹھ رکعات نماز تراویح کا ثبوت نہیں ملتا۔ اور بیس رکعات تراویح کا ثبوت ملتا ہے۔ جیسا کہ آثار سے ظاہر ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث سے بھی ثابت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیس (20) رکعت نماز تراویح ادا فرماتے تھے گو کہ علمائے نقد نے ابراہیم بن عثمان ابوشیبہ کو جو کہ حکم بن عتیبہ کے بھانجے ہیں۔ ان کو ضعیف قرار دیا ہے اور اس حدیث مبارک کو قابل استدلال نہیں سمجھا اگرچہ یہ حدیث ایک راوی حدیث کی وجہ سے ضعیف ہے لیکن عمل کے اعتبار سے یہ حدیث صحیح ہے۔ وہ اس لیے کہ نوے (90) فیصد لوگوں کا بیس رکعت نماز تراویح پر ہی عمل ہے جن میں ہزاروں کی تعداد میں صحابہ کرام بھی شامل ہیں۔ پھر تابعین وتبع تابعین۔ اس کے علاوہ اکثر علماء اور اولیاء کرام کا اسی پر عمل ہے۔ اور حرمین شریفین میں بھی بیس رکعت نماز تراویح ہی پڑھی جاتی تھیں۔ چنانچہ یہ ایک اجماع امت ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث پر عمل پیرا ہے۔ بظاہر تو یہ حدیث ضعیف ہے لیکن عمل کے اعتبار سے صحیح ترین ہے۔ پھر صحابہ وتابعین کے آثار بھی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مؤید ہیں۔ جن سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کی توثیق ہوتی ہے۔

لیکن کتنا تعجب اور افسوس ہے غیر مقلدین پر کہ وہ بیس رکعت نماز تراویح کا انکار کرتے ہیں۔ اس کے باوجود زبان سے اقرار بھی کرتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ لفظ ''تراویح'' کی دلالت ہی بیس رکعت پر ہے جیسا کہ علمائے لغت نے لکھا ہے۔ تو جب ہمارے غیر مقلدین بھائی زبان سے لفظ تراویح بولتے ہیں تو درحقیقت وہ بیس رکعات نماز تراویح کا زبان سے اقرار کرتے ہیں۔ لیکن اس پر عمل نہیں کرتے۔ اللہ عزوجل بوسیلۂ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سب کو ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین۔

غیر مقلدین کا استدلال:

غیر مقلدین نے امام بخاری ومسلم کی حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے استدلال کیا ہے کہ تراویح آٹھ رکعات ہے اور بقول حافظ عسقلانی کہ حدیث ابن عباس اس کی اسناد ضعیف ہے۔ اور حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کے معارض ہے۔ جس کو شیخین نے تخریج کیا۔ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رات کی نماز کو بنسبت کسی دوسرے شخص کے زیادہ جاننے والی ہیں۔ وہ حدیث یہ ہے:

حدثنا اسماعيل قال حدثني مالك عن سعيد المقبري عن ابي سلمة بن عبدالرحمن انه سال عائشة رضي الله تعالى عنها كيف كانت صلوٰة رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم في رمضان ○ فقالت ما كان يزيد في رمضان ولا في غيره على احدى عشرة ركعة ○ يصلي اربعا فلا تسال عن حسنهن وطولهن ○ ثم يصلي اربعاً فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي ثلاثا ○ فقلت يا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم أتنام قبل ان توتر قال ○ يا عائشة ان عيني تنامان ولا ينام قلبي ○

(بخاری شریف، حدیث: 1147، 2013، 3569، مسلم شریف بمعہ نووی، جلد اول، ص: 257)

ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ماہ رمضان المبارک میں نماز کیسے تھی۔ تو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المقدس اور رمضان المبارک کے علاوہ کسی دوسرے مہینہ میں گیارہ رکعت سے زیادہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔ آپ چار رکعات نماز پڑھتے ان کے حسن وطول کے متعلق نہ پوچھ۔ پھر چار رکعات نماز پڑھتے ان کے حسن وطول کے متعلق مت سوال کرو۔ پھر تین رکعات وتر ادا فرماتے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا وتر پڑھنے سے قبل محو خواب ہوتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میری آنکھیں تو محو خواب ہوتی ہیں لیکن میرا قلب بیدار رہتا ہے۔

یہ ہے وہ حدیث مبارک جس سے غیر مقلدین نے نماز تراویح آٹھ رکعت کا استدلال کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہ رمضان میں آٹھ رکعت نماز تراویح ادا فرماتے تھے۔

اس حدیث کے متعلق اشکال اور جواب بذمہ غیر مقلدین:

صحیحین بخاری ومسلم کی اس حدیث مبارک پر چند اشکال ہیں جن کا جواب ہمارے غیر مقلدین بھائیوں کے ذمہ ہے۔ دیکھئے وہ ان اشکال کا کیا جواب دیتے ہیں۔ اس کے بعد نماز تراویح کے بیس رکعت ہونے پر کچھ دلائل نقل کروں گا۔ پھر اس کے

بعد ان شاء العزیز تراویح کے متعلق کچھ مسائل پیش کیے جائیں گے۔

اشکال اوّل:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث مبارک کو اپنی صحیح بخاری میں تین مقام پر روایت کیا ہے۔اور تینوں مقام پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ مختلف ہیں اور باقی اسناد اور متن حدیث بعینہٖ ایک ہے۔

مقام اوّل:

کتاب التہجد میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث لائے ہیں۔اس کی سند یہ ہے:

حدثنا عبداللہ بن یوسف قال اخبرنا مالك عن سعید بن ابی سعید المقبری عن ابی سلمة بن عبدالرحمٰن انه سأل عائشة کیف کانت صلوٰة رسول اللہ صلی اللہ علیه و آلہ وسلم فی رمضان٥ الخ٥ (حدیث:1147)

اور اس حدیث کا ترجمۃ الباب یہ ہے۔" **باب قیام النبی صلی اللہ علیه و آلہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ**"۔

مقام دوئم:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو کتاب الصوم۔" **فی باب فضل من قام رمضان**" کے ماتحت لائے ہیں:

حدثنا اسماعیل قال حدثنی مالك عن سعید المقبری عن ابی سلمة بن عبدالرحمٰن انه سأل عائشة رضی اللہ تعالٰی عنها کیف کانت صلوٰة رسول اللہ صلی اللہ علیه و آلہ وسلم فی رمضان٥ الی آخر الحدیث٥ (حدیث:2013)

مقام سوئم:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ حدیث کتاب المناقب" **باب کان النبی صلی اللہ علیه و آلہ وسلم تنام عینه ولا ینام قلبه**" کے ماتحت لائے ہیں:

حدثنا عبداللہ بن مسلمة عن مالك عن سعید المقبری عن ابی سلمة بن عبدالرحمٰن ٥ انه سأل عائشة رضی اللہ تعالٰی عنها ٥ کیف کانت صلوٰة رسول اللہ صلی اللہ علیه و آلہ وسلم فی رمضان٥ الی آخر الحدیث٥ حدیث:3569

یہ تینوں احادیث جن کی اسناد اور متن حدیث ایک ہی ہے جس میں ذرا بھر بھی تغیر و تبدل نہیں۔اس کے علاوہ امام بخاری نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰی عنہا سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

○ حدثنا ابو اليمان قال اخبرنا شعيب عن الزهري ان عائشة رضي الله تعالى عنها اخبرته ○ ان رسول الله صلى الله عليه و آلہٖ وسلم كان يصلي احدى عشرة ركعة ○ تلك صلاته يسجد السجدة من ذالك قدرما يقرأ احدكم خمسين آية قبل أن يرفع رأسه ويركع ركعتين قبل صلوٰة الفجر ○ ثم يضطجع على شقه الأيمن حتى ياتيه المنادي للصلوٰة ○

(بخاری شریف، حدیث:1123)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گیارہ رکعات نماز پڑھتے تھے۔ اور یہ آپ کی رات کی نماز تھی۔ اور اس نماز کا ہر سجدہ اس قدر لمبا ہوتا کہ تم میں سے کوئی اپنا سر اٹھانے سے قبل پچاس آیتیں پڑھ لے۔ اور فجر کی نماز سے قبل دو رکعتیں (سنت فجر) پڑھتے پھر اپنی دائیں کروٹ لیٹ جاتے یہاں تک کہ آپ کے پاس (فجر کی نماز کے لیے) بلانے والا آتا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ام المؤمنین سے ایک اور حدیث روایت کی ہے:

○ عن القاسم بن محمد عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت كان النبي صلى الله عليه و آلہٖ وسلم يصلي من الليل ثلاثة عشر ركعة منها الوتر وركعتا الفجر ○

بخاری شریف کتاب التهجد ۔ باب كيف كان صلوٰة النبي صلى الله عليه و آلہٖ وسلم وكم كان النبي صلى الله عليه و آلہٖ وسلم يصلي من الليل ○ (حدیث:1140)

قاسم بن محمد نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا کہ انہوں نے کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رات کے وقت تیرہ (13) رکعات نماز پڑھتے تھے۔ ان میں سے تین وتر اور دو رکعت سنت فجر بھی ہیں۔

اب اپنے غیر مقلدین بھائیوں سے سوال ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ وہ حدیث جو نبی اکرم کے نماز تہجد کے متعلق ہے۔ وہی حدیث قیام رمضان میں بھی لائے ہیں۔ اور حدیث مبارک بمعہ اسناد متن ایک ہی ہے۔ پھر نماز تراویح اور نماز تہجد الگ الگ دو نمازیں ہیں اور ان کے اوقات بھی مختلف ہیں۔ تراویح کا وقت بعد از نماز عشاء رات کے اوّل وقت میں اور نماز تہجد کا وقت رات کے آخری حصہ میں قبل از طلوع فجر صادق ہے۔ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رات کے نماز کے متعلق احادیث موجود ہیں جیسا کہ میں نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی صحیح سے ان کو نقل کیا ہے کہ ام المؤمنین فرماتی ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رات کی نماز گیارہ رکعت تھی۔ اور ان میں سجدہ طویل فرماتے۔ اور فجر کی نماز سے پہلے دو رکعت سنت فجر ادا فرماتے۔ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دوسری حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رات کی نماز تیرہ رکعت تھی۔ آٹھ رکعات نماز تہجد، تین وتر اور صبح کی دو سنتیں۔ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ یہ گیارہ رکعت نماز رات کے آخری حصہ میں ادا فرماتے۔ اور یہی وہ نماز

ہے۔جس کو ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس حدیث میں بیان فرمایا جس سے ہمارے بھائی غیر مقلدین استدلال کرتے ہیں۔ کہ تراویح آٹھ رکعت ہے۔ میرا سوال یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کتاب التہجد میں جو حدیث لائے ہیں کیا یہاں مراد تراویح ہے اگر اس جگہ تراویح مراد ہے تو دلیل پیش کرو جیسا کہ ہم نے دلیل پیش کی ہے کہ یہ نماز تہجد ہی تھی جبکہ نماز تراویح کی تعیین تعداد رکعات کسی مستند حدیث سے نہیں ملتی۔ اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اس حدیث کو قیام رمضان میں لانے کا اصل مقصد بھی یہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز تہجد رمضان میں بھی بمعہ وتر آٹھ رکعت ہی تھی نہ کہ اس سے مراد نماز تراویح ہے۔ چنانچہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ حدیث آپ کے نماز تہجد پر دلیل ہے نہ کہ نماز تراویح پر۔ کیونکہ ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جو احادیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کے رات کے آخری حصہ میں مروی ہیں وہ ہماری دلیل ہیں کہ اس حدیث سے بھی تہجد ہی مراد ہیں نہ کہ نماز تراویح۔

اگر آپ لوگ اس سے نماز تراویح مراد لیتے ہیں تو میں بصد عجز و نیاز آپ حضرات سے ملتمس ہوں کہ آپ صحاح ستہ یا ان کے علاوہ دیگر کتب احادیث میں سے ضعیف تر کوئی ایسی حدیث پیش کرو جس کے الفاظ یہ ہوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک میں آٹھ رکعات نماز تراویح ادا فرماتے تھے۔ تو پھر حدیث ام المومنین سے آپ کا استدلال جائز ہے۔ ورنہ لغو و باطل۔ لہٰذا میرے اس اشکال کو دور کرنا آپ کے ذمہ ہے کہ حدیث ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آٹھ رکعت نماز تراویح کی آپ کے پاس کیا دلیل ہے۔

اشکال دوئم:

بخاری و مسلم کی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جو سوال کیا وہ صرف رمضان المقدس میں نماز کے متعلق تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہ رمضان میں کیسے نماز پڑھتے تھے۔

غور طلب سوال یہ ہے کہ سائل نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماہ رمضان میں نماز کے متعلق مخصوص سوال کیا۔ لیکن ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کی تصحیح فرمائی: "فقالت ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ"

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک میں اور غیر ماہ رمضان میں یعنی دیگر مہینوں میں گیارہ رکعت نماز تہجد میں اضافہ نہیں فرماتے تھے۔

میرا اشکال صرف یہی ہے کہ سوال مخصوص تھا جس میں تصحیح نہیں تھی۔ لیکن ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب میں تصحیح کیوں فرمائی۔ اگر گیارہ رکعت بمعہ وتر نماز تراویح ہوتی تو ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا تصحیح نہ فرماتیں اس تصحیح کا جواب بھی آپ لوگوں کے ذمہ ہے۔

اشکال سوئم:

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس حدیث کو ابو عوانہ نے اپنے مسند میں تخریج کیا ہے۔ اور اس کا باب یہ قائم فرمایا:

باب: مبلغ عدد الرکعات التی کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یصلیہا من اللیل فی شہر رمضان وانہ کان یداوم علیہا فی سائر الشہور○

(مسند ابو عوانہ، جلد دوئم، حدیث 2446)

انتہائی عدد رکعات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہ رمضان میں رات کے وقت ادا فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باقی تمام مہینوں میں ان پر مداومت فرماتے تھے۔

اسی طرح ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں ایک باب قائم کیا ہے:

باب: ذکر عدد صلاۃ النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم باللیل فی رمضان ○ والدلیل علی انہ لم یکن یزید فی رمضان علی عدد الرکعات فی الصلوٰۃ باللیل ما کان یصلی من غیر رمضان○

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماہ رمضان المبارک میں نماز کے عدد کے ذکر کے بیان میں۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو غیر رمضان میں نماز ادا فرماتے رمضان المبارک میں رات کی نماز میں ان عدد رکعات پر اضافہ نہیں فرماتے تھے۔ جو آپ رمضان المقدس کے رات کے وقت نماز ادا فرماتے۔

اس کے ماتحت یہ حدیث لائے ہیں:

○ حدثنا عبداللہ بن لبید، سمع أبا سلمۃ یقول ○ سألت عائشۃ ○ فقلت ای امہ ○ اخبرنی عن صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم باللیل ○ فقالت کانت صلوتہ باللیل فی شہر رمضان وفیما سوی ذلک ثلاث عشرۃ رکعۃ○ (صحیح ابن خزیمہ، جلد سوئم، ص: 341، حدیث: 2213)

عبداللہ بن لبید نے کہا کہ انہوں نے ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن کو کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے دریافت کیا۔ اور عرض کیا۔ اے اماں حضور مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رات کی نماز کے متعلق خبر دیجئے۔ تو ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ماہ رمضان میں اور ماہ رمضان کے سوا دوسرے دنوں میں رات کی نماز تیرہ رکعت تھی۔

دو عظیم محدثین کے ترجمۃ الباب آپ کے سامنے ہیں جن سے صاف واضح معلوم ہوتا ہے کہ جو نماز رات کے وقت ماہ رمضان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادا فرماتے تھے باقی مہینوں میں بھی آپ کی نماز کی تعداد رکعات وہی ہوتی۔ ہر ذی

عقل باشعور بخوبی جانتا ہے کہ تراویح صرف رمضان المقدس کے ساتھ مخصوص ہے۔ رمضان شریف کے علاوہ کسی ماہ میں بھی تراویح نہیں پڑھی جاتیں۔ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہ رمضان میں رات کے وقت جو نماز تہجد ادا فرماتے ان کی جو تعداد ہوتی۔ باقی سب مہینوں میں اسی تعداد کے مطابق ہی نماز تہجد ادا فرماتے۔ اور نماز تراویح کا نماز تہجد پر محمل کرنا خلاف نقل وعقل ہے۔ کیونکہ یہ دونوں الگ الگ دو نمازیں ہیں اور ان کے اوقات بھی الگ الگ ہیں۔ ان دو محدثین کرام کے ترجمۃ الباب کا جواب بھی انہی کے ذمہ ہے۔

اشکال چہارم:

علماء نقد کے بلند پایہ امام اور عظیم محدث حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ارقام فرمایا ہے:

وفی الحدیث دلالۃ علیٰ ان صلوتہ کانت متساویۃ فی جمیع السنۃ۝

(فتح الباری، جلد سوئم، ص:33، حدیث:1147)

فرماتے ہیں حدیث میں (یعنی ام المؤمنین حضرت عائشہ کی حدیث جو کتاب التہجد میں ہے) اس پر دلالت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز تمام سال میں برابر ہوتی تھی۔ یعنی جتنی تعداد میں ماہ رمضان میں رات کے وقت نماز ادا فرماتے اسی تعداد کے مطابق پورا سال نماز ادا فرماتے۔

اور قاسم بن محمد کی ام المؤمنین روایت کردہ حدیث میں جو آیا ہے اس کے ماتحت لکھتے ہیں:

وظھرلی ان الحکمۃ فی عدم الزیادۃ علی احدیٰ عشر رکعۃ ان التھجد والوتر مختص بصلوۃ اللیل وفرائض النھار ۝ الظھر ھی اربع رکعات والعصر وھی اربع رکعات والمغرب وھی ثلاث وترالنھار نناسب ان تکون صلوۃ اللیل کصلوۃ النھار فی العدد جملۃ وتفصیلاً۝

(فتح الباری، جلد سوئم، ص:21)

قاسم بن محمد کی ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حدیث ہے کہ انہوں نے فرمایا: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کی نماز تیرہ (13) رکعت ہی ادا فرماتے تھے۔ ان میں سے تین وتر اور دو رکعت سنت فجر ہوتی۔ حافظ عسقلانی فرماتے ہیں گیارہ (11) رکعت پر عدم اضافہ میں جو حکمت مجھ پر ظاہر ہوئی ہے کہ یہ ہے ہ نماز تہجد اور نماز وتر رات کی نماز کے ساتھ مختص ہیں۔ اور دن کے فرائض بھی گیارہ ہیں۔ ظہر کے چار فرض، عصر کے چار فرض، اور دن کے وتر نماز مغرب کے تین فرض۔ تو مناسب ہوا کہ جملۃ اور تفصیلاً رات کی نماز بھی عدد میں دن کی نماز کے مثل ہو۔

چنانچہ اس حکمت کے باعث نماز تراویح بھی بیس رکعت ہونی چاہئے۔ اور دن کی نماز گیارہ رکعت کے علاوہ اس میں چار فرض عشاء اور دو فرض فجر اور تین وتر کو شامل کیا جائے تو یہ دن اور رات کی نماز کی تعداد بیس رکعت ہوگئی۔ چنانچہ تراویح بھی بیس

رکعت ہی ہونی چاہئے۔ لہٰذا اصل میں میرا سوال یہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث جو کہ قیام رمضان میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ لائے ہیں اس میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رات کی نماز گیارہ رکعت ہے اور امام بخاری قاسم بن محمد کے طریق سے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جو حدیث تخریج کی اس میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز گیارہ رکعت ہی ہے۔

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ گیارہ رکعت نماز۔ نماز تہجد اور وتر ہی ہیں جو کہ رات کی نماز کے ساتھ مختص ہے۔

حافظ عسقلانی کا یہ قول روز روشن کی طرح واضح اور مبین ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو رات کی نماز منقول ہے وہ نماز تہجد ہے۔ جس کی تعداد آٹھ رکعت ہے اور تین وتر۔ یہ گیارہ رکعت نماز ہوگئی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں پورا سال ادا فرماتے تھے۔ جیسا کہ حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ام المؤمنین کی حدیث جو کہ قیام رمضان کے تحت مروی ہے اس کے متعلق نقل فرمایا۔

معلوم ہوا ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی حدیث نماز تہجد اور وتر کے متعلق ہے اس کو نماز تراویح پر محمول کرنا۔ حافظ عسقلانی، ابوعوانہ اور ابن خزیمہ کی تصریحات کے خلاف ہے۔

چنانچہ اس حدیث کے متعلق جو حافظ عسقلانی نے ارقام فرمایا اس کا جواب بھی آپ ہی کے ذمہ ہے۔

اعتراض:

اگر ہمارے بھائی غیر مقلدین یہ کہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث سے آٹھ تراویح ہی ثابت ہوتی ہیں۔ اور ابوعوانہ، ابن خزیمہ اور حافظ عسقلانی رحمہم اللہ کے اقوال کا معنی یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان المبارک میں جو آٹھ رکعات نماز تراویح ادا فرماتے تھے۔ اس کے مطابق ہی آپ پورا سال رات کی نماز جس کو تہجد کہتے ہیں ادا فرماتے تھے۔ لہٰذا حدیث ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اقوال علماء محدثین کے درمیان کوئی تعارض واختلاف نہیں ہے۔

اعتراض کا جواب:

اولاً تو علماء محدثین نے لکھا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو نماز ماہ رمضان میں رات کے وقت ہوتی تھی وہی نماز آپ پورا سال ادا فرماتے۔ یہ تراویح پر محمول نہیں بلکہ نماز تہجد پر ہی محمول ہے۔ جیسا کہ حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے بالکل واضح ہے جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

دوئم یہ کہ اگر پورے سال کی رات کی نماز کو تراویح پر محمول کرلیا جائے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز تہجد کے متعلق مختلف روایات ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز تہجد بمعہ وتر سات رکعت، نو رکعت، اور گیارہ رکعت بھی پڑھی۔ جیسے شیعہ حضرات کو یاحسین کہہ کر سینہ کوبی کا ذوق ہے اس طرح ہمارے غیر مقلدین بھائیوں کو یا بخاری کہہ کر سینہ زوری کا شوق ہے چنانچہ بخاری شریف سے ہی حدیث مبارک سنیں۔

○ عن مسروق قال سالت عائشة رضی الله تعالیٰ عنها صلوة رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم باللیل○ فقالت○ سبع، تسع، واحدی عشرة رکعة سوا رکعتی الفجر○

(بخاری شریف،حدیث:1139)

مسروق بن اجدع سے روایت ہے کہ انہوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رات کے نماز کے متعلق دریافت کیا توام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: آپ دو رکعت سنت فجر کے علاوہ سات، نو اور گیارہ رکعت رات کی نماز پڑھتے۔

چنانچہ سال بھر کی رات کی نماز کو نماز تہجد پر ہی محمول کرنا قیاس نقل وعقل ہے۔ کیونکہ کبھی کبھی چار رکعت یا چھ رکعت نماز تہجد پڑھ لینے سے اکثر واغلب متغیر نہیں ہوتا ویسا بھی کہا جاتا ہے''لِلاکثر حکم الکل ،بنابرایں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو نماز ماہ رمضان کی رات کو پڑھتے وہی نماز رات کے وقت آپ پورا سال پڑھتے۔اور تراویح تو آٹھ سے کم نہیں ہوتی۔اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پورے سال کی نماز تہجد کو ماہ رمضان المبارک میں آٹھ رکعت نماز تہجد پر محمول کرنا ہی اولیٰ ہے۔

جب کسی مزدور پر مصیبت بن جائے تو لوگ کہتے ہیں یہ بے چارہ تو پورا سال مزدوری کرتا ہے حالانکہ وہ سال میں کئی ناغے بھی کرتا ہے۔لیکن ناغے کم ہوتے ہیں اور مزدوری زیادہ کرتا ہے۔

سوئم یہ کہ لفظ''صلوۃ اللیل ''کا اطلاق نماز تہجد پر ہی ہوتا ہے تراویح پر نہیں ہوتا حالانکہ تراویح بھی رات کی ہی نماز ہے لیکن عرف میں اس کو صرف تراویح سے ہی موسوم کرتے ہیں اور اعتبار عرف کا ہوتا ہے۔

ان تمام وجوہ کی بناء پر محدثین کرام کے اس قول کو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہ رمضان میں رات کو جو نماز پڑھتے تھے اسی تعداد کے مطابق آپ پورا سال رات کو نماز ادا فرماتے تھے۔اور یہ رات کی نماز بالاتفاق نماز تہجد ہے۔جس کی تعداد بمعہ تین وتر گیارہ رکعت ہے۔

معلوم ہوا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہ رمضان المبارک میں بھی گیارہ رکعت نماز ادا فرماتے جو ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث سے ثابت ہے اور یہ گیارہ رکعت نماز۔نماز تہجد بمع تین وتر ہے اس سے تراویح مراد لینا خلاف نقل ہے۔

اشکال پنجم:

حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں اس طرح آیا ہے''فقالت ما کان یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدیٰ عشر رکعة ''ام المؤمنین نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت نماز ہی پڑھتے تھے۔اگر آپ حضرات نے اس حدیث مبارک سے آٹھ رکعات نماز تراویح کا استدلال کیا ہے تو غلط ہے کیونکہ آپ کے نزدیک وتر ایک رکعت ہے اور حدیث میں تعداد گیارہ رکعت کی ہے۔لہٰذا آپ لوگوں کے مذہب کے مطابق تو

نماز تراویح دس رکعات ہونی چاہیے۔ کیونکہ آپ کے نزدیک وتر ایک رکعت ہے تو پھر آپ اس حدیث کے خلاف کیوں کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اس حدیث سے آپ کے مذہب کے مطابق تو دس رکعات تراویح کا ثبوت ملتا ہے۔ آٹھ رکعات نماز تراویح کا نہیں۔ اس کا آپ کے پاس کیا جواب ہے۔

اگر آپ یہ کہیں اس حدیث سے آٹھ رکعات نماز تراویح ہی ثابت ہے اور تین رکعات تو وتر ہیں۔ تو یہ بھی غیر مقلدین کے مذہب کے خلاف ہے کہ وہ اس حدیث مبارک میں تین رکعات وتر تسلیم کر رہے ہیں حالانکہ ان کے نزدیک وتر ایک رکعت ہے۔

بنابریں کہ حدیث مبارک میں جو عدد گیارہ رکعت کا مروی ہے ان میں سے تین وتر ہوئے اور آٹھ رکعات نماز تراویح۔ اگر اس حدیث میں تین وتر کا اقرار کرتے ہو تو ایک رکعت وتر کیوں پڑھتے ہو۔ معلوم ہوا غیر مقلدین کے نزدیک حدیث کے بعض حصہ پر ایمان اور بعض حصہ پر انکار درست ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:

"افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض"

کیا خدا کے بعض احکام پر ایمان لاتے ہو اور بعض سے انکار کرتے ہو۔

یہی حال آپ لوگوں کا ہے کہ حدیث کے ایک حصہ پر تو ایمان ہے اور وہ آٹھ رکعات نماز تراویح اور حدیث مبارک کے ایک حصہ سے انکار یعنی تین رکعات نماز وتر۔ خدارا یہودیوں کی پیروی نہ کرو اور ان کی روش اختیار نہ کرو اور اللہ عزوجل کے اس فرمان کے مصداق نہ بنو۔ اگر حدیث ام المومنین پر ایمان رکھتے ہو تو پھر تین رکعات وتر بھی پڑھا کرو۔ اس طرح نہ کرو کہ اپنے مذہبی خواہش کی تکمیل کی حرص وآز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کی دھجیاں بکھیر دو کہ ایک حصہ کو اپنے مذہب کے مطابق حقیقی شریعت قرار دے دو۔ اور دسرے حصہ سے انکار کر دو۔

چنانچہ اگر آپ لوگ اس حدیث مبارک پر عمل کرتے ہیں تو وتر تین رکعات کیوں نہیں پڑھتے اس کا جواب بھی آپ کے ذمہ ہے۔

دوئم یہ کہ اس حدیث مبارک کے تتمہ میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں:

"قالت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فقلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنام قبل ان توتر ہ قال یا عائشة ان عینای تنامان ولا ینام قلبی"

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا آپ وتر پڑھنے سے پہلے محو خواب ہوتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اے عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) میری آنکھیں تو محو خواب ہوتی ہیں لیکن دل بیدار ہوتا ہے۔

اس سے یہ ظاہر ہے کہ قبل از وتر سونا نماز تہجد میں ہی متصور ہو سکتا ہے نہ کہ نماز تراویح میں۔ کیونکہ نماز تراویح کا وقت

بعد از نماز عشاء اور قبل از وتر اور بعد از وتر ہے۔ اور نماز تراویح سونے کے بعد نہیں پڑھی جاتی بلکہ قبل از وتر سونا صرف نماز تہجد میں ہی متصور ہے۔ پھر اس حدیث مبارک سے آٹھ رکعات نماز تراویح کے ثبوت کے لیے آپ کے پاس کیا دلیل ہے۔

اشکال ششم:

یہاں دو امر کا جاننا اور اس کے مضمون پر غور کرنا بہت ضروری ہے۔

اوّل یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع بیس (20) رکعت نماز تراویح پر ہی ہے جیسا کہ میں نے علماء محدثین مثل ابن ابی شیبہ، عبدالرزاق، امام مالک اور امام بیہقی سے احادیث وآثار نقل کیے ہیں جو بیس رکعت نماز تراویح پر اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متحقق ہونے کی اقوی اور ارفع دلیل ہیں۔ جن سے انکار کی گنجائش نہیں۔

دوئم یہ کہ صحابہ کرام کے نزدیک مبغوض ترین اشیاء میں سے حدث فی الاسلام ہے۔

ترمذی نے جامع میں ابن عبداللہ بن مغفل سے ایک حدیث تخریج کی ہے:

○ عن قيس بن عباية عن ابن عبدالله بن مغفل قال سمعنى ابى وانا فى الصلوٰة أقول "بسم الله الرحمٰن الرحيم" فقال لى ○ اى بنى محدث ○اياك والحدث ○ قال ولم أراحد أمن اصحاب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم كان أبغض أليه الحدث فى الاسلام○

(ترمذی شریف، حدیث:244)

ابن عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے باپ (عبداللہ بن مغفل) نے مجھ سے سنا جبکہ میں نماز میں "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھ رہا تھا۔ تو مجھے میرے باپ نے فرمایا: اے میرے بیٹے! یہ نو پیدا کردہ امر ہے (یعنی بدعت ہے) اور بدعت سے پرہیز کرو۔ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ اس کے نزدیک حدث فی الاسلام سے کوئی چیز یادہ مبغوض ہو۔

ترمذی شریف کی ایک حدیث میں ہے:

○ عن حصين (بن عبدالرحمٰن سلمى) قال سمعت عمارة بن روية (الثقفى) وبشر بن مروان يخطب فرفع يديه فى الدعا فقال عمارة قبح الله هاتين اليديتين القصيرتين ○ لقد رأيت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وما يزيد على ان يقول○ وأشار هشيم بالسبابة○

(ترمذی شریف، حدیث:515)

حصین بن عبدالرحمٰن سلمی سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں نے عمارہ بن رویبہ کو کہتے ہوئے سنا اور بشر بن مروان (منبر پر) خطبہ دے رہا تھا تو اس نے (منبر پر) دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ عمارہ نے کہا اللہ عزوجل تیرے

ان دو چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کو خیر سے محروم کرے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (منبر شریف پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے) دیکھا کہ وہ اس طرح اشارہ کرنے پر زیادہ نہیں کرتے تھے۔ ہشیم بن شہاب نے شہادت کی انگلی کے ساتھ اشارہ کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ منبر پر خطبہ کے دوران ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بدعت ہے اس لیے عمارہ بن رویبہ نے بشر بن مروان کے حق میں بددعا کی۔ جب اس نے منبر پر خطبہ کے دوران ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔

○ ابن محمود موصلی نے ''الاختیار'' میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے تخریج کیا ہے:

عن علی رضی اللہ عنہ انہ خرج الی المصلی فرای قوماً یصلون فقال ما هذه الصلوٰة التی لم نعهدها علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ○ واخرج الساعاتی "فی المجمع" ان رجلا یوم العید اراد ان یصلی قبل صلوة العید فنهاه علی رضی اللہ عنہ فقال انی اعلم ان اللہ تعالیٰ لا یعذب علی الصلوٰة فقال علی رضی اللہ عنہ انی اعلم ان اللہ تعالیٰ لا یثیب علی فعل حتی یفعله رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اویحث علیه○ ویکون صلاتك عبثاً والعبث حرام○ فلعله تعالیٰ لمخالفتك لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ○

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ (عید کے دن) عیدگاہ کی طرف تشریف لے گئے۔ تو آپ نے کچھ لوگوں کو نماز عید سے قبل نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا یہ کیا نماز ہے کہ ہم نے زمانہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کسی کو یہ نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

ابن ساعاتی نے ''المجمع'' میں تخریج کیا ہے کہ ایک آدمی نے عید کے دن نماز عید سے قبل نماز پڑھنا چاہی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو اس سے منع فرمایا اس شخص نے کہا مجھے معلوم ہے اللہ تعالیٰ نماز پر عذاب نہیں دے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ اللہ عزوجل ایسے فعل پر ثواب عطا نہیں فرمائے گا۔ جو فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا او، نہ ہی اس کی ترغیب دی۔ چنانچہ تیری نماز عبث ہے اور عبث حرام ہے۔ شاید کہ اللہ عزوجل تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی وجہ سے عذاب دے۔

یہ تمام احادیث کا مدلول یہ ہے کہ حدیث فی الاسلام (یعنی اسلام میں نئی چیز پیدا کرنا) تمام صحابہ کرام کے نزدیک مبغوض ترین تھا۔

تو بقول تمہارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیس رکعات تراویح ثابت نہیں لہٰذا یہ خلاف سنت ہے۔ بدعت وگمراہی ہے۔ جیسا کہ ترمذی شریف کی مرفوع حدیث سے ظاہر ہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اس شخص کے حق میں جو نماز عید سے قبل نوافل پڑھنا چاہتا تھا تو آپ نے اس کو منع فرمایا۔ اور اس سے یہ فرمایا یہ فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت

نہیں (لہٰذا بدعت ہے) ہوسکتا ہے کہ تمہیں خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرنے پر اللہ عزوجل عذاب دے۔ جب بیس رکعت نماز تراویح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہیں تو جو شخص فعل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کرے گا وہ بدعتی وگمراہ ہے ہوسکتا ہے فعل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی وجہ سے اللہ عذاب دے۔ چنانچہ آپ حضرات کے نزدیک جو لوگ خلاف رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کر رہے ہیں کہ وہ آٹھ رکعت نماز تراویح نہیں پڑھتے بلکہ بیس رکعت نماز تراویح پڑھ کر فعل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کے مرتکب ہو رہے ہیں وہ لوگ بدعتی وگمراہ ہیں یا کہ نہیں اس کا جواب بھی تمہارے ذمہ ہے۔

علامہ شیخ محمد عبدالرحمٰن سخاوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 904ھ نے اپنی کتاب "المقاصد الحسنہ" میں ایک حدیث نقل کر کے اس پر بحث فرمائی ہے۔

امام سخاوی لکھتے ہیں:

امام احمد نے "مسند" میں، طبرانی نے "معجم کبیر" میں، ابن ابی خیثمہ نے اپنی "تاریخ" میں حضرت ابوبصرہ انصاری سے مرفوعاً اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

سألت ربی ان لا تجتمع امتی علیٰ ضلالۃ فا عطانیہ ○

میں نے اپنے رب سے سوال کیا کہ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہو تو اللہ تعالیٰ نے میری دعا کو قبول فرماتے ہوئے مجھے یہ عطا فرمایا۔

ابونعیم نے "حلیہ" میں، حاکم نے مستدرک میں، لالکائی نے "السنہ" میں۔ اور اس طریق سے ضیاء نے "مختارہ" میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان اللہ عزوجل لا یجمع ھذہ الامۃ علی ضلالۃ أبداً ○ وأن ید اللہ مع الجماعۃ ○ فاتبعوا لسوادالعظم ○ فانہ من شذ ○ شذ فی النار ○

اللہ عزوجل اس امت کو کبھی بھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔ اور بلاشبہ جماعت پر اللہ تعالیٰ کا دست قدرت ہے۔ چنانچہ سواد اعظم کی اتباع کرو۔ کیونکہ جو شخص جماعت سے علیحدہ ہوا وہ جہنم رسید ہوا۔

ابن ماجہ نے "سنن" عبد بن حمید نے "مسند" میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان امتی لا تجتمع علی ضلالۃ فاذا رأیتم الاختلاف فعلیکم بالسواد الاعظم ○

میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔ اور جب تم اختلاف دیکھو تو سواد اعظم سے وابستہ ہو جاؤ۔

امام سخاوی فرماتے ہیں بالجملہ یہ حدیث مشہور المتن اور اسانید کثیرہ کی حامل ہے۔ اور مرفوع حدیث وغیرہ میں اس کے

متعدد شواہد ہیں۔ (مقاصد حسنہ ص: 716، حدیث 1288)

یہ حدیث مبارک جس کا متن مشہور اور اس کی اسانید بہت زیادہ اور اس کے شواہد متعدد ہیں، سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت گمراہی و بدعت پر جمع نہیں ہوگی کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب سے اس کا سوال کیا تھا جو مقبول ہو گیا تھا۔

چنانچہ اول الذکر احادیث سے یہ ثابت ہوا تھا کہ خلاف رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدعت و گمراہی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صرف آٹھ رکعات نماز تراویح صحیح حدیث سے ثابت ہے اور بیس رکعت نماز تراویح پڑھنا فعل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ہے جو کہ سراسر بدعت و گمراہی ہے تو میرا غیر مقلدین سے سوال تھا کیا جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل کے خلاف بیس رکعت نماز تراویح پڑھتے ہیں وہ گمراہ و بدعتی ہیں کہ نہیں۔

اگر ہمارے غیر مقلدین بھائیوں کا جواب یہ ہو کہ یہ لوگ بدعتی ہیں اور واقعتاً ان کے نزدیک یہ بدعتی ہی ہیں تو اس حدیث کے متعلق جو میں نے مقاصد حسنہ سے متعدد اسانید کے ساتھ نقل کی ہے کیا خیال ہے۔

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری امت کبھی بھی بدعت و گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔

اگر بیس رکعت نماز تراویح بدعت ہے سنت نہیں تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جب اپنے زمانہ خلافت میں بیس رکعت نماز تراویح کی باجماعت پڑھنے کا اہتمام فرمایا اور لوگوں نے باجماعت نماز تراویح ادا کی۔ اس وقت ہزاروں صحابہ کرام موجود تھے جنہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس فعل کی مخالفت نہیں کی بلکہ اس کی توثیق فرمائی اور یہ اجماع صحابہ ہے اس کے بعد تابعین و تبع تابعین نے اس پر عمل کیا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے علماء، اولیاء، محدثین وفقہا جن کی تعداد لاکھوں میں ہے بیس رکعت نماز تروایح ہی ادا کی پھر حرمین شریفین میں بھی بیس رکعت نماز تراویح ہی پڑھی گئیں اور پڑھی جارہی ہیں۔

کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساری امت بدعت و گمراہی پر جمع ہوگئی ہے اور انہوں نے سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ترک کر دیا۔ تو کیا یہ سب لوگ تمہارے نزدیک بدعتی و گمراہ ہیں یا کہ نہیں۔ اگر بدعتی ہیں تو اس حدیث کا تمہارے پاس کیا جواب ہے۔ اور مشاہیر اسلام کو بدعتی و گمراہ کہنا کیا جائز ہے۔ اور جو صحابہ کرام اور دیگر مشاہیر اسلام کو بدعتی کہے اس کی سزا کیا ہے۔

اشکال ہفتم:

بخاری شریف سے ایک حدیث کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔ یہ حدیث کتاب فضائل القرآن اور باب جمع القرآن میں ہے۔ (حدیث: 4986)

○ ابن شہاب نے عبید بن سباق سے بیان کیا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت ابو بکر صدیق نے جنگ اہل

یمامہ کے بعد مجھے بلایا جبکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی آپ کے پاس موجود تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے کہا میرے پاس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آئے ہیں۔ انہوں نے کہا جنگ یمامہ میں بہت سے قراء شہید ہو گئے ہیں۔ اور مجھے اس بات کا خدشہ ہے کہ جنگوں میں قراء حضرات کا قتل زیادہ ہوتا رہا تو بہت سا قرآن جاتا رہے گا۔ اور میرا خیال ہے کہ قرآن کے جمع کرنے کا حکم دو (حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت زید بن ثابت سے کہا) میں نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا تم وہ کام کیسے کرو گے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا بخدا یہ کام اچھا ہے۔ متواتر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مجھ سے اس کے متعلق تکرار کرتے رہے۔ حتیٰ کہ اللہ نے اس کام کے لیے میرا سینہ کھول دیا۔ اور میں نے اس کے متعلق وہی خیال کیا جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خیال کیا تھا۔ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا (اے زید) تم ایک نوجوان عاقل آدمی ہو اور ہم تم کو متہم نہیں سمجھتے اور تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وحی لکھا کرتے تھے لہٰذا قرآن معظم کو تلاش کر کے جمع کرو۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا بخدا اگر مجھے پہاڑوں میں سے کسی پہاڑ کو اٹھانے کی ذمہ داری دیتے تو قرآن مقدس کے جمع کرنے سے جس کا مجھے انہوں نے حکم دیا تھا مجھ پر زیادہ بھاری نہ ہوتا۔ میں نے ان سے کہا تم وہ کام کیسے کرو گے جو کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا بخدا یہ کام بہت اچھا ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ متواتر مجھ سے اس کے متعلق تکرار کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ عزوجل نے میرا سینہ اس کام کے لیے کھول دیا جس کے لیے حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا سینہ کھولا گیا تھا۔ اور میں نے قرآن مقدس کی تلاش شروع کر دی اور میں نے اس کو کھجور کی ٹہنیوں، سفید باریک پتھروں اور لوگوں کے سینے سے جمع کیا۔ حتیٰ کہ میں نے سورۃ توبہ کا آخر "لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ماعنتم" سورۃ کے خاتمہ تک میں نے حضرت ابوخزیمہ انصاری کے سوا کسی اور کے پاس نہ پایا۔ (وہ صحف جن میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے قرآن پاک جمع کیا تھا) یہ صحیفے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہے۔ حتیٰ کہ اللہ عزوجل نے ان کو وفات دی۔ پھر یہ صحیفے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی حیات تک رہے۔ پھر حضرت حفصہ بنت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رہے۔

حدیث مبارک کا ترجمہ آپ نے سماعت فرمایا۔ یہ حدیث باعث غور وتامل ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جمع قرآن مقدس کے لیے ہدایت کی کہ یہ ایک نہایت اہم امر ہے۔ تو حضرت صدیق اکبر اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس ضروری کام کے کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ جو کام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا ہم وہ کام کیسے کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیس رکعت نماز تراویح پڑھنے کا حکم دیا باوجودیکہ تراویح کا امر دین میں ضروریات سے نہیں تھا مگر صحابہ کبار میں سے کسی نے نہ غائب نے اور نہ حاضر نے اور نہ ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ

عنہ کی حیات میں اور نہ ہی آپ کی وفات کے بعد آپ کے حکم سے اعراض کیا اور نہ ہی اس پر اعتراض کیا اور نہ ہی یہ کہا کہ ہم وہ کام کیسے کریں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر عمل نہیں کیا۔ بلکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم کو تراویح کے بارہ میں تسلیم کرلیا۔

اس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس نماز پر انکار کیا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت نہ تھی اور اس شخص کو جو یہ کام کرنے والا تھا عذاب خدا سے ڈرایا۔ اس لیے کہ وہ شخص فعل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کررہا تھا۔

اور یہی حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ بیس رکعات نماز تراویح کا حکم دے رہے ہیں۔ چنانچہ کس طرح خیال کیا جائے کہ یہ اکابر اور بزرگان دین اس امر کو بلاضرورت وبلاسند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل کے خلاف ایک نئی ایجاد کررہے تھے اور اس کو اختیار کررہے تھے۔

حاصل یہ ہے کہ اس بیان سے واضح اور ثابت ہوتا ہے کہ جملہ ہر مسلمان منصف مزاج پر ظاہر ہوا ہوگا کہ بیس رکعت نماز تراویح کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کو قوی سند پہنچی ہوگی۔ جس کے سبب جملہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ان کو قبول کرلیا اور تمام صحابہ کرام سے اس پر اجماع سکوتی منعقد ہوگیا۔ اس لیے کہ صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی بیس رکعت نماز تراویح کا انکار نہیں کیا۔

اور صحابہ کرام میں سے کسی نے بیس رکعت نماز تراویح کا اگر انکار کیا ہے تو اس کا ثبوت بھی تمہارے ذمہ ہے۔

بلکہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کی حدیث سے تم لوگوں نے آٹھ رکعات نماز تراویح نکالی ہے وہ بھی بقید حیات تھیں جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیس رکعات نماز تراویح کا باجماعت اہتمام کیا۔ ام المؤمنین نے یہ سب کچھ دیکھ کر اعلان کیوں نہیں فرمایا کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آٹھ رکعت نماز تراویح پڑھتے دیکھا ہے تم بیس رکعت کیوں پڑھتے ہو چنانچہ اپنے غیر مقلدین بھائیوں سے بصد احترام التجا کرتا ہوں براہ کرم اس کا ضرور جواب دیں کہ ہزار ہا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور بالخصوص ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خلاف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیس رکعت نماز تراویح کو دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس سے منع کیوں نہیں فرمایا۔

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حدیث ابن عباس ضعیف ہے اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صحیح حدیث کے معارض ہے پھر یہ کہ رات کی نماز کا حال جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادا فرماتے تھے۔ ام المؤمنین سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔ اگر انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آٹھ رکعت نماز تراویح پڑھتے دیکھا ہے تو انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مخالفت کیوں نہیں کی اور ان کو کیوں نہیں بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آٹھ رکعت نماز تراویح پڑھتے تھے اور تبلیغ دین حق سے اعراض کیوں فرمایا۔ امید واثق ہے ہمارے غیر مقلدین ان اشکال کا جواب ضرور دیں گے۔ اللہ عزوجل عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

بیس (20) تراویح کے متعلق چند دلائل:

(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رمضان شریف میں بیس رکعت نماز تراویح پڑھتے تھے اور وتر بھی۔ اگر یہ کہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے قابل استدلال نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہ کرام میں سے کسی صحابی کا بیس رکعت تراویح کے انکار کے متعلق ثبوت نہیں ملا۔ اگر چہ وہ روایت اور سند ہم تک نہیں پہنچی۔ اگر پہنچی ہے تو ممکن ہے کہ متاخر راوی کے ضعف کے سبب کہ وہ قطعاً صحابہ کرام کے وقت موجود نہ تھا۔ متاخرین میں مرتبہ صحت سے ساقط ہو گیا ہو اور اگر یہی روایت غیر صحیحہ قرن اوّل میں صحیح قرار پاتی تو بعید نہیں کہ عدم صحت اصطلاحی، عدم صحت واقعی کو مستلزم نہ ہوتی۔ جیسا کہ اصول میں یہ مصرح ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث بھی اس قبیل سے ہے کہ اس حدیث کا عدم صحت اصطلاحی۔ اس حدیث کے عدم صحت واقعی کو مستلزم نہیں کہ یہ حدیث واقعتاً ہی ضعیف ہے۔ معلوم ہوا حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما بیس رکعت نماز تراویح کے متعلق صحیح ہے اگر چہ اس کو اصلاحی طور پر ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ لیکن واقعتاً یہ حدیث ضعیف نہیں۔ کیونکہ جملہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اس پر عمل ہے اور صحابہ کرام کی اقتداء واتباع احادیث صحاح سے ثابت ہے مطلق صحابہ کرام کی اتباع کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

"اصحابی کالنجوم بأیهم اقتدیتم اهتدیتم"

میرے صحابی ستاروں کی مثل ہیں۔ ان میں سے جس اقتداء کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

اور بالخصوص خلفاء راشدین کے متعلق ارشاد فرمایا:

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین ○ (الحدیث)

میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت تم پر لازم ہے۔

اور اتباع شیخین کے متعلق خصوصی ارشاد فرمایا:

اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما○

یعنی میرے حضرت ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں کی اقتداء کرو اس بیان کا حاصل یہ ہے کہ نماز تراویح بیس رکعات حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اپنی طرف سے نہیں بلکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہیں کیونکہ یہی بیس رکعت تراویح صحابہ کرام نے ادا کی ہے اور صحابہ کرام کی اتباع ہم پر واجب ہے۔

(2) حضرت علامہ مولانا عبد الجلیل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "سیف المقلدین" میں لکھا ہے۔

مراقی الفلاح کے محشی علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ارقام فرمایا:

أنما ثبت عشرون بمواظبة خلفاء الراشدین ماعدا الصدیق الی ان قال ○ وروی ابونعیم من

حدیث عروۃ الکندی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم قال ○ ستحدث بعدی اشیاء فاحبھا الی ان یلتمزو اما احدث عمر رضی اللہ عنہ ○ (سیف المقلدین ،حصہ دوئم، ص:343، مطبوعہ مدینہ احمدی)

علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ سوائے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے خلفائے راشدین کی مواظبت کی وجہ سے تراویح بیس (20) ہی ثابت ہیں۔

حافظ ابونعیم نے حدیث کو عروہ کندی سے روایت کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا عنقریب میرے بعد کچھ نئی چیزیں پیدا ہوں گی۔ اور میرے نزدیک محبوب ترین وہ ہے کہ لوگ اس چیز کو لازم پکڑیں جس کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے شروع کیا۔

اگر یہ حدیث صحیح ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بیس رکعات نماز تراویح کی یہ عمدہ دلیل ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے احداث عمر (یعنی باجماعت بیس رکعت نماز تراویح کا اجرا) کی تبشیر فرمائی۔ اور فرمایا جو لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس احداث پر عمل کریں گے وہ لوگ مجھے بہت محبوب ہیں۔ درحقیقت یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے بیس رکعت نماز تراویح پر سند ہے۔ واللہ اعلم بالصواب○

(3) شمس الدین محمد خراسانی قہستانی "جامع الرموز" میں فرماتے ہیں:

(سن التراویح) علی الصحیح ○ للرجال والنساء جمیعاً سنۃ مؤکدۃ باجماع الصحابۃ ومن بعدھم من الامۃ ○ "الذین قیل فی حقھم لا تجتمع امتی علی الضلالۃ" فمنکرھا مبتدع ○ ضال مردوۃ الشھادۃ کما فی المضمرات ○ قال صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ان اللہ سن لکم قیامہ فیکون سنۃ اللہ ○ فیکون سنۃ اللہ ومرضیہ وصلی مع الصحابۃ اربع لیال کما فی البخاری ○ وانما ترک المواظبۃ علیھا خشیۃ الافراض علینا ○ وصلوا بعدہ فراوی الی ایام عمر بن الخطاب ثم تقاعد واعنھا فجمعھم علی ابی بن کعب بلا نکیر من احد○

(جامع الرموز، جلد اول، فصل فی الوتر، ص:213، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ ایران، 1401ھ)

صحیح قول کے مطابق تراویح مردوں اور عورتوں سب کے لیے سنت مؤکدہ ہے اور اس پر صحابہ اور ان کے بعد امت (جن کے حق میں کہا گیا کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی) کا اجماع ہے۔ تراویح کا منکر، مبتدع، گمراہ اور مردود الشہادت ہے۔ اس طرح مضمرات میں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے ماہ رمضان کے قیام کو تمہارے لیے سنت کیا ہے۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہوئی۔ چنانچہ تراویح سنۃ اللہ اور اللہ عزوجل کی پسندیدہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چار راتیں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ہمراہ تراویح ادا فرمائیں۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے اور تراویح پر مواظبت کو ہم پر فرض ہونے کے خوف سے ترک فرمایا۔ اور

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت تک اکیلے اکیلے ہی پڑھتے رہے پھر تراویح سے غفلت شروع کردی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب کی امامت پر جمع کیا اور اس پر صحابہ کرام میں سے کسی نے انکار نہ کیا۔

چنانچہ امام قہستانی کے قول سے ثابت ہوا بیس رکعت نماز تراویح پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع ہے۔ اور خلاف اجماع جائز نہیں۔

(4) الامام الحافظ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سودہ بن موسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 279ھ، ترمذی شریف حدیث ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، حدیث: 806 کے تحت ارقام فرماتے ہیں:

واکثر اهل العلم علی ماروی عن علی وعمر رضی الله تعالٰی عنهما وغیرهما من اصحاب النبی صلی الله علیه وآله وسلم عشرین رکعة وهو قول سفیان الثوری وابن المبارك والشافعی وقال الشافعی وهکذا ادرکت ببلدنا مکة یصلون عشرین رکعة٥

اکثر اہل علم کے نزدیک تراویح بیس رکعت ہے اور یہی حضرت علی وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور دیگر اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے۔ اور یہ سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک اور امام شافعی رحمہم اللہ کا قول ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں نے اس طرح اپنے شہر مکہ مکرمہ میں لوگوں کو بیس رکعت نماز تراویح پڑھتے ہوئے پایا ہے۔

ابوعیسیٰ ترمذی کا یہ قول حضرات غیر مقلدین کے لیے ایک لمحہ فکریہ ہے۔

(5) محدث شہیر۔ فقیہ نبیل علی بن سلطان محمد القاری علیہ الرحمۃ الباری مشکوۃ کی شرح ''مرقاۃ'' میں فرماتے ہیں:

وکان عمر رضی الله عنه یقول فی جمعه الناس علی جماعة واحدة نعمت البدعة هی ٥ وانما سماها بدعة باعتبار صورتها فان هذا الاجتماع محدث بعده علیه الصلوٰة والسلام٥ الخ

(مرقاۃ المصابیح، جلد سوئم، ص: 186 تا 194، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ لوگوں کو ایک جماعت پر جمع کرنے کے متعلق فرماتے تھے یہ اچھی بدعت ہے اور اس کو باعتبار صورت بدعت کا نام دیا گیا ہے کیونکہ یہ اجماع نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بعد کا پیدا کیا گیا ہے۔ اور باعتبار حقیقت یہ بدعت نہیں۔ اس لیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو اپنے گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ اور اس کا سبب یہ تھا کہ یہ خوف لاحق ہوا کہیں یہ نماز فرض نہ ہو جائے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے یہ سبب زائل ہو گیا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تراویح کے پڑھنے کا حکم نہ دیا اس لیے کہ وہ اس سے زیادہ اہم کام میں مشغول تھے۔ اور اس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا اوائل زمانہ

خلافت تھا۔ اور اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے نماز تراویح باجماعت پڑھانے کا اہتمام فرمایا اور حضرت ابی بن کعب کی امامت میں صحیح روایت کے مطابق بیس رکعت نماز تراویح پڑھی گئیں۔

صفحہ 193 پر ارقام فرماتے ہیں:

ابن تیمیہ حنبلی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تراویح میں کوئی عدد معین نہیں فرمایا۔ بلکہ رمضان اور غیر رمضان میں تیرہ رکعت نماز ہی پڑھتے تھے۔ لیکن رکعات کو طویل فرماتے اور جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب کی امامت پر لوگوں کو جمع کیا تو وہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔ پھر تین وتر پڑھتے تھے۔

ابن تیمیہ نے بھی اس کی تائید کی ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بیس رکعت نماز تراویح اور تین وتر پڑھے جاتے تھے۔

اور صفحہ 194 پر فرماتے ہیں۔ دونوں روایتوں کے درمیان (گیارہ رکعت اور بیس رکعت) جمع اس طرح ہے کہ اولاً گیارہ رکعت ہی تھیں۔ پھر امر بیس رکعت پر استقرار پا گیا۔ اور بیس رکعت نماز تراویح سنت خلفاء ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین"

چنانچہ ماسوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے باقی تمام خلفاء راشدین نے بیس رکعت تراویح پڑھی ہیں اور بیس رکعت تراویح پڑھانے کا حکم دیا ہے۔ آخر میں علامہ ملا علی قاری علیہ الرحمۃ الباری فرماتے ہیں:

"لکن اجمع الصحابة علی ان التراویح عشرون رکعة"

لیکن تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اس پر اجماع ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔ معلوم ہوا بیس رکعت نماز تراویح اجماع صحابہ سے ثابت ہے۔ اور حضرات صحابہ کرام کے متعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اصحابی کا النجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم"

میرے اصحاب ستاروں کی مثل ہیں ان میں سے جن کی بھی اقتداء کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ چنانچہ صحابہ کرام کی اقتداء کرتے ہوئے (20) بیس رکعت تراویح ہی سنت ہے۔

(6) حضرت علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الحاوی للفتاوی" میں لکھتے ہیں:

قال السبکی فی شرح المنهاج ○ اعلم انه لم ینقل کم صلی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم تلك اللیالی هل هی عشرون اؤ أقل ○ قال مذهبنا ان التراویح عشرون رکعة لماروی اللبیهقی وغیره باسناد صحیح عن السائب بن یزید الصحابی رضی الله عنه ○ قال کنا نقوم علی عهد عمر رضی الله عنه بعشرین رکعة والوتر○

علامہ سبکی نے شرح منہاج میں کہا۔ جان لو کہ یہ منقول نہیں کہ ان راتوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنی رکعت تراویح ادا فرمائی۔ کیا یہ بیس رکعت تھی یا اس سے کم؟ امام سبکی فرماتے ہیں: ہمارا مذہب یہ ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔ اس لیے کہ بیہقی وغیرہ نے سائب بن یزید صحابی سے باسناد صحیح روایت کیا ہے کہ ہم زمانہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں بیس رکعت تراویح کے ساتھ قیام کرتے تھے۔ اور وتر پڑھتے تھے۔

اس کے چند سطور بعد ارقام فرماتے ہیں:

"ومال ابن عبدالبر الیٰ روایة ثلاث وعشرین با الوتر وان روایة مالک فی احدیٰ عشرة وهم"

علامہ ابن عبدالبر نے بھی (23) تئیس رکعت بمع وتر تراویح والی روایت کی۔ امام مالک کی گیارہ رکعت کی روایت وہم ہے اور امام مالک نے مؤطا ہی میں یزید بن خصیفہ کے طریق سے سائب بن یزید سے بیس رکعت روایت کیا ہے اور یہ بیس رکعت غیر وتر پر محمول ہے۔ اور یزید بن رومان کی روایت میں ہے کہ لوگ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (23) تئیس رکعت تراویح بمع وتر پڑھتے تھے۔ (اور یہ دونوں روایات صحیح ہیں جن پر علماء کا اتفاق ہے) اور محمد بن نصر نے عطاء بن ابی رباح کے طریق سے روایت کیا انہوں نے کہا میں نے لوگوں کو رمضان المبارک میں بیس رکعت پڑھتے پایا ہے اور تین وتر۔

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان روایات کے درمیان جمع ممکن ہے۔ اختلاف صرف احوال کا ہے۔ ہوسکتا ہے یہ اختلاف تطویل قرأت وتخفیف قرأت کے حساب سے ہو چنانچہ جب قرأت طویل ہوتی رکعات کم ہوتیں اور جب قرأت میں تخفیف ہوتی رکعات میں اضافہ ہوتا اور داوری وغیرہ کا اس پر جزم ہے۔

حافظ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے معلوم ہوا بیس رکعت تراویح پڑھی گئی ہیں۔ جیسا کہ امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے بھی واضح ہے۔ لیکن آخر کار بیس رکعت نماز تراویح پر استقرار ہوا اور آج تک بیس رکعت تراویح ہی معمول ہیں۔

(8) علامہ بدرالدین عینی شارح بخاری لکھتے ہیں:

واما غیرهما من الصحابة فروی ذالک عن عبدالله بن مسعود رضی الله عنه رواه محمد بن نصر مرزوی قال ہ الخ (عمدۃ القاری، جلد 11، ص: 127، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

بہر حال ان دونوں (حضرت علی وسائب بن یزید) کے علاوہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی بیس رکعت ہی مروی ہے۔ محمد بن نصر مروزی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ کہا ہمیں یحییٰ بن یحییٰ نے خبر دی۔ انہوں نے کہا ہمیں حفص بن غیاث نے زید بن وہب سے خبر دی کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہمیں رمضان المبارک میں نماز پڑھاتے تھے۔ اعمش نے کہا وہ بیس رکعت نماز پڑھاتے اور تین وتر۔ اور تابعین

میں سے جو اس کے قائل ہیں۔ شتیر بن شکل، ابن ابی ملیکہ، حارث ہمدانی، عطاء بن ابی رباح، ابوالبختری، سعید بن ابی الحسن بصری (حسن بصری کے بھائی) عبدالرحمٰن بن ابی بکر اور عمران عبدی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔
ابن عبدالبر نے کہا جمہور کا یہی قول ہے اور کوفیوں، امام شافعی اور اکثر فقہاء کا بھی یہی قول ہے۔ اور ابی بن کعب سے بلا اختلاف صحابہ یہی صحیح ہے۔
علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کتاب التہجد کے تحت فرماتے ہیں:

والثانی ○ ان عددها عشرون ركعة وبه قال الشافعي واحمد ○ ونقله القاضي عن جمهور العلماء ○ الخ (عمدۃ القاری، جلد 7، ص: 178)

دوسرا مسئلہ:

نماز تراویح کا عدد بیس رکعت ہے۔ اور امام شافعی واحمد رحمہما اللہ کا یہی قول ہے۔ اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور علماء سے اس کو نقل کیا ہے۔ اور ''مغنی'' میں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک شخص کو رمضان المبارک میں بیس رکعت نماز تراویح پڑھانے کا حکم دیا۔ صاحب مغنی نے کہا یہ اجماع کی مثل ہے۔
(9) سیدی محمد زرقانی رحمۃ اللہ علیہ ''موطا'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

وقال ابن عبدالبر لم يسن عمر رضى الله عنه الا ما رضيه صلى الله عليه وآله وسلم ولم يمنعه من المواظبة عليه الا خشية ان يفرض على امته وكان با المؤمنين رؤفا رحيما ○ فلما امن ذالك عمر رضى الله عنه اقامها واحياها فى سنة اربع عشرة من الهجرة ○

علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کو سنت نہیں بنایا۔ مگر جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پسند فرمایا۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس پر مواظبت سے صرف امت پر فرض ہونے نے روکا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنین کے ساتھ رؤف ورحیم ہیں۔ اور جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس سے امن کا یقین ہو گیا تو سن 14ھ تراویح کو قائم کیا اور سنت کو زندہ کیا۔
علامہ زرقانی کی یہ عبارت آپ کے سامنے ہے اس کو غور وتدبر سے پڑھیں جس سے ثابت ہوتا ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے ماہ رمضان میں بیس رکعت کے ساتھ ایک امام کی اقتداء میں نماز تراویح پڑھانے کا اہتمام نہیں کیا بلکہ یہ مرضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق تھا۔
علامہ زرقانی، محمد بن یوسف کے طریق سے سائب بن یزید سے جو گیارہ رکعت مروی ہیں اس کے ماتحت ارقام فرماتے ہیں:

وقال ابن عبدالبر روى غير مالك فى هذا الحديث احد وعشرون وهو الصحيح ○ ولا اعلم

احداً قال فيه أحدى عشرة الا مالكا ○ ويحتمل ان يكون ذالك اولاً ثم حفف عنهم طول القيام ونقلهم الى احدى وعشرين الا أن الأغلب عندی أن قوله احدى عشرة وهم○ انتهیٰ○

(زرقانی علی الموطا، جلد اول ،ص: 237 اور 239 ،مطبوعہ دارالفکر)

علامہ ابن عبدالبر نے فرمایا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے سوا دیگر محدثین نے اس حدیث میں اکیس رکعت روایت کیا ہے (دیکھو مصنف عبدالرزاق، جلد 4، حدیث: 7740) علامہ ابن عبدالبر فرماتے ہیں اکیس رکعت والی روایت ہی صحیح ہے۔ فرماتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس حدیث میں گیارہ رکعت سوائے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے کسی نے روایت کیا ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اولاً گیارہ رکعت ہی ہو پھر ان سے طول قیام میں تخفیف کی اور ان کی اکیس رکعت کی طرف نقل کر دیا۔ مگر میرے نزدیک اغلب یہی ہے کہ امام مالک کا قول گیارہ رکعت یہ وہم ہے۔

(10) ابوالعباس شہاب الدین احمد قسطلانی، بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں:

(وكان الناس يقومون أوّله) حدیث کے اس جملہ کے تحت ارقام فرمایا:

ولم يذكر في هذا لحديث عددالركعات التي كان يصلى بها ابى ○ والمعروف وهو الذى عليه الجمهور انه عشرون ركعة بعشر تسلمات وذالك خمس ترويحات كل ترويحة اربع ركعات بتسليمتين غير الوتر وهو ثلاث ركعات ○

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ قول ''کان الناس یقومون اولہ'' کے تحت فرماتے ہیں۔ اس حدیث مبارک میں ان عدد رکعات کا ذکر نہیں جو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پڑھاتے تھے۔ اور معروف یہ ہے جس پر جمہور ہیں کہ وہ دس سلاموں کے ساتھ بیس رکعت ہیں اور یہ پانچ ترویحات ہیں۔ اور ہر ترویحہ دو سلاموں کے ساتھ چار رکعت ہیں سوائے وتر کے اور وہ تین رکعت ہیں۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ماہِ رمضان میں آپ نے باجماعت نماز تراویح پڑھانے کا اہتمام فرمایا اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے امامت میں لوگوں نے نماز تراویح ادا کی۔ اس نماز تراویح کی تعداد جمہور کے نزدیک بیس رکعت تھی۔ جب جمہور کے نزدیک نماز تراویح کی تعداد بیس رکعت ہے تو ہمیں جمہور کی اتباع کرنی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اتبعوا سوادالاعظم'' یعنی سوادِ اعظم کی اتباع کرو۔ چنانچہ ہم کو بھی جمہور کی اتباع کرنی چاہئے۔

اس کے بعد امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ولی بن عراقی کی ایک حکایت نقل کی ہے وہ یہ ہے:

وقد حكى ولى بن العراقى ان والده الحافظ لما ولى امامة مسجد المدينة احيا سنتهم

القديمة في ذالك مع مراعاة ما عليه الاكثر فكان يصلي التراويح اول الليل بعشرين ركعة على المعتاد○ ثم يقوم آخر الليل في المسجد بست عشرة ركعة فيختم في الجماعة في شهر رمضان ختمتين واستمر على ذالك عمل اهل المدينة فهم عليه الآن○

(ارشاد الساری شرح صحیح بخاری، جلد 4، ص: 657 اور 658)

ولی بن عراقی نے حکایت کیا کہ ان کے والد حافظ عراقی جب مسجد نبوی کی امامت کے ولی بنے تو انہوں نے جن پر اکثر تھے ان کی مراعات کو ملحوظ رکھتے ہوئے مسجد نبوی میں ان کی سنت قدیمہ کا احیاء فرمایا۔ اور وہ عادت معتادہ کے مطابق بیس رکعت نماز تراویح پڑھاتے تھے۔ پھر مسجد نبوی میں آخر رات قیام کرتے اور سولہ رکعت پڑھاتے۔ اور ماہ رمضان میں آپ جماعت میں دو قرآن پاک ختم کرتے۔ اور اہل مدینہ کا اس پر ہمیشہ عمل رہا۔ اور وہ اب بھی اس پر عمل پیرا ہیں۔ کہ وہ بیس رکعت نماز تراویح پڑھتے ہیں۔

راقم السطور عفی عنہ الغفور نے بحمدہ تعالیٰ بیس رکعت نماز تراویح کے متعلق چند احادیث و آثار نقل کئے ہیں اور علمائے سلف وخلف سے چند دلائل پیش کئے ہیں کہ نماز تراویح کی تعداد بیس رکعت ہے اور اس پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع اور جمہور کا یہی معمول رہا ہے۔ اس معمول کے مطابق آج بھی اکثرین کا اسی پر عمل ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس ناچیز نے دامن ادب کو نہیں چھوڑ اللہ تعالیٰ بوسیلہ شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ ﴿آمین﴾

مسائل تراویح

مسائل تراویح بھی فتاویٰ قاضیخاں سے پیش کیے جائیں گے۔ اگر کسی دوسری کتاب فقہ سے مسئلہ نقل کیا گیا تو اس کا حوالہ ذکر کر دیا جائے گا۔

تراویح سنت مؤکدہ ہے:

مسئلہ:

ہمارے نزدیک نماز تراویح مردوں اور عورتوں کے لیے سنت ہے کیونکہ عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر آج دن تک سلفاً خلفاً یہی معمول رہا ہے۔ اور روافض میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں نماز تراویح صرف مردوں کے لیے سنت ہے عورتوں کے لیے نہیں۔

مسئلہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات نے بھی تراویح کو قائم فرمایا۔ جیسے ام المؤمنین حضرت عائشہ وام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما، ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ذکوان کے پیچھے نماز تراویح ادا فرمائیں۔ اور ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عورتوں کی جماعت کے ساتھ نماز تراویح ادا کی۔ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی لونڈی حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ نے امامت فرمائی اور وہ (یعنی والدہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ) عورتوں کی صف کے درمیان کھڑی ہوتی تھیں۔

مسئلہ:

نماز تراویح باجماعت سنت علی الکفایہ ہے۔ اگر سب اہل مسجد نے تراویح کو ترک کیا وہ گنہگار ہیں اور انہوں نے سنت کا ترک کیا اگر مسجد میں نماز تراویح جماعت کے ساتھ قائم کی گئی اور کوئی شخص مسجد میں تراویح پڑھنے کے لیے نہ آیا اور اس نے اپنے گھر میں ہی نماز تراویح پڑھ لی وہ صرف فضیلت کا ہی تارک ہے نہ کہ وہ گنہگار ہوگا اور نہ ہی تارک سنت۔ اور صحیح یہی ہے کہ نماز تراویح کا مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کرنا افضل ہے۔

مسئلہ:

اگر لوگوں نے دو اماموں کے ساتھ نماز تراویح پڑھی وہ اس طرح کہ ان میں سے ہر امام دو رکعت نماز تراویح پڑھائے یعنی دس تراویح ایک امام اور دس تراویح دوسرا امام تو علماء نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ یہ طریقہ مستحب نہیں۔ مستحب یہ ہے کہ ان میں سے ہر امام ایک ترویحہ یعنی چار رکعت نماز تراویح پڑھائے تا کہ عمل اہل حرمین شریفین کے موافق ہو۔ چنانچہ جب اس وجہ پر دو اماموں کے ساتھ تراویح جائز ہے تو یہ بھی جائز ہے کہ ایک امام نماز فرض پڑھائے اور دوسرا امام نماز تراویح۔

مقدار تراویح:

ہمارے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کی تعداد بیس رکعت ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سوا وتر کے چھتیس (36) رکعت۔ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی روایت غیر مشہور ہے۔ اور یہ اس پر محمول ہے کہ لوگ ہر ترویحہ کے بعد تنہا چار رکعت نماز نفل پڑھتے تھے جیسا کہ یہ اہل مدینہ کا مذہب ہے۔

مسئلہ:

اگر لوگوں نے جماعت کے ساتھ چھتیس رکعت نماز پڑھی تو جیسا کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے۔ تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور ہمارے نزدیک اگر لوگوں نے جماعت کے ساتھ بیس رکعت نماز تراویح پڑھ لی۔ اور اس پر جو زائد نماز ہے (یعنی سولہ رکعت) لوگوں نے تنہا تنہا پڑھی تو مستحب ہے۔ اور اگر لوگوں نے بیس رکعت سے زائد نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو یہ مکروہ ہے اس بناء پر کہ باجماعت نفل ادا کرنا سوائے نماز تراویح کے ہمارے نزدیک مکروہ ہے۔ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ نہیں۔

مسئلہ:

جب بھی امام ایک ترویحہ پڑھ لے تو دو ترویحوں کے درمیان بیٹھ کر ایک ترویحہ کی مقدار آرام کرے۔ کیونکہ یہ راحت سے ماخوذ ہے۔ اور دو ترویحہ کے درمیان بیٹھنے والا۔ اس کو اختیار ہے خواہ وہ تسبیح پڑھے یا کلمہ شریف پڑھے اور اگر چاہے تو خاموش رہے اور یہ فعل حسن ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"من جلس مجلس ینتظر الصلٰوۃ فھو فی صلٰوۃ حتی یصلی" (مشکوٰۃ شریف باب الجمعہ)

جو شخص نماز کی انتظار میں بیٹھا رہا وہ نماز میں ہی ہے حتیٰ کہ وہ نماز پڑھے۔

اور اگر کسی نے پانچ ترویحات (بیس رکعت) کے بعد آرام کیا تو بعض نے کہا کوئی حرج نہیں۔ اور بعض نے کہا یہ طریقہ مستحب نہیں کیونکہ یہ اہل حرمین شریفین کے عمل کے خلاف ہے۔

تراویح کا وقت

مسئلہ:

مشائخ کرام رحمہما اللہ کا تراویح کے وقت میں اختلاف ہے۔ شیخ امام اسماعیل زاہد اور ایک جماعت سے حکایت یہ ہے کہ نماز عشاء سے قبل اور اس کے بعد وتر سے پہلے اور وتر کے بعد طلوع فجر تک ساری رات اس کا وقت ہے کیونکہ یہ رات کی نماز ہے اور اس کا وقت بھی تمام رات ہے۔

اور عام مشائخ بخارا رحمہم اللہ کے نزدیک تراویح کا وقت نماز عشاء اور وتر کے درمیان ہے اگر کسی نے نماز عشاء سے قبل یا وتر کے بعد تراویح پڑھی تو یہ تراویح وقت میں ادا نہیں ہوگی۔

قاضی امام ابو علی نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: صحیح یہ ہے کہ اگر کسی نے نماز عشاء سے قبل تراویح پڑھی تو تراویح نہیں ہوگی۔ اور یہ جائز نہیں۔ اور اگر کسی نے نماز عشاء کے بعد اور وتر کے بعد نماز تراویح پڑھی تو جائز ہے اور یہ تراویح ہوگی۔ کیونکہ تراویح نماز عشاء کے تابع ہے اور یہ قائم مقام سنت کے ہے۔ اور یہی صحیح ہے کہ نماز تراویح کا وقت بعد از نماز عشاء اور قبل از وتر اور بعد از وتر ہے۔

مسئلہ:

نماز تراویح کی تاخیر ثلث اللیل تک مستحب ہے۔ اور افضل یہ ہے کہ تراویح پڑھتے ہوئے اکثر رات گزارے۔ اور اگر کسی نے نصف رات کے بعد تک تراویح کو موخر کیا۔ بعض نے کہا یہ مستحب نہیں جیسا کہ نماز عشاء کی تاخیر نصف رات تک مستحب نہیں۔ اور بعض نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں۔ اور یہی صحیح ہے۔

مسئلہ:

جب کسی کی نماز تراویح فوت ہوگئی تو وہ جماعت کے ساتھ اس کی قضاء نہ کرے۔ تو کیا وہ بغیر جماعت کے تراویح کی قضاء کرے یا نہ کرے۔ بعض نے کہا وہ دوسرے دن جب تک دوسری تراویح کا وقت نہ آئے تراویح کی قضاء کر سکتا ہے۔ اور بعض نے کہا جب تک ماہ رمضان گزر نہ جائے وہ تراویح کی قضاء نہ کرے۔ اور صحیح یہی ہے کہ وہ مطلق نماز تراویح کی قضاء نہ کرے کیونکہ نماز تراویح کا درجہ مغرب و عشاء کی سنتوں سے کم ہے اور جب سنت مغرب وغیرہ بغیر فرض جب فوت ہو جائیں تو ان کی قضاء نہیں۔ تو اس طرح تراویح کی بھی قضاء نہیں۔ اور اس لیے جماعت کے ساتھ نماز تراویح کی قضاء نہ کی جائے۔

مسئلہ:

اگر نماز تراویح کی قضاء بعد از وقت جائز ہوتی تو اس کو اسی طرح ہی قضاء کیا جانا چاہیے تھا جس طرح وہ قضاء ہوئی ہے۔

اور اگر کسی نے تنہا نماز تراویح کی قضاء کی تو یہ مستحب نفل ہوگا تراویح نہیں ہوگی۔

البتہ اگر کسی نے تمام سنن صلوۃ کو کسی عذر کی بناء پر ترک کیا تو وہ اس میں معذور سمجھا جائے گا۔ اور اگر کسی نے نماز کی سنتوں کو تساحل واستخفاف کی وجہ سے ترک کیا تو وہ آدمی سخت گنہگار ہوگا۔

کیا اگر کسی شخص کا ایک ترویحہ یا دو ترویحہ جماعت سے رہ گیا کیا وہ وتر جماعت کے ساتھ پڑھے یا کہ پہلے وتر پڑھے اور بعد میں نماز تراویح پڑھے؟

مسئلہ:

اگر کسی شخص کا ایک ترویحہ رہ گیا اور امام وتر کے لیے کھڑا ہو گیا تو بعض کے نزدیک وہ پہلے امام کے ساتھ وتر پڑھے پھر جو تراویح رہ گئی ہیں ان کی قضاء کرے۔ اور بعض کے نزدیک فوت شدہ تراویح پہلے پڑھے اور اس کے بعد تنہا وتر ادا کرے۔

حضرت علامہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''ماثبت بالسنہ'' میں لکھا ہے:

''اذا فاتته ترويحة أوترويحتان وقام الأمام فى الوتر أختلف فيه فقيل يوترمع الأمام ثم يقضى مافاته○ وقيل يقدم القضاء○''

(ماثبت بالسنہ مترجم، ص:230، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، 1309ھ)

جب کسی کا ایک ترویحہ یا دو ترویحہ رہ گیا۔ اور امام وتر پڑھنے کے لیے کھڑا ہو گیا تو علماء کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا وہ آدمی امام کے ساتھ وتر پڑھے پھر جو تراویح محلا قضاء ہو چکی وہ قضاء کرے۔ اور بعض نے کہا وہ شخص پہلے جو تراویح محلا قضاء ہو چکی ہے وہ پڑھے پھر وتر پڑھے۔

شیخ ابراہیم حلبی ''منیہ'' کی شرح غنیۃ المستملی المعروف بالکبیری میں باب النوافل کے تحت ارقام فرماتے ہیں:

ان فاتته○ مع الامام ○ ترويحة او ترويحتان○ او اكثر ○ هل يقضيها قبل الوتر أو يوتر ثم يقضيها○ ذكره فى الذخيرة فقال اختلف مشائخ زماننا قال بعضهم يوتر مع الأمام ثم يقضى مافاته من التراويح احرازًا الفضيلة الوتر بالجماعة مع ان التراويح تجوز بعده وقال بعضهم يصلى التراويح المتروكة ثم يوتر ○

(کبیری، ص:386، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ماہ اکتوبر 1898ء)

اگر کسی کی چار رکعت یا آٹھ رکعت یا اس سے زیادہ تراویح امام کے ساتھ فوت ہو گئی۔ کیا وہ ان کو وتر سے پہلے ''محلا'' قضاء کرے یا وتر پڑھے پھر ان کی قضاء کرے۔ صاحب ذخیرہ نے ذخیرہ میں اس کا ذکر کیا اور کہا: ہمارے زمانہ کے مشائخ نے اس میں اختلاف کیا۔ بعض نے کہا وہ امام کے ساتھ وتر پڑھے پھر جو تراویح فوت ہو چکی ہیں ان کی قضاء کرے۔ تا کہ وتر با جماعت پڑھنے کی فضیلت حاصل کر لے۔ اس لیے کہ تراویح وتر کے بعد جائز ہے

بعض نے کہا پہلے متروکہ تراویح پڑھے پھر وہ وتر پڑھے۔

یہ اس بناء پر ہے کہ تراویح کا وقت وتر سے پہلے ہے۔ چنانچہ اس پر لازم ہے کہ وہ تراویح کو وتر پر مقدم کرے۔ شیخ ابراہیم حلبی فرماتے ہیں:

یہ اس وقت ہے جب وہ حکم مذکور کو لازم مراد لے۔ اور اگر مراد اولویت ہو تو وتر کی تاخیر کے اولی ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اگرچہ اس کی جماعت فوت ہو جائے۔ اس لیے کہ انفرادی طور پر وتر پڑھنا جمہور کے قول کے مطابق اولی ہے۔

(شیخ ابراہیم حلبی رحمۃ اللہ علیہ "کبیری شرح منیہ" کے صفحہ 391 میں ارقام فرماتے ہیں:

فروع:- فاتته ترويحة او ترويحتان وقام الأمام الى الوتر ذكر فى الواقعات الناطفى عن ابى عبدالله الزعفرانى انه يوتر مع الأمام ثم يقضى مافاته۰ الخ (کبیری شرح منیہ، ص: 391)

کسی آدمی کا ترویحہ یا دو ترویحہ فوت ہو گیا اور امام وتر پڑھنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ واقعات میں ناطفی نے ابوعبداللہ زعفرانی سے ذکر کیا کہ وہ امام کے ساتھ وتر پڑھے پھر جو تراویح محلاً فوت ہو چکی ہے وہ پڑھے۔ اور جب کسی نے امام کے ساتھ فرض نہیں پڑھے۔ تو عین الائمہ کرابیں سے روایت ہے وہ نہ ہی تراویح میں امام کی اتباع کرے اور نہ ہی امام کے ساتھ وتر پڑھے۔ اور اس طرح جب کسی نے امام کے ساتھ تراویح نہیں پڑھی وہ شخص بھی وتر میں امام کی اتباع نہ کرے۔

اور امام ابو یوسف البانی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جب کسی نے امام کے ساتھ کچھ تراویح پڑھ لیں وہ امام کے ساتھ وتر پڑھے۔ اور اسی طرح اگر اس نے امام کے ساتھ کوئی تراویح ادا نہیں کی وہ بھی وتر امام کے ساتھ پڑھے۔ اور اسی طرح جب کسی نے تراویح دوسرے امام کے ساتھ پڑھی اس کو چاہئے کہ وہ وتر امام کے ساتھ پڑھے۔ ابواللیث نے اس کا ذکر کیا اور کہا یہی صحیح ہے۔ اور اسی طرح امام ظہیر الدین مرغینانی نے کہا ہے کہ اگر کسی نے نماز عشاء تنہا پڑھی اسے چاہئے کہ وہ تراویح امام کے ساتھ پڑھے اور یہی صحیح ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی شخص امام کے فرض نماز پڑھنے کے بعد آیا اور امام تراویح شروع کر چکا ہے۔ وہ شخص پہلے تنہا فرض پڑھے پھر تراویح میں امام کی اتباع کرے۔

چنانچہ صحیح یہی ہے کہ جس شخص کی کچھ تراویح محلاً قضاء ہو گئیں وہ وتر امام کے ساتھ پڑھے اور بعد میں نماز تراویح متروکہ پڑھے۔

تراویح میں مقدار قرأت

مسئلہ:

مشائخ کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہر شفع (یعنی دو رکعت) میں اتنی مقدار قرأت کرے جو نماز مغرب میں پڑھی جاتی ہے۔ کیونکہ نفل، فرض سے اخف ہیں چنانچہ فرائض میں جو سب سے اخف قرأت ہے وہ معتبر ہے اور وہ مغرب کی ہی نماز ہے جس میں سب نمازوں سے بہت کم قرات کی جاتی ہے۔ اور یہ صحیح نہیں ہے کہ اس لیے کہ اس تعداد قرأت سے تراویح میں ختم قرآن حاصل نہیں ہوسکتا اور تراویح میں ایک بار قرآن ختم کرنا سنت ہے۔

مسئلہ:

بعض نے کہا جو نماز عشاء میں قرأت کی جاتی ہے وہی قرآت تراویح میں بھی پڑھے۔ کیونکہ تراویح عشاء کے تابع ہے۔ اور بعض نے کہا اور یہ امام حسن کی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ تراویح کی ہر رکعت میں دس آیات مبارکہ پڑھے اور یہی صحیح ہے۔ اس لیے کہ اس میں لوگوں پر تخفیف بھی ہے اور اس سے تراویح میں ایک بار قرآن کا ختم کرنا جو سنت ہے وہ بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ تیس (30) دنوں میں نماز تراویح کی عدد رکعات چھ سو (600) بنتی ہیں۔ اور قرآن پاک کل آیات مقدسہ چھ ہزار سے کچھ زائد ہیں۔ تو جب کوئی شخص تراویح کی ہر رکعت میں دس آیات مبارکہ پڑھے گا۔ اس سے نت حاصل ہوگی اور وہ ایک بار تراویح میں قرآن پاک کا ختم کرنا ہے۔

مسئلہ:

اور قرآن پاک دوبار ختم کرنے میں زیادہ فضیلت ہے۔ چنانچہ امام وغیرہ کو چاہئے کہ جب وہ نماز تراویح پڑھ کر اپنے گھر واپس چلا جائے اور قاری قرآن ہے تو وہ اپنے گھر میں بیس رکعت نماز نفل پڑھے اور ہر رکعت میں دس آیات مقدسہ پڑھے تا کہ وہ دو مرتبہ ختم قرآن کی فضیلت حاصل کرلے۔ زھاد اور اہل اجتہاد لوگ ہر دس راتوں میں قرآن پاک ختم کرتے تھے۔ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے بارے روایت ہے کہ آپ ماہ رمضان میں اکسٹھ (61) قرآن پاک ختم کرتے تھے۔ تیس قرآن پاک دنوں میں اور تیس قرآن مقدس راتوں میں اور ایک قرآن حکیم نماز تراویح میں۔

مسئلہ:

اگر کسی شخص نے بعض قرآن پاک تمام نمازوں میں پڑھا بایں طور کہ نماز تراویح میں لوگ قرأت سے اکتا نہ جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن ان کو صرف نماز کا ثواب ملے گا۔ قرآن پاک ختم کرنے کا ثواب نہیں ملے گا۔ امام قاضیخاں رحمۃ اللہ

علیہ فرماتے ہیں۔ہم نے ابھی ذکر کیا ہے کہ تراویح میں ایک بار قرآن پڑھنا سنت ہے۔

مسئلہ:

امام ابوبکر اسکاف رحمۃ اللہ علیہ سے امام کے متعلق پوچھا گیا کیا امام جب نماز تراویح میں تشہد سے فارغ ہو جائے تو کیا وہ درود شریف اور دعا پڑھے یا صرف تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے۔امام ابوبکر اسکاف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اگر امام کو معلوم ہو کہ درود شریف اور دعا پڑھنا لوگوں پر بوجھ نہیں تو وہ درود شریف اور دعا پڑھ کر سلام پھیرے۔اگر امام کو یہ معلوم ہو کہ درود شریف اور استغفار پڑھنا لوگوں پر بوجھ ہے تو وہ صرف تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے۔اور بعض مشائخ سے مروی ہے کہ جو امام اپنے زمانہ والوں کے حالات کا عارف نہیں وہ جاہل ہے۔

مسئلہ:

نماز تراویح کے ہر شفع (دو رکعت) میں ثناء پڑھے۔اور جب امام تراویح میں غلطی کر کے کوئی سورت یا آیت چھوڑ گیا اور اس کے آگے پڑھ گیا۔تو اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ پہلے متروکہ سورت یا آیت پڑھے۔پھر وہ جو پڑھا گیا تھا اس کو پڑھے تا کہ قرآن پاک کا ختم ترتیب کے مطابق ہو۔

مسئلہ:

لوگوں کو نماز تراویح میں اس شخص کو آگے نہیں کرنا چاہئے جو خوش خواں ہو۔بلکہ اس شخص کو آگے کرنا چاہئے جو درست اور صحیح پڑھنے والا ہو۔اس لیے کہ جب امام خوبصورت آواز سے قرآن پڑھے گا تو نمازی خشوع وتدبر اور تفکر سے غافل ہو جائے گا۔اور اسی طرح اگر امام ''لحان'' غلط تلفظ سے پڑھنے والا ہو تو مقتدی کے لیے کوئی حرج نہیں کہ وہ اپنی مسجد چھوڑ کر کسی درست اور صحیح پڑھنے والے کے پیچھے نماز تراویح ادا کرے۔اور اسی طرح اگر اس کی مسجد کا امام قرآت زیادہ کرتا ہو تو وہ دوسری مسجد میں جہاں قرآت کم ہوتی ہو جا کر تراویح پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ:

مشائخ کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ اسلاف نے قرآن مقدس کو پانچ سو چالیس رکوع بنالیا تھا اور مصاحف میں اس پر نشانیاں لگادی گئی تھیں۔حتیٰ کہ قرآن پاک ماہ رمضان کی ستائیسویں کو ختم ہو۔اس لیے کہ بکثرت اخبار اس پر دلالت کرتی ہیں کہ لیلۃ القدر ستائیسویں رات ہی ہے۔صاحب فتاویٰ قاضیخاں فرماتے ہیں: ہمارے اس شہر کے علاوہ قرآن پاک میں دس آیات پر نشان لگایا گیا تھا اور انہوں نے اس کو رکوع بنالیا تا کہ تراویح کی ہر رکعت میں بقدر مسنون پڑھا جائے۔

مسئلہ:

دو تسلیمات (یعنی ایک ترویحہ) کے درمیان قرآت کا برابر پڑھنا احسن اور افضل ہے۔اور اگر دونوں رکعتوں میں قرآت

برابر نہ بھی ہو تو کوئی حرج نہیں۔ البتہ ایک سلام میں (یعنی ایک شفع میں) دوسری رکعت میں قرآت کا لمبا کرنا مستحب نہیں۔ جیسا کہ تمام نمازوں میں مستحب ہے۔ اور اگر کسی نے پہلی رکعت کو دوسری رکعت سے قرآت میں لمبا کر دیا تو کوئی حرج نہیں بلکہ یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مختار ہے۔ اور امام ابو یوسف اور امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ کے نزدیک نماز ظہر اور عصر کی طرح دونوں رکعت میں برابر قرآت کرنا ہی صحیح ہے۔

مسئلہ:

تراویح میں بچوں کی امامت میں علماء کا اختلاف ہے۔ مشائخ عراق اور بعض مشائخ بلخ رحمہم اللہ کے نزدیک بچوں کی امامت جائز نہیں۔ اور بعض نے کہا جائز ہے۔ نصیر بن یحیٰی رحمۃ اللہ علیہ سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا جب بچہ دس سال کا ہو تو اس کے پیچھے نماز تراویح جائز ہے۔ اور امام شمس الائمہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا صحیح یہی ہے کہ اس کے پیچھے نماز تراویح جائز نہیں۔ کیونکہ بچہ غیر مخاطب ہے۔ اور اس کی نماز حقیقتاً نماز نہیں۔ لہٰذا اس کی امامت جائز نہیں جیسا کہ جنون والے کی امامت جائز نہیں۔ اور اگر بچہ بچوں کی امامت کرے تو جائز ہے اس لیے کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کے مثل ہے۔

(فتاوىٰ قاضیخان، اولین ص:112 تا 116)

مآخذ ومراجع

1	تفسیر کبیر	امام فخر الدین رازی متوفی 607ھ	دار الکتب العلمیہ طہران
2	تفسیر طبری	ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ	دار المعرفہ بیروت لبنان
3	تفسیر مظہری	قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی حنفی متوفی 1225ھ	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
4	تفسیر البحر المحیط	اثیر الدین ابو عبد اللہ محمد بن یوسف متوفی 754ھ	دار احیاء التراث العربی
5	تفسیر مدارک	ابو البرکات عبد اللہ حافظ الدین نسفی بن احمد متوفی 710ھ	دار احیاء الکتب العربیہ
6	تفسیر صاوی	احمد بن محمد صاوی مالکی متوفی 1241ھ	مصطفیٰ البابی حلبی
7	تفسیر جمل	ملا شیخ سلیمان جمل متوفی 1204ھ	قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی
8	تفسیر قرطبی	ابو عبد محمد بن احمد انصاری قرطبی متوفی 671ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت
9	تفسیر کشاف	علامہ جار اللہ محمود بن عمر زمخشری متوفی 528ھ	دار الکتاب العربی بیروت
10	تفسیر احمدیہ	احمد المدعو جیون بن ابی سعید امیٹھوی متوفی 1130ھ	مطبوعہ حسنی
11	احکام القرآن	ابو بکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی 370ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت
12	احکام القرآن	عماد الدین بن محمد طبری المعروف بکیا الہراسی متوفی 504ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت
13	بخاری شریف	ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ	دار الجیل بیروت
14	عمدۃ القاری شرح بخاری	علامہ بدر الدین عینی، متوفی 855ھ	مکتبہ رشیدہ کوئٹہ
15	فتح الباری شرح بخاری	علامہ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی 852ھ	دار المعرفہ بیروت
16	ارشاد الساری شرح بخاری	ابو العباس شہاب الدین احمد قسطلانی متوفی 923ھ	دار الفکر بیروت
17	صحیح مسلم	ابو الحسین مسلم بن حجاج بن مسلم قشیری متوفی 261ھ	اصح المطابع دہلی
18	نووی شرح مسلم	شیخ محی الدین ابو ذکریا یحییٰ بن شرف نووی متوفی 676ھ	اصح المطابع دہلی
19	سنن نسائی	حافظ ابی عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی متوفی 303ھ	دار السلام للنشر والتوزیع ریاض
20	سنن ابن ماجہ	حافظ ابی عبد اللہ محمد بن یزید ربعی بن ابن ماجہ قزوینی متوفی 273ھ	
21	جامع ترمذی	حافظ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی متوفی 279ھ	
22	تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی	محمد عبد الرحمن بن عبد الرحیم مبارکپوری متوفی 1353ھ	دار العلمیہ بیروت
23	سنن ابی داؤد	حافظ ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی 275ھ	دار السلام للنشر والتوزیع ریاض

24	عون المعبود شرح ابی داود	محمد شمس الحق عظیم آبادی	دار الکتب العلمیہ بیروت
25	شرح ابوداؤ	للشمس الحق ابن قیم جوزیہ حنبلی	"
26	سنن الکبریٰ	ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی 458ھ	نشر السنہ ملتان
27	جوہر النقی فی ذیل سنن الکبریٰ	علامہ علاء الدین بن بن عثمان ماردینی 845ھ	"
28	مسند امام احمد	ابوعبد احمد بن محمد بن حنبل، متوفی 241ھ	ادارہ احیاء السنہ گوجرانوالہ
29	معجم کبیر	حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی، متوفی 360ھ	ادارہ احیاء التراث العربی
30	مصنف عبدالرزاق	حافظ ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام، متوفی 211ھ	منشورات علمی سورت ہند
31	مؤطا امام مالک	ابوعبداللہ مالک بن انس المتوفی 319ھ	دار الفکر بیروت
32	شرح الزرقانی علی المؤطا	امام محمد بن عبدالباقی زرقانی، متوفی 1122ھ	"
33	صحیح ابن حبان	حافظ محمد بن حبان بن احمد بن حبان، متوفی 354ھ	دار الکتب العلمیہ
34	نیل الأوطار	محمد بن علی شوکانی، متوفی 1250ھ	دار احیاء التراث العربی
35	صحیح ابن خزیمہ	ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ متوفی 311ھ	المکتب الاسلامی بیروت
36	مرقاۃ شرح مشکوٰۃ	علی علی بن سلطان محمد القاری، متوفی 1014ھ	مکتبہ امدادیہ ملتان
37	اشعۃ اللمعات	علامہ عبدالحق بن سیف الدین دہلوی، متوفی 1052ھ	منشی نول کشور
38	ماثبت بالسنہ	علامہ عبدالحق بن سیف الدین دہلوی، متوفی 1052ھ	مطبع مجتبائی دہلی
39	جامع المسانید	ابوالمؤید محمد بن محمود خوارزمی، متوفی 665ھ	دار الکتب العلمیہ
40	الادب المفرد	ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، متوفی 256ھ	مکتبہ اثریہ سانگلا ہل
41	عمل الیوم واللیلۃ	ابوبکر احمد بن محمد المعروف بابن سنی، متوفی 364ھ	اصح المطابع کراچی
42	دلائل النبوۃ	ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی 458ھ	دار الکتب العلمیہ
43	شعب الایمان	ابوبکر احمد بن حسین بیہقی، متوفی 458ھ	"
44	مقاصد حسنہ	شیخ محمد بن عبدالرحمن سخاوی، متوفی 912ھ	دار الکتاب العربی
45	مصنف ابن ابی شیبہ	ابوبکر عبداللہ بن محمد ابی شیبہ، متوفی 235ھ	ادارۃ القرآن، کراچی
46	زرقانی علی المواہب	علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی، متوفی 1122ھ	ادارۃ المعرفہ بیروت
47	شرح معانی الآثار	ابوجعفر احمد بن محمد طحاوی، متوفی 321ھ	سعید اینڈ کمپنی، کراچی
48	مسند بزار	حافظ ابوبکر احمد بن عمرو بزار، متوفی 292ھ	مکتبۃ العلوم والحکم مدینہ منورہ
49	مسند ابویعلی	حافظ ابویعلی احمد بن علی بن مثنی، متوفی 307ھ	دار الفکر بیروت
50	مسند ابوعوانہ	امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق، متوفی 316ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت
51	مستدرک حاکم	حافظ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم، متوفی 405ھ	دار المعرفہ بیروت
52	سنن دار قطنی	حافظ علی بن عمر دار قطنی، متوفی 385ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت

نمبر	کتاب	مصنف	ناشر
53	حلیۃ الاولیاء	حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہان، متوفی 430ھ	دار الفکر
54	کنز الاعمال	للمتقی ھندی	التراث الاسلامی
55	فیض الباری شرح صحیح بخاری	انور شاہ کاشمیری	
56	فتاوی قاضیخاں	امام فخر الدین حسن بن منصور اوز جندی، متوفی 592ھ	حافظ کتب خانہ، کوئٹہ
57	خلاصۃ الفتاوی	امام طاہر بن احمد بن عبد الرشید، متوفی 542ھ	فضل احمد تاجر کتب پشاور
58	فتاوی عالمگیری		مطبہ مصطفائی دہلی
59	الھدایہ	علی بن ابی بکر بن عبد الجلیل فرغانی مرغینانی، متوفی 861ھ	مطبع مجتبائی دہلی
60	فتح القدیر	شیخ کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف بابن ہمام، متوفی 861ھ	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
61	عنایہ	امام اکمل الدین محمد بن محمود بابرتی، متوفی 786ھ	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
62	الکفایہ علی الھدایہ	امام جلال الدین خوارزمی، متوفی 988ھ	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
63	درمختار	محمد بن علی بن محمد علاء الدین حصکفی، متوفی 1088ھ	مطبع فتح الکریم بمبئی
64	ردالمحتار شرح درمختار	علامہ محمد امین الشہیر بابن العابدین، متوفی 1252ھ	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
65	بحر الرائق	علامہ زین العابدین بن محمد بن نجیم حنفی، متوفی 970ھ	ایم ایم سعید کمپنی کراچی
66	جوھرہ نیرہ	ابوبکر بن علی المعروف بالحدادی عبادی، متوفی 800ھ	مطبع مجتبائی دہلی
67	جامع الرموز	امام شمس الدین محمد خراسانی قہستانی، متوفی 962ھ	مکتبہ اسلامیہ ایران
68	مجمع الانہار	عبد الرحمن بن شیخ محمد بن سلیمان المدعو شیخ زادہ، متوفی 1078ھ	دار احیاء التراث العربی
69	فتاوی سراجیہ	سراج الدین اوشی	حافظ کتب خانہ کوئٹہ
70	منحۃ الخالق علی بحر الرائق	علامہ محمد امین الشہیر بابن عابدین، متوفی 1252ھ	ایم ایچ سعید کمپنی کراچی
71	شرح النقایہ	علامہ ملا علی قاری، متوفی 1014ھ	ایم ایچ سعید کمپنی کراچی
72	بدر المتقی فی شرح الملتقی	علامہ علاء الدین حصکفی، متوفی 1088ھ	دار احیاء التراث العربی
73	کبیری شرح منیۃ المصلی	شیخ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفی 456ھ	مطبع مجتبائی دہلی
74	تعلیق المجلی شرح منیۃ المصلی	علامہ مولانا وصی محمد	مطبع یوسفی لکھنؤ 1897ھ
75	الحاوی للفتاوی	علامہ سیوطی، متوفی 911ھ	مکتبہ نوریہ رضویہ
76	الحبائک فی الملک	علامہ سیوطی، متوفی 911ھ	
77	تاریخ طبری	ابوجعفر محمد بن جریر طبری، متوفی 310ھ	منشورات مکتبہ ارومیہ
78	البدایہ والنہایہ	حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر، متوفی 774ھ	مکتبہ قدوسیہ لاہور
79	کشف الظنون	علامہ مصطفیٰ بن عبداللہ المعروف بحاجی خلیفہ، متوفی 1017ھ	مکتبہ نور محمد کراچی
80	حجۃ اللہ علی العالمین	شیخ یوسف بن اسماعیل نبہانی، متوفی 1350ھ	مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد
81	شفاء السقام	علامہ تقی الدین سبکی شافعی، متوفی 756ھ	مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد

82	تہذیب التہذیب	حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی، متوفی 852ھ	دائرۃ المعارف نظامیہ
83	تہذیب الکمال	حافظ جمال الدین یوسف بن عبد الرحمٰن مزی، متوفی 742ھ	دار الکتب العلمیہ
84	میزان الاعتدال	محمد بن احمد بن عثمان ذھبی، متوفی 748ھ	دار الکتب العلمیہ بیروت
85	فیروز اللغات	اردو	
86	قاموس	وارث سرہندی	
87	منجد	معلوف یسوعی	
88	مصباح اللغات	ابو الفضل مولانا عبد الحفیظ بلیاوی	مکتبہ برہان، دہلی
89	الصحاح للجوھری	شیخ ابو نصر اسماعیل ابن حماد جوھری، متوفی 393ھ	دار العلم للملایین بیروت
90	لسان العرب	ابو الفضل ابن منظور جمال الدین، متوفی 711ھ	دار احیاء التراث عربی
91	قاموس	مجد الدین محمد فیروز آبادی، متوفی 817ھ	نول کشور لکھنؤ
92	مفردات راغب اصفہانی	علامہ حسین بن محمد بن مفضل، متوفی 502ھ	اصح المطابع کراچی
93	التمہید فی علم الکلام والتوحید	علامہ عبد الشکور سیالمی	
94	المستصفی	ابو حامد محمد بن محمد طوسی المعروف غزالی، متوفی 505ھ	
95		کلام سید عبد العزیز دباغ	مصطفی البابی حلبی
96	غنیۃ الطالبین	غوث صمدانی سید عبد القادر جیلانی، متوفی 561ھ	مطبوعہ لاہور
97	میزان الکبریٰ	قطب ربانی سیدی عبد الوھاب شعرانی، متوفی 973ھ	مطبع الازھر مصر
98	تنبیہ الغافلین	شیخ نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی، متوفی 372 تا 393ھ	عیسیٰ البابی حلبی
99	حصن حصین	محمد بن محمد بن جزری شافعی، متوفی 833ھ	انوار محمدی لکھنؤ
100	الموضوعات کبیر	علامہ ملا علی قاری، متوفی 1014ھ	میر محمد کتب خانہ کراچی
101	الاصول الاربعہ	خواجہ محمد حسن جان سرہندی	الیکٹرک پریس امرتسر، 1346ھ
102	تفسیر در منثور	علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، متوفی 911ھ	مکتبہ آیۃ اللہ العظمی مرعشی نجفی قم ایوان
103	الاتقان فی علوم القرآن	علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، متوفی 911ھ	مکتبہ آیۃ اللہ العظمی مرعشی نجفی قم ایوان
104	تاریخ بغداد	حافظ ابی بکر احمد بن علی خطیب بغدادی، متوفی 463ھ	دار الکتب العلمیہ
105	حجۃ الاسلام	مفتی محمود بن مفتی عبد الغیور	مطبوعہ استانبول 1399ھ
106	الترغیب والترھیب	الحافظ ابی محمد زکی الدین عبد العظیم بن عبد القوی منذری متوفی 656،	المکتبۃ العصریہ بیروت
107	مسائل احمد بن حنبل	ابی داؤد سجستانی	مطبوعہ مصر
109	بہار شریعت	حضرت مولانا محمد امجد علی اعظمی، متوفی 1367ھ	ضیاء القرآن پبلی کیشنز
109	فقہ الفقیہ	فقیہ اعظم مولانا ابو یوسف محمد شریف محدث کوٹلوی	فرید بک سٹال لاہور

نمبر	کتاب	مصنف	مطبع
110	سیف المقلدین	مولانا محمد عبد الجلیل پشاوری	مطبع دبدۂ احمدی
111	مجمع الزوائد	الہیثمی	مطبوعہ القدسی
112	مناقب کردوی	شیخ محمد بن محمد المعروف بابن بزاز کردوی، متوفی 827ھ	
113	الموفق	ابو المؤید امام موفق بن احمد مکی متوفی 436ھ	
114	خیرات الحسان	شہاب الدین احمد بن حجر ہیثمی مکی شافعی، متوفی 973ھ	
115	عصیدۃ الشھدۃ للخرپوتی	عمر بن احمد خرپوتی	
116	حاشیہ شیخ زادہ	شیخ محمد محی الدین محمد بن مصطفی المعروف بشیخ زادہ	
117	صواعق الٰھیہ علی اعداء ابی حنیفہ	علامہ محبوب احمد المعروف خیر شاہ حنفی امرتسری	
118	مقالات کاظمی حصہ دوم	علامہ سید سعید شاہ صاحب کاظمی رحمۃ اللہ علیہ	بزم سعید مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم، ملتان

ابوالعلاء محمد محی الدین جہانگیر کی تصانیف، ترجمہ شرح وتخریج کی ہوئی کتب